سراب زندگی

ذکیہ بلگرامی

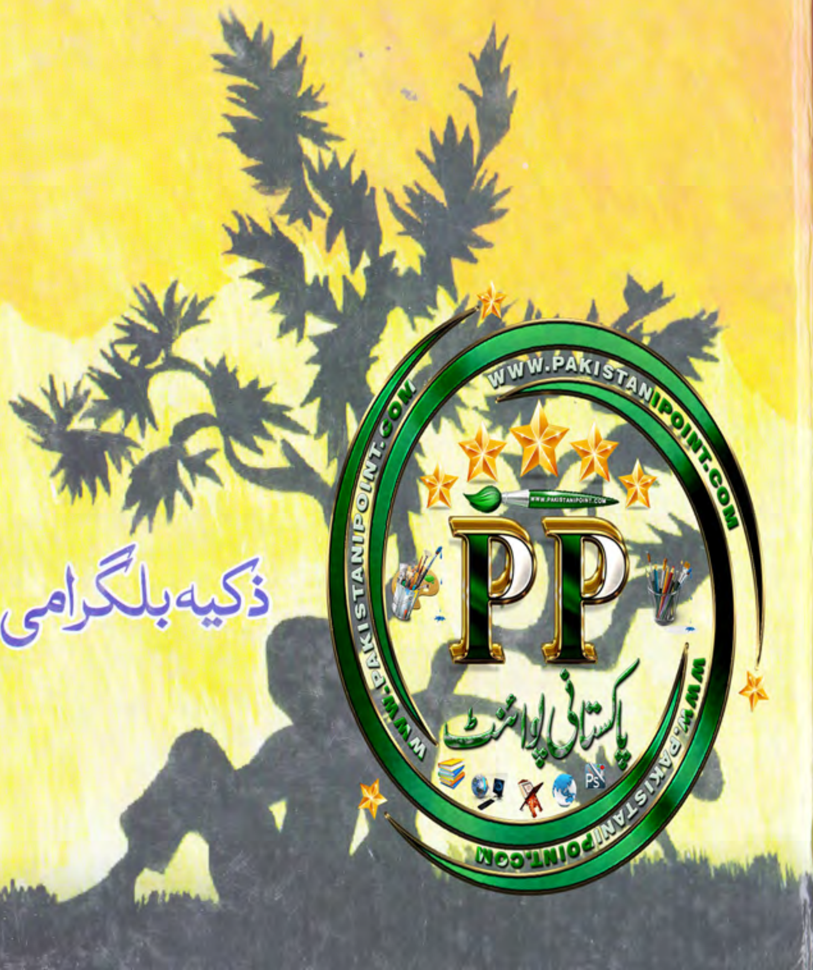

WWW.PAKISTANIPOINT.COM
پاکستانی پوائنٹ

سرابِ زندگی

ذکیہ بلگرامی

طاہر سنز پبلشرز
۴۰-بی، اُردو بازار-لاہور
فون:7234137 فیکس:7312159
Website: www.tahirsonspublishers.com
E-mail: info@tahirsonspublishers.com

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

نام کتاب ــــ ــــ سرابِ زندگی

مصنفہ ــــ ــــ ذکیہ بلگرامی

ٹائٹل ڈیزائن ــــ ــــ محمد عامر

کمپوزنگ ــــ ــــ عاصم شہزاد (طاہر سنز آرٹ سیکشن)

ناشر ــــ ــــ سیّد فرحان زیدی

مطبع ــــ ــــ محمد سیّد شاہ پرنٹنگ پریس

سن اشاعت ــــ ــــ فروری 2008ء

قیمت ــــ ــــ [redacted] روپے

انتساب

ان خوبصورت یادوں کے نام
جو میرے دل میں ہمیشہ زندہ رہیں گی

پاکستانی ڈائجسٹ ویب سائٹ ڈاٹ کام

تبصرہ

یہ میری عزت افزائی ہے کہ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی نے اپنی تحریر پر میرا تبصرہ مانگا ہے۔ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی متعدد ہنر رکھتی ہیں اور وہ نہ صرف افسانہ نویس بلکہ ایک کہنہ مشق ناول نگار بھی ہیں۔ وہ تقریباً عرصہ تین دہائیوں سے مختلف ذوق رکھنے والے قارئین کو ان کی تسکینِ طبع کا سامان بہم پہنچا رہی ہیں۔ مزید ان کی تحریر میں محض تفریحی مضامین ہی نہیں بلکہ ان میں معاشرے کے مختلف پہلوؤں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور ان کو بہت ہلکے پھلکے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس بات کا انحصار پڑھنے والے کے ذہنی معیار پر ہے کہ وہ اس کا کیا اثر لے۔ ڈاکٹر ذکیہ کی تحریر میں روانی اور واقعات میں دلچسپ تسلسل ہوتا ہے جو قارئین کی محویت کو برقرار رکھتا ہے۔ زبان شستہ اور سادی ہے۔ اُردو میں کسی دوسری زبان کی آمیزش برائے نام ہے۔ کچھ وقت ان کے ساتھ گزارنے سے اور ان کی تحریروں کو پڑھنے سے یہ اندازہ ہوا کہ وہ اپنے اطراف میں رونما ہونے والے روزمرہ کے واقعات کو بہت جلد جذب کر لیتی ہیں اور پھر اس کو اپنی تحریر میں بڑے مناسب مقام پر لاکر چسپاں کر دیتی ہیں۔ اس طرح تحریر میں مزید لطف پیدا ہو جاتا ہے۔

حال ہی میں مجھے ان کے ناول ''سرابِ زندگی'' پڑھنے کا موقع ملا۔ کہانی کا زمانہ بعد تقسیم براعظم کا ہے اور مرکز ایک ایسا گھرانہ ہے جس کو اس تقسیم نے معاشی لحاظ سے بہت مفلوج کر دیا ہے۔ جن قارئین نے وہ زمانہ دیکھا ہے اور اس سے بلواسطہ یا بلاواسطہ گزرے ہیں وہ ان تمام تفصیلات سے جو انہوں نے قلمبند کی ہیں، محظوظ ہوں گے۔ اس زمانے میں کسی گھرانے کی آمدنی، اشیاءِ خوردونوش کی قیمتیں، سواریوں کے کرائے، یہ سب شاید آج کی نسل کے لئے ناقابل تصور ہوں۔

ناول کے مختلف کرداروں کو مصنفہ نے اس عمدگی سے تراشہ ہے کہ پڑھنے والوں کو ان کی فطرت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے ہر کردار کی ایک شبیہ بن جاتی ہے اور کہانی ایک فلم کی طرح آنکھوں میں گھومنے لگتی ہے۔

ابرار علی کا فطرتاً غصہ کا تیز ہونا اور پھر کڑوا کریلا نیم چڑھا کے بمصداق، معذوری، اس نے نہ صرف ان کو چڑچڑا بنا دیا بلکہ کسی حد تک بے حس اور خودغرض۔ گھر کے حالات سے بے نیاز، ایک

چاہئے نہ ملنے پر ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ ان کی زندگی سے لاتعلقی اور اپنی ذمہ داریوں سے چشم پوشی کا اولاد پر منفی اثر بڑا لازمی تھا۔ لہٰذا اکبر علی شیر ہو گئے اور اس کا سب سے زیادہ نزلہ فاخرہ پر گرتا ہے۔ انہوں نے اس کی ہر چھوٹی سے چھوٹی خوشی کو پامال کر دینے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ اس کا منظر ڈاکٹر ذکیہ یوں بیان کرتی ہیں کہ جب فخری آٹھویں کلاس میں اوّل آنے کی خوشی میں مگن گھر میں داخل ہوتی ہے سب سے پہلے بڑے بھیا سے مڈبھیڑ ہوتی ہے اور وہ اس کے کھلے بال، جو بے خیالی میں ربن گر جانے کی وجہ سے کھل گئے تھے، دیکھ کر اس کی خوب درگت بناتے ہیں اور پھر غربت کے مارے ماں باپ میں مٹھائی نہ منگا سکنے پر تلخ کلامی ہو جاتی ہے۔ یہ سب فاخرہ کو عرش سے فرش پر لانے کے لئے کافی تھا۔

سونے پر سہاگہ، فخری کے کردار پر اتنی سخت نگاہ رکھنے والے بڑے بھیا خود کیا کر رہے تھے۔ مسرت بھابی کی صورت میں ایک کمزور اور مجبور عورت پیش کی گئی ہے۔ سب کچھ جانتے بوجھتے بھی ان کے اندر کچھ کرنے یا پوچھنے کی ہمت نہ تھی اور وہ گھل مل کر ہنستے ہوئے اکبر علی اور اپنی چھوٹی بہن نگہت کو مسکرا مسکرا چاء پیش کرتی رہیں۔

ادھر دردانہ سب سے بے خبر، اپنی بربادی کی طرف خود ہی گامزن تھیں۔ وہ منظر جب وہ آدھی رات کو جھاڑی کے پیچھے سے اپنے عاشق سے ملتی ہیں اور اس پر فخری کی حالت، بہت عمدہ طریقہ سے قلمبند کئے گئے ہیں۔

ان تمام نامصائب حالات کا فخری اور اصغر علی نے جس ہمت، ثابت قدمی، الوالعزمی اور صبر و تحمل سے مقابلہ کیا وہ مثالی ہے۔ ان اُصولوں پر چل کر ان دونوں بھائی بہنوں نے ایک لمبی مسافت طے اور اپنی منزلِ مقصود پائی۔ یہ صورتِ حال معاشرے میں ایک مثال کے طور پر لی جا سکتی ہے۔

معاشرے کے ایک اور پہلو کو بھی ڈاکٹر ذکیہ نے ''سرابِ زندگی'' میں اُجاگر کیا ہے اور وہ کم عمری میں نکاح کا بندھن قائم کر دینا۔ یہی وہ سراب تھا جس کے پیچھے فخری بھاگتی رہی اور زندگی کہاں سے کہاں نکل گئی۔

مغربیت کے بے جا اثرات کی منظر کشی منی بیگ کی سوچ اور طور طریقوں سے کی گئی ہے اور اس سے متاثر ہونے والی منیرہ جب شرافت کا لباس اُتار کر بے راہ روی کی راہ پر چل دیتی ہے تو اس کا انجام بھی سبق آموز۔

ذکیہ بلگرامی کی تحریر میں چھچھوری عشق و عاشقی نہیں، جذبہ کشش البتہ موجود ہے۔ جس کا اظہار بردبار طریقے سے مناسب موقع پر نظر آتا ہے۔ جس طرح ڈاکٹر صفدر زبان سے کچھ نہ کہہ کر بھی بہت کچھ کہہ گئے۔ ڈاکٹر صفدر کا جذبہ پختہ عمر کا اٹل فیصلہ دکھایا ہے اور از خود اپنے اندر ایک

پیغام رکھتا ہے۔ یہ ڈاکٹر ذکیہ کے آئیڈیل ہیرو ہیں۔

تحریر میں صرف قنوطیت ہی نہیں مزاح بھی ہے اور مزاح کا لطف اس وقت آتا ہے جب بلی کا سر اماں کے مرادابادی لوٹے میں پھنس جاتا ہے اور وہ بیچاری اُچھل اُچھل کر اپنا سر نکالنے کی کوشش کر رہی ہے اور اماں لوٹے کی خیریت کے لئے بے چین ہیں۔

ڈاکٹر ذکیہ خود چائے کی شوقین نہیں ہیں مگر ناول میں کرداروں کی ہمیشہ چائے کی سجی ہوئی ٹرالی سے یوں کروائی جاتی ہے کہ پڑھنے والے کی بھی چائے کی طلب جاگ اُٹھے۔

ناول میں ایک نہیں بلکہ تقریباً سبھی کردار اہمیت کے حامل ہیں، کچھ مثبت انداز میں اور کچھ منفی۔ گو وہ ایک خاندان اور ایک دور سے تعلق رکھتے ہیں مگر ان کی سوچ، ذہنی اور اخلاقی قدریں اور ترجیحات جدا جدا ہیں۔ اسی تگ و دو میں ہر ایک کی ایک الگ کہانی ہے۔ تاہم پورے ناول میں کہانی کہیں بھی بھٹکتی نہیں اور لگتا ہے گویا پوری ناول ایک ہی نشست میں لکھی گئی ہے۔

مجموعی طور پر ڈاکٹر ذکیہ کا نام ناول نگاری میں ایک اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ معاشرے کے بعض حلقوں، بطورِ خاص، سائنس دانوں میں، عموماً یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ ناول اور افسانہ نگاری اور بینی، وقت کا زیاں ہے اور ایک چھوٹی سی بات کو بلا وجہ طول دے دیا جاتا ہے۔ میں انہی نام نہاد سائنس دانوں کو دعوت دیتی ہوں کہ وہ اس ناول کو کھلے دماغ سے پڑھیں اور پھر بتائیں کہ جو منظر نگاری مصنفہ نے کی ہے اور جتنی تفصیلات دی ہیں، اگر وہ اس میں سے نکال دیا جائے تو کیا کتاب میں کوئی چاشنی باقی رہ جائے گی؟ لطف اور لذت تو ایک طرف، بغیر الفاظ کے ناول کے کردار ہی تخلیق نہیں ہو سکتے۔ وہی لوگ شاید میری اس بات کو بھی بہتر سمجھ سکیں کہ قدرت نے حیاتیاتی نظام میں لاتعداد اہلیتیں رکھی ہیں جو انتہائی متوازن ہیں اور کسی بھی نظام کی صحت کے لئے ان تمام اہلیتوں کا متوازن ہونا بھی لازم ہوتا ہے۔ اس کو Balanced Poly Morphism کہتے ہیں۔ جب ہم بطور سائنس دان تحقیق کرتے ہیں تو اپنے تجزیہ کرنے والی اہلیت کو بروئے کار لاتے ہیں اور وہی سائنس دان جب کسی دوسرے فن کا مظاہرہ کرتا ہے تو اپنے ذہن کا وہ حصہ استعمال کرتا ہے جس میں فنونی حساسیت ہوتی ہے اور میں یہاں یہ بتانا چاہوں گی کہ ڈاکٹر ذکیہ ایک ایسی ہی ہستی ہیں جن میں قدرت نے سائنسی تجزیہ نگاری اور قلم کاری ایک ساتھ سمو دی ہیں۔ ان کی اعلیٰ تعلیم اُردو ادب یا لسانیات میں نہیں بلکہ ایک حیاتیاتی علم میں ہے۔

پروفیسر ریحانہ واحدی
شعبہ خرد حیاتیات
جامعہ کراچی

مجھے کچھ کہنا ہے

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی ایک فطری قلم کارہ ہیں۔ ان کی کہانیاں اپنے فطری بہاؤ کے ساتھ پڑھنے والے کو بہائے چلی جاتی ہیں۔

ذکیہ کے ناول پڑھنے کے بعد ایسا لگتا ہے جیسے کبھی دل مٹھی میں رکھ لیتی ہیں اور کبھی روح میں اُتر کر گھر بنا لیتی ہیں۔

عام لوگوں کے عام حالات کے بارے میں عام فہم انداز میں لکھنا سب سے مشکل ہے مگر ذکیہ بلگرامی کے لئے یہ مشکل، مشکل نظر نہیں آتی۔

اس ناول میں بھی ان کا اندازِ تحریر انسان کو مسائل سے جنگ کرتے ہوئے جینے کی ایک نئی اُمنگ دیتا ہے اور اس جذبے میں ایک عجیب اپنائیت اور ایک گھریلو پن سا ہے۔ ان کی تحریر کی اپنائیت اور ان کی شخصیت کی محبت بہت جلد اپنا اسیر بنا لیتی ہے۔

ذکیہ بلگرامی کی تحریروں کا یہ خاص وصف ہے کہ وہ عورت کے درد کو اپنے اوپر وارد کر لیتی ہیں اور ایسی کہانیاں تخلیق کرتی ہیں جن میں حقیقی زندگی سانس لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناول عوام اور خواص دونوں میں بے حد مقبول ہیں کہ ان کا ہر ناول اپنے اندر سچی کہانیاں سمیٹے ہوئے ہوتا ہے۔

ذکیہ بلگرامی چونکہ شاعرہ بھی ہیں۔ اس لئے ان کی نثر میں بھی شاعرانہ انداز رَچا ہوا نظر آتا ہے۔

ذکیہ بلگرامی کے ناولوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ آسان فہم ہیں وہ سادہ اور سلیس زبان استعمال کرتی ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود مشکل نویسی سے گریز کرتی ہیں اور علمیت کے بھاری پتھر بھی اپنے قارئین کے کاندھوں پر نہیں رکھتیں۔

اُن کے ناولوں میں بیان کردہ کہانیاں ہر دوسرے گھر کی کہانیاں ہیں۔ ہمارے معاشرتی رویوں کی عکاسی وہ اس انداز سے کرتی ہیں کہ ہر ایک کو اس آئینے میں اپنا چہرہ نظر آجاتا ہے۔

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی خوابوں کے الف لیلوی جہان میں نہیں رہتی اور نہ محض شوقیہ شاعری کرتی ہیں شعر ان کے اندر سے پھوٹتے ہیں جو کبھی پھولوں کی طرح ہوتے ہیں اور کبھی زخموں کی طرح محسوسات کے اس خزینے نے ان کی نثر کو بے حد مؤثر بنا دیا ہے۔

وہ بات کہنے کا ہنر جانتی ہیں۔ ایک اچھے ناول کو لے کر کیسے چلا جاتا ہے۔ وہ اس سے بخوبی واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناول کی ہر سطر میں ان کا تجربہ بولتا نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کا یہ ناول بھی ''معلم'' کا درجہ رکھتا ہے جس کو پڑھ کر یقیناً آپ بہت کچھ سیکھیں گے۔

انجم انصار

مدیرہ

ماہنامہ پاکیزہ کراچی

پیش لفظ

ناول ''سرابِ زندگی'' میری لکھی ہوئی چند اچھی ناولوں میں سے ایک ہے۔ یہ ناول آج سے 25 سال قبل لکھا گیا تھا۔ اس زمانے میں نہ موبائل تھے نہ انٹرنیٹ۔ آپس میں گفتگو خط و کتابت کے ذریعہ ہی ہوتی تھی۔ ٹیلی فون پر کہی گئی بات لوگ بھول جاتے ہیں لیکن خط میں لکھے گئے الفاظ محفوظ رہتے ہیں اور اکثر بہت زیادہ بدگمانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

زیرِ نظر ناول میں منیرہ کا کردار حقیقی ہے جس کا نکاح اس کی اپنی مرضی سے اس کے ماموں زاد سے ہو جاتا ہے لیکن بوجوہ رُخصتی ٹلتی رہتی ہے۔ آپس میں خط و کتابت، ناچاقی، بدگمانی، لوگوں کے غلط مشورے، غیر ضروری دخل اندازیاں اور بعض رشتہ داروں کا حاسدانہ رویہ ان کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیتے ہیں۔ اس دوران سات سال کا عرصہ گزر چکا ہوتا ہے۔ میں نے شعوری طور پر یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ نکاح کے بعد غیر ضروری طور پر اور لمبے عرصے کے لئے میاں بیوی کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں رہنا چاہئے۔

ناول میں منصور کا کردار حاوی ہے۔ میں نے ایک مرد کی سوچ، اس کی نفسیات، پل پل بدلتے نظریات اور خیالات کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ شخص جس نے ایک لڑکی کی ظاہری خوبصورتی یا کشش سے متاثر ہو کر شادی کی تھی جب وہی لڑکی بیوی بنتی ہے تو اس کی حیثیت، لباس، سلیولس، بلاؤز اور بناؤ سنگھار اسے اس سے متنفر کر دیتے ہیں۔ وہ کوئی دلیل کوئی بات سننے کا روادار نہیں ہوتا۔

زندگی دراصل ایک سراب ہے۔ اس ناول میں فخری، منیرہ، منصور کے کردار ایک

مثلث کی صورت میں نمایاں ہیں۔ ناول کے تقریباً تمام ہی کردار سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ بھاگتے بھاگتے پاؤں زخمی ہو جاتے ہیں۔ زخموں سے لہو ٹپکتا ہے۔ کوئی جائے پناہ نہیں ملتی۔ زندگی انہیں ہر قدم پر کسی نہ کسی امتحان سے گزارتی ہے مگر خوشی کا کوئی لمحہ ان کے نصیب میں نہیں لکھا جاتا۔ منیرہ کی کہانی مختلف پیچ وخم سے گزرتے گزرتے اپنے منطقی انجام کو پہنچ جاتی ہے۔

ایک طویل عرصے کے بعد یہ ناول دوبارہ منظر عام پر آرہا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ میرے پڑھنے والے ہمیشہ کی طرح اس ناول کو دلچسپ اور حقیقت کے قریب تر پائیں گے۔

مصنفہ

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی

پاکستانی وقار ڈیوائس ڈاٹ کام

Pakistanipoint

سرابِ زندگی

Waqar Azeem

ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔

تانگہ سبک رفتاری سے صاف شفاف سڑک پر رواں دواں تھا۔تانگے کی پچھلی سیٹ پر تین لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں اور آگے کی سیٹ خالی پڑی تھی۔تانگے والا عمر رسیدہ انسان تھا۔موسم کی دلفریبی نے اس کے بوڑھے وجود میں جوان روح پھونک دی تھی اور وہ چابک ہوا میں لہراتا کوئی فلمی گیت زیرلب گنگناتا بڑھے چلا جارہا تھا۔پیچھے بیٹھی ہوئی لڑکیوں میں سے ایک نے برقع اوڑھ رکھا تھا اور اُس کے چہرے پر نقاب تھی۔باقی دو لڑکیاں ابھی اتنی کم عمر تھیں کہ برقع کی جھنجھٹ سے آزاد تھیں لیکن اپنی کم سنی کے باوجود سفید ململ کے جوڑے دوپٹے سروں سے ڈھانکے ہوئے تھیں اور بغل میں کتابیں تھیں۔تانگہ اپنی سینیالائن سے ہوتا ہوا اب جٹ لائن کی سڑک پر آ گیا تھا۔

پھوار بدستور تھی۔

بہت ہلکی

بڑی خوبصورت

ذرا سی دیر میں تانگہ مین روڈ سے اُتر کر کچے میں اُتر آیا۔یہاں سامنے ہی مہاجر کیمپ قطار سے لگے ہوئے تھے۔نیم کا بہت پرانا درخت اپنی شاخیں پھیلائے جھوم رہا تھا۔تانگے والے نے اپنا تانگہ نیم کے درخت کے نیچے روکا اور اُتر کر سامنے والے کیمپ کے دروازے پر چابک سے دستک دینے لگا۔

چٹائی کا بنا ہوا دروازہ پل بھر میں کھل گیا اور کھلے بالوں والی چھوٹی سی بچے نے منہ نکال کر کہا ''تانگے والے رکو۔ آپا تیار ہو رہی ہیں۔''

تانگے والا واپس جا کر گھوڑے کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اور پیار سے اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

پیچھے بیٹھی ہوئی دونوں کمسن لڑکیاں اپنی پسندیدہ ''مس'' کی باتیں کر رہی تھیں اور برقع پوش لڑکی خاموش بیٹھی تھی۔ پھر وہ برقع پوش لڑکی جس کا نام منیرہ واسطی تھا، آہستہ سے اُتر آئی اور اپنی دوست فاخرہ خاتون کے کیمپ میں داخل ہو گئی۔

''آؤ منیرہ بیٹھو بس بال بنا لوں، میں تیار ہوں۔'' فاخرہ نے کہا۔

''تم ہمیشہ دیر سے تیار ہوتی ہو فاخرہ۔'' منیرہ نے کہا ''روزانہ ہم لوگوں کو انتظار کرنا پڑتا ہے۔''

''لو بھئی ہو گئی تیار۔'' فاخرہ نے اپنے بال ربن سے کسے ہوئے کہا۔

فاخرہ اور منیرہ دونوں کی عمریں تیرہ اور چودہ سال کے درمیان تھیں۔ دونوں آٹھویں جماعت میں پڑھتی تھیں اور تین برسوں سے ایک ساتھ اسکول جا رہی تھیں، دونوں میں بہت گہری دوستی تھی۔

فاخرہ نے نیا ململ کا دوپٹہ جو کل ہی ڈیڑھ روپے میں خریدا گیا تھا، سر سے اچھی طرح لپیٹا پھر دونوں سہیلیاں کیمپ سے نکل کر تانگہ میں بیٹھ گئیں۔ اس دوران دونوں چھوٹی لڑکیاں آگے آ چکی تھیں۔ تانگہ پھر چل پڑا۔ ابھی تانگے والے کو چار مزید لڑکیاں بٹھانی تھیں۔ وقفہ بوقفہ سے وہ لڑکیوں کو لیتا اسکول کی طرف رواں ہو گیا۔ تانگے میں آٹھ لڑکیاں ٹھنسی ہوئی تھیں جو جیکب لائن اسکول میں مختلف جماعتوں میں زیر تعلیم تھیں۔ تانگے والا ہر لڑکی سے پانچ روپے ماہانہ کے حساب سے کرایہ وصول کرتا تھا یوں اُسے اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی۔ صبح ساڑھے سات بجے سے پہلے اسکول پہنچانا اور ساڑھے بارہ بجے چھٹی کے بعد سب لڑکیوں کو واپس گھروں کو چھوڑنا اُس کا کام تھا اور یہ کام بوڑھا تانگے والا تین برسوں سے بہت مستعدی اور ذمہ داری سے نبھا رہا تھا۔

اسکول پہنچتے پہنچتے پھوار تیز ہو گئی۔ اسکول کے گیٹ پر تانگہ رک گیا۔ آٹھوں لڑکیاں ایک کے بعد ایک تانگہ سے اُوپر کر اسکول کے اندر بھاگ گئیں۔ فاخرہ اور منیرہ بھی تیز قدموں سے چلتی ہوئی اپنی کلاس میں پہنچ گئیں ابھی اسکول لگنے میں پندرہ منٹ باقی تھے اور جس روز بوندا باندی ہوتی

ہے اُس روز اسمبلی نہیں لگتی تھی۔ گھنٹی بجنے پر کلاس ٹیچر کلاس میں پہنچ جایا کرتی تھیں اور اگر قسمت سے بارش تیز ہو جاتی تو پھر کیسی پڑھائی اور کہاں کی لکھائی کلاس ٹیچر کو بہانہ ہاتھ آجاتا اور پھر اِدھر اُدھر کی باتوں لطیفوں میں پورا پیریڈ گزر جاتا۔ کوئی کوئی سر پھری اُستانی ایسی بھی تھی جو آندھی ہو یا طوفان اپنی کلاس ضرور لیتی تھی۔ ورنہ اکثر اُستانیاں ایسے موقعوں پر فراخ دلی کا ثبوت دیا کرتی تھیں۔

آج موسم کی خوبصورتی کے پیش نظر فاخرہ کی کلاس میں پڑھائی برائے نام رہی۔ یہاں تک کہ بریک ہو گئی۔ لڑکیاں مرغی کے چوزوں کی مانند کلاسوں سے نکل کر کمپاؤنڈ میں بکھر گئیں۔ روزانہ کی طرح گیٹ پر آئس کریم، سموسے اور کھٹے میٹھے چورن بیچنے والے مختلف ٹھیلے موجود تھے۔ خاص طور پر سموسے کی لذت تو پورے اسکول میں مشہور تھی۔ آج فاخرہ خاتون کا بہت دل تھا کہ وہ گیٹ سے سموسے خرید کر کھائے۔ ایک آنے کے دو سموسے آتے تھے اس نے اپنا جیومیٹری بکس کھول کر دیکھا اُس میں اکنی پڑی تھی۔ مگر اُسے منیرہ کا بھی خیال تھا۔ اگر وہ سموسے لے بھی لیتی تو دو آدمیوں کا کیا بھلا ہوتا یہی سوچ کر اُس نے اپنا جیومیٹری بکس بند کر دیا۔ مگر منیرہ نے اُس کی دلی کیفیت بھانپ لی تھی۔ وہ فاخرہ کا ہاتھ پکڑ کر سیدھی گیٹ پر پہنچی اور دو آنے کے چار سموسے خرید لائی۔ فاخرہ نے کچھ بھی نہ کہا۔

دونوں سہیلیاں کنارے پڑے پتھروں پر بیٹھ گئیں اور مزے لے لے کر سموسے کھانے لگیں۔ آج شاید مرچیں زیادہ تھیں فاخرہ سوں سوں کرنے لگی۔ دونوں حوض پر پہنچ گئیں تاکہ ٹھنڈے پانی سے پیاس بجھا سکیں۔ حوض کے چاروں طرف نل لگے ہوئے تھے اور سیمنٹ کی منڈیر بنی ہوئی تھی جس پر بیٹھ کر لڑکیاں چلو میں پانی بھر بھر کر پیتی تھیں۔ منیرہ نے خوب سیر ہو کر پانی پیا مگر فاخرہ چند گھونٹ سے زیادہ نہ پی سکی۔

''تمہیں تو بہت مرچیں لگ رہی تھیں فاخرہ پھر پانی کیوں نہ پیا؟'' منیرہ نے پوچھا۔

''پی تو لیا!''

''دو گھونٹ پیے ہیں تم نے۔''

''دراصل کل سنا تھا کہ حوض کے اندر سے بے شمار کیڑے اور مینڈک وغیرہ برآمد ہوئے۔ بس اس لیے طبیعت نہیں کرتی۔''

''تو اب تو صاف ہو گیا حوض، اب کیا ہے۔''

''ہاں صاف تو ہو گیا ہے مگر طبیعت کی بات ہے۔'' فاخرہ نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی۔

بریک ختم ہوگئی مگر اگلا پریڈ فری تھا۔ حساب کی مس آج غیر حاضر تھیں۔ وہ بے چاری اپنے ہر سال ہونے والے بچوں میں اس قدر مصروف تھیں کہ حساب کے تمام طریقے بھول چکی تھیں۔ کبھی کلاس میں آتیں کبھی گول کر جاتیں۔ جب آتیں تو کسی ہوشیار لڑکی کو بلا کر بلیک بورڈ پر سوال حل کرواتیں وہی پوری کلاس نقل کر لیتی۔ مگر آج تو وہ سرے سے آئی ہی نہ تھیں اس لیے فاخرہ اور منیرہ دونوں کے پاس باتیں کرنے کا بہت وقت تھا۔

اب پھوار رک گئی تھی مگر آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ دونوں لڑکیاں کمپاؤنڈ میں بنے ہوئے وسیع چبوترے کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔

''فخری تم بھی تو کسی روز ہمارے گھر آؤ۔'' منیرہ نے کہا'' ہماری دوستی کو تین سال ہو گئے اور میں اکثر تمہارے گھر جاتی ہوں مگر تم آج تک ہمارے گھر نہیں آئیں۔''

''ہم روزانہ مل تو لیتے ہیں گھر آ کر میں کیا کروں گی۔'' فاخرہ نے کہا۔

''میں بھی تو تمہارے گھر آتی ہوں۔''

''تمہاری اور بات ہے۔'' فاخرہ نے جواب دیا۔'' ایک تو میرا گھر راستے میں پڑتا ہے اس وجہ سے تم زیادہ آتی ہو دوسرے تمہارا بھائی تمہیں میرے گھر سے آ کر لے جاتا ہے پہنچا جاتا ہے اور میرا معاملہ دوسرا ہے تمہیں بڑے بھیا کی عادت معلوم ہے اور بابا کا مزاج بھی جانتی ہو۔''

''کیوں کیا تمہارے بابا اور بڑے بھیا کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟''

''یہ بات نہیں منیرہ۔'' فاخرہ نے کہا'' بات صرف تمہاری نہیں ہے بابا مجھے کسی کے گھر نہیں بھیجتے اور بڑے بھیا تو بابا سے بھی زیادہ سخت ہیں۔''

''مجھے تو تمہاری بات کا یقین نہیں آتا۔'' منیرہ نے کہا۔'' تم خود بہانے بناتی ہو۔ اب یہی دیکھ لو تمہارے برابر کی لڑکیاں برقع اوڑھ کر اسکول آتی ہیں۔ میں خود پچھلے برس سے برقع اوڑھ رہی ہوں مگر تم تو مزے سے یونہی آتی ہو اور پھر بال تو دیکھو اپنے، چھوٹے چھوٹے پٹھے کر رکھے ہیں ربن سے کس کر باندھ لیتی ہو ورنہ پوری انگریز لگتی ہو۔''

منیرہ کی بات پر فاخرہ اُداسی سے مسکرانے لگی۔

''بھئی بال تو اتفاق سے جل گئے تھے اس وجہ سے چھوٹے ہو گئے اور برقع بھی عنقریب اوڑھ لوں گی میں، پھر تمہاری شکایت دور ہو جائے گی۔''

''میں شکایت کب کر رہی ہوں پاگل میں مذاق کر رہی تھی۔'' منیرہ نے ہنس کر کہا۔ ''مجھے پتہ ہے تمہارے بابا اجازت نہیں دیتے اچھا میں کسی دن تمہاری امی سے اجازت لے کر تمہیں اپنے گھر لے جاؤں گی تمہاری امی بہت اچھی ہیں بہت خوبصورت۔ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔''

''ہاں میری امی بہت اچھی ہیں۔'' فاخرہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

باتیں کرتے کرتے پورا پیریڈ گزر گیا۔ پھر دونوں کلاس روم میں آ گئیں۔ ساڑھے بارہ بجے چھٹی ہوئی تو تانگہ گیٹ پر موجود تھا۔ کئی اور بھی تانگے لائن سے کھڑے تھے۔ فاخرہ اور منیرہ اپنے تانگے پر سوار ہو گئیں۔ باقی لڑکیاں بھی بھاگ بھاگ کر اپنی جگہوں پر ٹھنس گئیں اور تانگہ اپنی مخصوص رفتار سے جٹ لائن کی طرف روانہ ہو گیا۔

..........✿..........

پاکستان بنے ہوئے آٹھ سال گزر چکے تھے اور فاخرہ کی فیملی کو آئے ہوئے تین سال ہو گئے تھے۔ فاخرہ کے والد ابرار علی مراد آباد میں وکیل تھے کچھ اپنی زمینیں بھی تھیں پرانے وقتوں کی کوٹھی تھی۔ بڑے مزے میں گزر بسر ہو رہی تھی۔ دو لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ پھر سب کی دیکھا دیکھی یہ لوگ بھی پاکستان ہجرت کر آئے۔ ابرار علی نے سوچا تھا کہ پاکستان جا کر پریکٹس شروع کر دیں گے مگر قسمت نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ کراچی کا سب سے پہلا تحفہ اُنھیں یہ ملا کہ اُن کی ٹانگیں ایک موٹر کے حادثے میں ختم ہو گئیں۔ اب بیساکھیاں اُن کا سہارا تھیں۔ بڑا لڑکا اکبر علی ایف اے کر کے ملازم ہو گیا تھا اس کی تنخواہ صرف ایک سو دس روپے ماہانہ تھی۔ سونے پر سہاگہ یہ کہ مراد آباد سے روانگی کے وقت وہ اپنی بھتیجی مسرت کا نکاح اکبر علی سے کر کے بہو کو ساتھ لے آئے تھے۔ اکبر علی کے بھی دو بچے تھے ایک بیٹا۔ ایک بیٹی۔ دوسری لڑکی دردانہ خاتون تھیں جو شادی کے سال بھر بعد بیوہ ہو کر باپ کی ریلیز پر آ گئی تھیں اُن کی گود میں بھی دو سال کی بچی تھی۔

دردانہ کے بعد اصغر علی، پھر فاخرہ خاتون اور سب سے چھوٹی ریحانہ خاتون تھی جس کی عمر صرف سات سال تھی۔

یعنی ابرار علی کے گھر میں کل گیارہ افراد رہائش پذیر تھے۔ معمولی آمدنی اور اتنا اہل خانہ۔ انتہائی تنگی سے گزر بسر ہو رہی تھی دو وقت روٹی چلنا بھی دشوار تھی۔ پھر اصغر اور فاخرہ کی پڑھائی کے بھی اخراجات تھے۔ اور اب ریحانہ بھی اسکول جانے کے لائق ہو رہی تھی۔ تمام اہل خانہ کی نظریں اصغر کی جانب لگی ہوئی تھیں۔ وہ اس سال دسویں میں آیا تھا۔ بابا کا خیال تھا اصغر میٹرک کر لے تو

اُسے بھی کسی دفتر میں لگوا دیا جائے۔ اس طرح کم از کم فاقہ کشی سے تو نجات مل جائے گی مگر فاخرہ کے خیالات قطعی دوسرے تھے۔ وہ چاہتی تھی خواہ ایک وقت روٹی کھائی جائے مگر کم از کم چھوٹے بھیا لکھ پڑھ لیں۔ بڑے بھیا کا حشر سامنے تھا اتنی کم عمری میں وہ بہت بڑی بڑی باتیں سوچتی تھیں مگر اس کی سوچ کے سب خلاف تھے۔ بابا کے اپاہج پن نے اُن سے تمام حوصلہ چھین لیا تھا پھر یہ احساس کمتری بھی کہ انہیں تین سال گزر جانے کے باوجود ابھی تک ڈھنگ کا مکان نہیں ملا تھا جبکہ مراد آباد کے بہت سے کم حیثیت لوگ بھی اب اچھی حیثیت میں تھے اور فخر سے بابا کو سلام کرنے آیا کرتے تھے۔ بابا کے مزاج بہت سختی اور چڑچڑا پن آ گیا تھا۔ امی جتنی نرم مزاج تھیں بابا اتنے ہی غصہ ور۔ امی بہت تحمل سے ہر بات سنتی اور برداشت کرتی تھیں۔ فاخرہ کو امی کے تحمل اور قوت برداشت سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔ وہ ابھی بہت چھوٹی تھی ورنہ بہت سی باتوں کے بہت مناسب اور معقول جواب دینا جانتی تھی۔ بڑے بھیا تو سرے سے فاخرہ کی پڑھائی ہی کے خلاف تھے مگر امی آڑے آ گئی تھیں سو وہ پابندی سے اسکول جاتی تھی اور اپنی جماعت میں اوّل آیا کرتی تھی اور فاخرہ کے اوّل آنے سے بابا بھی اس کی پڑھائی کے ہم خیال ہو گئے تھے یوں گاڑی کھنچ رہی تھی۔ مگر بڑے بھیا کا سلوک اب بھی اچھا نہ تھا۔

شاید بڑے بھیا کو اپنی کمائی کا بہت زعم تھا۔

پورے گھر کا خرچ وہی اٹھا رہے تھے۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ گھر کا کوئی فرد اُن کے حکم سے سرتابی کرتا۔ وہ تو فاخرہ کی قسمت اچھی تھی کہ مسرت بھابی بہت نیک مزاج اور محبت کرنے والی تھیں وہ ہر موقع پر فاخرہ کے لیے ڈھال بن جایا کرتی تھیں اور یوں بڑے بھیا کو خاموش ہو جانا پڑتا تھا۔

جیکب لائن اسکول کی ہر سال شفٹ بدل جایا کرتی تھی یعنی ایک سال صبح کی شفٹ اور دوسرے سال شام کی شفٹ۔ آج کل تو صبح کی شفٹ تھی اس لیے فاخرہ کی جان کو چین تھا کیونکہ جس وقت وہ اسکول سے آتی بڑے بھیا دفتر میں ہوتے تھے مگر جن دنوں شام کی شفٹ ہوتی تو فاخرہ کے گھر آنے پر بڑے بھیا گھر پر موجود ہوتے اور اُس کا سر سے پیر تک بغور جائزہ لیتے۔ فاخرہ نے بال کیسے بنائے ہیں؟ ربن کس طرح لگایا ہے؟ ڈوپٹہ کس طرح اوڑھ کر چلتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

پچھلے سال کی بات ہے ایک روز فاخرہ نے اتفاق سے سرخ رنگ کا ربن لگا لیا تھا تو بڑے بھیا نے گھر میں ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا۔

''ہمارے گھر میں رہنا ہے تو شریف لڑکیوں کی طرح رہو، خبردار جو کبھی لال ربن بالوں میں باندھا۔'' وہ دہاڑے۔

''لال ربن کا شرافت سے کیا تعلق۔'' فاخرہ کی زبان سے نکل گیا تو بڑے بھیا نے تھپڑوں تھپڑوں اُس کا منہ لال کر دیا۔

وہ تو مسرت بھابی دوڑ کر آ گئیں اور فاخرہ کو میاں سے الگ کیا ورنہ اکبر پتہ نہیں اُس کا کیا کر ڈالتے۔ فاخرہ روتی سسکتی اپنی چارپائی پر گر گئی تھی۔ اُسے بھیا کی مار کھانے پر اتنا رونا نہیں آتا تھا جتنا امی اور بابا کی بے حسی پر آتا تھا آخر امی بڑے بھیا کو منع کیوں نہیں کرتیں۔ کیوں برداشت کرتی ہیں بیٹے کی بے تکی باتیں۔ مگر امی تو برف کا تودہ تھیں چپ چاپ پگھلتی رہتیں اور بابا تو ایسے بے تعلق تھے کہ گھر میں خون بھی ہو جاتا تو وہ چوں نہ کرتے ہاں اگر اُن کی اپنی مرضی کے خلاف کوئی بات ہوتی یا اُن کی ذات کو کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ طوفان کھڑا کر دیتے تھے یہ الگ بات تھی۔

آج منیرہ نے اُس کے کٹے ہوئے بالوں کا تذکرہ کیا تھا اور برقع نہ اوڑھنے کی بھی شکایت کی تھی اور تب وہ بہت اُداسی سے مسکرا کر رہ گئی تھی۔ پھر اُس نے منیرہ کو مطمئن بھی کر دیا تھا مگر اس کے دل میں پھانس سی چبھ گئی تھی۔

اُسے وہ دن اچھی طرح یاد تھا۔

ڈیڑھ سال قبل کی بات تھی۔

شام کے وقت وہ باورچی خانہ کی پیڑھی پر بیٹھی گرم گرم روٹیاں پکا رہی تھی۔ لکڑیاں بہت تیزی سے چیخ چیخ کر جل رہی تھیں کہ اچانک اُس کے دوپٹہ میں آگ لگ گئی یوں کہ اُسے قطعی خبر نہ ہوئی۔ پھر یہ آگ دوپٹہ سے ہوتی ہوئی اس کے بالوں تک پہنچ گئی تب ہی اچانک امی اور خود اُس نے دیکھا پھر سب ہائے کرتے دوڑے اور جیسے تیسے آگ بجھا دی گئی۔ روٹی توے پر پڑے پڑے جل گئی مگر خدا نے اُس کی جان بچا لی تھی۔ جسم بھی بچ گیا تھا ہاں اُس کے بال جل گئے تھے۔ ایک طرف کی چوٹی جل گئی تھی پوری کی پوری دوسری طرف کی چوٹی جوں کی توں لٹک رہی تھی۔ پھر مجبوراً اُس کے بال...... بوائے کٹ ہو گئے تھے۔ مسرت بھابی نے اپنے ہاتھوں سے دوسری چوٹی کاٹ کر چاروں طرف سے بال برابر کئے تھے۔ اور اب وہ دیکھنے میں بالکل لڑکا لگتی تھی۔

بڑے بھیا کا خیال تھا کہ یہ آگ اُس نے جان بوجھ کر لگائی ہے اور فیشن پرست لڑکیوں کی صحبت میں رہ کر اپنے بال جلائے ہیں اسی لیے اس کا اسکول جانا بند کر دینا چاہیے۔

کئی روز تک ہنگامہ رہا۔ بڑے بھیا نے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر فاخرہ کا اسکول جانا نہ رُک سکا۔ امی نے دبے الفاظ میں فاخرہ کی طرف داری کی۔ بابا بھی نیوٹرل رہے۔ مگر مسرت بھابی نے پورے طور پر اُس کی سائڈ لی ہوئی تھی۔ بڑے بھیا کو شکست ماننی پڑی مگر کسی اور بہانے سے انھوں نے فاخرہ کی خوب پٹائی کی تھی۔ دل بھر کر مارا تھا اور وہ چپ چاپ مار کھاتی رہی تھی۔

اس وقت اس کی عمر صرف بارہ سال تھی۔ مگر یوں بوائے کٹ بال کروا کر بغیر برقع کے اسکول جانا بڑے بھیا کو گوارا نہ تھا چنانچہ جب اسکول نہ چھوٹا تو انھوں نے حکم صادر کر دیا کہ فاخرہ کے لیے برقع بننا چاہیے۔ اس تجویز پر کسی کو اعتراض نہ تھا۔ بابا اور امی پردے کے قائل تھے۔ مسرت بھابی اور بڑی آپ بھی برقع پہنتی تھیں مگر عملی طور پر اُس کے لیے برقع نہ بن سکا کیونکہ گھر میں اتنے پیسے نہ تھے اور یوں فاخرہ کی جان چھٹ گئی تھی۔ مگر یہ باتیں اُس کے گھر کی تھیں وہ منیرہ کو کیسے بتاتی، کیسے سمجھاتی کہ بال چھوٹے ہونے کی اُس نے کتنی سزا بھگتی ہے اور برقع اُڑھانے کے لیے اُس کے گھر والے کتنے بے چین ہیں مگر مالی حالات اجازت نہیں دیتے۔ اُس کے گھریلو حالات صرف منیرہ جانتی تھی ورنہ کلاس کی دوسری لڑکیاں اُسے بہت حیثیت والی سمجھتی تھیں۔ خوبصورت ناک نقشہ، کٹے ہوئے بال اور برقع سے بے نیاز کلاس میں اول آنے والی یہ لڑکی سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ اُس کے سب لڑکیوں سے دوستی تھی وہ ہر ایک سے اخلاق سے ملتی تھی مگر دوستی میں ایک تکلف تھا ایک فاصلہ تھا ماسوا منیرہ کے جو اُس کے تمام حالات سے واقف تھی مگر وہ بھی اُس کے اندرونی حالات نہیں جانتی تھی۔ اور جانتی بھی کیسے فاخرہ نے کبھی تذکرہ ہی نہ کیا تھا۔ وہ اپنے خاندان کا بھرم توڑنا نہیں چاہتی تھی۔ چنانچہ منیرہ کے دل میں اُس کے خاندان کی بہت عزت تھی اور اُس نے اپنے گھر میں فاخرہ کی ڈھیروں تعریفیں کر رکھی تھیں اور خود منیرہ بھی فاخرہ کے گھر میں بہت پسند کی جاتی تھی اس لیے کہ منیرہ برقع اوڑھتی تھی۔ چہرے پر نقاب ڈالتی تھی اور اُس کی چوٹی کمر سے نیچے جھولا کرتی تھی اور یہ اوصاف اس کی قدر کروانے کے لیے کافی تھے۔ گو کہ منیرہ اور اُس کے بھائی منیر کے علاوہ کوئی فرد فاخرہ کے گھر آیا نہ تھا مگر اس گھرانے کے تمام حالات یہاں سب کو معلوم تھے۔

منیرہ کے والد سید مشرف حسین واسطی ایک اسکول ہیڈ ماسٹر تھے اور اپنی سینیالائن میں ایک اچھا سا کوارٹر رہائش کے لیے ملا ہوا تھا۔ کل چار بچے تھے۔ بڑا بیٹا منیر فرسٹ ایئر سائنس میں زیر تعلیم تھا۔ دوسری لڑکی منیرہ تھی اس کے بعد وحید اور سب سے چھوٹی نجمہ جس کی عمر بہ مشکل ڈیڑھ

برس تھی۔

منیرہ کی صورت بہت اچھی تھی۔ گوری رنگت بڑی بڑی مقناطیسی آنکھیں اور لمبے گھنے بال جو ایک چوٹی کی صورت میں پشت پر جھولتے رہتے۔ واسطی صاحب کی حیثیت اچھی تھی اس لیے سب بچے صاف ستھرے رہتے اچھا پہنتے اور اچھا کھاتے تھے صاف پوشی سے گزر بسر ہو رہی تھی۔

واسطی صاحب پرانے طرز کے انسان تھے۔ خاندانی سجادہ نشین تھے۔ اُن کے خاندان میں پردے کی سختی تھی۔ مگر طبیعت بہت سادہ تھی اور مزاج بھی سادہ۔ کسی سے بحث مباحثہ کرنے کے عادی نہ تھے۔ ہر جھگڑے اور فساد سے دور رہتے تھے۔ حجت تمام کرنے کی غرض سے بہت سی وہ باتیں بھی مان لیتے تھے جو انھیں ناگوار ہوتی تھیں۔ اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ اولاد کے لیے ہر وقت دعا گو رہتے کہ خدا انھیں بہتر مستقبل عطا کرے۔ بچے بھی سب تابعدار تھے۔ انھیں کسی شکایت کا موقع نہ دیتے تھے۔ پڑھائی میں بھی ٹھیک تھے۔

واسطی صاحب کی بیوی۔ منی بیگم مزاج میں اپنے میاں سے بہت مختلف تھیں، گو کہ اخلاق اچھا تھا۔ مگر میاں جیسی سادگی، مزاج میں نہ تھی۔ وہ ایک بڑے خاندان کی چشم و چراغ تھیں۔ اُن کے والد علی گڑھ میں ایس پی تھے دنیا کے مختلف ممالک گھوم چکے تھے۔ گھر میں انگریزی طرز معاشرت داخل ہو چکی تھی۔ بے پردگی اور فیشن پرستی تھی۔ بے باکی اور مخلوط طرزِ معاشرت کو برا نہ سمجھا جاتا تھا۔ تعلیم کا بھی رواج تھا۔ منی بیگم کے سب بھائی بہن اچھی حیثیت میں تھے۔ منی بیگم کی شادی واسطی صاحب کی تعلیم اور شرافت دیکھ کر کر دی گئی تھی۔ گو کہ واسطی صاحب کی مالی حیثیت منی بیگم جیسی نہ تھی تاہم اُن کی گزر مناسب طریقے سے ہو رہی تھی اور گھریلو حالات اطمینان بخش تھے۔

منی بیگم نے بے باکی اور بے حجابی ورثے میں پائی تھی، وہ ہر کسی سے بہت جلد بے تکلف ہو جانے کی عادی تھیں۔ واسطی صاحب اگرچہ ان باتوں کو دل سے ناپسند کرتے تھے مگر عملی طور پر خاموش رہتے تھے۔ بیوی کے معاملے میں انھوں نے کبھی کچھ نہ کہا مگر اپنی بیٹی منیرہ کو مشرقی انداز میں پرورش کر رہے تھے۔ ابھی چونکہ پاکستان نیا نیا بنا تھا یہاں پرانی اقدار نبھائی جا رہی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ منیرہ کو بھی بارہ برس کی عمر سے برقع اوڑھا دیا گیا تھا۔ پردے کی پابندی کرتی تھی اور باپ کے نقشِ قدم پر چلتی تھی مگر ماں کی بے باکی اور بے حجابی بھی سامنے تھی۔ ان کا اثر قبول کرنا ایک فطری بات تھی یوں بھی کچی عمر کی لڑکیاں فیشن کی طرف زیادہ جلدی مائل ہو جاتی ہیں۔ یہی حال منیرہ کا تھا۔ اگرچہ باپ کے ڈر سے برقع پہنتی تھی اور پابندیاں نبھاتی تھی مگر ماں کی شہ پر ہر طرح

کے فیشن کو اپناتی تھی اور اندرونی طور پر بے باکی کو برا نہ جانتی تھی۔ اس نے اپنی سب سہیلیوں کے نام بگاڑ کر چھوٹے چھوٹے اسٹائلش ناموں میں بدل دیئے تھے اور انھیں اسی نام سے پکارا کرتی تھی۔ مثلاً فاخرہ خاتون کو فخری، اسماء کو اسمی، اور وقار النساء کو وکی کہا کرتی تھی اور خود اپنا نام اُس نے منیرہ سے ''میری'' میں تبدیل کر لیا تھا۔ ایک تو یہ نام انگریزی تھا دوسرے اس کی طبعت سے میچ کھاتا تھا۔ اُس کی سہیلیاں اُس کی خواہش کے مطابق اُسے میری پکارا کرتی تھیں مگر فاخرہ اُس سے منیرہ کہہ کر ہی بات کرتی تھی۔

وہ زندہ دل باتونی اور ہر دلعزیز لڑکی تھی اسکول میں سب ہی لڑکیاں اُسے پسند کرتی تھیں اور اُس سے دوستی کی خواہاں تھیں۔ یہ محض اتفاق تھا کہ فخری اور منیرہ کی دوستی اتنی گہری اور مضبوط تھی ورنہ دونوں کے مزاجوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ فخری بہت محتاط انداز میں گفتگو کرنے کی عادی تھی اُس کی طبیعت میں ٹھہراؤ تھا کم عمری والی شوخی اور تیزی نہ تھی جبکہ منیرہ بہت ہنس مکھ اور باتونی تھی۔ فخری کے گھریلو حالات بہت خراب تھے۔ مگر وہ کسی کو اپنے حالات کی ہوا بھی نہ لگنے دیتی تھی جبکہ منیرہ خوش حال ہونے کے باوجود گھر میں ہونے والی چھوٹی چھوٹی باتوں کا تذکرہ ہر ایک سے کر دیا کرتی تھی۔ ہر کسی کو اپنا ہمدرد اور دوست جان کر اپنے دل کی بات کہہ دیا کرتی تھی۔

منیرہ کا چہرہ خوبصورت تھا جبکہ فخری کے اندر ذہن کی خوبصورتی موجود تھی۔ دونوں کی سوچ میں زمین آسمان کا فرق تھا پھر بھی وہ ایک دوسرے کی مخلص دوست تھیں۔

موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ فخری کا کوارٹر پورا تالاب بنا ہوا تھا۔ کپڑے کی قناطیں ہوا کے زور سے ڈول رہی تھیں۔ اگرچہ سردیوں کا موسم نہ تھا

پھر بھی فضا میں خنکی پیدا ہو گئی تھی۔ بادل اتنے گہرے تھے کہ چاروں طرف گھٹاٹوپ اندھیرا چھا گیا تھا۔ فخری کا دل خوف سے بھر گیا اُس نے اپنی سائڈ سے جھانک کر بھابی کے حصّہ کی طرف دیکھا۔ بھابی کا بیٹا گڈو بہت خوش ہو کر بارش کا تماشا دیکھ رہا تھا اور بھابی گڈو کی فرمائش پر کاغذ کی چھوٹی چھوٹی کشتیاں بنا کر دے رہی تھیں جو بارش کے زور سے منٹ بھر میں بھیگ کر چورا بن جاتیں پھر مڑے تڑے کاغذ کے رُوپ میں بہتی گھر سے باہر نکل جائیں۔ تھوڑی سی دیر میں گڈو کا دل بے جان کشتیوں سے بھر گیا ابھی وہ گڈو کے نظارے میں منہمک تھی کہ بابا کی گرج دار آواز سُنائی دی۔

''فاخرہ ارے او فاخرہ''

''جی بابا'' وہ بھاگ کر بابا کی طرف آ گئی۔

ٹینٹ کے تین حصّے تھے۔ ایک حصّے میں بڑے بھیا بھابی اور اُن کے بچّے رہتے تھے دوسرے حصّے میں بڑی آپا' اُن کی بیٹی اور چھوٹے بھیّا رہتے تھے۔ تیسرا حصّہ جو نسبتاً بڑا تھا اُس میں امّی ابّا وہ خود اور ریحانہ سویا کرتی تھی۔ اس وقت اتفاق سے وہ بڑی آپا کے حصّے میں تھی۔ بابا کی آواز پر وہ اپنے حصّہ میں آ گئی۔

''ٹھنڈ بہت ہو گئی ہے۔ ایک پیالی چائے بنا لاؤ۔'' بابا نے اپنے ناکارہ جسم کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔

''باورچی خانہ میں تو پانی بھرا ہے چولہا کیسے چلے گا؟'' اس نے دبی زبان سے کہا'' وہ لکڑیاں بھی سب بھیگ گئی ہیں۔''

بابا کا پارہ چڑھنے لگا۔ ''تو اپنی امّی کو جگا، وہی انتظام کریں گی۔ غضب خدا کا صبح سے پڑی سو رہی ہیں۔'' حالانکہ امّی کو سوئے ہوئے مشکل سے پونا گھنٹہ ہوا تھا فخری جانتی تھی مگر اب دن کے بارہ بج رہے تھے۔ مگر بابا کی بات نفی کرنے کا مطلب اپنی شامت بُلانا تھا۔

''امّی امّی۔'' فخری نے آہستہ سے امّی کو چھوا ''اُٹھیے بابا چائے مانگ رہے ہیں۔''

امّی نے میلی کثیف چادر سر سے اتاری اور یوں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں گویا کبھی سوئی ہی نہ تھیں حالانکہ ابھی کچھ دیر پہلے اُن کے خرّاٹے ٹینٹ میں گونج رہے تھے۔

''توبہ ہے اتنا پانی بھر گیا۔'' امّی اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولیں۔ ''اب چائے وائے بنانا آسان ہے کیا۔''

''بابا کہہ رہے ہیں نا!'' فخری نے آہستہ سے کہا۔

''تمہارے بابا کو ہمیشہ اپنے ٹھاٹ باٹ کی پڑی ہوتی ہے۔'' امّی کی آواز اونچی ہو گئی تھی۔

بابا نے سُن لی۔ حقّہ کو ایک جانب سرکاتے ہوئے اُنھوں نے چیخ کر کہا ''ہاں ہمارے جتنے ٹھاٹ ہیں اس گھر میں وہ تو تم خود دیکھ رہی ہو۔ اے خدا سے ڈرو۔ چائے کی ایک پیالی کیا مانگ لی غضب ہو گیا۔ طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔''

''مگر چائے بنے کیسے۔'' امّی بولیں ''دیکھ رہے ہو کیسی غضب کی بارش ہے کبھی دوسرے کی مجبوری بھی سمجھ لیا کرو۔''

''گھر کیا ہے جہنم ہے کمبخت۔'' بابا دہاڑے۔ ''ہمیں سب معلوم ہے تم لوگ ہماری معذوری سے جلتے ہو۔ دل سے چاہتے ہو کہ بڈھا ختم ہو تو کسی طرح پاپ کٹے۔''

''اے لو۔ میں نے یہ کب کہا۔'' امّی خفا ہو کر بولیں ''میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ لکڑیاں چولہا سب گیلا پڑا ہے۔''

''بس بس تقریر بند کرو۔'' بابا کے ناک کے نتھنے پھول گئے تھے۔ ''تم سے ایک بات کہنا غضب ہو جاتا ہے فوراً تقریر شروع ہو جاتی ہے نہیں بنا سکتیں چائے تو نہ بناؤ چولہے بھاڑ میں جاؤ مگر میرا دماغ تو نہ چاٹو۔''

امّی نے بے بسی سے باورچی خانے کی طرف دیکھا۔ یہ پورشن جسے باورچی خانہ کہا جاتا تھا دراصل چٹائی ڈال کر اور ٹینٹوں سے گھیر کر ایک جگہ بنالی گئی تھی جس میں کھانا پکانے کا سامان رکھا ہوا تھا۔ چولھے میں لکڑیاں جلتی تھیں جو سب بارش میں بھیگ چکی تھیں۔۔۔ پھر اچانک امّی کو اسٹور کا خیال آ گیا۔

''اے فاخرہ دیکھو اسٹور میں مٹی کا تیل ہے۔''

فاخرہ پانی میں بھیگتی ہوئی باورچی خانے میں گھس گئی۔

''ہاں امّی تھوڑا سا تیل ہے اسٹور میں۔'' اُس نے پکار کر کہا

بارش کی وجہ سے آواز صاف نہیں آ رہی تھی۔

''کیا کہا تیل نہیں ہے؟''

''ہے۔ ہے۔'' وہ دوبارہ چلائی۔

''تو پھر جلا لو اسٹور بلکہ یہیں اُٹھا لاؤ۔''

''لا رہی ہوں۔''

اسٹو و اٹھا کر لانے میں فخری بھیگ گئی تھی۔ اسٹور بھی بھیگا ہوا تھا۔ ایک پُرانی چندھی سے اسٹو و صاف کر کے فخری نے اسٹو و جلا ہی لیا۔ تھوڑی دیر کی محنت مشقت سے چائے تیار ہو گئی۔

اب بابا امی اور فخری گرم گرم چائے کی چسکیاں لے رہے تھے۔ گھر کے باقی افراد اپنے اپنے حصّہ میں دُبکے پڑے تھے۔

چائے پینے سے بابا کا موڈ ٹھیک ہو گیا۔ یوں جیسے بارش برستے برستے اچانک تھم جائے اور پیلی پیلی دھوپ پھیل جائے۔

''اب تو بڑے مزے سے چائے پی رہی ہو اس وقت بہانے بنا رہی تھیں۔'' بابا نے ہنس کر امی کو چھیڑا۔

''کیا کریں جب بنے گی تو ہم بھی پیئں گے اب یہ تو ہونے سے رہا کہ اکیلے تمہیں دے دی جائے۔''

پھر وہی جلی کٹی۔ کیا مجال ہے کبھی کسی بات کا ہنس کر جواب دے دو۔''

''ہنسی ٹھٹھول ہمیں نہیں اچھا لگتا۔'' امّی نے بُرا سا منہ بنایا۔ اور خیالوں میں یوں گم ہو گئیں جیسے ماضی کی بہت سی تلخ و شیریں یادوں کو ذہن میں اکٹھا کر رہی ہوں۔

بابا نے بھی مزید بات کرنا پسند نہ کیا اور چادر سینے تک تان کر لیٹ گئے۔ ہاتھ بڑھا کر حقّہ کو اپنی طرف گھسیٹا ایک کش بھرا مگر حقّہ ٹھنڈا پڑا تھا۔ اب کسی سے حقّہ بھرنے کو کہتے تو نئے سرے سے ہنگامہ کھڑا ہو جاتا اس لئے خاموشی میں عافیت جان کر آنکھیں موند لیں۔

بارش کا زور مدّھم پڑ گیا تھا ہلکی ہلکی بوندا باندی بارش ہو رہی تھی۔ آج فخری نے اسکول کا ناغہ کیا تھا مگر بڑے بھیّا دفتر گئے تھے چھوٹے بھیّا کے آنے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ امّی ہمیشہ سے بھوک کی کچی تھیں وہ انتظار میں تھیں کہ اصغر اسکول سے آئے تو ہوٹل سے کھانا منگوالیں۔ اسی غرض سے امی نے فخری سے پوچھا۔

''کیا بج گیا ہے فاخرہ۔''

''پتہ نہیں بھابی سے پوچھ کر آتی ہوں۔''

پورے گھر میں صرف مسّرت بھابی کے پاس گھڑی تھی جو اُن کے ابا نے جہیز میں دی تھی۔ فخری نے دُور ہی سے پکار کر وقت پوچھا۔ مسّرت بھابی نے بتایا۔

''ایک بجنے میں دس منٹ ہیں۔''

ایک بجے اصغر علی گھر آجاتے تھے۔ امّی نے آسمان کی طرف مطمئن نظروں سے دیکھا۔

''بادل تو چھٹ گئے ہیں اب بارش کا امکان نہیں ہے۔'' وہ آپ ہی آپ بڑ بڑائیں پھر فخری سے کہا۔

''فاخرہ تم جب پلیٹیں دھولو اب اصغر آنے والے ہوں گے اے ہاں بھوک سے آنتیں قل ہو اللہ پڑھ رہی ہیں۔''

فخری بے دلی سے اٹھی اور تام چینی کی پلیٹیں ٹنکی کے پاس بیٹھ کر دھونے لگی۔

ٹھیک ایک بجے اصغر علی گھر میں داخل ہوئے کپڑے کچھ گیلے کچھ سوکھے تھے۔امّی نے آتے ہی آواز دی۔

''کتابیں رکھو اور جلدی سے ہوٹل سے کھانا لاؤ۔''

تیسرے درجے کا ایک عام سا ہوٹل گھر کے نزدیک ہی واقع تھا جہاں گائے کا گوشت اور تندوری روٹیاں ملتی تھیں۔ بارش کے دنوں میں تمام کیمپوں میں اس قدر پانی بھر جاتا تھا کہ گھر میں کھانا پکنے کا سوال ہی نہ ہوتا تھا۔اس وجہ سے پچھواڑے کے ہوٹل سے گرم گرم کھانا خریدا جاتا تھا۔ اصغر علی کو گھر آتے ہی دوبارہ باہر دوڑنا اچھا نہ لگا مگر وہ ایک روپے کا گوشت اور بارہ آنے کی روٹیاں لینے ہوٹل چلا گیا۔ذرا سی دیر میں کھانا آ گیا۔اگر چہ یہ کھانا ان جیسی حیثیت کے لئے مہنگا تھا مگر بارش کی مجبوری تھی اس وجہ سے بجٹ سے نکل کر خرچ کرنا پڑتا تھا ان دنوں جو زیادہ خرچہ ہو جاتا تھا وہ عام دنوں میں چٹنی روٹی کھا کر برابر کر لیا جاتا تھا۔

جوں ہی کھانا آتا امّی نے پورے گھر کو زور زور سے آوازیں دینی شروع کر دیں۔

ایک کٹورے میں اکبر علی کے لئے سالن نکال کر الگ کر دیا گیا اور اُن کے حصّے کی روٹی بھی مسّرت بھابی نے دستر خوان میں اچھی طرح لپیٹ کر رکھ دی تھی ۔ بابا ہمیشہ الگ کھانا کے عادی تھے۔تام چینی کی پلیٹ میں امی نے اپنے ہاتھوں سے ایک بڑی سی بوٹی اور سالن ڈال کر فخری کے ہاتھ بھجوا دی۔ بابا پلنگ پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔گھر کے باقی افراد ایک ہی پلیٹ میں کھا رہے تھے۔ بڑی بھابی اپنے گڈو کو اور بڑی آپا اپنی دُرّی کے منہ میں نوالے ٹھونستی جاتی تھیں نوالہ اتنا بڑا ہوتا کہ دُرّی کے حلق میں پھنس پھنس جاتا، کھانا کھاتے وقت پانی لے کر بیٹھنے کی کسی کو عادت نہ تھی۔دُرّی کے پھنستے نوالے دیکھ کر مسرت بھابی کٹورے میں پانی لے آئیں۔

''اے دلہن ذرا ہمارے کٹورے میں بھی پانی دے دینا۔'' امّی فوراً بول اٹھیں۔

''بھابی ہمیں بھی۔''

''اچھی بھابی اِدھر بھی۔''

لو بھئی مسّرت بھابی کا منہ کا نوالہ منہ میں ہی رہ گیا وہ پورے گھر کو پانی پلانے لگیں اور جب واپس آئیں تو سالن کی تلچھٹ باقی رہ گئی تھی۔ جیسے تیسے انھوں نے اپنی روٹی ختم کی پھر برتن سمیٹ کر لے گئیں۔

سب کھانا کھا چکے تو پورے گھر میں اطمینان کی لہر دوڑ گئی گویا یہی صرف ایک مقصدِ حیات تھا

اگر پورا ہو گیا تو کوئی غم نہیں۔

تھوڑی دیر بعد بارش کی بوندا باندی بھی رک گئی۔

''اے لو دھوپ بھی نکل آئی۔ کراچی کے موسم کا کچھ بھروسہ نہیں نگوڑا۔ صبح کیسی بارش تھی اور۔۔۔۔''

''اچھا ہے امّی دھوپ نکل آئی گڈو کے ابّو آتے ہو گئے دفتر سے۔'' مسّرت بھابی نے کہا۔

''اے تو بارش رک جاتی دھوپ کیوں نکل آئی بے وقت کھانا کھا کر سونے کو جی کرتا ہے اب موئی دھوپ گھسے گی آنکھوں میں۔''

مسّرت بھابی نے کوئی جواب نہ دیا اور گڈو اور بے بی کو سُلانے چلی گئیں۔

اکبر علی ڈھائی بجے گھر آتے تھے۔ سرکاری ملازمت تھی۔ مسرت کو میاں کا بہت خیال تھا وہ اکبر کے آنے سے قبل بچوں کو کھلا پلا کر سُلا دیتی تھی۔ پھر اطمینان سے دونوں میاں بیوی بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے حالانکہ اکبر نے یہی کہا کہ تم میرا انتظار نہ کیا کرو کھانا کھا لیا کرو۔ مگر مسّرت نے اُن کی یہ بات کبھی نہ مانی تھی لیکن آج غیر معمولی بات کے پیشِ نظر اُس نے بھی کھانا کھا لیا تھا۔

ڈھائی بجے جب اکبر علی گھر میں داخل ہوئے تو ہر طرف سناٹا تھا۔ امّی کے خرّاٹے سنّاٹے کو چیر رہے تھے۔ چپ چاپ اپنے حصّہ میں چلے گئے۔ دونوں بچّے بے خبر سو رہے تھے۔ مسّرت نے حسبِ عادت مسکرا کر استقبال کیا اور اکبر بے زار صورت بنا کر جوتے اتار رہے تھے۔

جب تک اکبر نے لباس تبدیل کیا مسّرت کھانا گرم کر کے لے آئی۔

''تم کھا چکی ہو کھانا؟''

''جی ہاں امّی وغیرہ کے ساتھ کھا لیا تھا۔'' مسّرت نے مختصر سا جواب دیا۔

اکبر نے ناخنوں سے نوالے توڑنے شروع کر دیئے۔ ہوٹل کی روٹی رکھے رکھے چمڑا سی ہو گئی تھی۔ البتہ سالن بہت زیادہ مرچوں والا تھا۔ اکبر نے جلد ہی کھانا ختم کیا اور تھک کر بستر پر گر گئے۔ مسّرت برتن رکھ کر واپس آئی تو اکبر آنکھیں موندے لیٹے تھے وہ آہستہ سے شوہر کے سرہانے بیٹھ گئی اور ہولے ہولے سر میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

''فخری......! فخری......!'' تانگے والے نے چابک سے دروازہ بجاتے ہوئے پکارا۔

بڑے بھیّا دفتر جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے۔ تانگہ والے کی آواز سُن کر بیوی سے

بولے۔ ''یہ فخری کون ہے۔''

''ارے فاخرہ کو پکار رہا ہے تانگے والا۔''

''دروازے سے نام لے کر پکارنے کی کیا ضرورت ہے۔'' اکبر نے ناگواری سے کہا ''اور یہ فاخرہ سے فخری کب سے ہوگئی۔''

امّی نے اکبر کی آواز سُن لی تھی۔

''اس کی دوست منیرہ اُسے فخری کہتی ہے نگوڑی۔ جب گود میں تھی تو میں بھی فخری ہی کہتی تھی۔''

نہ جانے بھیّا کی کوئی کل سیدھی تھی اس وقت یا منیرہ کا نام سُن کر مرعوب ہو گئے تھے کہ 'فخری' کے سلسلے میں منہ سے کچھ نہ بولے البتہ گھر سے باہر نکل کر تانگے والے کی خوب خبر لی۔

''لڑکی کا نام لے کر پکارنے کی کیا وجہ ہے تانگے والے۔'' بھیّا خفا ہو رہے تھے۔ ''یونہی آواز دے لی ہوتی۔''

''غلطی ہوگئی بھیّا۔'' تانگہ والا لجاجت سے بولا۔ ''یہی نام ہے بیٹا کا سو پکار لیا۔ آئندہ کیا کہہ کر بلاؤں؟''

''کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ دروازے پر کھٹکا کر لیا کرو۔'' بھیّا اب بھی گرم تھے۔

''کھٹکا تو دیر سے کر رہا تھا بھیّا پرساید (شاید) آواز ناہیں جاوت ہے۔''

''اچھا خیر آئندہ یہ حرکت نہ کرنا۔ سب برابر کے گھروں میں آواز جاتی ہے۔'' اکبر علی بکتے جھکتے اندر آئے تو کسی نے اُن سے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا ورنہ بوڑھے تانگے والے سے اِس طرح بدتمیزی سے کرنا سب ہی کو بُرا لگا تھا اور فخری تو بہت شرمندہ تھا مگر بڑے بھیا کو کیا کہہ سکتی تھی۔ جلدی جلدی چائے کا گھونٹ حلق میں انڈیلا اور سر سے دوپٹہ لپیٹتی گھر سے نکل گئی۔

''معاف کرنا تانگے والے بھیّا کا غصّہ تیز ہے۔'' راستے میں اُس نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا۔

''کوئی بات ناہے بیٹا۔ بھیّا ٹھیک بولت ہیں پر ہم کو پتہ ناہیں تھا۔''

تھوڑی دُور چل کر تانگہ نسرین کے گھر کے پاس رک گیا۔ یہ سرکاری کوارٹروں کی بیرک تھی جس میں نسرین رہتی تھی۔ اچھے قد و قامت کی قبول صورت لڑکی تھی اور ساتویں کلاس میں پڑھتی تھی۔ پچھلے برس سے وہ بھی فخری کے ساتھ تانگے میں شامل ہوگئی تھی۔

جوں ہی تانگہ آ کر رُکا، نسرین اپنے گھر کے بجائے برابر والے کواٹروں کی جھاڑیوں سے برآمد ہوئی اور ہنستی مسکراتی دھم سے تانگے میں سوار ہوگئی۔ فخری نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ اس جگہ جہاں سے نسرین آئی تھی۔ ایک نوجوان کھڑا تھا اور مسکرا مسکرا کر نسرین کو اشارے کر رہا تھا۔ نسرین کے چہرے پر بڑی خوبصورت مسکراہٹ تھی اور اُس کا انگ انگ خوشی سے پھڑک رہا تھا۔ فخری ایک لمحہ میں بہت کچھ سمجھ گئی۔ ناگواری اور نفرت سے اُس کی جبیں شکن آلودہ ہوگئی مگر نسرین سے کچھ کہنا اُس نے مناسب نہ سمجھا۔ منیرہ آگے بیٹھی تھی وہ نوجوان کو نہ دیکھ سکی ورنہ وہ ضرور اس سلسلے میں باتیں شروع کر دیتی یا پھر شاید نسرین ہی کو چھیڑنے لگ جاتی۔ ایسی باتوں میں منیرہ کو مزہ آتا تھا اور فخری کا خون کھولا کرتا تھا۔

سارے راستے خاموشی رہی۔ اسکول آیا تو سب اُتر کر اپنی اپنی جماعتوں میں داخل ہو گئیں۔ منیرہ اور فخری جس وقت کلاس میں داخل ہوئیں وہاں لڑکیوں کی پنچایت بیٹھی تھی اور پُر لطف باتیں ہو رہی تھیں۔ اسکول لگنے میں ابھی خاصی دیر تھی۔ منیرہ حسبِ عادت لڑکیوں کی باتوں میں شامل ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد صرف منیرہ بول رہی تھی باقی سب لڑکیاں خاموشی اور دلچسپی سے اس کی باتیں سُن رہی تھیں۔ منیرہ کے پڑوس میں نئے لوگ آ کر بسے تھے انھی کے گھر دو لڑکیاں ثریّا جبیں اور زہرہ جبیں رہتی تھیں منیرہ نے بہت جلد ان دونوں لڑکیوں سے دوستی کر لی تھی جو عمر میں اس سے کئی کئی برس بڑی تھیں دونوں بہنیں گوری چٹی اور اچھے ناک نقشہ کی تھیں۔ تعلیم اردو لکھنے پڑھنے تک نہ ود تھی۔ مگر طرح طرح کی کہانیاں لکھا کرتی تھیں ایسی کہانیاں جو کہیں چھپتی نہیں صرف اپنی تسکین کی خاطر لکھ لی جاتی تھی۔ منیرہ کو ہر نئی چیز اور ہر نئے لوگوں میں لطف آتا تھا۔ ثریّا جبیں اور زہرہ جبیں کے لئے منیرہ ایک اچھی سامع تھی اس لئے وہ بڑی پابندی سے اپنی چوری چھپے لکھی ہوئی نت نئی کہانیاں منیرہ کو سُنایا کرتی تھیں اور منیرہ کو ایسی چٹ پٹی عشق و محبت سے بھرپور اور جذبات اُبھارنے والی کہانیاں بے انتہا پسند آیا کرتی تھیں وہی سب باتیں لطف لے لے کر اپنی کلاس فیلوز کو سُنایا کرتی تھی۔ اور سب لڑکیاں جو عام طور پر منیرہ جیسی سوچ رکھتی ہیں۔ بہت دلچسپی سے ان دیکھی ثریّا جبیں اور زہرہ جبیں کے متعلق معلومات اکٹھی کر رہی تھیں اور انھیں دیکھنے اُن سے ملنے کی مشتاق نظر آنے لگتی تھیں۔ فخری کو اُن داستانوں میں کوئی دلچسپی معلوم نہ ہوتی تھی وہ چپ چاپ اپنے ڈیسک پر بیٹھی الجبرا کے سوال حل کر رہی تھی۔

کبھی کبھی یوں بھی ہوتا تھا وہ اور لڑکیوں کے ساتھ ساتھ منیرہ سے بھی کٹ جایا کرتی تھی۔ مگر

ان باتوں کی منیرہ عادی ہو چکی تھی اور اُس نے فخری کی عادت کو مائنڈ کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اُسے کبھی بھی احساس نہ ہوا کہ فخری ایسی واہیات اور بے سر و پیر کی باتوں سے نفرت کرتی ہے بلکہ وہ یہی سمجھتی رہی کہ فخری کو صرف اوّل پوزیشن سے دلچسپی ہے اس لئے ہر وقت کتاب کھول کر بیٹھ جاتی ہے حالانکہ قصہ دراصل یہی تھا کہ جب کبھی لڑکیوں کی ۔۔۔ بے تکی باتیں شروع ہوتیں وہ اپنا خون جلانے کی بجائے کتاب کھول کر بیٹھ جاتی تھی۔

اسکول کے اندر 'مس پر' اور 'پر مرنے' کا رواج بہت عام تھا بعض لڑکیوں کے کیس بہت سیریس ہو گئے تھے وہ باقاعدہ مس کے عشق میں آہیں بھرتی تھیں۔ بیمار ہوتی تھیں اور پھر آپ ہی آپ اچھی ہو جاتی تھیں ایک لڑکی ایسی بھی تھی جس نے اپنی پسندیدہ مس کی تصویروں کی البم بنا رکھی تھی جہاں کہیں بھی اُسے کوئی تصویر مل جاتی وہ ہتھیا لیتی اور البم میں سجا لیتی۔

منیرہ عرف میری فوٹو وغیرہ جمع کرنے کی قائل نہ تھی۔ مگر دل میں بسانے اور فقرے چست کرنے میں ماہر تھی۔ اس کی پسندیدہ مس انگریزی کی مسز روبینہ وقار تھیں جنھیں وہ پیار سے روبی آپا کہا کرتی تھی اس اسکول ٹیچر کے نام کے ساتھ آپا لگانے کا عام رواج تھا۔ روبینہ آپا بہت نازک خوبصورت اور گریس فل تھیں لباس بھی بہت اچھا پہنتی تھیں۔ پڑھاتی بھی اچھا تھیں۔ فخری بھی انھیں پسند کرتی تھی بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ خود فخری کو بہت زیادہ پسند کرتی تھیں اس لیے کہ فخری کی انگریزی بہت اچھی تھی جبکہ عام طور پر لڑکیاں انگریزی کے مضمون میں بہت کمزور تھیں۔ یہ اُردو میڈیم اسکول تھا اور لڑکیاں انگریزی کے پرچے میں بھی اور پرچوں کی طرح رٹ رٹا کر پاس ہو جایا کرتی تھیں مگر فخری کا اسٹینڈرڈ اچھا تھا یہی وجہ تھی کہ روبینہ آپا فخری کی قدر کرتی تھیں مگر منیرہ اُن کے لیے ٹھنڈی آہیں بھرا کرتی تھی اور اُن کا اسٹائل اپنانے کی کوشش کرتی تھی مگر روبینہ آپا دھیمے انداز میں مسکرانے کی عادی تھیں جبکہ منیرہ بھرپور قہقہے لگایا کرتی تھی وہ کوشش کے باوجود اپنی پسندیدہ مس کا یہ اسٹائل اپنانے سے قاصر تھی۔

ذرا سی دیر میں گھنٹی بج گئی تو منیرہ عرف میری کی محفل درہم برہم ہوگئی۔ سب لڑکیاں قطار بنا کر سکول کے میدان میں ہیڈ مسٹریس کے روبرو اکٹھی ہونی شروع ہوگئیں۔

آج ہیڈ مسٹریس سالانہ امتحان کی تاریخ کا اعلان کر رہی تھیں۔ سب لڑکیوں کے دل دھک دھک کرنے لگے کانا پھوسی ہونے لگی پھر بھنبھناہٹ تیز تر ہوگئی تو پی ٹی ٹیچر نے 'اسٹاپ ٹاکنگ' کہہ کر سب کو خاموش کر دیا۔

سالانہ امتحان میں صرف پندرہ دن تھے۔ یہ خبر نئی بھی تھی اور اہم بھی۔ لڑکیوں کا پرجوش ہونا قدرتی تھا مگر پی ٹی کے ڈانٹ دینے سے سب نے چپ سادھ لی۔ کچھ دیر تک ہیڈ مسٹریس امتحانات سے متعلق ضروری باتیں کرتی رہیں کچھ نصیحتیں کچھ پرانے تجربات دہراتی رہیں اور جب ہیڈ مسٹریس کی بات ختم ہوگئی تو پی ٹی ٹیچر نے تمام لڑکیوں کو 'اباؤٹ ٹرن' کر دیا۔ پھر سب لفٹ رائٹ کرتی کلاس روم میں داخل ہوگئیں۔

تانگے پر بیٹھ کر گھر واپس ہوتے ہوئے منیرہ، فخری سے کہہ رہی تھی۔ ''تم ہمارے گھر کبھی نہیں آئیں۔ امتحان ختم ہو جائیں تو میں اپنے گھر میلاد کروں گی تم بھی آنا۔''

''ہاں ہاں ضرور میلاد میں آنے کی اجازت شاید مل ہی جائے۔''

''شاید کیا یقیناً۔ تم بھی کمال کرتی ہو۔ اب کیا تمہارے بابا میلاد شریف سننے کو بھی منع کر دیں گے؟''

''نہیں یہ میں نے کب کہا۔'' فخری نے بات ختم کر دی۔

پہلے نسرین اپنے گھر اُتری پھر تین اور لڑکیاں اپنے اپنے گھروں پر اُتریں اس کے بعد فخری کا گھر آ گیا تھا۔ فخری کو اتار کر تانگے والا باقی تین لڑکیوں کو لئے ہوئے ایبی سینیا لائن کی سڑک پر مڑ گیا۔

''منیرہ......! منیرہ......!'' واسطی صاحب نے عصر کی نماز پڑھ کر بیٹی کو آواز دی۔

''جی ابو جی......!''

''آؤ بیٹھو ذرا میرے پاس۔'' ابو نے کہا۔ ''تم نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ تمہارے پرچے کیسے ہوئے۔''

''پرچے تو اچھے ہو گئے ہیں۔'' منیرہ نے ہنس کر بتایا۔

''بھئی پچھلے سال جیسے تو نہیں!'' ابو نے بھی ہنس کر سوال کیا۔

ساتویں کلاس میں منیرہ کو انگریزی میں پروموٹ کیا گیا تھا۔ باقی نمبر بھی معمولی سے تھے مگر اُس نے اپنے طور پر کافی محنت کی تھی۔

''ابو وہ تو اتفاق ہو گیا تھا۔'' منیرہ نے کہا ''اس سال انشاء اللہ میرے بہت اچھے نمبر آئیں گے۔''

''رزلٹ کب آرہا ہے؟''

''31 مئی کو۔بس ایک ہفتہ باقی ہے۔''

''اس کے بعد؟''

''پھر دو ماہ کی چھٹیاں ہوں گی۔پہلی اگست کو نیا سیشن شروع ہو جائے گا۔''

''اس کا مطلب ہے اس بار میری بیٹی نویں کلاس میں آجائے گی انشاءاللہ۔بھئی پھر تو بڑی کلاس پہنچ جاؤ گی تم۔''

''جی ابو۔''

''اور تمہاری فرسٹ آنے والی دوست کے پرچے کیسے ہوئے؟''

''فخری تو ہمیشہ فرسٹ آتی ہے اور اس سال بھی اُس کی پوزیشن پکی سمجھیے۔''

''بھئی بہت محنتی لڑکی ہے تمہاری دوست، تم بھی اُس کے ساتھ مل کر پڑھ لیا کرو۔''

''پڑھتی تو ہوں ابو مگر وہ تو کتابوں کا کیڑا ہے ہر وقت پڑھتی رہتی ہے۔نہ کسی سے بات چیت نہ کسی سے گھلنا ملنا۔''

''یہ طریقہ تو غلط ہے۔ہر چیز میں حصہ لینا چاہیے۔''

''اور کیا یہی تو میں بھی کہتی ہوں اُس سے، یہ کیا کہ انسان صرف کتابوں کا ہو کر رہ جائے؟''

''لیکن تم نے اپنی دوست کو بلایا نہیں اپنے گھر، اُسے بلاؤ دعوت کرو اُس کی۔ایسی لڑکیاں تو قابلِ قدر ہوتی ہیں۔قوم و ملک کے لیے باعثِ فخر ہوتی ہیں۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں ابو۔'' منیرہ نے کہا ''فخری واقعی قابلِ فخر لڑکی ہے۔پاس ہونے پر میں میلاد شریف کروں گی اپنے گھر تب اُسے بلاؤں گی۔''

اتنے میں منی بیگم بھی آکر بیٹھ گئیں وہ بھی باپ بیٹی کی باتوں میں شامل ہو گئیں۔

منی بیگم نے پر تکلف ساڑھی باندھی ہوئی تھی۔بلاؤز اس قدر چھوٹا تھا کہ اُس کا ہونا نہ ہونا سب برابر تھا۔جب بہت شرافت کے موڈ میں ہوتیں تو ساری کا پلو سلیقہ سے اردگرد لپیٹ لیتیں گویا پردہ نشینی کا فرض ادا کر دیا۔اُن کی چھوٹی بچی نجمہ ڈیڑھ سال کی تھی ابھی تک ماں کا دودھ پیتی تھی۔اُس کی فیڈ کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔یوں تو وہ دنیا جہان کی چیزیں کھاتی رہتی تھی مگر پھر بھی ماں کا پیچھا نہ چھوڑتی تھی۔منی بیگم کا خیال تھا کہ اُن کی آخری اولاد ہے اس وجہ سے مارے لاڈ کے وہ اس کی عادت کو اور شہہ دیتی تھیں اور وقت بے وقت اپنے جسم سے چمٹائے رہتی تھیں۔

اِدھر منی بیگم میاں کے پاس آ کر بیٹھیں اور اُدھر نجمہ ماں سے آ کر چمٹ گئی۔ منی بیگم نے ہنس کر نجمہ کے سر پر چپت لگائی، پھر میاں سے بولیں۔

''ہاں تو میری کے پاس ہونے پر کون سا تحفہ دے رہے ہیں آپ؟''

''منیرہ کو کہہ رہی ہو؟''

''اور کون؟ منیرہ کی سہیلیاں میری کہتی ہیں، اس کو کہہ رہی ہوں اور کسے تحفہ دلاؤں گی میں۔''

''بھئی بیگم مجھے ایسے بے کار نام قطعی پسند نہیں۔''

''آپ بھی کمال کرتے ہیں مجھے تو یہ نام اس کے اوپر بہت پیارا معلوم ہوتا ہے ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے، بچی ہے۔ منیرہ کے مقابلے میری بہت چھوٹا اور پیارا سا نام ہے۔''

''خیر جو تمہارا جی چاہے کرو میں تمہارے معاملے میں کب بولتا ہوں۔ بہرحال میں تو منیرہ ہی کہوں گا۔ یہ نام میری والدہ مرحومہ نے اپنی پسند سے رکھا ہے۔''

''مجھے تو نہ منیر نام پسند ہے اور نہ منیرہ۔ اللہ بخشے آپ کی اماں اپنی پسند کے سامنے کسی کی نہیں سنتی تھیں۔'' منی بیگم نے کہا۔

''چلو خیر دو بچوں کے نام تو تم نے اپنی پسند سے رکھ لیے حساب برابر ہو گیا۔''

''میں تو میری کے تحفے کی بات کر رہی تھی آپ دوسری باتیں نکال کر بیٹھ گئے۔''

''جب پاس ہو جائے گی تو تحفہ بھی دے دیا جائے گا۔''

''پھر بھی کچھ سوچا تو ہوگا آپ نے۔''

''منیرہ جو کہے گی خرید دیا جائے گا۔''

''ابو میں گھڑی لوں گی۔''

''اتنا قیمتی تحفہ۔'' ابو نے ہنس کر کہا ''ابھی تو تم چھوٹی ہو۔''

''اب چھوٹی کہاں ہوں ابو۔'' منیرہ نے ٹھنک کر کہا ''نویں کلاس میٹرک کلاس کہلاتی ہے کیا اب بھی مجھے گھڑی نہیں ملے گی۔ منیر بھیا کو آٹھویں کلاس میں آپ نے گھڑی خرید دی تھی۔''

''وہ لڑکا ہے اُس کی اور بات ہے۔''

''لڑکے اور لڑکی میں کیا فرق ہے ابو؟''

''اچھا چلو پہلے رزلٹ کارڈ تو لے کر آؤ پھر گھڑی بھی آ جائے گی۔''

''سویٹ ابو۔'' یہ کہہ کر منیرہ باپ سے پلٹ گئی۔ پھر کچھ سوچ کر بولی ''ابو ایک بات کہوں۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔''

''میں فخری کو بھی کوئی تحفہ دینا چاہتی ہوں۔''

''بیٹی یہ تو بہت اچھی بات ہے دوستوں کو آپس میں تحائف دینا چاہیے۔''

''فخری کے مالی حالات اچھے نہیں ہیں ابو۔'' منیرہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''وہ بے چاری کسی کو کیا دے سکتی ہے مگر میں تو اُسے کوئی نہ کوئی چیز پریزنیٹ کرسکتی ہوں نا۔''

''ضرور ضرور۔'' ابو نے فراخ دلی سے کہا۔ ''کیا سوچا ہے تم نے؟''

''ابو میں تین سال سے اُس کے ساتھ ہوں، فخری کو سردیوں میں بڑی تکلیف ہوتی ہے اُس کے پاس کوئی سوئٹر نہیں ہے آج کل تو خیر گرمیاں ہیں لیکن اس وقت موقع اچھا ہے اُس کی پوزیشن آنے پر اُسے سوئیٹر پریزنیٹ کردوں گی۔ سردیوں میں کام آجائے گا۔''

''بہت نیک خیال ہے۔'' ابو نے کہا۔ ''تو ایسا کرنا تم اپنی پسند سے ایک اچھا سا سوئیٹر خرید لانا۔''

''اللہ۔ ابو آپ کتنے اچھے ہیں۔ میری بات مان لیتے ہیں۔''

''تم بھی تو اپنے ابو کی بات مانتی ہونا۔'' واسطی صاحب نے محبت سے بیٹی کو دیکھا۔

''میں اچھی بچی ہوں نا!'' منیرہ اترائی۔

''اچھا جاؤ بھاگ کر چائے تو بناؤ۔ دیکھو شام کے چھ بجنے والے ہیں آج تمہاری امی نے چائے گول کردی۔''

''پانی تو میں چولھے پر رکھ آئی تھی تم لوگوں کی باتیں سن کر ادھر آ گئی۔'' منی بیگم نے کہا۔

''چائے کس دن ناغہ ہوئی ہے جاؤ منیرہ چائے دم کرلو پانی ہو گیا ہوگا۔''

چائے کا دور ختم ہوا تو منیرہ نے ماں سے کہا۔

''سویٹ مما میں ذرا پڑوس میں چلی جاؤں۔''

''کون سے پڑوس میں؟''

''ثریا باجی کے گھر۔''

''اپنے ابو سے پوچھ لو۔''

''ابو میں ثریا زہرہ باجی کے گھر چلی جاؤں۔''

''بیٹے ہر وقت غیر لوگوں کے گھروں میں جانا اچھا نہیں ہوتا۔''

''اُن کے گھر ہے ہی کون صرف دونوں بہنیں ہی تو ہیں۔'' منیرہ نے بڑے پن سے کہا۔

''اور کیا وقار صاحب اور اُن کی بیوی بہت شریف لوگ ہیں بے چاروں کے کوئی بیٹا نہیں ہے یہی دو بیٹیاں ہیں سیدھی سادی نیک بچیاں ہیں اُن کے گھر جانے میں کوئی ہرج نہیں ہے ورنہ ایسے گھروں میں جہاں لڑکے وغیرہ ہوں میں خود لڑکی کو بھیجنا پسند نہیں کرتی۔''

''تم مناسب سمجھتی ہو تو بھیج دو مجھے کیا اعتراض ہے۔'' واسطی صاحب نے کہا۔

منیرہ ابو کا جواب سن کر خوش ہوگئی۔

آج کل چونکہ اسکول بند تھا اس وجہ سے بہت بوریت رہتی تھی۔ واسطی صاحب کے کئی گھرانوں سے تعلقات تھے مگر بیٹی کو کسی گھر میں اکیلا نہیں بھیجتے تھے انھیں یہ بات ناپسند تھی۔ لیکن وقار صاحب کی فیملی میں چونکہ یہی دو لڑکیاں تھیں۔ اس وجہ سے منیرہ کئی بار اُن کے گھر جا چکی تھی۔ منیرہ کو دونوں لڑکیوں سے ایک طرح کی نسبت سی ہوگئی تھی اور وہ دونوں بھی منیرہ کی منتظر رہتی تھیں۔ اس لیے کہ منیرہ کے پاس اسکول کے بے شمار قصے ہوتے تھے۔ ثریا جبیں اور زہرہ جبیں نے چونکہ اسکول کی کبھی صورت نہ دیکھی تھی اس لیے وہ بہت دلچسپی سے منیرہ کی باتیں سنتی تھیں۔ دونوں لڑکیوں کو تعلیم حاصل کرنے کا بے انتہا شوق تھا مگر وقار صاحب کی وجہ سے مجبور تھیں۔ وقار صاحب ایک دفتر میں ہیڈ کلرک لگے ہوئے تھے۔ کھچڑی داڑھی تھی اور بال کاکلوں کی صورت میں لٹکا رکھے تھے۔ محلے میں 'پیر جی' کے نام سے مشہور تھے اب ظاہر ہے کہ جو پیر ہو اور فطرت پیری فقیری کی ہو وہ اپنی لڑکیوں کو اسکول کیلئے کیسے بھیج سکتا ہے جس کی لڑکی کو اسکول کالج جاتا سن لیتے تھے ''استغفر اللہ'' پڑھا کرتے تھے مگر دل ہی دل میں بہت مرعوب ہوتے تھے۔

جوں ہی منیرہ کو پیر جی گھر جانے کی اجازت ملی، اس نے جلدی جلدی خود کو ڈریس اپ کیا پھر لمبے بالوں کی چوٹی سلیقے سے گوندھ کر برقع اوڑھ کر روانہ ہوگئی۔ پیر جی کی بیرک منیرہ کی بیرک سے ذرا ہٹ کر تھی۔ وہ چھوٹے کوارٹروں کی بیرک تھی اور اس میں کم حیثیت والے لوگ رہا کرتے تھے۔ عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت تھا۔ منیرہ نے پیر جی کے گھر پر کھٹکا کیا۔ پیر جی گھر پر موجود تھے۔ انھوں نے دروازہ کھولا۔ منیرہ نے جھٹ نقاب الٹ دی۔

''آؤ آؤ بیٹی!'' پیر جی نے چہرہ دوسری طرف گھمالیا۔ ''واسطی صاحب خیریت سے ہیں۔''

''جی ہاں ابو ٹھیک ہیں آپ کو پوچھ رہے تھے۔'' منیرہ نے جھوٹ بولا۔

''سلام کہہ دینا میرا اُن سے۔''

''جی اچھا!''

منیرہ برقع اتارتی ہوئی دوسرے کمرے میں گھس گئی مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ اتنے میں ثریا جبیں کی آواز باورچی خانے سے آئی ''تم بیٹھو منیرہ میں آ رہی ہوں۔''

منیرہ خاموشی سے پلنگ پر بیٹھ گئی۔

زہرہ صحن میں بیٹھی کپڑے دھو رہی تھی۔

دونوں نہیں ایک کے بعد ایک منیرہ کے پاس آ گئیں۔

''آپ کی امی کہاں ہیں؟''

''پڑوس میں گئی ہیں۔''

''کوئی نئی کہانی لکھی آپ نے۔'' منیرہ نے ثریا سے پوچھا۔

''وقت ہی کہاں ملتا ہے بہن۔ سارا دن کام میں نکل جاتا ہے۔''

''اللہ۔ میں تو سمجھی تھی کوئی مزے دار کہانی سن کے آؤں گی آج۔''

''خیر تم بیٹھو تو سہی باتیں کریں گے۔ کہانی پھر کبھی سہی۔''

اس کے بعد تینوں سہیلیاں باتیں کرنے لگیں۔

باتوں باتوں میں منیرہ نے بتایا۔

''میں آپ دونوں کو اپنی دوست فخری سے ملواؤں گی بہت اچھی لڑکی ہے۔ ہر سال کلاس میں اوّل آتی ہے۔''

''اچھا کیسی ہے وہ۔'' زہرہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

''ایک دم میم صاحب۔ بال کٹے ہوئے شانوں تک۔ پہلے تو بوائے کٹ تھے اب ذرا بڑے ہو گئے ہیں۔ بہت اچھے گھر کی لڑکی ہے۔ الٰہ آباد میں اُن کے والد وکیل تھے۔ یہاں کچھ گھریلو حالات خراب ہو گئے ہیں مگر سب لوگ بہت اچھے ہیں خاص کر فخری کا تو جواب نہیں۔ میں نے آپ لوگوں کی بہت سی باتیں اُس سے کہی ہیں وہ ابھی آپ لوگوں سے ملنا چاہتی ہے۔''

''ارے ہم غریبوں میں کیا رکھا ہے۔'' زہرہ نے اُداسی سے کہا

''واہ زہرہ باجی آپ کیسی باتیں کرنے لگیں۔''

''اور کیا لکھیں، کیا کسی سے ملیں اور دوستی کریں۔''

''اسکول جانے ہی سے تو پڑھنا نہیں آتا زہرہ باجی آپ لوگ اتنی ذہین ہیں مجھے دیکھ کر رشک آتا ہے۔ میرا تو آپ لوگوں کے پاس بڑا دل لگتا ہے۔''

''یہ تمہاری محبت ہے بہن۔'' ثریا نے کہا۔

''آپ لوگ بھی تو مجھ سے اتنی محبت کرتی ہیں محبت ہی سے محبت جنم لیتی ہے۔''

ثریا اُس کی بات سن کر ہنسنے لگی۔

''لو بھئی منیرہ تو شاعری کرنے لگی۔''

''سچ کہہ رہی ہوں۔'' منیرہ نے کہا۔ ''جھوٹ بولنے کی میری عادت نہیں ہے۔''

''اچھا تو کب ملوا رہی ہو اپنی دوست سے۔''

''بس چند روز اور انتظار کر لیجئے۔ ایک ہفتہ بعد ہمارا رزلٹ آ رہا ہے انشاء اللہ پاس ہونے پر میلاد شریف کروں گی۔ آپ ہی لوگ پڑھیں گی میلاد جب ہی فخری سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔''

''تم نے تو اشتیاق پیدا کر دیا اپنی دوست کے لیے۔''

''وہ ہے ہی ایسی چیز۔'' منیرہ نے کہا۔

''اچھا تو میلاد کرنے کا پروگرام ہے۔''

''ہاں ارادہ تو ہے۔''

''اسی بہانے ہمیں بھی گھر سے نکلنے کا موقع مل جائے گا ورنہ ابا جی تو کہیں جانے نہیں دیتے۔''

''ہاں میلاد شریف کا سن کر پیر جی منع نہیں کریں گے۔''

''بلکہ خوشی سے اجازت دے دیں گے۔'' زہرہ نے کہا۔

اتنے میں ثریا زہرہ کی امی بھی آ گئیں۔ وہ منیرہ کو بہت پسند کرتی تھیں۔ بے چاری پرانے زمانے کی ہمدرد خاتون تھیں۔ آتے ہی انھوں نے ثریا سے پوچھا۔

''منیرہ کو کچھ چائے وائے بھی پلائی یا خالی خولی باتیں کر رہی ہو۔''

''میں نے پوچھا تھا منیرہ نے منع کر دیا۔''

''کیوں منیرہ تکلف کرتی ہو بیٹی یہ تمہارا ہی گھر ہے۔''

"آنٹی تکلف کی بات نہیں۔ ابھی ابھی گھر سے پی کر چلی تھی۔ اس وجہ سے منع کر دیا۔"
منیرہ کو آئے ہوئے دیر ہوگئی تھی۔ مغرب کا وقت ہونے والا تھا اس لیے اُس نے ثریا سے اجازت لی اور برقع اوڑھ کر اپنی گلی میں مڑ گئی۔

فخری کا نتیجہ نکل آیا۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اُس نے جماعت میں پہلی پوزیشن لی تھی۔ منیرہ بھی اچھے نمبروں سے کامیاب ہوگئی تھی۔ فخری کی سب ہی سہیلیاں پاس ہوگئی تھیں۔ آج اسکول میں آخری دن تھا۔ کل سے دو ماہ کی چھٹیاں ہونے والی تھیں۔ منیرہ میلاد شریف کا پروگرام پہلے سے طے کیے بیٹھی تھی۔ اس لیے آئندہ جمعہ کے دن کا بلاوا اُس نے اپنی تمام سہیلیوں کو دے دیا تھا۔ میلاد شریف میں شرکت کے لیے وہ لڑکیاں بھی شامل تھیں جو منیرہ کے تانگے میں روزانہ ساتھ جایا کرتی تھیں۔ سب لڑکیوں نے خوشی خوشی رضامندی دے دی تھی۔ اقرار تو فخری نے بھی کر لیا تھا مگر جی ہی جی میں بڑے بھیا سے ڈر رہی تھی پتہ نہیں وہ کتنے سوالات کریں۔ آج جمعہ ہی تھا اور اگلے جمعہ کو میلاد شریف تھا۔ ابھی پورا ایک ہفتہ باقی تھا۔
جس وقت تانگہ واپس جا رہا تھا راستے میں منیرہ نے فخری سے کہا۔
"تم میلاد میں آنا ضرور ایسا نہ ہو کہ کوئی بہانہ بنا کر غائب ہو جاؤ۔"
"نہیں بھئی میں بہانہ بھلا کیا بناؤں گی بس بھیا سے اجازت لینے کی بات ہے اگر مل گئی تو ضرور آؤں گی۔"
"سنو تم ایسا کرنا کہ اپنی بھابی کو ساتھ لے آنا بلکہ میری طرف سے سب ہی کو بلاوا دے دینا۔ اپنی بھابی، بڑی آپا اور امی سب کو۔"
"اور کوئی تو شاید ہی آئے ویسے میرا بھی یہی ارادہ تھا کہ مسرت بھابی سے کہوں گی کیونکہ اکیلی میرے آنے کا تو ویسے بھی سوال نہیں ہے۔"
ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ فخری کا کیمپ آ گیا۔ نیم تلے تانگہ والا رک گیا اور فخری چھلانگ لگا کر اتر گئی۔ چلتے چلتے منیرہ نے اشارے سے میلاد میں آنے کی تاکید کی اور اُس نے اقرار میں ہاتھ ملایا۔ پھر چٹائی کا دروازہ کھول کر گھر میں داخل ہوگئی۔ آج وہ بہت خوش تھی اُس کا نتیجہ نکل آیا تھا اور وہ کلاس میں اوّل تھی۔ اگرچہ جمعہ ہاف ڈے ہوتا تھا مگر نتیجہ نکلنے میں چونکہ دیر ہوگئی تھی اس وجہ سے واپسی اسی وقت پر ہوئی تھی جیسی عام دنوں میں ہوتی تھی یوں آتے دن کا ایک بج گیا تھا۔

آج بڑے بھیا کا بھی ہاف ڈے تھا اور وہ گھر پر موجود تھے بلکہ چھوٹے بھیا کی خواہش میں وہ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اندر آئی اُس کا ربن نہ جانے کہاں گر گیا تھا اور چھوٹے چھوٹے بال بکھر کر شانوں پر گئے تھے دوپٹہ سر سے اُترا ہوا تھا۔ خوشی کے باعث چہرہ دمک رہا تھا اور وہ دیکھنے میں بہت وبصورت اور جاذب نظر لگ رہی تھی۔

وہ سب سے پہلے بابا کے پاس پہنچ کر یہ خوشخبری سنانا چاہتی تھی مگر بڑے بھیا نے اپنے حصے سے اُسے اس کیفیت میں آتا دیکھ لیا تھا۔ انھیں یہ بھی یاد نہ تھا کہ آج فخری اپنا نتیجہ لینے گئی تھی۔ اُس کے کھلے بالوں اور کھلے سر کو دیکھ کر اچانک اُن کا پارہ چڑھ گیا۔

''فاخرہ۔'' انھوں نے خوفناک آواز میں پکارا۔

''جی بڑے بھیا۔'' وہ اُسی طرح اُن کی سمت بڑھی۔''

''یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے۔'' وہ دہاڑے ''تم اسی طرح روز اسکول جاتی ہو غضب خدا کا یہ شریف لڑکیوں کے طور طریقے ہیں۔''

''کیوں مجھے کیا ہوا ہے؟'' وہ کچھ سمجھ نہ پائی۔ اُسے یہ بھی احساس نہ تھا کہ اُس کا اکلوتا ربن کہیں گر چکا ہے اور اُس کے خوبصورت بال شانوں پر بکھر کر اُس کی شخصیت کو سحر انگیز بنا رہے ہیں۔

''دیکھو اپنے بال۔ بڑی انگریز کی بچی بنتی ہے کمینی کہیں کی۔ آئندہ تجھے بال کھولے دیکھا تو اتنے جوتے لگاؤں گا کہ طبیعت صاف ہو جائے گی۔''

بڑے بھیا کی بات سن کر اُس نے بے بسی سے اپنے بالوں پر ہاتھ پھرا اور آنکھوں میں آئی ہوئی نمی کو چھپائے بابا کی طرف مڑ گئی۔

''کیا ہوا فاخرہ اکبر کیوں چیخ رہے ہیں؟'' امی نے پوچھا۔

''پتہ نہیں میرا ربن کہیں گر گیا شاید اس لیے بال کھل گئے۔ بس بھیا اسی بات پر بگڑ رہے ہیں۔''

''ارے اس کا تو دماغ ہی چل گیا ہے۔'' امی نے کہا ''کوئی بات مل بھر جائے۔ بس اللہ ہے اور بندہ ہے۔ ہاں تمہارا نتیجہ تھا آج، پاس ہو گئیں؟''

''یہ رہی رپورٹ کارڈ۔ پاس ہو گئی۔''

''بابا کو دکھاؤ اپنے، میں کیا جانوں انگریزی کی باتیں۔''

بابا پلنگ پر اُٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔ اس نے اپنی رپورٹ کارڈ بابا کے ہاتھوں میں تھما دی۔

''ذرا عینک دینا میری۔'' اُنھوں نے فخری سے کہا۔

فخری نے عینک اُٹھا کر دے دی۔

بابا نے جھٹ عینک چڑھا کر رپورٹ کارڈ دیکھنی شروع کی۔ عینک کے شیشے پتہ نہیں کتنے دنوں سے صاف نہیں ہوئے تھے اور کمانی بھی کئی برس پرانی تھی مگر کام چل رہا تھا کسی نہ کسی طرح۔ رپورٹ کو غور سے دیکھنے اور نمبر پڑھنے کے بعد بابا نے خوشی سے بیوی کو آواز دی۔

''ارے سنو تمہاری بیٹی اوّل آئی ہے اوّل۔''

''ارے تو کیا صرف میری بیٹی ہے تمہاری نہیں ہے۔'' امی نے ہنس کر دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کہا۔ اور خود میاں کے پائنتی بیٹھ گئیں۔

''بھئی ماشاءاللہ بہت ہی اچھے نمبر ہیں۔'' بابا بہت زیادہ خوش تھے۔ اسی خوشی میں مٹھائی آنی چاہیے۔''

''منگاؤ۔ منگاؤ مٹھائی ہم بھی کھائیں۔'' امی نے طنز سے کہا

بابا نے اپنی خالی جیب کو حسرت سے دیکھا پھر خالی جیب کا غصہ بیوی پر اتارتے ہوئے بولے۔

''ہر وقت کمبخت جلی کٹی باتیں ہوتی ہیں کیا مجال ہے دو گھڑی کو انسان خوش ہولے۔''

''ہم نے کب منع کیا تمہیں خوش ہونے کو مگر پیسہ نہیں ہے تو مٹھائی کا ڈبا کہاں سے آئے۔''

''آخر کون بدنصیب کہہ رہا ہے مٹھائی کا ڈبا منگانے کو، میں نے تو ایک بات کہی تھی۔''

''ارے تمہیں تو بہانہ چاہیے خرچہ کرنے کا۔ لڑکی کا نتیجہ دیکھ کے۔ اسی بہانے سوچا کچھ چٹھے مٹھے کر لے جائیں۔''

''اللہ سمجھے گا تمہیں الزام لگاتی ہو جھوٹے۔''

''ہاں ہاں ہماری تو عادت الزام لگانے کی ہے۔''

''اچھا اب تو چپ ہو جاؤ تم سے بات کر کے پچھتاوا ہوتا ہے۔''

''میں خود جا رہی ہوں برتن دھو رہی تھی فخری کی آواز سن کر ادھر آ گئی۔''

امی چلی گئیں۔ فخری کا دل بہت اُداس تھا۔ اسکول میں آج وہ بہت خوش تھی۔ سب لڑکیوں اور اُستانیوں نے اُس کو بہت زیادہ سراہا تھا۔ اُس کے یہاں آٹھویں کلاس کے تین سیکشن تھے اور اُس کے نمبر تینوں سیکشنوں میں سب سے زیادہ تھے۔ ہیڈ مسٹریس نے بطور خاص اسمبلی میں اوپر بلا

کر اُسے بہت زیادہ شاباش دی تھی اور تمام لڑکیوں کو اس جیسا بننے کی تلقین کی تھی اور وہ شرما شرما کر اپنی تعریفیں سنتی رہی تھی۔ گھر میں بھی اسی خوشی اور طمانیت کے ساتھ داخل ہوئی تھی جو اسکول میں اُسے حاصل تھی مگر یہاں آ کر اُس کی ساری خوشی سارا فخر خاک میں مل گیا تھا۔ آتے ہی بڑے بھیا نے اُس کی شرافت پر شک کیا۔ پھر بابا اور امی میں حسب عادت لڑائی شروع ہوگئی۔

جب امی باورچی خانے میں چلی گئیں تو بابا نے بڑی محبت سے کہا۔

”تمہارا رنتیجہ دیکھ کر تمہارے بوڑھے باپ کو بہت خوشی ہوئی ہے اگر میرے پاس کچھ ہوتا تو میں تمہیں اس وقت ضرور کوئی نہ کوئی تحفہ دیتا مٹھائی بھی منگواتا مگر تم جانتی ہو ہمارے حالات کیا ہیں۔ تمہاری امی کو ہمیشہ بکنے چلانے کی عادت ہے خوشی میں مٹھائی کا لفظ منہ سے نکل گیا بس اللہ دے اور بندہ لے۔“

بابا کی باتیں سن کر اُس کا دل بھر آیا۔ وہ کہنا چاہتی تھی بابا آپ کے یہ الفاظ میرے لیے سب سے بڑا سب سے قیمتی انعام ہیں۔ انعام تو نیت کا ہوتا ہے جذباتوں کا ہوتا ہے اور وہ مجھے مل گیا ہے مگر وہ منہ سے کچھ نہ کہہ سکی۔ بابا کی مجبوریاں وہ سمجھتی تھی۔ شاید خود بابا سے زیادہ بچی تو نہ تھی۔ چودہ سال کی ہوگئی تھی۔ اچھا برا سب سمجھتی تھی۔ پھر گھر کے عجیب وغریب حالات تھے اور بڑے بھائی کی روش نے اُسے وقت سے پہلے سمجھ دار بنا دیا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں آئی ہوئی نمی کو بڑی آسانی سے نکل لیا۔ پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

”کوئی بات نہیں بابا۔ انعام اکرام میں کیا رکھا ہے۔ بس اچھے نمبروں سے پاس ہوگئی یہی انعام ہے۔“

اُس کے اول آنے کی اطلاع ذومنٹ میں گھر کے تمام افراد کو ہو چکی تھی۔

مسرت بھابی بہت خوش تھیں۔ بڑے بھیا بھی چپ ہو گئے تھے۔ پتہ نہیں خوش تھے یا ناخوش۔ اُن کے جذبات کا اندازہ لگانا ہر ایک کے لیے مشکل تھا۔ بڑی آپا نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔ غرض یہ کہ تھوڑی دیر قبل جو فضا مکدر تھی وہ ٹھیک ٹھاک ہوگئی تھی۔

دوپہر کا کھانا کھا کر جب سب اپنے اپنے ڈربوں میں بند ہو گئے تو فخری نے بڑے دکھ سے سوچا۔ آج جمعہ کا دل ہے اور قرآن پاک میں جمعہ کی نماز کے لیے کتنی تاکید آئی ہے کہ تمام کاروبار چھوڑ دو اور نماز کے لیے دوڑ پڑو مگر ہمارے گھر کسی کو اس کا احساس نہیں۔ بابا تو خیر معذور ہیں مگر بڑے بھیا اور چھوٹے بھیا تو مسجد جا سکتے ہیں مگر ان لوگوں سے کہے کون۔ امی کبھی کہتی بھی ہیں تو

ایک کان سے سنتے اور دوسرے کان سے اُڑا دیتے ہیں۔ وہ اپنے پلنگ پر لیٹے سوچے جارہی تھی۔

''یہ مسلمانوں کا گھر ہے کمال ہے کسی طرف سے نہیں لگتا کہ یہاں مسلمان بستے ہیں سوائے امی کے یا پھر مسرت بھابی کے جو کبھی کبھار، نماز پڑھ لیتی ہیں کوئی خدا کو یاد نہیں کرتا۔''

اُسے نہ جانے کیوں بڑے بھیا سے خوف کے ساتھ ساتھ گھن آیا کرتی تھی۔ اُن کا بس چلتا تو وہ عید کی نماز بھی نہ پڑھتے مگر سب کی دیکھا دیکھی اور مارے باندھے جانا ہی پڑ جاتا تھا۔ چھوٹے بھیا ویسے تو ٹھیک ٹھاک تھے ہر طرح کی آزادی مل گئی تھی۔ دُرّی کی انھیں زیادہ پروانہ تھی۔ اکثر اُس کے کپڑے میلے ہی ہوتے مگر خود بڑی آپا ہر وقت بنی سنوری رہتی تھیں۔ اپنے جہیز کے کپڑے نکال نکال کر پہنا کرتی تھیں۔ کنگھی کرنا اور سرمہ لگانا اور کسی وقت نہ بھولتی تھیں۔ کبھی کبھی وہ بڑی آپا کے متعلق بڑی تفصیل سے سوچا کرتی تھی۔

کیا کوئی بیوہ عورت اتنی خوش اور اتنی مطمئن رہ سکتی ہے؟ بڑی آپا بہت بنی سجی اور خوش وخرم رہا کرتی تھیں اُس کی عمر زیادہ سے زیادہ بیس یا بائیس برس تھی، گوری چٹی رنگت تھی۔ ایک بچی کی ماں بن جانے سے جسم بہت نمایاں اور خوبصورت ہو گیا تھا اوپر سے اُن کا بناؤ سنگھار۔ صرف ہاتھوں میں چوڑیاں نہیں پہنتی تھیں تا کہ بیوہ ہونے کا بھرم قائم رہے۔ اُردو چونکہ پڑھی ہوئی تھیں اس وجہ سے ہر وقت رومانی ناولیں پڑھ پڑھ کر دن گزارا کرتی تھیں۔ محلے کی لائبریری کی سب ناولیں انھوں نے پڑھ ڈالی تھیں اور اب شاید دوسری بار ناولوں کا حافظہ کر رہی تھیں۔ اُن کے بناؤ سنگھار پر بڑے بھیا کو کوئی اعتراض نہ تھا اس لیے کہ اُن کی ایک بار شادی ہو چکی تھی۔ اب وہ کنوری نہیں تھیں اس لیے اُن کے لیے ہر بات جائز تھی ساری پابندیاں تمام سختیاں فخری کے لیے تھیں پھر بھی فخری رنجیدہ نہیں رہتی تھی۔ وہ اپنے مستقبل سے مایوس نہیں تھی اس نے عزم کر رکھا تھا کہ وہ بہت زیادہ پڑھے گی اور خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر امی بابا کے سب دکھ دور کر دے گی۔

سوچتے سوچتے خیالوں میں وہ بہت دور نکل گئی تھی۔ امی ظہر کی نماز کے لیے وضو کر رہی تھیں وہ بھی چپ چاپ بستر سے اُٹھ گئی اور آنگن میں رکھی ٹنکی سے وضو کرنے لگی۔ ٹنکی بہت پرانی تو نہ تھی مگر ٹوٹ گئی تھی۔ تین پایوں میں سے ایک پایہ ٹوٹ گیا تھا اُس کی جگہ بڑی سی اینٹ رکھ دی گئی تھی اوپر سے ڈھکن پچک گیا تھا مگر باقی حصہ بہت مضبوط تھا وضو کرنے کے دوران وہ ٹنکی کی لائف ہسٹری کھنگالتی رہی پھر امی کے برابر میں کھڑے ہو کر نماز کی نیت باندھ لی۔

''ابو......!امی......!''منیرہ دروازے سے چیختی ہوئی داخل ہوئی۔''میں پاس ہوگئی۔''

''ادھر آؤ جلدی سے۔'' واسطی صاحب نے خود ہو کر بیٹی کو آواز دی ''لاؤ دکھاؤ رپورٹ کارڈ۔''

''یہ لیجئے۔ دسواں نمبر آیا ہے میرا کلاس میں۔''

منی بیگم قریب ہی آگئیں۔

آپس میں مبارک سلامت ہونے لگی۔ منیرہ کے نمبر اچھے تھے چونکہ پچھلے برس اُس کی رپورٹ اچھی نہ تھی اس وجہ سے اس سال کی اچھی رپورٹ دیکھ کر سب ہی خوش ہو رہے تھے۔

''تمہاری دوست کا کیا رزلٹ رہا؟'' ابو کو فخری کا فوراً خیال آیا۔

''فرسٹ پوزیشن ابو'' منیرہ نے خوش ہو کر کہا ''بلکہ اس بار تو تینوں سیکشنوں میں ہائسٹ مارکس اُس کے ہیں۔''

''بہت خوب بھئی بہت قابل لڑکی ہے۔'' ابو نے کہا۔

''مگر میرے بھی تو نمبر بہت اچھے ہیں ابو۔'' منیرہ نے داد چاہی۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔'' ابو نے کہا۔ ''بہت اچھے نمبر لئے ہیں میری بیٹی نے (پھر مسکرا کر) ویسے تم بھی فرسٹ ہی ہو کلاس میں۔''

''وہ کیسے ابو؟'' منیرہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

''بھئی صفر کی تو کوئی ویلیو ہی نہیں ہوتی۔ دسواں نمبر ہے تمہارا۔ پہلا ہی سمجھو۔''

''ابو آپ مذاق اُڑا رہے ہیں۔'' منیرہ نے منہ بنایا۔

''مذاق کہاں کر رہا ہوں ٹھیک بات کہہ رہا ہوں۔'' ابو بہت موڈ میں تھے۔

''اچھا خیر اب لایئے میری گھڑی۔''

''کون سی گھڑی؟''

''امی دیکھ لیجئے ابو کو۔'' منیرہ نے پلٹ کر امی سے شکایت کی۔

''میں کون ہوتی ہوں باپ بیٹی کے بیچ بولنے والی۔ تم خود نمٹ لو اپنے ابو سے۔''

''ابو آپ نے وعدہ کیا تھا۔''

''اچھا تو جاؤ میرا بریف کیس اُٹھا لاؤ بھاگ کے۔''

''کیا گھڑی آ گئی ابو۔'' منیرہ نے خوش ہو کر پوچھا

''جاؤتم بریف تو لاؤ جا کر۔''

منیرہ الماری سے بریف کیس نکال لائی۔

واسطی صاحب نے ایک خوبصورت سی ریسٹ واچ نکال کر بیٹی کو دی۔

''اللہ۔ کتنی پیاری گھڑی ہے۔'' منیرہ نے خوشی سے بے قابو ہو کر کہا ''مگر میں سہیلیوں کو دکھاؤں گی کیسے کل سے تو اسکول بند ہے۔''

''میلاد شریف میں آئیں گی تمہاری دوستیں تب دیکھ لیں گی۔'' امی نے یہ کہہ کر بات ختم کی۔

''اچھا بیگم جلدی کھانا لگواؤ۔ آج جمعہ ہے نماز کے لیے بھی جانا ہے۔'' واسطی صاحب اٹھتے ہوئے بولے۔

''اے لو مجھے تو یاد ہی نہیں رہا۔'' منی بیگم جلدی سے اُٹھ گئیں۔

''سب لوگوں نے جلدی جلدی کھانا کھایا پھر واسطی صاحب اور منیر نمازِ جمعہ کے لیے مسجد روانہ ہو گئے۔

شام کے وقت گھر کے سب افراد بیٹھے آئندہ جمعہ کو ہونے والے میلاد شریف کا پروگرام مرتب کرنے لگے۔ یہ میلاد شریف جو منیرہ اپنی دوستوں کو بلا کر کرنا چاہتی تھی اب ایک بڑی تقریب میں ڈھل گیا تھا کیونکہ منی بیگم اپنی تمام ملنے جلنے والی بیگمات کو بھی مدعو کر رہی تھیں۔ اونچے اونچے گھرانوں سے اُن کا میل جول تھا اپنے کنبہ والے بھی سب اچھی حیثیت کے تھے اس بہانے سب کو جمع کرنے کا اچھا موقع تھا۔ منی بیگم تو تقریبات کی تلاش میں رہتی تھیں۔ اب قسمت سے خود بخود اُن کے گھر میں تقریب کا موقع آ گیا تھا۔ میلاد شریف تو صرف لڑکیوں کی حد تک محدود تھا۔ وہ اس ضمن میں کوئی تیاری نہیں کر رہی تھیں کیونکہ اس کا چارج پیر جی کی لڑکیوں ثریا اور زہرہ کو دے دیا گیا تھا۔ انھیں تو خواتین کی چائے اور ناشتے کا انتظام کرنا تھا اور اپنے لیے لباس بھی منتخب کرنا تھا سو وہ کر رہی تھیں۔

ابھی منی بیگم چائے کے لوازمات کے بارے میں اپنے میاں سے ڈسکس کر رہی تھیں کہ میجر نعیم اُن کی بیگم اور دونوں بچیاں آن پہنچیں۔

میجر نعیم سے منی بیگم کی دور پرے کی رشتہ داری تھی وہ رشتہ میں اُن کے بھائی ہوتے تھے۔ مگر اُن کے گھر سے منی بیگم کے بہت زیادہ تعلقات تھے۔ سوسائٹی میں اُن کی کوٹھی تھی۔ اپنی کار بھی تھی۔ منی بیگم میجر نعیم کے گھرانے سے بہت مرعوب تھیں اور جب کبھی یہ لوگ آتے تھے تو خاطر

مدارت میں بجھ بجھ جاتی تھیں۔ میجر نعیم اچھی شکل وصورت کے جوان آدمی تھے لچھے دار باتیں کرتے تھے اُن کی بیگم خاموش طبیعت اور سمجھ دار خاتون تھیں۔ اُن کی دو ہی بیٹیاں تھیں۔ چار اور چھ سال کی عمروں کی۔ چونکہ اُن کے گھر کوئی بیٹا نہ تھا اور آئندہ بچے پیدا نہ کرنے کی ان لوگوں نے قسم کھائی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے انھیں بیٹیوں سے بہت پیار تھا بقول میجر نعیم کے وہ دنیا کی تمام بیٹیوں سے پیار کرتے تھے اسی وجہ سے واسطی صاحب کی دو بیٹیاں نجمہ اور منیرہ سے بھی انہیں پیار تھا لیکن منیرہ بطور خاص انہیں بہت زیادہ پیاری تھی اس لئے کہ بقول اُن کے وہ بہت اچھی ذہین اور چارمنگ 'بچی' تھی اپنے اس غیر معمولی پیار کے باعث وہ اس 'بچی' کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ تحفہ تحائف سیر وتفریح سب کچھ اُس کے لیے مہیا کرتے تھے۔ ہر تقریب اور فنکشن میں اپنی فیملی کے ساتھ منیرہ کو بھی شریک رکھتے تھے اور منیرہ کے دل میں اپنے ماموں کی بہت زیادہ قدر تھی وہ خوش ہو ہو کر میجر نعیم سے تحائف لیتی تھی اور تفریح کے لیے جاتی تھی۔

اس وقت میجر نعیم آئے تو آتے ہی انھیں منیرہ کے پاس ہونے کی اطلاع ملی۔ ماں کے اشارے پر منیرہ رپورٹ کارڈ لے کر میجر نعیم کے پاس گئی۔ ایک ہاتھ سے میجر نعیم نے رپورٹ کارڈ کھولا اور دوسرے ہاتھ سے منیرہ کو بھینچ لیا۔

''بھئی واہ کمال کر دیا میری بیٹی نے۔'' پھر داہنے اور بائیں گال پر پیار کرنے لگے۔

منیرہ کھسیانی ہنسی ہنس رہی تھی اور منی بیگم زور زور سے قہقہے لگا رہی تھیں۔ مسز نعیم دور بیٹھی بردباری سے مسکراتی رہیں۔ اور واسطی صاحب نے اس سلسلہ میں غور کرنا کچھ مناسب نہ سمجھا البتہ منیرہ کو ان کا بچوں کی طرح اُسے لپٹا کر پیار کرنا کچھ اچھا نہ لگا۔ اُس نے جلدی سے خود کو چھڑایا اور رپورٹ کارڈ رکھنے کے بہانے وہاں سے رفو چکر ہو گئی۔

اُسے ابو کا بہت زیادہ خیال تھا اور ابو کی تربیت کا بھی اس کا گہرا اثر تھا پھر بے ترتیب سانسوں کو درست کر کے جب اُس نے خود کو نارمل کر لیا تو چپ چاپ آکر کنارے کی کرسی پر بیٹھ گئی۔ اب میجر نعیم اُس کی طرف سے بالکل بے گانہ، واسطی صاحب سے سیاست پر گفتگو کر رہے تھے۔ انھیں منیرہ کی موجودگی کا قطعی احساس نہ تھا کچھ دیر تک منیرہ وہاں بیٹھی بور ہوتی رہی پھر اُٹھ گئی۔

''سیدھے سادے شریف آدمی ہیں بے چارے نعیم ماموں۔'' اُس نے اپنے آپ سے کہا پھر نعیم ماموں کی بیٹیوں کو اپنی سہیلیوں کا البم دکھانے لگی۔

میلا د شریف شروع ہونے میں صرف تین دن رہ گئے تھے لیکن فخری ابھی تک اجازت نہ لے سکی تھی۔ نہ معلوم کیوں اُسے بڑے بھیا سے ڈر لگتا تھا کہیں وہ منع نہ کر دیں اور پھر یہ بات بھی تھی کہ اس طرح منیرہ کے ناراض ہو جانے کا ڈر تھا۔ وہ اپنی دوست کو کسی طرح بھی ناراض نہ کرنا چاہتی تھی۔ اجازت کے لیے وہ کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھی۔ اور پھر قسمت سے ایسا موقع ہاتھ آ ہی گیا۔ آج مسرت بھابی کی چھوٹی بہن نگہت بڑے بھیا کے سیخ کے کباب بنا کر لائی تھی۔ بڑے بھیا بہت خوش تھے اور بات بے بات پر ہنس رہے تھے۔ بھیا کے خوش ہونے کی وجہ سے مسرت بھابی بھی کھلی پڑ رہی تھیں ورنہ عام طور پر بڑے بھیا کا موڈ آف ہی ہوتا تھا اور مسرت بھابی اپنی تمام تر خوش اخلاقی کے باوجود بجھی بجھی سی نظر آتی تھی ایک بے نام سی اُداسی اُن کی آنکھوں سے اکثر جھانکا کرتی تھی۔ یہ بات فخری نے بہت بار نوٹ کی تھی۔ مگر بھابی سے کبھی پوچھنے کی ہمت نہ پڑی تھی۔ مسرت بھابی کی یہ اکلوتی چھوٹی بہن تھی۔ دو بڑے بھائی تھے، والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ مسرت بھابی کے والد بابا کے سگے بھائی نہ تھے بلکہ رشتے کے بھائی تھے۔ اب بھائی کی والدہ اپنے دونوں بیٹوں اور نگہت کے ساتھ لالوکھیت میں رہتی تھیں۔ کبھی کبھار کا آنا جانا تھا۔ بھابی میکے بہت کم جاتی تھیں البتہ بڑے بھیا ہر تیسرے چوتھے دن سسرال کا چکر ضرور لگاتے تھے۔ ایسا بہت کم ہوتا تھا کہ مسرت بھابی کے گھر سے کوئی آئے۔ بہر حال آج کافی دنوں کے بعد نگہت آئی تھی اور بڑے بھیا کے لیے سیخ کے کباب لائی تھی۔ بڑے بھیا خوش تھے یہ موقع فخری کے لیے بہت مناسب تھا کہ وہ اجازت لے لے چنانچہ اس نے بھابی سے تذکرہ کیا۔ بہت ہی حیرت انگیز طور پر بھیا نے خوشی سے اجازت دے دی بلکہ اپنی بیوی سے بھی کہا کہ تم فاخرہ کو لے کر چلی جانا۔ اس طرح یہ مسئلہ جسے وہ انتہائی پیچیدہ اور مشکل سمجھ رہی تھی بہت آسانی سے حل ہو گیا۔ امی سے تو وہ پہلے ہی کہہ چکی تھی لیکن انھوں نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی تھی کہ اکبر سے پوچھ کر بھابی کے ساتھ لے کر چلی جانا۔

اور اتنے دن سے وہ بھیا سے پوچھنے کے پروگرام بنا رہی تھی۔ مگر اب نگہت کی آمد نے اُس کی مشکل آسان کر دی تھی۔

مسرت بھابی کی یہ بہن جن کا نام نگہت تھا، اُسے ذرا بھی پسند نہ تھی۔ مسرت بھابھی جس قدر ہنس مکھ اور...... جاذب نظر تھیں، نگہت اسی قدر مغرور اور سوکھی مریل لگتی تھی۔ فخری اور نگہت کی ذرا بھی بے تکلفی نہ تھی۔ دونوں کے درمیان ایک نامعلوم سی خلیج حائل تھی۔ نگہت، فخری سے عمر میں دو سال بڑی تھی اور وہ بھی اس سال آٹھویں پاس کر کے نویں میں آئی تھی۔ وہ اپنے گھر کے قریبی اسکول میں پڑھتی تھی۔ اُسے نگہت کے پاس بیٹھنا اچھا نہ لگتا تھا۔ اس لیے جب کبھی نگہت آتی، کسی اور طرف چلی جاتی تھی اور مسرت بھابی کے میکے تو خیر وہ کبھی گئی ہی نہ تھی۔

میلاد شریف میں جانے کی بات طے ہوگئی تو فخری کو بہت زیادہ اطمینان ہوگیا۔ اُس کے پاس پچھلی عید کا ریشمی شلوار سوٹ رکھا تھا۔ وہی پہن کر جانے کا پروگرام تھا۔ خدا خدا کر کے جمعہ کا دن آ گیا۔ فخری اور مسرت بھابی تیار ہوگئیں۔ ان لوگوں کو منیرہ کا گھر معلوم نہ تھا لیکن نسرین گھر جانتی تھی اور وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ تھی۔ اس لیے ان لوگوں کو وہاں پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔

آج منی بیگم نے گھر کو خوب سجایا تھا۔ بڑے کمرے میں فرش بچھا دیا گیا تھا اور ایک طرف چوکی لگا دی گئی تھی۔ پیر جی کی لڑکیاں کافی پہلے سے آ گئی تھیں اور سارا کام بھاگ بھاگ کر رہی تھیں۔ جوں ہی فخری، منیرہ کے گھر پہنچی۔ منیرہ نے بھاگ کر اُس کا استقبال کیا۔ آج اُس کی جگری دوست پہلے پہل آئی تھی۔ اُس نے سبز رنگ کا شلوار سوٹ پہنا تھا اور وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ منیرہ ابھی تیار نہ ہوئی تھی۔ بھابی اور نسرین کو میلاد شریف والے کمرے میں بھیج کر منیرہ اپنے دوست کو بیڈروم میں لے آئی پھر اُس نے کہا۔

''اتنی پیاری لگ رہی ہو مگر بالوں کا حلیہ خراب کر رکھا ہے۔ میں ابھی ٹھیک کرتی ہوں۔''

فخری منع کرتی رہ گئی مگر منیرہ نے اُس کا ربن کھول ڈالا اور اُس کے بالوں میں ہولے ہولے برش کرنے لگی۔ اُس کے منع کرنے کے باوجود تھوڑا پاؤڈر لگایا اور سبز کانچ کی چوڑیاں ہاتھوں میں پہنا دیں۔

فخری نے سنگھار میز کے آئینے میں خود کو دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئی۔ واقعی وہ ایک بدلی ہوئی لڑکی لگ رہی تھی۔ بہت پیاری بہت خوبصورت۔

اور جب فخری تیار ہوگئی تو منیرہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکال لائی۔ ''آؤ تمہیں ثریا اور زہرہ باجی سے ملواؤں۔''

وہ دونوں لڑکیاں آٹے کی لوئی میں اگر بتیاں لگا رہی تھیں۔

''ثریا باجی، زہرہ باجی دیکھیے یہ کون آیا ہے۔'' منیرہ نے فخر سے اپنی دوست کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

''یہ فخری ہوں گی۔'' زہرہ نے فوراً کہا۔

''آپ لوگوں کا بھی غائبانہ تعارف بہت بار ہو چکا ہے۔ منیرہ آپ لوگوں کی بہت تعریف کرتی ہے۔'' فخری نے دونوں بہنوں سے باری باری ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''منیرہ خود بہت اچھی ہے۔ اسی لیے دوسروں کو اچھا کہتی ہے۔ ورنہ ہم لوگوں میں ایسی کیا بات ہے۔'' ثریا نے کہا۔

''جی بہت زیادہ خاص بات ہے۔ آپ کو کیا پتہ۔'' منیرہ نے شوخی سے کہا۔ ''اب آپ لوگ یہاں بیٹھ کر فخری سے باتیں کیجیے ذرا، میں بھی کپڑے تبدیل کرلوں۔''

یہ کہہ کر منیرہ اپنے بیڈروم میں چلی گئی اور اندر سے دروازہ بند کرلیا۔ مسرت بھابی اپنی فطری خوش اخلاقی کے باعث بہت جلد منی بیگم سے بے تکلف ہوگئی تھیں۔ اور جب سے آئی تھیں دنیا جہاں کی باتیں کر رہی تھیں۔ رفتہ رفتہ بہت سی خواتین آنی شروع ہوگئیں کیونکہ میلاد کا وقت ساڑھے تین بجے دیا گیا تھا۔ اور اب چار بج رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں منیرہ تیار ہو کر باہر آ گئی۔ آج وہ بہت زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ اُس نے شربتی غرارہ سوٹ پہنا تھا اور اُس کے بے حد گھنے بال کھلے ہوئے تھے۔ منی بیگم نے آج کے دن چوٹی باندھنے سے منع کر دیا تھا۔ اور اپنا ہلکا لاکٹ سیٹ بھی پہنا دیا تھا۔ منیرہ کو دیکھ کر ہر ایک نے اُس کی تعریف کی۔

ساڑھے چار بجے تک کافی عورتیں جمع ہو چکی تھیں۔ منیرہ کی تانگے کی ساتھی لڑکیاں بھی آ چکی تھیں اس وجہ سے میلاد شریف شروع کروا دیا تھا۔

میلاد شریف پڑھنے والی لڑکی چوکی پر بیٹھ گئی۔ ثریا جبیں اور زہرہ جبیں نے درمیانی نشست سنبھال لی۔ کچھ منیرہ کی کلاس فیلوز تھیں اور دو ایک محلّہ کی لڑکیاں تھیں۔

ثریا جبین اپنے ساتھ میلاد اکبر لائی تھیں۔

میلاد شریف روایتی انداز میں شروع ہوگیا۔

لڑکیاں باآواز بلند پڑھ رہی تھیں۔

''محمدؐ مصطفٰے صلِ علیٰ کی آج محفل ہے
حبیبِ کبریا صلِ علیٰ کی آج محفل ہے
وضو سے آئیں بیٹھیں باادب بھیجیں درود اُن پر
جہاں کے رہنما صلِ علیٰ کی آج محفل ہے۔''

مگر خواتین نہ ادب سے بیٹھی تھیں۔ نہ ہی کسی کو حضور ﷺ پر درود بھیجنے کی توفیق تھی۔ دنیا جہاں کے موضوعات جو وہ دنوں سے اپنے اپنے دلوں میں چھپائے بیٹھی تھیں، آج ایک دوسرے کے روبرو بیان کر دینے کا بہترین موقع تھا۔

قِسم قِسم کی خواتین تھیں اور طرح طرح کے موضوعات۔

بچوں کی بیماریاں۔

شادی اور طلاق کی باتیں۔

ساس بہو کے جھگڑے۔

میاں کا فضول خرچی۔ پڑوسن کا آنکھ مٹکا۔

کسی کی بدصورتی کا ذکر تو کسی کی امارت کا چرچا۔ غرض یہ کہ عورتیں بڑی روانی سے اپنی اپنی الاپ رہی تھیں۔

ثریا جبیں کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی۔

پڑھو درود پڑھو عاشقو درود پڑھو
درود سے کبھی غافل نہ ہو درود پڑھو

منی بیگم نے اپنی زرتار ساری کا پلو سر پر ڈال لیا۔ اور منہ ہی منہ میں درود شریف کا ورد کرنے لگیں چند دوسری خواتین بھی ایک لمحہ کو خاموش ہوگئیں۔

اب بھی نعت پڑھی جا رہی تھی۔

آمد مصطفٰےؐ ہے پھولا پھلا چمن چمن
آئی بہار ہر طرف کھلنے لگا چمن چمن

اتنے میں منی بیگم کی چھوٹی بچی نجمہ روتی پیٹتی کہیں سے آن پہنچی اب اُس کو بہلانے اور چپ کرانے کا صرف ایک ہی حربہ تھا چنانچہ منی بیگم نے آس پاس کی خواتین کا خیال کیے بغیر اپنا

فرض پورا کرنا شروع کر دیا۔ نجمہ غٹا غٹ اپنا پیٹ بھرنے لگی۔

اُدھر بیگم جہانگیر، بیگم نورانی سے کہہ رہی تھیں۔

''یہ جو سامنے بیٹھی ہیں نا بیگم زاہد۔ سبز بنارسی پہنے۔ اکلوتی ہے بے چاری کے پاس، ہر جگہ یہی پہن کر چلی آتی ہیں۔ آخر ایسا کیا شوق ہے ان کو بنارسی ساری...... باندھنے کا گُر نہیں ہے تو کوئی سوتی کپڑا پہن لیں۔''

''ارے بہن لوگوں کو بڑا آدمی بننے کا شوق ہوتا ہے، چاہے اندر سے کتنے ہی کھوکھلے ہوں۔'' بیگم نورانی نے کامدار ساری کا پلو برابر کرتے ہوئے کہا۔

کمرے میں بیٹھی ہوئی خواتین کی آواز رفتہ رفتہ بلند ہو رہی تھی۔ میلاد پڑھنے والی لڑکیاں بے بسی کے عالم میں خواتین کی طرف دیکھ رہی تھی۔ زہرہ جبیں کی آواز بہت باریک اور صاف تھی۔ وہ اپنی دل موہ لینے والی آواز میں روایت بیان کر رہی تھی۔

''جس وقت شب کو نور محمدیؐ حضرت آمنہ کو عنایت ہوا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ اے عرش! انوار کے برقعے پہن لے۔ اے کرسی! فخر کی چادریں اوڑھ لے۔ اے جنت کی حورو، جنت کی کھڑکیوں میں آراستہ ہو بیٹھو۔ اے فرشتو! نور کے پٹکے باندھ کر عرش کے گرد کھڑے ہو جاؤ۔ اے بہشت کے داروغہ، جنت کے دروازے کھول دے۔''

آگے بیٹھی ہوئی اسکول اور محلے کی کم عمر لڑکیاں خاموش بیٹھی تھیں اور خواتین کی آواز قدرے مدھم ہو گئی تھی۔ کسی کسی وقت اچانک احساس جاگ اُٹھتا تھا۔ شعور بیدار ہو جاتا تھا اور وہ سب بھی خاموش ہو جاتی تھیں۔

میلاد شریف شروع ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ منی بیگم نے ثریا جبیں کے کان میں کہلوایا۔

''اب سلام مناجات پڑھ کر میلاد ختم کر دیا جائے دیر ہو رہی ہے۔''

چنانچہ یہی کیا گیا۔

مناجات پڑھنے کے لیے فخری اوپر آ گئی تھی۔ اُسے مناجات پڑھنے کا شوق تھا۔ اُس کی آواز اچھی تھی۔ اس میں قدرتی درد تھا۔ منیرہ جانتی تھی اور وہی زبردستی اُسے چوکی پر لے آئی تھی۔

پھر فخری کی درد بھری آواز فضا میں گونج اُٹھی۔

مومنو وقت رحمت رب ہے

اب وہ مانگو جو دل کا مطلب ہے

سب کو ربّ غفور دیتا ہے

ہے وہ داتا ضرور دیتا ہے

فخری کی آواز سب کے دلوں کو چھو رہی تھی۔ خواتین اب بالکل خاموش بیٹھی تھیں اور سب کے ہاتھ دعا کے لیے اُٹھے ہوئے تھے۔ مناجات ختم ہوئی تو سب نے چہروں پر ہاتھ پھیر لیے مگر فخری بہت دیر تک چپ چاپ خدا تعالیٰ سے دُعائیں مانگتی رہی۔

بابا کی صحت یابی کی دُعائیں۔

بڑے بھیا کی خوش مزاج بنانے کی دعائیں۔

اپنے گھریلو حالات سدھرنے اور بہترین مستقبل کی دعائیں۔

غرض یہ کہ وہ جس قدر دعائیں مانگ سکتی تھی اُس نے مانگ ڈالیں۔

پھر چائے کا دور شروع ہو گیا۔ زندگی ہر طرف رواں دواں ہو گئی۔ ہنسی، قہقہے، باتیں، شکوے، شکایات۔

فخری کو پیر جی کی لڑکیاں اچھی لگی تھیں حالانکہ جب منیرہ اُن کا تذکرہ کرتی تھی تو وہ خوش نہیں ہوتی تھی۔ مگر اس نے محسوس کیا کہ یہ بے ضرر سی مخلص لڑکیاں ہیں۔ تعلیم کی کمی نے انھیں احساس کمتری میں مبتلا کر رکھا تھا ورنہ اور کوئی بات نہیں۔

واپس جانے والوں میں سب سے پہلی فخری ہی تھی کیونکہ مغرب کا وقت تھا اور خاصی دیر ہو چکی تھی۔ مسرت بھابی نے برقع اوڑھا اور سب لوگوں کو رخصتی سلام کر کے اپنے گھر روانہ ہو گئیں۔

جون کا مہینہ تھا۔ گرمی بڑی سخت تھی۔ حبس اتنا شدید تھا کہ کسی دم بارش پڑ جانے کا امکان تھا۔ امی نے حفاظتی تدابیر کے پیش نظر جلانے والی تھوڑی سی لکڑیاں اٹھا کر محفوظ جگہ پر رکھ دیں۔ اسٹوو اور لالٹینوں میں مٹی کا تیل ڈلوا لیا گیا۔ بادل اُمڈ اُمڈ کر آ رہے تھے۔ مگر برسنے کا نام نہ لیتے تھے۔ بڑے بھیا دفتر گئے ہوئے تھے اور چھوٹے بھیا ان دنوں ٹیوشن کر کے پیسہ جمع کر رہے تھے اس وجہ سے تمام دن گھر سے غائب رہتے۔ بڑے بھیا نے صاف کہہ دیا تھا کہ اگر آگے پڑھنا چاہتے ہو تو کالج کی کتابوں اور فیس کے لیے پیسہ اکٹھا کرو۔ اُن کا کہنا بھی ٹھیک تھا۔ بڑے بھیا کی تنخواہ اب 5 روپے سالانہ کے حساب سے بڑھ کر ایک سو تیس روپے ہو گئی تھی۔ جس میں اتنی جانوں کا خرچہ اصغر علی کے لیے کالج کی پڑھائی کا خرچ کہاں سے آتا۔ ریحانہ خاتون کی عمر بھی آٹھ

برس ہوگئی تھی اور وہ پڑھنے میں بہت تیز تھی مگر اُس کا نام بھی نہیں لکھایا گیا تھا یہی وجہ تھی کہ اصغر تمام دن مارے مارے پھرتے ۔ گھر میں چھوٹے بچوں کی ٹیوشنیں پڑھاتے پھرتے اور پیسہ جمع کرتے ۔ بڑی آپا اپنے آپ میں مگن تھیں ۔ انھیں سوائے فیشن کرنے اور ناولیں پڑھنے کے کوئی دوسرا کام نہ تھا۔ فخری کے یہ دن بہت اذیت میں گزر رہے تھے نہ کسی کے گھر آنا نہ کسی کے گھر جانا بس تمام وقت امی کے ساتھ کام کرتے گزر جاتا ۔ ان دنوں چونکہ چھٹیاں تھیں اس وجہ سے باورچی خانے کا تقریباً تمام کام فخری نے سنبھال لیا تھا اور امی کی چھٹی دے دی تھی ۔ عجیب بات تھی بڑی آپا گھر کے کسی کام میں ہاتھ نہ لگاتی تھیں ۔ مسرت بھابی کا اپنا اور بچوں کا کافی کام ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ سارے گھر کی صفائی ستھرائی انھی کے ذمے تھی ۔ چائے بھی عام طور پر وہی بناتی تھیں اس وجہ سے کھانا پکانے کی ذمے داری فخری پر آن پڑی تھی ۔

ابھی صبح کے دس بجے تھے ۔ فخری نے برتن دھو کر تاہری بگھار دی تھی ۔ میتھی میں بگھری ہوئی تاہری کی خوشبو پورے گھر میں پھیلی ہوئی تھی ۔ اتنے میں دروازے پر کھٹکا ہوا۔ فخری نے جھانک کر دیکھا۔ منیرہ آئی تھی ۔

منیر اُسے چھوڑ کر باہر ہی سے واپس چلا گیا تھا۔

منیرہ کو دیکھ کر فخری کی تمام بوریت دور ہوگئی ۔ فخری اپنی دوست کو لے کر مسرت بھابی کے حصے میں چلی گئی ۔ یہ حصہ سب سے زیادہ صاف ستھرا اور قاعدے کا تھا۔ اسی لیے جب کبھی فخری کی کوئی سہیلی آجاتی وہ بھابی کی طرف آکر بیٹھ جایا کرتی تھی ۔ ایسے موقع پر بھابی ہمیشہ دوسری طرف چلی جاتی تھیں تاکہ سہیلیاں آپس میں بے تکلفی سے باتیں کرسکیں ۔

''کیا کر رہی تھیں؟'' منیرہ نے بیٹھتے ہی سوال کیا۔

''کھانا پکا رہی تھی ۔'' فخری نے کہا۔ ''اور تم سناؤ کیسے خیال آگیا میرا؟''

''خیال آہی گیا نا۔'' منیرہ نے کہا۔ ''جب ہی تو بھاگی چلی آرہی ہوں ۔''

''یہ تمہارے ہاتھ میں پیکٹ کس چیز کا ہے؟''

''یہ ایک تحفہ ہے ۔ اپنی ایک عزیز دوست کے لیے خریدا تھا اب تک پرزنٹ کرنے کی نوبت نہ آسکی ۔''

''اچھا۔ کہاں رہتی ہے تمہاری دوست؟'' فخری نے سادگی سے پوچھا۔

فخری کی معصومیت پر منیرہ کو بے طرح پیار آگیا۔

''بس رہتی ہے کہیں۔ میرے دل کے قریب، اب تمہیں کیوں بتاؤں۔''

''مت بتاؤ۔ میں پوچھتی بھی نہیں۔''

''بس جل گئیں میری دوست سے۔'' منیرہ نے چھیڑا۔

''یہ آج تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو۔'' فخری نے تعجب سے اپنی دوست کو دیکھا۔

''میری دوست تو میرے پاس بیٹھی ہے۔'' منیرہ نے کہا۔ ''تم کیسی دوست ہو میرے دل کی بات بھی نہیں سمجھتیں۔ تمہیں تو اچھی طرح معلوم ہے فخری کہ میری کسی اور سے اتنی دوستی نہیں جتنی تم سے ہے تمہارے فرسٹ آنے پر میں نے تمہارے لیے یہ تحفہ خریدا تھا لیکن اب تک تمہارے گھر نہ آسکی۔ آج منیر بھیا چھوڑ کر گئے ہیں۔''

''یہ تو بہت اچھا ہوا کہ تم آ گئیں مگر تحفے وغیرہ کا تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' فخری نے کہا ''اور ایسا کونسا میں نے تیر مارا ہے۔ کوئی نہ کوئی تو فرسٹ آتا ہی ہے نا۔ میں ہی آ گئی۔''

''اچھا خیر زیادہ باتیں مت بناؤ اور ذرا تکلف کر کے اس پیکٹ کو کھولو۔ پھر بتاؤ کہ یہ کیسا ہے۔ تمہیں پسند آیا کہ نہیں۔'' فخری نے پیکٹ کھولا۔ اندر سے سرخ رنگ کا انتہائی خوبصورت پوری آستین کا سوئٹر برآمد ہوا۔

''اُف اتنا پیارا سوئٹر۔ منیرہ کی بچی۔ کوئی چھوٹی سی چیز دے دی ہوتی۔''

''تمہیں پسند آیا؟''

''کیوں نہیں پسند آئے گا۔ ہے ہی اتنا خوبصورت۔'' فخری نے کہا۔ اتنے میں بھابی آ گئیں۔

بھابی کو بھی سوئٹر بہت پسند آیا۔ فخری، منیرہ کے لیے چائے بنانے چلی گئی۔ امی اور بھابی منیرہ کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد سب چائے پی رہے تھے۔

''اب تم کھانا کھا کر جانا۔'' امی نے منیرہ سے کہا۔

''ہاں اور کیا اب شام کو جانا۔'' فخری نے چائے کے برتن سمیٹتے ہوئے کہا۔

''ابھی منیر بھائی آتے ہوں گے۔ کھانا پھر کبھی کھا لوں گی۔ اس وقت تو مجھے جانا ہی پڑے گا۔''

''بہت مزے دار تاہری پکائی ہے میں نے۔'' فخری نے کہا ''دم پر لگی ہے۔ کھا کر جانا۔''

''ابھی تو تم نے چائے پلا دی۔ بسکٹ کھلا دیئے۔ اب جگہ کہاں ہے پیٹ میں۔'' منیرہ نے

ہنس کر کہا۔

''تھوڑی دیر میں جگہ ہو جائے گی۔تم رکو تو سہی۔''

''منیر بھیا ایک گھنٹے کا کہہ کر گئے ہیں انھیں اپنے دوست کے پاس کسی کام سے جانا تھا۔وہ آئیں گے تو مجھے جانا ہی ہوگا۔''

''تو پھر آئندہ کسی روز پورے دن کے لیے آنے کا وعدہ کرو۔''فخری نے کہا۔

''اچھا یہ ٹھیک ہے میں کسی دن امی سے اجازت لے کر پورے دن کے لیے آؤں گی۔تم بھی تو آؤ میرے گھر۔''منیرہ نے کہا۔

''تم امی سے پوچھ لو مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔''فخری نے کہا۔''میں تو خود بھی تمہارے گھر آنا چاہتی ہوں گھر میں پڑے پڑے بور ہو جاتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے میں امی سے ابھی بات کرتی ہوں۔''

اس کے بعد دونوں سہیلیاں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہیں۔فخری کے لیے منیرہ نے امی سے کہا اور بابا سے اجازت لے لی۔بابا نے وعدہ کیا کہ وہ فخری کو ضرور بھیج دیں گے۔فخری خوش ہو گئی۔تھوڑی دیر میں منیر بہن کو لینے آ گیا۔

منیرہ سب کو خدا حافظ کہہ کر اپنے گھر روانہ ہوگئی۔

منیرہ کے جانے کے بعد ایک بار پھر گھر کے جملہ افراد نے سوئٹر کو بغور دیکھا۔سوئٹر بہت عمدہ تھا۔سب ہی نے تعریف کی خاص طور پر وہ بابا کو تو بہت ہی پسند آیا۔

''چلو اچھا ہوا کام کی چیز دے گئی منیرہ۔''امی نے کہا۔''فخری کی سردیاں آرام سے کٹ جائیں گی۔''

فخری نے اس ضمن میں کوئی کمنٹ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور چپ چاپ سوئٹر کو تہہ کر کے اپنے بکس میں رکھ آئی۔

دوپہر ہو گئی تھی حبس اور گرمی بدستور تھی۔اچانک بوندا باندی شروع ہو گئی۔تاہری تو پک ہی چکی تھی۔سب نے جلدی جلدی کھانا کھایا۔کھانے کے برتن بھی ابھی دھو لینے ضروری تھے کیونکہ بارش تیز ہو جانے کا امکان تھا۔فخری بنا کسی کے کہے کام شروع کر دیتی تھی۔اُس نے چپ چاپ سب کی جھوٹی پلیٹیں اُٹھائیں اور آنگن میں رکھی ٹنکی کے پاس بیٹھ گئی۔ہلکی ہلکی بوندیں اُس کے جسم پر گر رہی تھیں جو اتنی گرمی اور حبس میں بہت بھلی معلوم ہو رہی تھیں۔اُس کا دل اس وقت بہت شاد

تھا وہ ہلکے سروں میں گا رہی تھی اور پلیٹیں صاف کر رہی تھی۔ جوں ہی برتن دھو کر وہ اندر آئی بارش تیز ہو گئی۔ موٹے موٹے پانی کے قطرے صحن کو بھگونے لگے۔

''یا اللہ تیرا شکر ہے پانی تو پڑا، مارے گرمی کے برا حال تھا۔'' امی نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھاتے ہوئے کہا۔

''ہاں اس وقت تو لطف آ گیا بارش کے ہونے سے۔'' بابا نے حقے کا کش لگاتے ہوئے کہا۔

بارش لحظہ بہ لحظہ تیز ہو رہی تھی۔ گڈو، بے بی اور دُرّی خوش ہو ہو کر بارش کو برستا دیکھ رہے تھے۔

''اللہ چھوٹے بھیا ابھی تک نہیں آئے۔'' فخری نے فکرمندی سے کہا۔

''اللہ جانے کہاں کہاں مارا پھرتا ہے غریب پیسوں کی خاطر۔'' امی نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

''بارش ہونے والی تھی تو چھوٹے بھیا کو آ جانا چاہیے تھا۔'' فخری کو اپنے سب بھائی بہنوں میں سب سے زیادہ اصغر علی سے پیار تھا۔

''آ جائے گا انشاء اللہ۔'' امی نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

دیکھتے ہی دیکھتے آسمان سیاہ ہو گیا۔ چاروں طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا پھیل گیا۔ بادلوں کی گرج بجلی کی چمک اور طوفانی بارش، فخری کا دل اندر ہی اندر خوف سے کانپ رہا تھا۔ نہ جانے کیا بات تھی اُسے بادلوں کی گرج سے بہت خوف آتا تھا اور بجلی چمکنے سے بھی وہ بہت ڈرا کرتی تھی۔ اس وقت دوپہر کا ڈیڑھ بجا تھا مگر یوں لگتا تھا رات ہونے والی ہے۔ دُرّی پانی میں چھپ چھپ کر رہی تھی۔ اُس کے کپڑے ہاتھ پاؤں سب بھیگ گئے تھے۔ بھابی اپنے بچوں گڈو اور بے بی کو اندر لے گئی تھیں۔ مگر دُرّی کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ فخری نے دُرّی کو پانی سے ہٹایا پھر بھیگی چوہا بنی دُرّی کو لے کر بڑی آپا کے حصے میں گئی تا کہ وہ دُرّی کا حلیہ درست کریں مگر بڑی آپا چادر سینے تک تانے بے خبر پڑی سو رہی تھیں۔ اُن کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ شاید بہت خوبصورت سپنا دیکھ رہی تھیں۔ اُن کے قریب ہی ایک ناول رکھا تھا، جس کے اوراق ہوا سے پھڑ پھڑا رہے تھے۔ اچانک تیز ہوا کا جھونکا آیا اور ناول کے اوراق ایک کے بعد ایک کھلتے چلے گئے۔ پھر ناول کا بیچ سے کاغذ کا ایک پرزہ اڑا اور فخری کے قدموں میں آن گرا۔

فخری نے غیر ارادی طور پر پرچہ اُٹھالیا۔

نہ جانے کیوں پرزے پر نظر پڑتے ہی وہ بہت زیادہ نروس ہوگئی تھی۔ وہ چپ چاپ دُرّی کو لے کر اپنی طرف آ گئی پھر اُس کے کپڑے تبدیل کر کے بڑی آپا کے پاس لٹا آئی۔

کاغذ کا وہ پرزہ اُس کے پاس بہت حفاظت سے رکھا تھا۔ اُس نے ایک بار پھر کاغذ کا وہ پرزہ غور سے پڑھا لکھا تھا۔

''جان من!

تم سے ملنے کو بہت بے چین ہوں۔ اتوار کو روز ٹھیک بارہ بجے رات کو جھاڑی کے پیچھے آؤں گا ضرور ملنا۔ فقط...... تمہارا شمشیر خاں

فخری نہیں جانتی تھی شمشیر خاں کون ہے اور یہ خط کسے لکھا گیا ہے۔ مگر اس کی چھٹی حس بہت زیادہ بیدار تھی اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ یوں لگتا تھا ابھی ابھی کچھ ہو جائے گا۔ یہ خط بڑی آپا کے ناول سے برآمد ہوا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا یوں ہی کسی کا پرزہ ناول میں رکھا ہوا آ گیا ہو۔ اس نے اپنے دل کو تسلی دینا چاہی مگر دل کسی طور تسلی ماننے کو تیار نہ تھا۔ کاغذ کا وہ پرزہ اس نے احتیاط سے تہہ کیا۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا وہ اس خط کا کیا کرے۔ اس کی موجودگی سے بہت سی دوسری پیچیدگیاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ کیونکہ لکھنے والے نے کسی کا نام لے کر مخاطب نہ کیا تھا۔ وہ چپ چاپ باورچی خانے میں چلی گئی اور ماچس دکھادی۔

ذراسی دیر میں وہ بے نام کا پرچہ جل کر خاک ہو گیا۔ مگر اس کا دل مطمئن نہ تھا۔ ماچس کی ایک تیلی اس پرزے کو جلا کر راکھ بنا سکتی ہے مگر جو آگ اس گھر میں لگنے والی تھی اسے کون بجھا سکتا تھا؟ اس نے آنے والے لمحات کے خوف سے آنکھیں موند لیں، سب اپنے اپنے بستروں میں دبکے پڑے تھے۔ فخری کا دل بہت اداس تھا۔

اچانک امی کی آواز گونجی۔

''ارے پکڑو۔ پکڑو۔''

فخری اپنے خیالوں سے چونک پڑی

''کیا ہوا امی کسے پکڑو۔''

''ارے وہ المونیم کی دیگچی بہی جارہی ہے۔ اسے پکڑو۔''

''بہہ جانے دیجیے امی اتنی پرانی تو ہے مراد آباد کے زمانے کی۔''

''اے واہ لڑکی دماغ تو ٹھیک ہے تیرا۔ میں کہتی ہوں پکڑ دیگچی کو۔ اے گئی.....گئی۔''

فخری کو بادل ناخواستہ برستے پانی میں نکلنا پڑ گیا اور وہ ایک لمحے میں بھاگ کر المونیم کی پرانی دیگچی دروازے کے پاس سے پکڑ لائی۔

امی کو اپنی پرانی دیگچیوں اور لوٹوں سے بڑا پیار تھا۔ غسل خانے کا لوٹا بھی المونیم کا تھا۔ اس پر تو اتنے زیادہ گول گول نشانات تھے کہ شکل پہچاننی مشکل تھی۔

اچانک ہی فخری کو لوٹے کا واقعہ یاد آ گیا تو ایک لمحہ کو وہ ساری پریشانیاں اور فکریں بھول گئی۔ اس کے سادہ سے چہرے پر مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔

یہ پچھلے برس کا واقعہ تھا۔

وہ اسکول سے آئی تو گھر میں ہائے ہائے مچی ہوئی تھی۔

''یا اللہ کیا ہوا'' وہ گھبرا کر کتابیں بستر پر پھینک کر دوڑی۔ معلوم ہوا المونیم کے لوٹے میں محلّہ کی بلی کا منہ پھنس گیا تھا۔ شاید پانی پینے کے لیے اس نے منہ ڈالا تھا اور اب نکل نہیں پا رہی تھی۔ بلی کئی فٹ اونچا اچھلتی اور دھم سے گر پڑتی مگر لوٹا منہ سے نہ نکلتا تھا۔

فخری کا دل بلی کی بے بسی پر کڑھنے لگا۔ اسے یہ پریشانی تھی کہ اللہ بے چاری بلی کا دم گھٹ رہا ہوگا مگر امی اپنے لوٹے کے لیے پریشان تھیں۔

''کمبخت نے اچھل اچھل کر اتنے نشان ڈال دیئے۔'' وہ خفا ہو رہی تھیں۔ ''اے کچھ کرو تم لوگ کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔''

کیا کریں آخر بلی کو کیسے پکڑیں۔'' اصغر علی نے جھنجھلا کر کہا۔

تو کیا لوٹا گنوا دیا جائے گا۔'' امی نے آنکھیں نکال کر کہا۔

''ہائے اللہ امی آپ کو لوٹے کی فکر ہے مجھے بلی کی فکر پڑی ہے۔ اگر اس کا منہ نہ نکلا تو کیا کرے گی بے چاری۔'' فخری نے کہا۔

''بڑی آئی بلی کی طرف دار بن کر تم چپ رہو فاخرہ۔ ایک ہی تو لوٹا ہے گھر میں۔ اب وضو وغیرہ کس طرح ہوا کرے گا؟''

ابھی یہ بحث جاری تھی کہ بلی اچھلتے اچھلتے باہر نکل گئی۔ چھوٹے بھیا' فخری اور ریحانہ بھی باہر نکلے۔ امی اور بھابی منہ نکال کر جھانکنے لگیں اس طرف چونکہ سناٹا تھا اس وجہ سے پردے کی قید نہ تھی۔ باہر مٹی بہت گندی تھی چونکہ ٹینٹ کا پچھواڑا تھا اس وجہ سے ادھر ادھر کی غلاظت لوگ پھینک

جاتے تھے۔

امی لوٹے کے لیے ہول رہی تھیں اور فخری بلی کے لیے دعائیں کر رہی تھی۔

اس پورے عمل میں مشکل سے پانچ منٹ لگے ہوں گے۔ اچانک زور سے بلی اچھلی تو اس کا منہ لوٹے سے نکل گیا۔ بلی دم دبا کر ایک طرف بھاگی اور لوٹا غلاظت میں جا گرا۔

''اللہ تیرا شکر۔'' امی نے کہا۔ ''اے اصغر علی لوٹا اٹھا لاؤ دوڑ کر۔''

''اتنا غلیظ لوٹا میں تو نہیں اٹھاؤں گا۔'' اصغر علی نے صاف انکار کر دیا۔

''میں مانجھ کر پاک کر لوں گی تم لے آؤ۔'' امی نے حکم دیا۔ فخری کا دل بھی لوٹے کی طرف سے پھر گیا تھا مگر امی کی وجہ سے خاموش تھی۔ کیا فائدہ تھا کچھ بولنے کا۔ امی کی ڈانٹ پڑ جاتی۔ امی کے بہت زیادہ خفا ہونے پر بھی جب اصغر علی ٹس سے مس نہ ہوئے تو ریحانہ بھاگ کر لوٹا اٹھا لائی۔ پھر امی نے اسے سات بار مانجھ کر پاک کیا۔ بلی کے اچھلنے سے اس پر اتنے زیادہ نشانات بن گئے تھے کہ اس کی شکل پہچاننا دشوار تھا۔

آج بھی وہی لوٹا استعمال ہو رہا تھا۔

اور اس وقت فخری بہتی ہوئی دیگچی اٹھا کر لائی تھی۔

لوٹے کا واقعہ یاد آیا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

''اے یہ آپ ہی آپ کس بات پر خوش ہو رہی ہو۔'' امی نے اس کے مسکراتے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''کچھ نہیں لوٹے کا واقعہ یاد آ گیا تھا۔''

''کون سا واقعہ۔''

''وہی بلی والا۔''

''تمہیں ہر بات میں ہنسی مذاق سوجھتا ہے۔ تم لوگوں کے رائے مشوروں پر چلیں تو ہر چیز گنوا دیں گھر کی۔ اے ہاں۔'' امی نے کہہ کر سر سے چادر تان لی۔

فخری کے بال بھیگ گئے تھے۔ پاؤں بھی گیلے تھے۔ اس نے اپنے سر اور پاؤں خشک کیا پھر برستے آسمان کی طرف فکر مندی سے دیکھنے لگی۔ اسے چھوٹے بھیا کی طرف سے بہت زیادہ فکر تھی۔ اچانک چھپ چھپ کی آواز پر اس نے دروازے کی طرف نظر کی۔ اصغر علی سر سے پیر تک بھیگے چلے آ رہے تھے۔ فخری جلدی سے اٹھ گئی۔

امی بھی اٹھ گئیں۔

''کہاں رہ گئے تھے بیٹا۔'' امی نے فکرمندی سے پوچھا۔

''ٹیوشن پڑھ کر نکلا تھا کہ بارش آ گئی بہت دیر تک انتظار کرتا رہا۔ جب بارش نہ رکی تو مجبوراً گھر چلا آیا۔ کب تک شیڈ کے نیچے کھڑا رہتا۔''

''اچھا خیر اب کپڑے بدل لو۔'' امی نے کہا۔ ''فخری کھانا دے دے گی۔''

ایک طرف ڈور سے بندھا ہوا کپڑا لٹک رہا تھا جس کے پیچھے کھڑے ہو کر کپڑے بدلے جاتے تھے۔ اصغر علی نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کیے اتنے میں فخری تاہری لے آئی تھی۔ بارش کی ٹھنڈ کی وجہ سے تاہری کے چاول اکڑ سے گئے تھے۔ فخری نے کہا بھی تھا کہ وہ اسٹوو جلا کر گرم کر دے مگر چھوٹے بھیا نے منع کر دیا۔

انہیں بھوک بہت شدید تھی۔ فخری نے ٹھنڈے چاولوں کی پلیٹ بھائی کے سامنے رکھ دی اور اصغر علی نے بڑے بڑے نوالے بنا کر جلدی جلدی منہ میں ٹھونسنے شروع کر دیئے۔

شام تک بارش تھم گئی وہ گھر کے مختلف کاموں میں مصروف رہی' اس کے ذہن سے اس خط کی پریشانی نکل گئی تھی۔ مگر جب رات کا سناٹا چاروں طرف عود کر آیا اور سب نیند کی وادیوں میں گم ہو گئے تو اس کا شعور جاگ اٹھا۔ تمام رات اسے ٹھیک طرح سے نیند نہ آ سکی جتنی دیر سوئی بھی تو برے برے خواب نظر آتے رہے۔

''خدا کرے خط والی بات میں کوئی حقیقت نہ ہو۔'' وہ دل ہی دل میں دعا مانگتی رہی۔ مگر اس کی پریشانی کم نہ ہوئی۔

اتوار کی رات آنے میں صرف دو دن باقی تھے۔ مشکل تو یہ تھی کہ وہ اپنی پریشانی کسی سے بیان بھی نہ کر سکتی تھی ابھی اس کی اتنی عمر نہ تھی کہ اتنی بڑی بڑی باتیں کر سکتی۔ اور پھر کہتی کس سے؟۔

نہ جانے کس طرح یہ دو دن گزرے اور اب اتوار کی رات شروع ہو چکی تھی۔ آج وہ شام ہی سے بہت مضطرب تھی اس نے بہت خاموشی سے بڑی آپا کا مشاہدہ کیا تھا۔ بڑی آپا صبح سے بہت خوش تھیں۔ کبھی ناول پڑھتیں اور کبھی آپ ہی آپ گنگنانا شروع کر دیتیں۔ شام کو نہا دھو کر انہوں نے گلابی لباس پہنا گویا کہیں جا رہی ہیں۔

''کیا کہیں جانے کا ارادہ ہے؟'' امی نے عادتاً پوچھ بھی لیا۔

اس پر بڑی آپا برا مان گئیں۔ شاید دل میں چور تھا۔

''کیا نہا دھو کر کپڑے پہنیں تو کہیں جانا ضروری ہوتا ہے۔''

بڑی آپا کے اس طرح جواب دینے پر امی خاموش ہوگئیں۔ وہ اولاد کے منہ نہ لگنا چاہتی تھیں۔ خصوصاً خودسر اولاد سے جس میں بڑے بھیا اور بڑی آپا دونوں شامل تھیں۔

کیمپوں میں بجلی تو تھی نہیں اس وجہ سے ہر گھر میں لال ٹین جلا کرتی تھی۔ سرِ شام ہی اندھیرا پھیل جاتا۔ تمام لوگ بعد مغرب کھانا کھا کر بستروں میں دبک جاتے۔ بچے مار پیٹ کر سلا دیئے جاتے۔ اور طالب علم لال ٹین کی مدھم روشنی میں سوالات حل کرتے۔ مہاجر کیمپوں کی قطاریں بنی ہوئی تھیں۔ فخری کا ٹینٹ سب سے کنارے کا اور نسبتاً محفوظ تھا۔ صحن کی قنات پر کنارے کی طرف بیل چڑھائی ہوئی تھی جو اب بڑھتے بڑھتے ایک جھاڑی کی شکل اختیار کر چکی تھی اور اس جھاڑی میں اودے اودے پھول بہت کثرت سے لگے ہوئے تھے۔ جھاڑی کے بالکل قریب گھڑونچی رکھی تھی جس پر دو عدد پانی کے گھڑے رکھے ہوئے تھے۔ ایک گھڑے پہ مگ اور دوسرے پر کٹورا رکھا ہوا تھا۔ قنات کے باہر جانے یا اندر آنے کا ادھر کا کوئی راستہ نہ تھا۔ مگر قناتیں نیچی اور خستہ حال تھیں کہ اگر دو انسان اندر اور باہر کھڑے ہوں تو آرام سے بات چیت کر سکتے تھے۔ فخری نے لیٹے لیٹے آپ ہی آپ سوچا۔ گھڑونچی کے پاس جگہ ملاقات کے لیے بہت محفوظ ہے ذرا سے کھٹکے پر پانی پینے کا بہانہ کیا جا سکتا ہے۔''

گرمی کے باعث سب ہی لوگوں نے اپنے اپنے پلنگ صحن میں گھسیٹ لیے تھے مگر بڑی آپا آج اندر ہی سو رہی تھیں۔

دس ساڑھے دس بجے تک سب ہی افراد گہری نیند سو گئے۔ فخری بھی آنکھیں موندے اپنے بستر میں پڑی تھی۔ ریحانہ اس کے ساتھ سوتی تھی وہ بچپن کی نیند میں آڑی ترچھی ٹانگیں پھیلائے بے خبر سو رہی تھی۔ فخری نے ریحانہ کو ٹھیک سے لٹایا اور خود بھی سوتی بن گئی۔ مگر اس کا رواں رواں جاگ رہا تھا...... نہ جانے کتنی دیر گزر گئی لیٹے لیٹے۔ فخری کے پاس گھڑی تو تھی نہیں۔ نہ کوئی آواز ہوئی۔ نہ کھٹکا۔ مگر اسے اندازہ تھا کہ آدھی رات تو گزر ہی چکی ہوگی۔ پھر کیمپ کے پچھواڑے جھاڑی کے پاس ہلکی ہلکی 'کھٹ کھٹ' کی آواز سنائی دی۔ آواز بہت مدھم تھی۔ اگر فخری کو پہلے سے احساس نہ ہوتا تو وہ اس آواز پر غور بھی نہ کرتی۔ پھر اس نے محسوس کیا بڑی آپا بہت آہستہ آہستہ اپنے حصے سے نمودار ہوئیں اور اِدھر اُدھر دیکھتی گھڑونچی کے پاس پہنچ گئیں۔ فخری نے اپنی سانس روک لی۔ اس کا دل بہت زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اپنی آنکھوں

سے کوئی انوکھی بات دیکھے۔ اس نے کس کر آنکھیں موندلیں مگر ہلکی ہلکی کھسر پھسر کی آواز نے اسے آنکھیں نیم واکرنے پر مجبور کردیا۔ آنگن ہی کتنا بڑا تھا۔ چندفٹ کے فاصلے پر بڑی آپا کھڑی تھیں اور قنات کے دوسری طرف کوئی مرد کھڑا تھا۔ گھنے بالوں اور بڑی بڑی مونچھوں والا۔ ہلکی ہلکی چاندنی پھیلی ہوئی تھی اور دوسائے سرگوشی میں باتیں کررہے تھے۔ فخری کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔ وہ بہت زیادہ نروس ہوگئی تھی۔ دس منٹ اسی طرح باتیں کرتے گزر گئے۔ فخری نے آنکھوں کی جھری بنا کر دیکھا۔ بڑی آپا کے ہاتھ اس مرد کے ہاتھوں میں تھے پھر......اس مونچھوں والے مرد اور بڑی آپا کے چہرے ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔

فخری نے کس کے آنکھیں موندلیں۔ مارے ڈر کے اس کے منہ سے دبی دبی سی چیخ نکل گئی۔

بڑی آپا جلدی سے اس کے قریب آ گئیں۔

''کیا ہوا فاخرہ۔''

اس نے گھبرا کر ادھر ادھر نظر کی۔ اجنبی غائب ہو چکا تھا اور بڑی آپا اس کے قریب کھڑی تھیں۔

''کیا خواب دیکھ رہی تھیں۔''

''ہاں خواب ہی تھا۔ بھوت تھا شاید۔''

فخری منہ ڈھانپ کر آہستہ آہستہ رونے لگی۔

''چپ ہو جاؤ فاخرہ میں پانی لائی ہوں یہ لو۔ پی لو آج گرمی بہت ہے۔ مجھے خود پیاس لگی تھی۔ پانی پینے آئی تو تم سوتے میں ڈر کر چیخ پڑیں۔''

فخری کو سچ مچ پیاس لگی تھی۔ اس کا حلق خشک ہورہا تھا۔ آپا کے ہاتھ سے پانی کا کٹورا لے کر غٹاغٹ پی گئی۔

بڑی آپا دنیاداری نبھانے کو فخری کے پلنگ پر بیٹھ گئیں۔ ان کے جسم سے کسی سستے سینٹ کی مہک اٹھ رہی تھی۔ اچانک فخری کو ابکائی آ گئی۔

نسرین کی بابت سوچ کر بھی اسے متلی آئی تھی کیسی لڑکی ہے پڑوسی نوجوان کے گھر میں چپ چاپ گھس جاتی ہے مگر آج اس وقت بڑی آپا کا یہ روپ دیکھ کر اسے واقعی الٹی آنے لگی۔

وہ جلدی سے اٹھ کر قریب کی جھاڑی کے پاس گئی اور منہ بھر بھر کر الٹی کرنے لگی، فخری کی

آوازیں سن کر امی جاگ پڑیں۔

''کیا ہوا؟'' وہ پلنگ سے اتر کر نزدیک آ گئیں۔

''بس ایسے ہی اچانک طبیعت خراب ہونے لگی۔''

فخری کلی کر کے بستر پر لیٹ گئی۔

''پھر بھی ہوا کیسے آخر۔'' امی کی عادت جرح کرنے کی تھی۔ ''اے تم بتاؤ دردانہ تم کب سے یہاں کھڑی ہو۔ مجھے کیوں نہ جگایا۔''

''مجھے تو کچھ خبر نہیں۔'' دردانہ نے جواب دیا۔ ''میں ادھر پانی پینے آئی تھی۔ اچانک فخری سوتے میں چیخی۔

میں نے پانی پلایا بس اسے الٹی ہونے لگی۔''

''خالی پیٹ میں پانی سے الٹی آتی ہے۔ رات اس نے دو نوالے کھائے تھے۔'' امی فخری کے سرہانے بیٹھ کر اس کا سر سہلانے لگیں۔

فخری آنکھیں موند کر لیٹ گئی۔ دردانہ اپنے حصے میں واپس چلی گئیں۔ فخری کو سوتا سمجھ کر تھوڑی دیر میں امی بھی اپنے بستر پر لیٹ گئیں تھوڑی دیر میں ان کے خراٹے صحن میں گونج رہے تھے۔ مگر فخری جاگ رہی تھی۔ اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ وہ جو دو دن سے کشمکش کے عالم میں گزار رہی تھی اب صحیح صورت حال دیکھ کر خود پر قابو نہ رکھ سکی صبح ہوتے ہوتے اسے تیز بخار چڑھ گیا۔ فخری کا بخار دیکھ کر دردانہ کو اطمینان ہو گیا کہ وہ واقعی بیمار تھی۔ ورنہ ایک لمحہ کو انہیں شبہ سا ہوا تھا کہیں اس نے کچھ دیکھ نہ لیا ہو۔ سارے دن وہ بخار میں بھنتی رہی اور الٹیاں کرتی رہی۔

پہلے تو امی کا خیال تھا کہ وہ یوں ہی ٹھیک ہو جائے گی مگر شام تک جب اس کی طبیعت نہ سنبھلی تو مجبوراً سڑک والے حکیم جو 'حکیم نہیں نہیں' کہلاتے تھے' ان کے پاس سے حال کہہ کر دوا منگوائی گئی۔

یہ حکیم بہت ضعیف تھے اور ان کا سر دائیں بائیں مستقل ہلتا رہتا تھا جیسے ہر بات کے جواب میں کہہ رہے ہوں 'نہیں نہیں' بس یہی وجہ تھی کہ ان کا نام 'حکیم نہیں نہیں' پڑ گیا تھا۔

امی نے حکیم کا بھیجا ہوا پڑا اونٹایا اور پیالے میں دوائی ڈال کر فخری کے پاس لے آئیں۔

فخری دوائی پینے میں ہمیشہ سے نخرے باز تھی۔ مگر امی کی ڈانٹ سن کر دوائی پینی ہی پڑ گئی۔ حکیم صاحب بہت اچھی دوائی دیتے تھے۔ دوسرے روز تک فخری کا بخار اتر چکا تھا اور الٹیاں بھی اب

ٹھیک تھیں۔امی نے پتلی مونگ کی کھچڑی پکا کر اسے کھلائی تھی۔دو ہی دن میں وہ بہت کمزور اور پیلی ہوگئی تھی۔

کئی دن گزر گئے فخری بظاہر ٹھیک ہوگئی مگر اس کا ذہن بیمار تھا اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا وہ اتنی بڑی بات کس سے کہے؟

شمشیر خاں کون ہے وہ یہ بھی نہ جانتی تھی۔خدا معلوم کتنے عرصے سے یہ چکر چل رہا تھا اسے کچھ خبر نہ تھی۔اور اگر بڑے بھیا کو پتہ چل جائے تو؟ بڑے بھیا کیا چھوٹے بھیا کو پتہ چل گیا تو شامت آ جائے گی۔اس تصور ہی سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔چھوٹے بھیا اور اس کا مزاج بہت ملتا ہوا تھا۔یوں تو وہ بہت نرم دل اور اچھے مزاج کے تھے مگر غلیظ اور نیچ باتوں کی برداشت نہ تھی اور اگر چھوٹے بھیا نے دیکھ لیا کسی روز اس شخص کو ہمارے گھر میں جھانکتے تو ہڈی پسلی ایک کر دیں گے اس کی...... یہ فخری خوب جانتی تھی۔مارے ڈر کے اس نے منہ سے کوئی بات نہ نکالی۔اور نہ ہی بڑی آپا پر کچھ ظاہر ہونے دیا کہ وہ کچھ جانتی ہے۔مگر وہ خود بہت بدل گئی تھی ہر وقت خاموش رہتی کھوئی کھوئی سی۔

ایک دن مسرت بھابی نے اس سے پوچھ ہی لیا۔

''فخری تم کوئی بات چھپا رہی ہو۔''

''کس قسم کی بات۔''اس نے بنا چونکے بہت اطمینان سے مسکرا کر پوچھا۔

''وہی جو تمہارے دل میں ہے۔''بھابی نے کہا۔

''آج کل تم بہت خاموش رہتی ہو ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتی رہتی ہو آخر کوئی تو وجہ ہوگی اس کی۔''

''جب سے بخار اترا ہے میں کمزوری سی محسوس کرتی ہوں بس یہی بات ہے۔''

''واقعی اور کوئی بات نہیں؟''بھابی نے پھر جرح کی۔

''گھر بیٹھے بیٹھے کیا بات ہو جائے گی۔نہ کہیں آنا نہ جانا۔''فخری نے جواب دیا۔

فخری کی بات بھابی کے دل کو لگی۔واقعی آج کل چھٹیاں تھیں۔فخری نہ کہیں آئی نہ گئی۔پھر کیا بات ہوتی۔ویسے بھی فخری کی ذہانت اور اعلیٰ سوچ سے بھابی مرعوب رہتی تھیں۔وہ کوئی غلط بات اس کے لیے سوچ بھی نہ سکتی تھیں۔

نہ جانے فخری کو کیا خیال آیا اچانک کہہ اٹھی۔

''میری تو خیر ایک ہفتہ سے طبیعت خراب ہے مگر آپ کا اپنے متعلق کیا خیال ہے اکثر کھوئی کھوئی سی......رہتی ہیں۔''

''نہیں تو میں کب تمہیں کھوئی کھوئی لگی۔'' بھابی نے بوکھلا کر کہا۔

''بھابی آپ کچھ کہیں نہ کہیں۔ بتائیں یا نہ بتائیں میں سب سمجھتی ہوں آپ اداس رہتی ہیں۔''

''واہ وا بلا وجہ بھی۔ میں نے کب کہا تم سے کچھ۔''

''آپ نے زبان سے نہیں کہا کچھ' تو کیا ہوا۔ آپ کی آنکھیں تو کہتی ہیں نا؟''

''کیا کہتی ہیں' میری آنکھیں۔'' بھابی سچ مچ گھبرا گئیں۔

فخری ہنسنے لگی۔

''آپ بہت سیدھی ہیں مسرت بھابی۔ آپ کو خبر نہیں میں اکثر آپ کو بہت غور سے دیکھتی ہوں۔ آپ کا چہرہ ہنستا ہے مگر آنکھیں اداس ہوتی ہیں۔ اس کی صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے میرے خیال میں کہ بھیا کا سلوک آپ سے اچھا نہیں۔''

''فاخرہ!'' بھابی نے تنبیہی انداز میں کہا'' ایسی باتیں تم نے کہاں سے سیکھیں۔ اپنے بھیا پر شک کرتی ہو۔''

''میں کسی پر شک نہیں کرتی حقیقت بیان کر رہی ہوں۔'' اس نے بڑے وثوق سے بھابی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''خاموش ہو جاؤ فخری تم ابھی بہت چھوٹی ہو۔ اتنی بڑی بڑی باتیں تمہارے منہ سے اچھی نہیں لگتیں۔''

''نہ تو میں چھوٹی ہوں اور نہ یہ باتیں بڑی ہیں بھابی یہ تو بہت عام سی گھریلو باتیں ہیں جو ہر کسی کی سمجھ میں آ سکتی ہیں۔''

''لیکن تم نے بہت غلط سمجھا ہے فاخرہ خاتون۔ ہمارے درمیان ایسی کوئی بات نہیں اور خبردار کبھی اس قسم کی بات مت سوچنا۔''

بھابی کا لہجہ تھوڑا تھوڑا سخت ہو گیا تھا۔ فخری ایک دم خاموش ہو گئی۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اسے بھابی سے اس قسم کی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔

''سوری بھابی آئندہ میں ایسی کوئی بات نہیں کروں گی جس سے آپ کو دکھ پہنچے۔'' اس نے

آہستہ سے کہا اور اٹھ کر جانے لگی تو بھابی نے پکار لیا۔

’’فخری۔‘‘

’’جی۔‘‘

’’چلیں کہاں بیٹھو تھوڑی دیر‘ تم سے ایک کام کروانا ہے۔‘‘

فخری بیٹھ گئی۔

’’لو بے بی کی فراک کی ترپائی باقی ہے ذرا سی کر دو اتنے میں چائے بنا لیتی ہوں۔‘‘

بھابی جھپاک سے نکل گئیں اور فخری سوئی میں دھاگا پرونے لگی۔

بابا‘ منیر سے باتیں کر رہے تھے۔ منیر اپنی بہن منیرہ کا خط فخری کے نام لایا تھا۔ اس نے لکھا تھا۔

’’پیاری دوست فخری!

کئی دنوں سے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے ہر وقت دل گھبراتا ہے۔ اگر ممکن ہو تو کسی دن تم آجانا۔ اس وقت تمہیں ایک زحمت دے رہی ہوں۔ تم نے بتایا تھا کہ تمہارے گھر کے پاس ایک لائبریری ہے جہاں ناولیں کرائے پر ملتی ہیں اگر ممکن ہو تو اے آر خاتون کا ناول ’شمع‘ یا ’افشاں‘ جو بھی ملے میرے لیے بھجوا دو میں پڑھ لوں تو منیر بھیا سے واپس بھجوا دوں گی۔‘‘

فقط تمہاری دوست میری۔

فخری نے یہ پرچہ ملتے ہی ریحانہ کو لائبریری بھیج دیا تھا کیونکہ وہی بڑی آپا کے لیے ناولیں لایا کرتی تھیں۔ لائبریری بالکل پیچھے ہی تھی۔ ذرا سی دیر میں ریحانہ ’شمع‘ اور ’افشاں‘ دونوں ہی کتابیں لے آئی۔ فخری نے دونوں کتابیں اور منیرہ کے نام مختصر سا خط لکھ کر منیر بھیا کو دے دیں۔

منیر بہت اچھی طبیعت کا سنجیدہ سا لڑکا تھا۔ فرسٹ ائیر سائنس کا امتحان دیا تھا اور آئندہ ڈاکٹر بننے کا ارادہ رکھتا تھا۔ بابا منیر سے مل کر بہت خوش ہوئے۔

مسرت بھابی نے منیر کی چائے بسکٹ سے تواضع کی۔ کچھ دیر وہ بیٹھا پھر کتابیں لے کر روانہ ہو گیا۔

فخری نے اپنے خط میں مختصراً اپنی طبیعت کا احوال لکھا تھا کہ کس طرح وہ بیمار ہو گئی تھی اور اب بھی کمزوری محسوس کرتی ہے اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ اگر موقع ملا تو وہ ضرور اس کے گھر آئے گی۔

لیکن ایک ہفتہ مزید گزر گیا فخری کو اپنی دوست کے گھر جانے کی نوبت نہ آ سکی۔ اب تو جون کا مہینہ ختم ہو رہا تھا اور اب صرف ایک مہینہ چھٹیوں کا باقی تھا۔

جولائی کے مہینے میں اصغر علی کا نتیجہ آنے والا تھا۔ فخری کو چھوٹے بھیا کے رزلٹ کا بہت انتظار تھا۔ وہ دن رات ان کی فرسٹ ڈویژن کے لیے دعائیں مانگا کرتی تھی۔

بڑی آپا والی بات اگرچہ پرانی ہوگئی تھی۔ مگر اس روز کے بعد سے وہ سکون کی نیند نہ سو سکی۔ ہر وقت اس کو یہی محسوس ہوتا تھا کہ رات کے کسی پہر جھاڑیوں کے پیچھے سے شمشیر خاں کا چہرہ نمودار ہو جائے گا اور بڑی آپا کو ہڑپ کر جائے گا۔ وہ آنے والے وقت کے خوف سے سہمی جا رہی تھی خدا جانے حالات کونسا رخ اختیار کریں۔ اگر خدانخواستہ کوئی ایسی ویسی بات ہوگئی تو ساری عزت خاک میں مل جائے گی۔ ان کے پاس اب تھا بھی کیا۔ نہ حیثیت رہی تھی نہ کوئی خاندانی وقار۔ ایک لے دے کر عزت رہ گئی تھی وہ بھی ڈولتی نظر آ رہی تھی مگر اس روز کے بعد سے کوئی واقعہ پیش نہ آیا۔ نہ ہی وہ شمشیر خاں کے متعلق کچھ جان سکی۔ اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے منہ سے یہ بات نہیں نکالی تھی۔

کتابیں پڑھ کر منیرہ نے واپس بھجوا دی تھیں۔ منیر باہر ہی سے دے کر واپس ہو گیا تھا۔ فخری نے احتیاط سے اپنے پاس رکھ لیں۔ اس نے سوچا چھوٹے بھیا سے کہہ کر واپس کروا دے گی۔ چنانچہ شام کو جب اصغر علی ٹیوشن پڑھا کر واپس آئے تو فخری نے کتابیں اور ڈیڑھ روپیہ دے کر کہا۔

"بھیا یہ بارہ دن کا دونوں کتابوں کا کرایہ ہے۔ منیرہ نے کتابیں اور پیسے بھجوائے ہیں آپ لائبریری والے کو دے آئیں۔"

"ارے تم نے اپنی دوست سے کرائے کے پیسے کیوں لے لیے؟" چھوٹے بھیا نے تعجب سے پوچھا۔

"میں نے کب لیے بھیا۔" فخری نے کہا۔ "کتابوں کے ساتھ ایک خط تھا اس کے اندر سے پیسے بھی نکلے۔ منیر بھیا تو باہر ہی سے چلے گئے تھے۔ میں نے بعد میں دیکھے۔"

"خیر رکھ دو کتابیں، میں واپس کر دوں گا۔"

تھوڑی دیر کے بعد اصغر کتابیں لے کر باہر نکل گئے۔ واپس آئے تو عجب سا منہ بنا ہوا تھا۔

"کیوں کیا ہوا بھیا؟" فخری نے نزدیک جا کر پوچھا۔

''کچھ نہیں عجب الو کا پٹھا ہے لائبریری والے کا لڑکا۔ کتابوں کا کرایہ نہیں لے رہا تھا کہتا تھا کہ شمشیر بھائی نے منع کیا ہے اس گھر سے کرایہ مت لینا۔''

''کون شمشیر بھائی۔'' فخری نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

''شمشیر خاں کی لائبریری ہے، اسی کا چھوٹا بھائی بیٹھا تھا اس وقت دوکان میں۔ مجھے بڑا غصہ آیا۔ شمشیر خاں ملے گا تو بات کروں گا کوئی ہم فقیر ہیں یا اٹھائی گیرے جو مفت میں کتابیں پڑھیں۔ اس وقت تو زبردستی کرایہ لڑکے کے پاس پھینک آیا ہوں۔''

شمشیر خاں کا نام سن کر فخری کا چہرہ زرد ہو گیا۔ وہ اچانک خاموش ہو گئی۔ اصغر علی نے بہن کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

''کیوں تمہیں کیا ہوا؟'' اصغر نے کہا۔ ''تم چپ کیوں ہو گئیں؟''

''کچھ نہیں بھیا یہ شمشیر خاں کیسا آدمی ہے؟''

''جیسا بھی ہو تمہیں کیا مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔''

''نہیں خیر۔ کوئی بات بلا وجہ نہیں پوچھی جاتی فخری۔ تم کوئی بات چھپا رہی ہو۔''

''بھیا کوئی بات نہیں۔''

''فخری تم نے جھوٹ بولنا کب سے سیکھ لیا تم تو کہتی ہو کہ جھوٹ بولنے والے انسان سے خدا ناراض ہو جاتا ہے اور جھوٹے انسان کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔''

''ہاں مگر بعض اوقات سچ بہت تلخ ہوتا ہے۔ بھیا اس لیے سچ بولنا مشکل ہو جاتا ہے۔''

''فخری ادھر چلو باورچی خانے میں بیٹھیں گے دونوں۔ تم میرے لیے چائے بناؤ میں تم سے باتیں کروں گا۔''

فخری کا دل خوف سے لرز رہا تھا مگر اب بات منہ سے نکل ہی چکی تھی اور شمشیر خاں کا وجود سامنے آ گیا تھا اس وجہ سے کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا پھر پوری دنیا میں صرف اصغر علی ہی ایسا انسان تھا جس سے وہ کہہ سکتی تھی یا اس پر اعتماد کر سکتی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ چھوٹے بھیا کو اس پر کس قدر اعتماد ہے اور وہ جو کچھ بھی کہے گی چھوٹے بھیا اسے سچ سمجھیں گے۔

وہ دونوں باورچی خانے میں قریب قریب بیٹھ گئے۔ چائے کا پانی اس نے چڑھا دیا تھا۔ اصغر علی نے بات شروع کی۔

''ہاں تو اب بتاؤ تم کیوں پوچھ رہی تھیں شمشیر خاں کو۔''

''چھوٹے بھیا مجھے ڈر لگتا ہے اگر میں نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا تو گھر میں طوفان آ جائے گا۔''

اصغر علی نے چھوٹی بہن کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ پھر کہا۔

''اگر کوئی ایسی ہی بات ہے تو بات چھپانے سے اور بھی بڑے بڑے طوفان آ سکتے ہیں۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں بھیا۔'' فخری نے کہا۔ ''اگر اس مسئلہ کو بروقت نہ چیک کر لیا گیا تو ہو سکتا ہے بات بہت آگے بڑھ جائے اور پھر ہم لوگ کچھ نہ کر سکیں۔''

''تم بات تو بتاؤ۔'' اصغر علی نے بے چینی سے پوچھا۔

اس کے بعد بہت ہمت کر کے فخری نے من و عن تمام واقعہ دہرایا۔ خط کا پرزہ پڑھنے سے لے کر اپنی بیماری تک کا تمام واقعہ پھر کہا۔

''یہی وجہ تھی کہ میں بیمار ہو گئی تھی بلکہ اب بھی ٹھیک نہیں ہوں ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کسی طرف سے شمشیر خاں آ جائے گا بھیا مجھے بہت ڈر لگتا ہے اب کیا ہو گا۔'' وہ نظریں نیچی کیے جلی ہوئی ماچس سے زمین پر لکیریں کریدتے ہوئے آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ اصغر علی نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے ہمت کر کے بھائی کی طرف دیکھا۔ اصغر علی کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا۔ مارے غم اور غصے کے اس کا برا حال تھا مگر اس نے بہت جلد اپنے آپ پر قابو کر لیا۔ پھر بہت سوچ سمجھ کر اس نے پوچھا۔

''بڑی آپا کی ناولیں کون لاتا ہے؟''

''ریحانہ لاتی ہے۔''

''بس ٹھیک ہے میں خود نمٹ لوں گا اس قصے سے تم کسی سے تذکرہ مت کرنا۔''

''بھیا کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے آپ کیا کریں گے مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔''

''میں شمشیر خاں کا خون پی لوں گا۔'' اصغر علی نے دانت پیس کر کہا۔ ''آئندہ وہ اس گھر کے قریب نہیں آئے گا۔''

مارے خوف کے فخری کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

''بھیا بدنامی کے خوف سے مجھے ڈر لگتا ہے۔''

''کسی بڑی بدنامی سے چھوٹی بدنامی بہر حال بہتر ہے۔'' یہ کہہ کر اصغر علی اٹھنے لگا۔

"بیٹھئے تو سہی۔ چائے کا پانی کب سے کھول رہا ہے میں چائے بناتی ہوں۔"

"نہیں اب چائے کی خواہش نہیں رہی۔ پانی چولہے سے اتار دو۔"

یہ کہہ کر اصغر علی باورچی خانے سے نکل گیا۔ فخری نے چائے کا پانی اتار دیا۔

اصغر علی کو یقین ہو گیا تھا کہ ناولوں کے اندر لکھ کر پرچے بازی ہوتی ہے اور چونکہ ناولیں ریحانہ لاتی تھی اس وجہ سے یہ کام بہت آسانی کے ساتھ ہو رہا تھا۔ یہ تو محض اتفاق تھا کہ ایک پرچہ ناول سے اڑ کر فخری کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ اصغر علی نے ایک روپے کی بہت سی ٹافیاں خریدیں پھر ریحانہ کو اپنے پاس بلا کر بہت کچھ سکھایا پڑھایا۔ ٹافیاں دیں وہ آٹھ سال کی سمجھدار بچی تھی ذہین بھی تھی اصغر علی نے اس سے وعدہ لیا کہ وہ ان باتوں کا تذکرہ کسی سے بھی نہیں کرے گی اصغر علی نے اس کے سپرد بس ایک کام کیا تھا کہ جب بھی وہ کوئی ناول لائے راستے میں اسے کھول کر اچھی طرح دیکھ لے اگر اس کے اندر سے کوئی کاغذ یا خط نکلے تو اسے چھپا کر رکھ لے اور چپ چاپ چھوٹے بھیا کو دے دے۔

ریحانہ نے وعدہ کیا کہ وہ ضرور ناول کے اندر سے خط نکال کر چھوٹے بھیا کو دے دے گی اور اس بات کا تذکرہ دنیا میں کسی سے بھی نہ کرے گی۔

اصغر علی کو زیادہ دن انتظار نہ کرنا پڑا۔ صرف دو دن کے بعد ریحانہ چپ چاپ چھوٹے بھیا کے ہاتھ میں ایک مڑا تڑا پرچہ تھما دیا۔ دراصل پرچہ نکال کر اس نے توڑ مروڑ کر اپنے نیفے میں چھپایا تھا اس وجہ سے اس کا حلیہ خراب ہو گیا تھا۔

"بس تم جاؤ شاباش کسی کو نہ بتانا۔" اصغر علی نے بے تابی سے پرچہ تھاما۔ ریحانہ چپ چاپ چلی گئی۔

اصغر علی نے کاغذ کھولا۔ لکھا تھا۔

"جان سے پیاری...... تم سے ملے بہت دن ہو گئے۔ میں کل رات اسی جگہ اسی وقت آؤں گا ضرور ملنا......"

آگے بہت بے ہودہ الفاظ میں عشقیہ باتیں لکھی ہوئی تھیں جو اصغر علی کے لیے ناقابل برداشت تھیں۔ اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ کانوں کی لوئیں بھی لال ہو گئیں۔

"تو کل رات وہ پھر آئے گا بدمعاش آدمی۔ جھاڑیوں کے پیچھے۔ بارہ بجے رات کو۔ یہی

وقت اور جگہ فخری نے بتائی تھی۔''

مارے طیش کے اصغر علی کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔ خود پر قابو پانا دشوار ہو گیا۔ وہ چپ چاپ گھر سے باہر نکل گیا یونہی آوارہ گردی کرنے۔ اس وقت کسی کے گھر جانے کا تو سوال ہی نہ تھا۔ اس کا دل ودماغ بے قابو ہو رہا تھا۔

کل رات شمشیر خاں آئے گا بڑی آپا سے ملنے...... یہ سوچ کر اس کے دماغ کی رگیں تنی جا رہی تھیں۔ اصغر علی دردانہ سے صرف دو سال چھوٹا تھا مگر قد میں ایک بالشت اونچا تھا۔ یوں تندرست وتوانا تھا دیکھنے میں اس کا بڑا بھائی معلوم ہوتا تھا۔

''ٹھیک ہے تم آؤ شمشیر خاں میں تم سے نمٹ لوں گا۔'' اس نے خود سے کہا۔ وہ بے مقصد ادھر سے ادھر گھوم رہا تھا۔ شام ڈھل رہی تھی۔ سامنے پبلک نل پر پانی بھرنے کے لیے برتنوں کی بہت لمبی لائن لگی ہوئی تھی۔ مٹکے بالٹیاں، دیگچیاں ہر قسم کے برتن تھے مگر لوگ نہ تھے۔ محلے کے چند بے فکرے لڑکے سب کے برتن بھر بھر کر ایمانداری سے رکھتے جاتے تھے۔ وقفہ وقفہ سے کوئی آتا اور اپنا برتن اٹھا کر لے جاتا۔ اس کے بعد پھر سب سے پیچھے رکھ کر چلا جاتا۔ کیمپوں میں پانی کا نل نہیں تھا۔ سب ہی لوگ باہر نلکے سے بھرا کرتے تھے۔ اصغر علی کے گھر بھی یہیں سے پانی بھرا جاتا تھا۔ صبح شام کئی کئی بالٹیاں بھرنی پڑتی تھیں۔ اسے یاد آیا، اس وقت پانی بھرنے کا کام بھی باقی تھا مگر وہ اسی طرح کھڑا رہا اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ گھر جائے اور بالٹیاں لا کر لائن میں لگائے۔ آدھے گھنٹے تک وہ بے مقصد کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ اچانک بڑے بھیا ادھر آتے نظر آئے۔ ان کے ہاتھ میں دونوں بالٹیاں تھیں۔ اصغر علی کو ادھر کھڑا دیکھ کر بولے۔

''کمال ہے تم یہاں کھڑے ہو، تم سے یہ نہ ہوا کہ بالٹیاں لائن میں لگا دیتے گھر میں ایک قطرہ پانی کا نہیں ہے۔'' اصغر علی نے چپ چاپ بڑے بھیا کے ہاتھ سے بالٹیاں لے لیں۔ ''آپ جائیے میں بھر لوں گا پانی۔''

''اب تک کیا کر رہے تھے؟''

''بس یونہی کھڑا تھا آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

بڑے بھیا نے کوئی جواب نہ دیا اور گھر کی جانب پلٹ گئے۔ اصغر علی نے اپنی بالٹیاں سب کے پیچھے رکھ دیں۔ نل میں پانی بہت تیز آ رہا تھا اور برتن جلدی بھرے جا رہے تھے۔ ذرا دیر بعد اصغر علی کی بالٹیاں بھی بھر گئیں اور وہ بالٹیاں اٹھا کر گھر آ گیا۔

''یہ بالٹیاں مٹکوں میں ڈال دو۔'' امی نے پکار کر کہا۔ ''اور ٹنکی کے لیے پانی بھر لاؤ۔''

پانی کے مٹکے بہت پرانے ہو چکے تھے ان پر سبز کائی اس طرح اگی ہوئی تھی جیسے بڑے آدمیوں کے گھروں میں لان ہوتا ہے۔ گھڑونچی بھی ہلنے لگی تھی۔ اس کے پائے بھی ترچھے ہو گئے تھے مگر ڈھانچہ مضبوط تھا۔

اصغر علی نے چپ چاپ بالٹیاں مٹکوں میں انڈیل دیں اور خالی بالٹیاں لے کر دوبارہ نل پر چلا گیا۔

دوسرے دن اصغر علی ٹیوشن پڑھانے نہیں گیا۔ اس کا موڈ بہت آف تھا۔ آنے والے لمحات اس کے حواس پر چھائے ہوئے تھے۔ ناشتہ کر کے وہ دوبارہ بستر میں لیٹ گیا۔ فخری گزشتہ رات سے اصغر کی کیفیات نوٹ کر رہی تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ کوئی بات ایسی ضرور ہوئی ہے جس نے چھوٹے بھیا کو بہت مضطرب کر دیا ہے۔ مگر چونکہ چھوٹے بھیا نے خود سے کوئی تذکرہ نہیں کیا اس وجہ سے اس کی بھی کچھ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی تھی مگر اس وقت اصغر علی معمول کے مطابق ٹیوشن پڑھانے نہ گیا تو فخری کو پریشانی ہوئی وہ بھائی کو بستر میں لیٹا دیکھ کر قریب چلی آئی۔

''آج آپ ٹیوشن کے لیے نہیں گئے۔'' اس نے پوچھا۔

''آج میرے سر میں درد ہے۔'' اصغر علی نے کہا۔ ''سوچتا ہوں کہ دو روز کی چھٹی کر لوں۔''

''آپ نے پہلے سے ان لوگوں کے گھر کہہ دیا ہوتا۔''

''میں نے تذکرہ کیا تھا کہ شاید میں دو ایک روز نہ آ سکوں۔ اس وجہ سے کوئی فکر مند نہ ہو گا۔ ویسے بھی میں ناغہ کب کرتا ہوں۔''

''آپ سر درد کی گولی کھا لیجیے۔''

''کھا لوں گا مگر ساتھ میں چائے کی پیالی درکار ہو گی۔''

''میں ابھی بنا دوں گی۔''

''شکر بالکل نہیں ہے گھر میں امی کہہ رہی تھیں۔''

''گڑ کی چائے بن جائے گی بھابی نے کل ہی گڑ منگا کر رکھا ہے۔''

''اچھا تو جاؤ ایک سر درد کی گولی اور چائے لے آؤ۔'' اصغر علی نے کہا۔

تھوڑی دیر میں فخری چائے کا پیالہ اور سر درد کی گولی لے آئی۔ اصغر علی چائے پیتے رہے اور فخری خاموش بیٹھی بھائی کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھتی رہی۔

چائے کا پیالہ تھماتے ہوئے۔ اصغر علی نے کہا۔

''اگر تم کہو تو میں تمہیں تمہاری دوست کے گھر چھوڑ آؤں گا۔ بابا نے بھی مجھ سے کہا تھا تم تیار ہو جاؤ شام کو لے جاؤں گا۔''

منیرہ کے گھر جانے کے تصور سے فخری خوش ہوگئی۔ اس کے ذہن سے وہ تمام باتیں یکلخت نکل گئیں جو ابھی کچھ دیر پہلے وسوسے پیدا کر رہی تھیں اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ چھوٹے بھیا کی تو طبیعت خراب تھی اب وہ اس وقت اسے اتنی دور چھوڑنے جائیں گے۔ اس نے امی کو بتایا اور پھر جلدی جلدی تیار ہونے لگی۔ سفید لٹھے کی شلوار اور سفید ہی دوپٹہ دھاری دار قمیض' دو فیتوں کی چپل تھی۔ وہ دو منٹ میں تیار ہوگئی۔ اتنی دیر میں اصغر علی بھی تیار تھے۔ پھر وہ بابا کو خدا حافظ کر کے خوشی خوشی بھائی کے ساتھ روانہ ہوگئی۔

ادھر منیرہ اپنے دل میں سوچ رہی تھی کہ جولائی کا مہینہ شروع ہو چکا۔ اب اسکول کھلنے میں دن ہی کتنے ہیں۔ فخری بڑی وعدہ خلاف نکلی۔ ایک مرتبہ بھی میرے گھر نہ آئی حالانکہ میں اس کی امی بابا سے اجازت لے آئی تھی اور وہ لوگ اجازت دے چکے تھے۔ عجب فلاسفر لڑکی ہے اس کا دل ہی نہیں چاہتا کہیں آنے جانے کو۔''

ابھی منیرہ یہی کچھ سوچ رہی تھی کہ دروازے پر کھٹکا ہوا اس نے دروازہ کھولا...... سامنے فخری کھڑی تھی دونوں سہیلیاں بھاگ کر ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔

''فخری کی بچی تجھے میں یاد کر رہی تھی اس وقت۔'' منیرہ نے اس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

''اچھا' زہے نصیب کیسے یاد کر لیا۔''

''اب میں سچ مچ مار بیٹھوں گی۔'' منیرہ نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

''میں تو مذاق کر رہی تھی تم ناراض ہونے لگیں۔''

''ابھی تو میں اچھی طرح ناراض ہونے لگیں۔''

''ابھی تو میں اچھی طرح ناراض ہوں گی تم سے تم آؤ تو سہی۔''

منیرہ فخری کو لے کر اپنے بیڈروم میں آ گئی۔

''ہاں اب بتاؤ اتنے دن تک کیوں نہیں آئیں ہمارے گھر؟'' منیرہ نے پوچھا۔

''تمہیں لکھا تو تھا خط میں کہ میں بیمار ہوگئی تھی۔''

''ہاں کچھ لگ تو رہا ہے شکل سے۔مگر کوئی خاص نہیں۔اس وقت تو ماشاء اللہ چشم بد دور بہت خوش وخرم اور خوبصورت نظر آرہی ہو۔''

''ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پہ رونق وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے۔''

فخری نے اپنی عادت کے خلاف بہت مزے میں یہ شعر پڑھا۔

منیرہ زور زور سے ہنسنے لگی۔

اچانک منی بیگم کمرے میں آگئیں۔

فخری نے سلام کیا۔منی بیگم نے گلے لگا کر دعائیں دیں۔

''کب آئیں فخری' تم نے بتایا بھی نہیں منیرہ۔''

''ابھی تو آئی ہے دومنٹ ہوئے ہیں مشکل سے۔''

''ہاں کھٹکا تو سنا تھا میں نے بھی۔''

''امی پلیز اچھی سی چائے اور مزے دار سموسے۔''منیرہ نے اٹھلا کر ماں سے کہا۔

''نہیں امی کوئی ضرورت نہیں بے کار تکلف کی۔''فخری نے کہا۔''میں ابھی چائے پی کر چلی ہوں۔''

''تھوڑی سی اور پی لو گی تو کالی نہیں ہوجاؤ گی۔''سارے دن تمہارے سر پر سوار رہوں گی پتہ ہے پورے دن کے لیے چھوٹے بھیا چھوڑ کر گئے ہیں مجھے۔''

''کتنے سوئٹ ہیں تمہارے چھوٹے بھیا۔یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔پورے دن کے عیش ہوگئے آج...... دوپہر کے کھانے کے بعد ثریا' زہرہ باجی کے گھر بھی چلیں گے اس وقت وہ لوگ کام وغیرہ سے فارغ ہوتی ہیں۔''

''آج تو تمہارے رحم وکرم پر ہوں جہاں لے جاؤ گی جو کھلاؤ گی کھالوں گی اور جو پہناؤ گی پہن لوں گی۔''

''کیا بات ہے آج تم بہت چہک رہی ہو۔''

''آج میں بہت خوش ہوں۔''

''کوئی خاص بات؟''

''اس سے بڑی خاص بات میرے لیے اور کیا ہوسکتی ہے کہ گھر کے ماحول سے نکل کر اپنی دوست کے ساتھ پورا دن گزاروں۔''

''واقعی آج مجھے بھی بہت خوشی ہو رہی ہے۔ میں خود سارا دن بور ہوتی رہتی ہوں۔'' منیرہ نے کہا۔

دونوں سہیلیاں ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف ہو گئیں۔

باتوں باتوں میں منیرہ نے کہا۔

''ڈیرہ غازی خاں سے بڑے ماموں کا خط آیا ہے۔ ہم سب لوگوں کو بلایا ہے اپنے گھر۔''

''تو پھر کیا ارادہ ہے جا رہی ہو تم لوگ؟''

''ارے نہیں، جانا کب اتنا آسان ہے اور اب تو چھٹیاں بھی کم رہ گئیں ہیں دیکھو کب جانا ہوتا ہے۔ ویسے امی کہہ رہی تھیں کہ اگلے سال چلیں گے۔''

''کون کون ہے تمہارے بڑے ماموں کے گھر۔''

''ماموں، ممانی، خرم بھائی اور شاہدہ۔''

''سگے ماموں ہیں تمہارے؟''

''نہیں سوتیلے۔''

''تم مذاق کرنے لگیں میرا مطلب ہے سگے ماموں ہیں یا رشتے کے۔''

''میں مذاق کب کر رہی ہوں۔'' منیرہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ''بڑے ماموں میرے سوتیلے ماموں ہیں مگر سگوں سے بڑھ کر پیار کرتے ہیں۔ اتنی محبت والے اور خیال کرنے والے ہیں کہ کیا بتاؤں اور ممانی تو اتنی اچھی سیدھی سادی ہیں کہ بس۔''

''اور خرم بھائی؟'' فخری نے دلچسپی سے پوچھا۔

''وہ...... سنا ہے بہت ہینڈسم ہیں بڑے پیارے سے۔''

''سنا ہے کیا مطلب تم نے نہیں دیکھا؟''

''میں نے کب دیکھا ہے۔ ہم لوگ برسوں سے گئے ہی نہیں کبھی بچپن میں دیکھا ہوگا۔ اب کہاں یاد ہے کچھ۔''

''کیا کرتے ہیں خرم بھائی۔''

''ابھی تو فورتھ ائیر میں پڑھ رہے ہیں۔''

''اور شاہدہ؟''

''وہ میری ہم عمر ہے دسویں میں آئی ہے۔''

''خط بھیجتی ہو کبھی۔''

''کس کو۔''

''خرم بھائی کو......'' فخری نے چھیڑا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں، کبھی کبھی خط لکھتی ہوں ان کو مگر وہ بڑے بے ایمان ہیں جواب نہیں دیتے۔''

''کیا واقعی تم خرم بھائی کو خط لکھتی ہو؟'' فخری کو تعجب سا ہوا۔

''کیا ہوا؟ کیا وہ میرے بھائی نہیں؟...... پھر امی نے مجھ سے خود کہا کہ تم خرم بھائی کو خط لکھا کرو...... سو میں لکھ دیتی ہوں۔''

''میری مانو تو اپنی ممانی کو خط لکھا کرو۔''

''وہ کیوں؟''

''جب لڑکے کی ماں راضی ہوں گی تب ہی کام بنے گا۔''

فخری نے بے ساختہ کہا تو منیرہ شرم سے دوہری ہوگئی۔ اس نے ایک دو ہتڑ مارتے ہوئے کہا۔

''بہت باتیں بنانی آ گئی ہیں۔ ہاں بھئی نویں کلاس میں جو پہنچ گئی ہو میٹرک کلاس کہلاتی ہے۔''

ابھی یہ باتیں کر رہی تھیں کہ منی بیگم کھانے پینے کی بہت سی اشیا کے ساتھ کمرے میں آ گئیں۔ دونوں لڑکیاں خاموش ہو گئیں۔ سب اکٹھے چائے پینے لگے منی بیگم چائے کے دوران فخری سے باتیں کرتی رہیں اور وہ سنجیدگی سے جواب دیتی رہی۔ منی بیگم وہاں سے اٹھ گئیں۔ سمجھتی تھیں کہ دونوں سہیلیاں ہیں آپس میں باتیں کر رہی ہوں گی۔

دو بجے تک یہ دونوں باتیں کرتی رہیں پھر دوپہر کا کھانا ہوا۔ کھانا بھی خاصا پر تکلف تھا۔ میز پر منیر بھیا بھی موجود تھے۔ اگرچہ فخری پردہ کرتی تھی مگر منیر بھیا سے کا نا پردہ تھا اور چونکہ منیرہ بھی برقع پہننے کے باوجود اس کے گھر والوں کے سامنے آتی تھی۔ اس وجہ سے کچھ نہ کہہ سکی۔ منیرہ کے کہنے پر ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

فخری بہت سمجھدار اور سلجھی ہوئی لڑکی تھی۔ بے جا قسم کی شرم اور گھبراہٹ اس پر کبھی طاری نہ ہوتی تھی۔ کھانے کے دوران اور بعد میں بھی کافی دیر تک منیر اور فخری آپس میں باتیں کرتے رہے۔ ڈھائی بجے میز سے یہ لوگ اٹھے۔ منیرہ کا خیال تھا کہ تھوڑی دیر چپ چاپ لیٹ کر آرام کر لیا

جائے۔ پھر ثریا اور زہرہ باجی کے گھر جائیں گے۔ مگر پھر بھی کوئی نہ کوئی بات نکل ہی آتی تھی۔

''تم ایسا کرو اپنا منہ اس طرف کرلو'' فخری نے کہا۔''اگر میری طرف دیکھو گی تو باتیں ضرور کروگی...... بدتمیز ہوتم میرا منہ دکھادیا باتیں کرکے۔''

''میرا خود منہ دکھ گیا'' یہ کہہ کر منیرہ نے کروٹ بدل لی۔

ساڑھے تین بجے منیرہ اٹھی۔ اس نے شربت بنایا۔ دونوں شربت پی کر پیر جی کے گھر جانے کے لیے تیار ہوگئیں۔

زہرہ نے دونوں لڑکیوں کا بہت خوشی سے استقبال کیا۔ تھوڑی دیر میں ثریا بھی آگئی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہورہی تھیں یوں لگتا تھا جیسے سو کر اٹھی ہو۔ مگر زہرہ کا چہرہ مطمئن تھا۔

''کیا بات ہے ثریا باجی۔'' منیرہ نے پوچھا۔''آپ کی آنکھیں کیوں سرخ ہورہی ہیں؟''

''کوئی بات نہیں بہن' بس یونہی سر درد تھا۔'' ثریا نے پھیکی مسکراہٹ سے کہا۔

''کیوں زہرہ باجی آپ بتایئے۔'' منیرہ کو فکر پڑ گئی۔

''کوئی بات نہیں اب ہم لوگ کیا بتائیں۔ امی خود ہی بتادیں گی۔'' یہ کہہ کر زہرہ جھینپ سی گئی۔

اتنے میں پیر جی کی بیوی آگئیں۔

منیرہ نے فخری کو ان سے ملوایا۔ وہ بے چاری ہمدرد اور اچھے اخلاق کی خاتون تھیں۔ فخری سے اتنی محبت سے ملیں کہ وہ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ منیرہ کے تو پیٹ میں کھد بد ہورہی تھی۔ ذرا سی دیر کے بعد پوچھ بیٹھی۔

''آنٹی ثریا باجی کی آنکھیں لال ہورہی ہیں کیا کوئی خاص بات ہوئی ہے؟''

''ہاں خاص ہی بات ہے۔ اللہ رکھے ثریا کی نسبت طے ہوگئی ہے بس اسی بات پر رونا دھونا مچا تھا۔'' امی نے سادگی سے کہا۔

''واقعی؟'' منیرہ نے خوشی سے کہا۔''یہ تو بہت اچھی خبر ہے۔''

''مبارک ہو'' فخری نے اماں سے کہا۔

''تم سب کو مبارک ہو بیٹی دعا کرو ثریا اپنے گھر میں خوش رہے۔''

''اتنی اچھی تو ثریا باجی ہیں۔'' منیرہ نے کہا۔''کہاں ہورہی ہے شادی' خاندان میں یا غیروں میں۔''

''خاندان ہی ہیں۔'' اماں نے کہا۔''ثریا کا چچا ہے رشتہ میں۔''

''چلو یہ تو اچھا ہوا خاندان کا لڑکا ہے۔ بھئی بڑی خوشی ہوئی سچ آنٹی میں تو ثریا باجی کی شادی میں خوب ڈھولک بجاؤں گی۔''

منیرہ خوش ہو ہو کر کہہ رہی تھی۔ ثریا سب کچھ چپ چاپ سنتی رہی اور اداسی سے مسکراتی رہی۔ فخری نے غور کیا ثریا اس تذکرے سے بجائے شرمانے کے افسردہ ہو رہی تھی۔

''ثریا اور زہرہ دونوں کو ساتھ وداع کر دیں گے۔'' اماں نے ایک اور انکشاف کیا۔

''ہائے سچ آنٹی آپ تو قسطوں میں خوش خبریاں سنا رہی ہیں۔''

''زہرہ کی تو بچپن سے طے تھی شادی میری بہن کے لڑکے سے۔ ثریا کی وجہ سے نکاح رکا ہوا تھا۔ اب انشاءاللہ دونوں ایک ساتھ رخصت ہو جائیں گی۔'' یہ کہہ کر اماں وہاں سے اٹھ گئیں۔

جوں ہی اماں کمرے سے نکلیں، منیرہ نے ثریا اور زہرہ کو چھیڑ چھیڑ کر ناک میں دم کر دیا۔

زہرہ کا چہرہ خوشی اور شرم سے لال ہو رہا تھا اور ثریا زبردستی مسکرائے جا رہی تھی۔

ایک گھنٹے تک یہ لوگ ہنسی مذاق اور باتیں کرتی رہیں۔ پھر منیرہ فخری کو لے کر اٹھ گئی۔ چلتے چلتے ثریا کی ماں نے کہا۔

''تم سب شادی میں ضرور آنا ابھی تاریخ مقرر نہیں ہوئی ہے مگر ایک ماہ بعد شادی کا ارادہ ہے۔''

دونوں نے وعدہ کیا اور گھر واپس آ گئیں۔ مغرب سے قبل اصغر علی آئے اور بہن کو گھر لے گئے۔

پہلے تو اصغر علی نے یہی سوچا تھا کہ رات کو جب شمشیر خاں آئے گا تو اس کو پکڑیں گے مگر معاملے پر جب ٹھنڈے دل سے غور کیا تو یہی سمجھ میں آیا کہ اس طرح بات پھیل جانے اور بدنامی کا بہت زیادہ خطرہ ہے۔ پورے گھر کے افراد اور محلے والے بھی جاگ جائیں گے اور بات نہ معلوم کس انداز میں پھیلے۔ چنانچہ اس نے یہی سوچا کہ رات ہونے سے قبل ہی شمشیر خاں سے دو بدو گفتگو کر لی جائے۔ چنانچہ فخری کو اس کی دوست کے گھر پہنچانے کے بعد وہ سیدھا شمشیر خاں کی لائبریری پر گیا۔ اس وقت دن کے گیارہ بجے تھے اور لائبریری خالی پڑی تھی۔ شمشیر خاں آرام سے لائبریری میں بیٹھا رومانی ناول پڑھ رہا تھا۔ اصغر علی کو وہ اچھی طرح پہچانتا تھا مگر زیادہ بات چیت نہ تھی۔ اچانک اصغر علی کے آ جانے سے اس نے ناول بند کی اور مسکراتے ہوئے بولا۔

''کیسے آنا ہوا؟''

اصغر علی نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ شمشیر خاں کا چہرہ ہمیشہ سے زیادہ مکروہ لگ رہا تھا۔

''مجھے پہچانتے ہو شمشیر خاں میں کون ہوں۔'' اصغر علی کی آواز میں طنز تھا۔

”ہاں ہاں بہت اچھی طرح سے مگر کام کیا ہے؟“ وہ بھی سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اصغر علی کے لہجے نے اسے بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔

”تمہارے اس خط کا جواب دینے آیا ہوں۔“ اصغر علی نے جیب سے اس کا خط نکالتے ہوئے کہا۔

ایک لمحہ کو شمشیر خاں چونکا پھر سنبھل گیا۔

”کیا جواب دو گے اس کا وہ بھی معلوم ہو جائے۔“ اس کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ تھی۔

اصغر علی کا لہو گرم ہو گیا۔

”میں تمہارا خون پی لوں گا شمشیر خاں۔“ وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔ ”آئندہ تمہاری دوکان سے کوئی کتاب میرے گھر نہیں جائے گی اور نہ تم اس گھر سے کوئی واسطہ رکھو گے۔ یہ اچھی طرح سے سمجھ لو۔“

”اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو......“ وہ مونچھیں مروڑتے ہوئے بولا۔

”تو انجام کے ذمے دار تم خود ہو گے۔ میں اپنی عزت کی حفاظت کرنا جانتا ہوں۔“

اصغر علی کی بات سن کر شمشیر خاں قہقہے لگانے لگا۔

”عزت......“ وہ ہنسا ”کونسی عزت کی بات کر رہے ہو صاحبزادے اور یہ جو خط کا پرزہ لائے ہو تم‘ اس سے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اگر تم کہو تو ایسے بیسیوں نمونے تمہارے سامنے ڈھیر کر سکتا ہوں جو تمہاری بہن نے مجھے بھیجے ہیں اور رہا میرے خون پینے کا سوال تو اس سلسلے میں بس اتنی عرض ہے میرے بھائی کہ پہلے دردانہ سے ضرور پوچھ لینا۔“

”میری بہن کا نام اپنے ناپاک منہ سے مت لینا ورنہ اچھا نہ ہو گا۔“

”تم کچھ نہیں کر سکتے اصغر علی‘ تم ایک کمزور اور بے بس انسان ہو اگر تم نے منہ سے کوئی آواز نکالی تو تمہاری بہن کی عزت نیلام ہو جائے گی۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم چپ چاپ واپس چلے جاؤ اور اپنی بہن کی خواہش پر عمل کرو۔“

”تو تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے۔“ اصغر علی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

”اگر تمہاری بہن باز نہ آئی تو میں بھی پیچھے ہٹنے والا نہیں‘ پہلے اپنے گھر میں تو بات کر لی ہوتی۔“

”یہ بھی کر دیکھو......“ وہ اطمینان سے ناول اٹھا کر دوبارہ کتاب میں منہمک ہو گیا۔

اصغر علی کے لیے اب وہاں کھڑا ہونا دشوار ہو گیا۔ ذلت اور رسوائی نے اسے کہیں کا نہ چھوڑا

تھا۔ وہ اپنی نگاہوں میں آپ ہی آپ ذلیل ہو گیا تھا۔

کاش بڑی آپا ایسی نہ ہوتیں۔

کاش بڑی آپا ختم ہو گئی ہوتیں۔

وہ ڈوبتے دل کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو بڑی آپا سامنے ہی بیٹھی بال سلجھا رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔ بڑی آپا کو دیکھ کر اس کے جذبات بہت عجیب سے ہو گئے۔

اس وقت موقع اچھا تھا بڑے بھیا دفتر میں تھے اور بھابی میکے گئی ہوئی تھیں امی باورچی خانے میں کھانا پکا رہی تھیں۔

''بڑی آپا......'' وہ سیدھا ان کے قریب پہنچ گیا۔

''کیا بات ہے؟'' ان کا کنگھے والا ہاتھ رک گیا۔

''میں شمشیر خاں سے بات کر کے آ رہا ہوں۔'' اس نے بڑی آپا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

دردانہ کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

''کیا بات کی ہے تم نے؟''

''یہی کہ اگر آئندہ اس کی لائبریری سے کوئی کتاب اس گھر میں آئی یا اس نے کسی قسم کا کوئی مطلب اس گھر سے رکھا تو میں اس کا خون پی لوں گا۔''

''بات کیا ہوئی آخر۔'' بڑی آپا نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''جو بات ہے وہ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے۔'' اصغر علی نے کہا۔ ''آپ سمجھتی ہیں کہ آپ سب کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی ہیں لیکن ایسا نہیں ہے۔ مجھے سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ ہمارے گھر کی عزت نیلامی پر چڑھ رہی ہے۔ آپ نے اس کمینے انسان سے خط و کتابت کر کے ہمارے خاندان کی عزت کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔ بڑی آپا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ اگر آئندہ وہ لفنگا بدمعاش ادھر آیا یا آپ نے اس سے کوئی تعلق رکھا تو میں اپنی، آپ کی اور اس کی جان ایک کر دوں گا۔ اپنی عزت کے پیچھے جان دے دوں گا۔''

بڑی آپا نے کوئی جواب نہ دیا جیسے وہ اصغر علی کی باتوں کا حل تلاش کر رہی ہوں۔

''اگر آپ کی حمایت اسے حاصل نہ ہوتی تو وہ ذلیل انسان مجھے یوں جواب نہ دیتا۔ افسوس میں سر اٹھانے کے قابل نہ رہا لیکن یہ بات اسی جگہ ختم نہیں ہو گی میں شمشیر خاں کو اس کی سزا ضرور دوں گا۔''

اصغر علی غصے میں بھناتا ہوا ان کے پاس سے ہٹ گیا۔ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ بڑی آپا کا قیمہ بنا دے یا شمشیر خاں کو قتل کر ڈالے۔

دوپہر کے وقت اس نے پوری بات امی کو بتا دی۔ اس کے نزدیک یہ بہت ضروری تھا۔ امی نے سنا تو مارے غم کے ان کی بھوک پیاس اڑ گئی۔

''اپنے بابا سے کچھ نہ کہنا۔'' امی نے کہا ''وہ معذور آدمی ہیں کچھ کر تو سکتے نہیں ان کے بکنے چلانے سے پورے محلے میں بات پھیل جائے گی۔''

''بات تو یوں بھی پھیلے گی امی۔'' اصغر علی نے کہا۔ ''ایسی باتیں چھپتی کہاں ہیں بلکہ اور بڑھ کر پھیلتی ہیں۔''

''میں خود دردانہ سے بات کروں گی تم اپنا دماغ ہلکان نہ کرو۔'' امی نے تسلی دی۔

''اگر بڑی آپا نہ مانیں تو۔''

''مانے گی کیسے نہیں آخر وہ چاہتی کیا ہیں؟ کیا ایسے لچے لفنگے سے نکاح کریں گی دوسرا۔''

''مجھے کچھ پتہ نہیں امی آپ ہی کچھ کیجیے۔ بڑے بھیا سے کچھ کہنا بے کار ہے۔ وہ اور ہی فتنہ کھڑا کر دیں گے۔''

''نہیں خیر اکبر علی سے کیا بات کرنی وہ بھی کوئی انسان ہیں کسی سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں دردانہ سے بات کر لوں گی۔'' امی نے کہا ''لو تم کھانا کھا لو خواہ مخواہ خود کو پریشان کرتے ہو۔''

اصغر علی امی کے پاس باورچی خانے میں بیٹھا سب باتیں کر رہا تھا۔

''امی میری بھوک ختم ہو گئی ہے۔''

''پھر بھی کچھ کھا لو۔'' امی نے مجبور کیا۔

اس نے بے دلی کے ساتھ چند نوالے آلو کی سبزی کے زہر مار کیے پھر اٹھ کر گھر سے باہر چلا گیا۔

آج جان بوجھ کر وہ فخری کو منیرہ کے گھر چھوڑ آیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ فخری کے سامنے کوئی ہنگامہ کھڑا ہو۔ فخری حساس اور باحیا لڑکی تھی۔ کمزور دل بھی تھی۔ اس نے یہی سوچا تھا کہ وہ فخری کو کوئی بات نہیں بتائے گا۔ فخری سے اس نے خط کا تذکرہ بھی نہ کیا تھا بلکہ شمشیر خاں کے سلسلے میں کوئی بات بھی نہ کی تھی پورا دن باہر آوارہ گردی کرتے گزرا تھا۔ شام ہونے سے قبل وہ منیرہ کے گھر جا کر فخری کو لے آیا تھا۔

بڑی آپا کا معاملہ جیسے آپ ہی آپ ختم ہوگیا تھا۔ فخری کو تعجب ہوتا چھوٹے بھیا نے کون سا منتر پڑھ کر پھونکا اتنی بڑی بات یوں آسانی سے ختم ہوگئی۔ ناولوں کی آمد و رفت بھی بند ہوگئی۔ چھوٹے بھیا نے ریحانہ کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ کتاب نہیں لائے گی چنانچہ یہ سلسلہ رک گیا تھا۔ دو ہفتے گزر گئے کوئی واقعہ پیش نہ آیا۔ نہ شمشیر خاں نے کوئی بات کی نہ آپا منہ سے کچھ بولیں مگر عجیب بات تھی۔ بڑی آپا بہت مطمئن سی نظر آتی تھیں تب فخری اپنے دل میں سوچتی' بڑی آپا اتنی بری تو نہیں ہم لوگ خواہ مخواہ بہت زیادہ بدگمان ہو گئے تھے۔

اور اصغر علی بھی دونوں طرف کی خاموشی سے مطمئن ہو گیا تھا۔ اسے خوشی تھی کہ اس نے بروقت برائی کو روک دیا تھا اور اب سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو گیا تھا۔ پھر ایک صبح اس کا رزلٹ نکل آیا۔ میٹرک میں اس نے فرسٹ ڈویژن لی تھی۔ اور حساب میں امتیازی نمبر تھے۔

اصغر علی کی اس شاندار کامیابی پر پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ خاندان اور محلے میں اصغر علی کی عزت بڑھ گئی...... پچھلے تین ماہ کے اندر اس نے کافی پیسے جمع کر لیے تھے اس لیے داخلے کا کوئی مسئلہ نہ تھا۔

دو ٹیوشنیں ایسی تھیں جو مستقل تھیں۔ ایک جگہ سے پندرہ روپے اور دوسری جگہ سے بیس روپے ماہوار ملتے تھے کالج کی فیس اور بس کا کرایہ بہت زیادہ نہ تھا۔ وہ آسانی سے اپنا خرچ اٹھا سکتا تھا۔

فخری کا اسکول کھلنے والا تھا صرف چند روز باقی تھے۔ منیرہ سے پھر اس کی ملاقات نہ ہوئی تھی۔ اسے اسکول کھلنے کا بہت انتظار تھا۔ ایک تو نئے سال کی پڑھائی شروع ہونی تھی۔ دوسرے وہ منیرہ کو چھوٹے بھیا کی خوش خبری سنانا چاہتی تھی اور پھر اس کا اسکول کھل گیا۔

اب دوپہر کی شفٹ تھی سب سہیلیاں آپس میں خوش ہو کر ملیں۔ ایک دوسرے کو اپنی اپنی باتیں بتائی جانے لگیں۔ فخری نے سب سہیلیوں کے بیچ بیٹھ کر بڑے فخر سے بتایا۔

’’میرے چھوٹے بھیا کی میٹرک میں فرسٹ ڈویژن آئی ہے اور حساب میں امتیازی نمبر۔‘‘
لڑکیوں نے اسے مبارک باد دی۔ منیرہ کہہ رہی تھی۔
’دتم سب لوگ پڑھنے میں تیز ہو تمہاری تو شاید پوزیشن ہی آ جائے؟
’’ارے میں کہاں اتنی تیز ہوں۔ چھوٹے بھیا بہت ہوشیار ہیں۔ پھر بھی کوئی پوزیشن نہ آئی میں تو ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔‘‘
’’اب تو تمہاری چھوٹی بہن بھی داخل ہوگی اس سال۔‘‘
’’نہیں اگلے سال داخل کروائیں گے ابھی وہ بہت چھوٹی ہے۔‘‘ فخری نے ٹالنے کو کہہ دیا۔
آج چونکہ پہلا دن تھا اس لیے کوئی کلاس نہیں ہو رہی تھی۔ سب لڑکیاں فری تھیں۔ اور باتیں کر رہی تھیں۔ اتنے میں ان لوگوں کی...... کلاس ٹیچر دوبارہ کلاس میں آ گئیں۔ وہ نیا ٹائم ٹیبل لے کر آئی تھیں۔
سب لڑکیاں خاموشی سے ٹائم ٹیبل لکھنے لگیں۔
انگریزی پڑھانے کے لیے بدستور روبینہ آپا کا نام ٹائم ٹیبل میں موجود تھا۔ منیرہ کا دل خوشی سے بھر گیا۔ اس نے مسکرا کر فخری کی طرف دیکھا وہ بھی جواباً مسکرا دی۔ کلاس ٹیچر ٹائم ٹیبل لکھوا کر چلی گئیں تو لڑکیاں کہنے لگیں۔
’’ہائے اللہ اس دفعہ بھی روبینہ آپا انگریزی پڑھائیں گی اتنی سخت ہیں وہ تو۔‘‘
’’کیا ہوا سخت ہیں کتنا پیارا پڑھاتی ہیں۔‘‘ منیرہ کو برا لگ گیا۔
’’ہونہہ خاک پڑھاتی ہیں۔ چاہے کسی کی سمجھ میں آئے نہ آئے گٹ پٹ کرتی رہتی ہیں۔‘‘ ایک لڑکی نے جل کر کہا۔
’’تم لوگ خود محنت نہیں کرتی ہو ٹیچر کا نام مفت میں بدنام کر رہی ہو۔‘‘ منیرہ نے کہا۔
’’ارے بھئی منیرہ کے سامنے روبینہ آپا کو کچھ مت کہنا۔‘‘ زبیدہ نے کہا۔ ’’تمہیں معلوم نہیں یہ ان پر مرتی ہے۔‘‘
’’وہ ہیں ہی اچھی۔‘‘ منیرہ نے کہا۔ ’’جوان پر نہ مرے وہ بے وقوف ہے۔‘‘
’دچلو ہم بے وقوف بھلے۔ تم عقلمند بنی ان پر مرتی رہو۔‘‘ زبیدہ یہ کہتی ہوئی اپنی دوست کا بازو پکڑ کا کلاس روم سے نکل گئی۔
زبیدہ کلاس کی کمزور ترین لڑکی تھی۔ خدا جانے کس طرح پرو موٹ ہو کر نویں کلاس میں پہنچ

ئی تھی۔فخری کو تعجب ہوتا تھا کہ زبیدہ کس طرح پاس ہوگئی۔

اس قسم کی باتوں میں شام ہوگئی۔ پانچ بجے تو تانگے میں بیٹھ کر سب گھر روانہ ہوگئیں۔فخری گھر پہنچی تو خلاف معمول سب کے چہرے کھلے ہوئے تھے۔امی مسکرا مسکرا کر بابا سے باتیں کر رہی تھیں اور بابا بھی پلنگ پر بیٹھے حقہ گڑگڑ کر رہے تھے مسرت بھابی بھی نزدیک بیٹھی تھیں۔ بڑی آپا البتہ اپنی طرف تھیں۔

''کیا بات ہے امی آج سب لوگ بہت خوش نظر آ رہے ہیں؟'' فخری نے کتابیں رکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں' خوش ہونے پر کیا پابندی لگی ہوئی ہے؟'' امی نے ہنس کر کہا۔

''آپ بتایئے بابا......'' وہ بابا کے پاس بیٹھ گئی۔''امی سے کچھ پوچھنا بے کار ہے۔''

''بات کچھ نہیں تمہاری چھوٹی خالہ کا خط آیا ہے بس اسی بات پر تمہاری امی کھلی پڑ رہی ہیں جس روز اصغر کا رزلٹ آیا تھا اسی روز انہوں نے بہن کو خوش خبری لکھ بھیجی تھی اسی سلسلے میں ان کا جواب آیا ہے۔''

چھوٹی خالہ کا ذکر سنتے ہی فخری کا دل دھڑک اٹھا۔

اس کا دل چاہا وہ بابا سے پوچھے چھوٹی خالہ نے اور کیا کیا لکھا ہے مگر وہ کچھ نہ بول سکی' چپ چاپ وہاں سے اٹھ کر یونیفارم بدلنے چلی گئی۔مسرت بھابی نے شاید اس کی دلی کیفیات بھانپ لی تھیں۔ جب وہ کپڑے بدل کر ہاتھ منہ دھو کر بھابی کے پاس چائے پینے گئی تو انہوں نے آہستہ سے بتایا۔

''چھوٹی خالہ نے تمہارے متعلق بہت کچھ لکھا ہے لو یہ خط پڑھ کر واپس کر دینا۔''

فخری نے دھڑکتے دل سے خط تھام لیا۔

''پڑھ لو نا ادھر کوئی نہیں آئے گا۔'' یہ کہہ کر بھابی باہر نکل گئیں۔

بڑے بھیا آج حسب معمول سسرال گئے ہوئے تھے اور ان کی واپسی رات سے پہلے ممکن نہ تھی۔

فخری نے خط کھولا چھوٹی خالہ کا کافی تفصیلی خط تھا۔اس نے جلدی جلدی نظریں دوڑائیں۔ ایک جگہ لکھا تھا۔

''پہلے فاخرہ کے فرسٹ آنے کی اطلاع ملی تھی اب اصغر کے فرسٹ ڈویژن میں پاس

ہونے کی خبر آئی۔ یقین کیجیے آپا' ان بچوں کی کامیابیاں سن کر دل کو کس طرح خوشی نصیب ہوئی۔ مجھے افسوس ہے فاخرہ کے فرسٹ آنے پر میں بروقت خط نہ بھیج سکی۔ دراصل میری طبیعت کافی خراب تھی ان دنوں ملیریا ہو گیا تھا۔ پھر بعد کی کمزوری...... خط لکھنے ہی والی تھی کہ اصغر کی خوشخبری مل گئی۔ خدا آپ سب کو مبارک کرے۔ میں نے فاخرہ کے فرسٹ آنے پر اس کے لیے سوٹ بنوایا تھا' پارسل سے بھیج رہی ہوں۔ خدا اسے ایسی ہزاروں کامیابیاں عطا کرے (آمین)''

فخری نے اپنے متعلق پڑھا اسے بہت خوشی ہوئی مگر اس کی نظریں خط میں کچھ اور تلاش کر رہی تھیں۔

وہ منصور کے متعلق کچھ جاننا چاہتی تھی۔

آگے لکھا تھا۔

''منصور نے پچھلے سال بی اے کر لیا تھا آگے پڑھنے پر وہ راضی نہ ہوئے۔ آپ کے بہنوئی نے انہیں کاروبار میں لگا دیا ہے۔ انشاءاللہ جلد ہی منصور اس قابل ہو جائیں گے کہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔ ابھی تو فاخرہ پڑھ رہی ہے۔ خدا کرے سب حالات ٹھیک رہیں اور فاخرہ ساتھ خیریت کے رخصت ہو کر اس گھر میں آئے (آمین)''

اور بھی بہت کچھ لکھا تھا۔

مگر وہ تو یہی پڑھنا چاہتی تھی۔ منصور کی کوئی خبر۔ کوئی اطلاع۔ وہ بہت چھوٹی سی تھی صرف آٹھ سال کی' جب اس کا نکاح منصور سے کر دیا گیا تھا۔

یہ مراد آباد کی بات تھی۔

اسے سب کچھ اچھی طرح یاد تھا۔

بڑے بھیا کی شادی میں پورا خاندان جمع تھا۔ چھوٹی خالہ' خالو جان' منصور بھائی اور سارہ آپا بھی آئے ہوئے تھے اور تب ہی اس کا اور منصور کا نکاح ہو گیا تھا۔

اسے اپنا دلہن بننا اچھی طرح یاد تھا۔ سرخ جوڑا پہنے وہ گڑیا سی بنی بیٹھی تھی اور منصور نے شیروانی پہن رکھی تھی۔ منصور اس سے عمر میں آٹھ سال بڑے تھے اور ان دنوں اسکول میں پڑھ رہے تھے۔ یہ شادی کیوں ہو گئی تھی؟ اس کی وجہ اسے معلوم نہ تھی مگر وہ منصور کو بہت زیادہ پسند کرنے لگی تھی۔ پہلے یہ چاہت بچپن کی چاہت تھی مگر وقت کے ساتھ ساتھ فخری بڑی ہونے لگی تو اس کے احساسات بھی جوان ہونے لگے۔ وہ جانتی تھی منصور اس کے شوہر ہیں...... وہ منصور جنہیں اس

نے اس روز کے بعد سے دیکھا نہ تھا اور جن کی کوئی تصویر بھی اس کے پاس نہ تھی۔ نہ ہی کبھی منصور نے اس کے گھر خط لکھا تھا' یہ کمی چھوٹی خالہ پوری کیا کرتی تھیں۔

مراد آباد میں فخری کے والد وکالت کیا کرتے تھے' ان کی اچھی خاصی آمدنی تھی۔ آبائی کوٹھی تھی' کچھ زمینیں بھی تھیں۔ پورے خاندان میں ان کا رعب تھا۔ سارے خاندان والے یہ چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح وکیل صاحب کے گھر رشتے قائم ہو جائیں۔ یہی وجہ تھی کہ بڑے لڑکے اکبر علی کی میٹرک کرتے ہی مسرت سے شادی ہو گئی تھی اور اس دوران جب کہ سارا خاندان جمع تھا' خالو جان نے ڈرتے ڈرتے منصور کے لیے فخری کو مانگ لیا تھا۔ خالو جان کی لکھنو میں ایک چھوٹی سی دوکان تھی گھر بھی بہت چھوٹا سا تھا چھوٹی خالہ بہت ہی معمولی حیثیت سے زندگی گزار رہی تھیں۔ دل ہی دل میں بڑی بہن کی قسمت پر رشک کیا کرتی تھیں۔ خالو جان بھی وکیل صاحب سے بہت زیادہ مرعوب تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ وکیل صاحب کی لڑکی ان کی بہو بنے مگر دونوں گھرانوں کی حیثیتوں میں بہت بڑا فرق تھا' وہ جانتے تھے کہ عملی طور پر ایسا ممکن نہیں' خود چھوٹی خالہ کو یقین تھا کہ ان کی بہن ان کی بات نہیں ٹالیں گی چنانچہ موقع دیکھ کر انہوں نے ہنسی ہی ہنسی میں فاخرہ کے لیے منصور کا رشتہ دے ڈالا۔ فاخرہ کی امی اس معاملے میں کیا بولتیں یہ بات بہت قبل از وقت تھی' ہنس کر خاموش ہو گئیں۔ مگر خالو جان نے بات کو آگے بڑھا دیا۔ وکیل صاحب سے بات کی۔ وکیل صاحب کے دل کی کسی کو خبر نہ تھی' وہ دل ہی دل میں چھوٹی خالہ (شکیلہ) کو پسند کرتے تھے وہ بڑی بہن کے مقابلے میں شکل وصورت کی بہت اچھی تھیں مگر دل کی بات کسی پر ظاہر نہ کی تھی۔ قسمت ایسی کی شادی ہوئی تو اسی گھر میں مگر بجائے چھوٹی بہن کے بڑی بہن حمیدہ ان کی قسمت میں لکھ دی گئیں۔ وکیل صاحب صبر وشکر سے زندگی گزارنے لگے۔ انہوں نے کبھی اپنے دل کی بات کسی پر ظاہر نہ کی۔ منصور انہی شکیلہ کا بیٹا تھا جنہیں وکیل صاحب دل کی گہرائیوں سے پسند کرتے تھے۔ شکل وصورت بھی بہت اچھی تھی۔ بالکل ماں پر گیا تھا۔ وکیل صاحب نے بارہا اپنے دل میں سوچا تھا کہ وہ شکیلہ کے لڑکے سے اپنی بیٹی بیاہیں گے یا ان کی بیٹی اپنے گھر بیاہ لائیں گے۔ بہر حال آئندہ کے لیے اولادوں میں رشتہ کرنے کا وہ تہیہ کر چکے تھے اور اب اتفاق یہ تھا کہ شکیلہ اور ان کے میاں امجد حسین نے خود ہی فاخرہ کو مانگا تھا۔ وکیل صاحب کی دلی مراد بر آئی۔ انہوں نے اپنے دلی جذبات دا کیے بغیر یہ نسبت منظور کر لی۔ حمیدہ کو بڑا تعجب ہوا کہ میاں کیسے اتنی جلدی راضی ہو گئے مگر انہیں بھی کوئی اعتراض نہ تھا۔ آخر کو منصور ان کی بہن کا بیٹا

تھا اور خوش شکل بھی تھا لیکن جب پورے خاندان کے بیچ یہ نسبت طے ہوگئی تو سب نے کہا کہ نکاح ہو جانا چاہیے۔ اگر چہ اتنی سی عمر میں نکاح کرنا کچھ عجیب سا تھا مگر وکیل صاحب نے اس میں کوئی حرج نہ سمجھا۔ فخری کی عمر آٹھ سال تھی' ان کے خاندان میں چودہ یا پندرہ سال کی لڑکی کا بیاہ ہو جاتا تھا چنانچہ انہوں نے سوچا نکاح کر دیا جائے لڑکی بڑی ہوگی تو رخصتی ہو جائے گی۔ وکیل صاحب کے والد تو زندہ نہ تھے مگر ان کے تایا حیات تھے انہوں نے خود نکاح پڑھایا۔ یوں فاخرہ اور منصور ایک دوسرے کے ہو گئے۔ اس شادی کی سب سے زیادہ خوشی امجد حسین کو تھی۔ اتنی اونچی حیثیت کی لڑکی ان کی بہو بن گئی تھی۔ جب اکبر علی کی شادی کا ہنگامہ ختم ہوا تو سارے لوگ واپس چلے گئے۔

اس واقعے کے بعد ہی امجد حسین کی فیملی پاکستان چلی آئی۔ امجد حسین نے لاہور میں چھوٹی سی دوکان کھولی جو بڑھتے بڑھتے ایک بڑی دوکان میں تبدیل ہوگئی۔ امجد حسین کے آنے کے دو سال بعد وکیل صاحب بھی پاکستان آ گئے' ان کا خیال تھا کہ ایک وہ کراچی میں پریکٹس جما لیں گے مگر آتے ہی ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ ٹانگیں بے کار ہو گئیں' بیساکھیاں ان کا مقدر بن گئیں۔ اکبر علی جو ابھی مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے' انہیں مجبوراً سروس کرنا پڑ گئی۔ ایف اے پاس کو کیا ملازمت ملتی ایک سرکاری دفتر میں کلرک لگ گئے۔ ادھر دردانہ کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور وہ بھی بیوہ ہو کر باپ کے پاس آ گئیں۔ غرض یہ کہ حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ ادھر امجد حسین کی دوکان بہت ترقی کر چکی تھی۔ وہ ہزاروں میں کھیل رہے تھے۔ لکھنؤ میں ان کے جس قدر خراب حالات تھے' اب یہاں معاملہ الٹا ہو گیا تھا۔ ان کی بیوی شکیلہ اچھے سے اچھا پہنتی تھیں اور اچھے سے اچھا کھاتی تھیں۔ دونوں بچے منصور اور سارہ بھی امیروں کی طرح ٹھاٹھ باٹ سے رہتے تھے۔ حالات بدلتے تو امجد حسین کے دماغ بھی ساتآسمان پر پہنچ گئے' جب انہوں نے وکیل صاحب کے حالات سنے تو انہیں اپنے گزشتہ فیصلے پر پچھتاوا سا ہونے لگا مگر اس سلسلے میں خاموش تھے کچھ کہہ نہ سکے تھے۔ کم و بیش یہی کیفیت شکیلہ کی بھی تھی وہ منصور کا نکاح فاخرہ سے کر کے پچھتا رہی تھیں' یہی وجہ تھی کہ جب سے یہ لوگ پاکستان آئے تھے آپس میں ملاقات نہ ہو سکی تھی۔ یہ لوگ کبھی کراچی نہ گئے۔ بس کبھی کبھار کی خط و کتابت تھی' وہ بھی شکیلہ اپنی مرضی سے بہن کو لکھ دیتی تھیں جس سے ایک تعلق سا قائم تھا۔ مگر اب جو اصغر علی کی شاندار کامیابی اور خود فخری کے بھی فرسٹ آنے کی اطلاع ملی تو چھوٹی خالہ کے سوئے ہوئے جذبات جاگ گئے۔ یہ حقیقت بہر حال اٹل تھی کہ فاخرہ ان کی بہو اور منصور کی دلہن تھی۔ انہیں یہ بھی خیال تھا کہ اصغر علی چند برسوں میں پڑھ لکھ کر قابل ہو جائے گا

تو اس گھر کے حالات دوبارہ بہتر ہو جائیں گے‘ چنانچہ محبت نے جوش مارا۔ اور محبت سے مجبور ہو کر اور کچھ مصلحتاً انہوں نے اس قسم کا خط لکھا اور فخری کے لیے ایک عدد جوڑا بھی روانہ کر دیا۔

خط پہنچنے کے تیسرے روز جوڑے کا پارسل بھی پہنچ گیا چھوٹی خالہ نے بہت ہی خوبصورت غرارہ سوٹ بھیجا تھا۔ امی اور بابا نے جوڑے کو بہت خوش ہو ہو کر دیکھا اور فخری جھینپی جھینپی پھرتی رہی۔

''تو چھوٹی خالہ مجھے بھولی نہ تھیں۔''

اس نے دل ہی دل میں کہا۔

پھر اپنی حماقت پر اسے خود ہی ہنسی آ گئی۔

''بھلا وہ بھی کوئی بھولنے کی چیز تھی۔''

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ سب کچھ منیرہ کو بتا دے مگر دل پر جبر کر کے خاموش رہی‘ وہ نہیں چاہتی تھی کہ قبل از وقت کوئی بات پھیلا کر وہ لوگوں کے درمیان تماشہ بنے۔

چھوٹی خالہ نے اپنے خط میں لکھا تھا۔

''خدا کرے حالات ٹھیک رہیں اور فاخرہ ساتھ خیریت کے رخصت ہو کر اس گھر میں آئیں۔''

اور وہ حالات ٹھیک ہونے کا انتظار کر رہی تھیں۔ اسے یقین تھا کہ وہ اور چھوٹے بھیا مل کر چند سالوں میں اپنے گھر کے بگڑے ہوئے حالات کو سنوار لیں گے اور اب تو سنا تھا کہ بڑے بھیا کو سرکاری کوارٹر بھی ملنے والا تھا۔ بے شمار سرکاری ملازمین کی درخواستیں لائن میں لگی ہوئی تھیں اور اب بھیا کا نمبر آنے والا تھا‘ پھر اس ٹینٹ کی زندگی سے چھٹکارا مل جائے گا......اور رفتہ رفتہ زندگی معمول پر آ جائے گی۔

چھوٹی خالہ کے خط نے اس کے لیے سوچ کے نئے دروازے کھول دیئے تھے۔ سوچتی تو وہ پہلے بھی تھی مگر سوچ کی نوعیت دوسری تھی۔ اس نے بہت بار منصور کے متعلق سوچا تھا مگر سوائے اُلجھنوں کے کچھ ہاتھ نہ آیا تھا مگر چھوٹی خالہ کے خط نے اس کی اُلجھنوں کو کسی قدر کم کر دیا تھا۔

خالی پیریڈ میں دونوں سہیلیاں درخت کے نیچے کرسیاں ڈالے بیٹھی تھیں۔ منیرہ نے فخری کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آج کل تمہارے چہرے پر انوکھا سا نکھار آ گیا ہے۔ کیا بات ہے کوئی نیا چکر تو نہیں چل گیا۔''

''کس قسم کا چکر؟''

''کوئی رشتے وغیرہ کا چکر۔''

''نہیں بھئی ایسی تو کوئی بات نہیں۔ میرے لیے کوئی رشتہ وغیرہ نہیں آئے گا تم بے فکر رہو' البتہ یہی سوال میں تم سے کرنے والی تھی کہ آج کل بہت چہک رہی ہو کیا بات ہے؟'' فخری نے ہنس کر کہا۔

''تم اپنی بات مت ٹالو۔''

''تم پوچھنا کیا چاہ رہی ہو؟''

''خرم بھائی کا حال چال پوچھ رہی ہوں۔''

''ٹھیک ہی ہوں گے۔'' منیرہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

فخری کو ہنسی آ گئی۔

''تو معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے۔ باقاعدہ ٹھنڈی آہیں بھری جا رہی ہیں۔''

''معاملہ ابھی وہیں کا وہیں ہے۔ اسی بات کی تو فکر ہے۔'' منیرہ نے منہ بنا کر کہا۔

''ایک عدد خط اور لکھ ڈالو اپنے خرم بھائی کو۔''

''جب وہ جواب نہیں دیتے تو تم خط لکھتی ہی کیوں ہو؟''

''میں کب لکھتی ہوں؟'' منیرہ نے کہا۔''امی زبردستی لکھواتی ہیں۔''

''پھر تو تمہاری امی تمہاری دوست ہوئیں۔''

''ایسا ہی سمجھو۔ امی سچ مچ میری دوست ہی ہیں۔ ایک بار مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ خرم سے اچھا لڑکا مجھے نہیں مل سکتا۔ سچ پوچھو تو امی ہی نے کہہ کہہ کر ان کا خیال میرے دل میں ڈال دیا ہے۔''

''تو پھر اپنی امی سے کہہ کر بات پکی کروا لو نا۔'' فخری نے اطمینان سے کہا۔

''لو امی کس طرح کہہ سکتی ہیں۔ ویسے اگر موقع آیا تو وہ بڑے ماموں سے کہہ بھی لیں گی۔ امی بہت تیز ہیں۔''

''تو پھر تم لوگ کب ڈیرہ غازی خاں جا رہے ہو؟''

''ممکن ہے نویں کا امتحان دے کر جاؤں یا پھر جب امی کو فرصت ہو۔'' منیرہ نے کہا۔ ''لیکن تمہیں کیا جلدی پڑی ہے تم مجھے اتنی جلدی کیوں بھیجنے پر مصر ہو' ابھی پچھلے ماہ ہی تو تمہیں بتایا

تھا اب اتنی جلدی تقاضا کرنے بیٹھ گئیں۔"

"دراصل تم وہاں جاؤ گی تو نئے نئے قصے آ کر سناؤ گی' مزے مزے کی باتیں بتاؤ گی' بس اسی وجہ سے کہہ رہی ہوں ورنہ مجھے کیا جلدی ہوتی۔"

"ارے ہاں اس بات پر یاد آیا۔ اگلے ہفتے ثریا اور زہرہ باجی کی شادیاں ہیں ان لوگوں نے تمہیں بھی بلایا ہے۔ میں کارڈ لانا بھول گئی۔ تمہارا کارڈ میرے پاس رکھا ہے۔"

"میرا جانا تو بہت مشکل ہے منیرہ۔" فخری نے کہا "ان لوگوں سے میری کیا جان پہچان۔ امی اجازت نہیں دیں گی۔"

"بہرحال تم اپنا کارڈ لے جانا اگر آسانی سے آسکیں تو آ جانا ورنہ کوئی بات نہیں۔ میں تو بہرحال شرکت کروں گی۔"

"تمہاری اور بات ہے تمہارا ہر وقت کا ملنا جلنا ہے۔"

"تمہیں پتہ ہے فخری' ثریا باجی اس شادی سے خوش نہیں ہیں؟"

"ہاں مجھے پتہ ہے۔"

"ارے تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" منیرہ نے تعجب سے پوچھا۔

"اس روز جب میں ان کے گھر گئی تھی تو ان کی نگاہیں یہی کہہ رہی تھیں کہ وہ اس بات سے خوش نہیں ہیں جبکہ زہرہ باجی کی شادی ان کی پسند سے ہو رہی ہے۔"

"بالکل یہی بات ہے فخری کی بچی۔ تو تو ولی ہوتی جا رہی ہے۔" منیرہ نے کہا۔ "ثریا باجی کے ہونے والے شوہر ان سے عمر میں دو گنے ہیں ایک دم سیاہ فام' پھر نہ پڑھے نہ لکھے۔"

"ارے تو پیر جی نے کیا دیکھ کر ہامی بھر لی۔"

"بس ان کے رشتے کے بھائی ہیں' جمن چچا کہلاتے ہیں۔ جمن چچا نے رشتہ دیا تو پیر جی انکار نہ کر سکے۔ دراصل زہرہ باجی کا رشتہ بچپن سے ان کے خالہ زاد بھائی سے طے ہے مگر ثریا باجی کی وجہ سے ان کی شادی رکی ہوئی تھی۔

اب جو ہی ثریا باجی کا یہ رشتہ آیا جھٹ پیر جی نے ہاں کر دی۔ زہرہ باجی بھی جمن چچا کو پسند نہیں کرتیں مگر اپنی شادی کی خوشی میں وہ بہن کا غم بھول گئی ہیں۔"

ثریا باجی نے انکار کر دیا ہوتا۔"

"کمال کرتی ہو تم بھی۔" منیرہ نے کہا۔ "کیا انکار اتنا آسان ہے۔ پیر جی کب مانتے ان

کی بات سنا ہے ثریا باجی نے آنٹی یعنی اپنی اماں سے انکار کیا تھا مگر انہوں نے ثریا باجی کی ایک نہ مانی۔ بے چاری ثریا باجی نے رو رو کر اپنی آنکھیں سجالی ہیں۔ ادھر زہرہ باجی کے چہرے پر گلاب کھلے ہوئے ہیں۔ عجیب تضاد ہے دونوں بہنوں کے حالات ہیں۔''

''یہ جو پیر جی قسم کے لوگ ہوتے ہیں نا منیرہ۔'' فخری نے کہا ''یہ مذہب کا زبانی چرچہ تو بہت کرتے ہیں۔ مگر عملی طور پر مذہب سے اتنی ہی دور ہوتے ہیں۔ اب یہی معاملہ دیکھ لو، ہمارے مذہب میں زبردستی کی شادی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لڑکی اور لڑکا، دونوں کا رضامند ہونا ضروری ہے۔ بلکہ شادی کی نیت سے ایک دوسرے کو دیکھ لینے کی بھی اجازت ہے پھر بھی پیر جی اپنی بیٹی کی شادی زبردستی کر رہے ہیں۔''

''اب انھیں کون سمجھا سکتا ہے۔''

''جب جاہل لوگ مذہب کے ٹھیکیدار بن بیٹھیں گے تو پھر یہی سب کچھ ہوگا ہماری زندگی میں۔''

''بھئی چھوٹی کو رخصت کرنے کے چکر میں بڑی کا جو بھی رشتہ ملا، ہاں کر دی۔''

''ارے تو کس عقلمند نے کہہ دیا کہ جب تک بڑی کی نہ ہو چھوٹی کو رخصت نہیں کیا جا سکتا۔''

''خیر ہوگا، ان کے کام وہ جانیں۔ ایک ہمارے زبان ہلانے سے پورے معاشرے کا ڈھانچہ کیسے تبدیل ہو جائے گا۔''

''یہی تو تمہاری منفی سوچ ہے منیرہ، الگ الگ افراد سے مل کر ہی معاشرہ جنم لیتا ہے، اگر ہم میں سے ہر ایک شخص کسی انسان کو درست کرنے کی ذمے داری قبول کر لے تو چند برسوں میں انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔''

''تم انقلاب کی بات کر رہی ہو فخری، یہاں لوگ اپنی روایات سے ایک انچ ہٹنے کو تیار نہیں ہوتے۔'' منیرہ نے کہا۔

ابھی فخری کچھ کہنے ہی والی تھی کہ گھنٹی بج گئی۔ دونوں جلدی سے اُٹھ کر کلاس روم میں چلی گئیں۔

شام کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ تانگہ آہستہ خرامی سے چلتا ہوا فخری کے گھر رواں دواں تھا۔ کچھ لڑکیوں کو اتار کر اب تانگہ نسرین کے گھر کے قریب آ رہا تھا۔ ابھی نسرین کا کوارٹر کچھ

فاصلے پر تھا کہ اُس کا پڑوسی نوجوان ناصر، جو اُسے اکثر سلام کیا کرتا تھا۔ ایک طرف سے نمودار ہوا اور اُس نے مسکرا کر نسرین کو سلام کا اشارہ کیا۔ نسرین نے اس کی طرف نہیں دیکھا تھا اتفاق سے فخری دیکھ رہی تھی۔ فخری کو اپنی جانب متوجہ دیکھ کر ناصر کھسیانی سی ہنسی ہنس دیا۔ فخری نے نگاہیں دوسری طرف کر لیں۔ دوسری طرف سے آتے ہوئے بڑے بھیا نے یہ سب کارروائی دیکھ لی تھی۔ انھوں نے دیکھا ناصر، فخری کو سلام کر رہا تھا۔ فخری کے چہرے کے تاثرات وہ نہ دیکھ سکے۔ غصے سے اُن کی بھنویں تن گئیں، وہ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے فخری کے...... پہنچنے سے قبل ہی گھر پہنچ گئے۔ دومنٹ بعد فخری ہر بات سے بے خبر گھر آئی تو اچانک بڑے بھیا پھنکارتے ہوئے اُس کے پاس آئے۔ ''اسکول جانے کے بہانے خوب گل کھلائے جا رہے ہیں۔ بتاؤ کس سے ساز باز ہے تمہاری؟''

''آپ کیا کہہ رہے ہیں بڑے بھیا؟'' اُس نے حیران ہو کر پوچھا۔

جواب میں بڑے بھیا نے دو جھانپڑ کس کس کر لگائے

''یہ کہہ رہا ہوں میں۔ کان کھول کر سن لو آئندہ تم اسکول نہیں جاؤ گی۔''

''لیکن میں نے کیا کیا ہے؟'' آنسو بے اختیار اُس کی پلکوں سے ٹپکنے لگے۔

''کمینی کہیں کی۔ غیر مردوں سے اشارے بازی ہوتی ہے۔ اور پھر معصوم بن کر پوچھ رہی ہے کہ میں نے کیا کیا ہے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، ابھی تجھے کوارٹر والا ناصر سلام کر رہا تھا۔''

بڑی آپا فوراً یہ باتیں سن کر اپنے حصے سے نمودار ہو گئیں۔

''ہوا کیا آخر۔؟'' بڑی آپا نے بڑے بھیا کی سائڈ لیتے ہوئے بڑی اپنائیت سے اُن سے سوال کیا۔

''ہوتا کیا دردانہ۔ فاخرہ اور ناصر میں اشارے ہو رہے تھے آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اگر آئندہ اُس نے گھر سے باہر قدم نکالا تو اتنے جوتے ماروں گا کہ حواس ٹھکانے آ جائیں گے۔''

''میں کسی ناصر کو نہیں جانتی۔'' فخری کا چہرہ غصے سے لال پڑ گیا۔

''نہیں جانتی ہو تو بھی تم اسکول نہیں جاؤ گی۔'' بڑے بھیا دہاڑے۔

''میں سکول جاؤں گی اور ضرور جاؤں گی۔ مجھے اسکول جانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔''

''مجھ سے زبان چلائے گی تو کھال کھینچ لوں گا کمینی کہیں کی۔''

''آپ مجھے کچھ نہیں کہہ سکتے بڑے بھیا۔ آپ کو مجھے اس طرح کچھ کہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔'' وہ چیخی۔

اکبر علی کو غصہ آ گیا۔ جوتا اتار کر فخری کی مرمت کر دی۔

''نہیں۔ نہیں۔'' فخری ہذیانی انداز میں چیخی۔ ''آپ مجھے نہیں مار سکتے۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔''

اتنے میں اصغر علی باہر سے آ گئے۔ یہاں یہ ہنگامہ برپا تھا۔

''ہوا کیا آخر۔؟'' اصغر علی نے آتے ہی سوال کیا۔

''فاخرہ کچھ کارنامے کر کے آ رہی ہیں۔'' دردانہ نے خوش ہو کر کہا۔ ''اسی پر مارا ہے بڑے بھیا نے۔''

گھر کے سب افراد جمع ہو گئے تھے۔ فخری برابر چیخ رہی تھی۔

اصغر علی نے کہہ سُن کر فخری کو قابو میں کیا۔ امّی چپ چاپ سنّاٹے کے عالم میں کھڑی تھیں۔ مسّرت بھابی اپنے میاں کو گھسیٹ کر اندر لے گئیں۔ بڑی آپا ہمدرد بنی اب تک فخری کے پاس کھڑی تھیں۔

کافی دیر بعد جب فخری کی حالت سنبھلی تو اُس نے چھوٹے بھیا کو اصل بات بتائی۔

''نسرین اور اُس کے پڑوسی کا چکر چل رہا ہے۔ وہی اُسے سلام کرتا رہتا ہے۔ آج بھی کر رہا تھا۔ اتفاق سے بڑے بھیا نے دیکھ لیا۔ مجھے تو اُس کا نام بھی معلوم نہ تھا۔ وہ سمجھے کہ۔۔۔۔''

اتنا کہہ کر فخری پھر سے رونے لگی۔

''مت رو میری بہن، میں بڑے بھیا سے خود بات کروں گا۔''

بڑی آپا نے شک بھری نگاہوں سے فخری کو دیکھا اور منہ بناتی اپنے حصّہ میں چلی گئیں۔

''اے اکبر کا دماغ ہی چل گیا ہے۔'' امی بڑبڑا رہی تھیں ''جوان لڑکی کی پٹائی کر ڈالی۔ میں کہتی ہوں کسی نے تعویذ گنڈے کیے ہیں اکبر پر۔ مت ماری گئی ہے اُن کی۔''

اصغر علی نے بڑے بھائی سے جا کر بات کی۔ بہت دیر تک دونوں میں گرما گرم ہوتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد سناٹا پھیل گیا۔ اب فخری اپنے بستر پر خاموش پڑی تھی۔ اُس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ رونے کی وجہ سے آنکھیں لال ہو گئی تھیں۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ بڑے بھیا کا یہ رویہ

کیوں ہے۔ گھر میں کوئی بھی ایسا نہ تھا۔ آخر بڑے بھیا کیوں بھوت بنے ہوئے تھے۔ بات بات پر ہر کسی کو مارنے کھڑے ہو جاتے تھے۔ پتہ نہیں مسرت بھابی کس طرح گزارا کر رہی ہو گی۔ وہ دل میں سوچنے لگی۔ یوں لڑائی کی آواز کبھی نہ سنائی دی تھی۔ مگر اکثر اُس نے بھابی کی سوجی آنکھیں دیکھی ہوں گی۔ مگر مارے ڈر کے اس نے بھابی سے کبھی کوئی سوال نہ کیا۔ کہیں وہ کوئی ایسی بات نہ بتا دیں جس سے اُس کے دل کو بہت تکلیف پہنچے۔

فخری کے لئے آج کا واقعہ کوئی نیا نہ تھا۔ جب کبھی شام کی شفٹ ہوتی تھی یہی مصیبت سر پر سوار رہتی تھی۔ چھٹی کے وقت بڑے بھیا گھر پر ہوتے تھے اور کوئی نہ کوئی بات فخری کے خلاف نکال لیتے تھے۔ وہ جب بھی گھر میں داخل ہوتی ململ کا سفید دوپٹہ سختی سے کانوں کے آس پاس لپیٹ لیا کرتی تھی۔ بڑے بھیّا کی گھورتی نگاہوں سے اُسے خوف آتا تھا۔ اُس کے بالوں، ربن، دوپٹہ ہر چیز پر اُن کی نظر ہوتی تھی۔ اور وہ اپنی جانب سے کوئی موقع ایسا نہیں آنے دینا چاہتی تھی جس سے گھر میں کوئی فساد کھڑا ہو مگر آج کا واقعہ اپنی نوعیت کا بالکل انوکھا واقعہ تھا۔ آج بڑے بھیّا نے اس کے کردار پر شک کیا تھا۔ اس پر جھوٹے الزام لگائے تھے۔ اور یہ سب کچھ فخری کے لئے نا قابلِ برداشت ہو گیا تھا۔ تب ہی وہ برداشت نہ کر سکی تھی اور چیخ چیخ کر رونے لگی تھی۔ اگر چھوٹے بھیّا کا سہارا پاس نہ ہوتا تو وہ کس قدر بے دست و پا ہوتی۔ یہی سب کچھ سوچ کر آنسو ایک بار پھر اُس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔

اتنے میں امّی آ گئیں۔

''اے اب ختم کرو رونا دھونا۔ اکبر تو ہیں ہی پاگل، ان کی بات پر کیا غم کرنا۔ اٹھو کھانا کھا لو۔ آج تم نے دوپہر کو بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' فخری نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''اے سب بھوک ہے چلو اٹھو۔ میں نکال دوں گی کھانا۔ منہ دھو جا کر ٹنکی سے۔''

یہ کہہ کر امّی باورچی خانے میں جا کر کھانا نکالنے لگیں۔ فخری مجبوراً اُٹھ گئی۔ اور ٹنکی کے پاس اکڑوں بیٹھ کر ٹھنڈے پانی کے چھپاکے منہ پر مارنے لگی۔

منیرہ کے ہاتھ خرم بھائی کا خط تھا۔ آج ایک عرصے کے بعد اُنھوں نے خط لکھا تھا۔ منیرہ کئی خطوط بھیج چکی تھی۔ اس لئے جواب دینا ناگزیر ہو گیا تھا۔ خط بہت مختصر سا اور خیریت خیر پر

مشتمل تھا۔ پھر بھی منیرہ بہت خوش تھی کہ خرم بھائی نے اُس کے خط کا جواب دیا تھا۔ ہاں ایک بات اُن کے خط میں ضرور تھی، اُنھوں نے لکھا تھا۔

''کبھی چھٹیوں میں ڈیرہ آؤ، یہاں ہمارے باغات ہیں'' خوب گھومنا اور ڈھیروں کے حساب سے آم کھانا۔۔تم کراچی کے لوگ تو ترازو سے تول کر آم کھانے کے عادی ہو۔ یہاں حوض میں بھیگے ہوئے آم کھانے کو ملیں گے۔''

اور وہ خوش ہو ہو کر خرم کا خط پڑھ رہی تھی۔

منی بیگم نے بھی خرم کا خط پڑھا۔ انھیں اطمینان ہوا کہ ان کی کوششیں رائیگاں نہیں گئیں۔ اگر چہ لڑکے نے لڑکی کو دیکھا نہیں۔ پھر بھی اُس کے دل میں کچھ تو خیال پیدا ہو ہی گیا۔

''تم خرم کو لکھ دو۔ ہم لوگ اب کی چھٹیوں میں ڈیرہ ضرور آئیں گے اور خوب آم کھائیں گے۔''

''لکھ دوں گی امی اتنی جلدی کیا ہے آج ہی تو خط آیا ہے۔''

''ارے واہ جلدی کیسے نہیں آج ہی جواب دینا۔''

''اچھا۔ اچھا۔''

وہ وہاں سے بھاگ کر اپنے بیڈروم میں لیٹ گئی۔ اُس کے پیٹ میں کُھد بُد ہو رہی تھی، وہ جلد از جلد یہ خوشخبری فخری کو سُنانا چاہتی تھی۔ جیسے تیسے کر کے دوسرا دن آیا۔ وہ اسکول کے لئے تیار ہوئی۔ تانگہ فخری کے ٹینٹ کے پاس نیم کے درخت کے نیچے رُکا۔ تانگے والے نے کھٹکھٹایا۔ اندر سے ریحانہ نکلی۔

''آج چھوٹی آپا اسکول نہیں جائیں گی۔''

تانگے والا واپس چلا گیا۔

منیرہ کو اتنا بھی وقت نہ مل سکا کہ وہ اُتر کر فخری کی خیریت پوچھ لیتی۔

آج تو اُسے فخری کا بے حد انتظار تھا تا کہ وہ خرم کی باتیں کرے آج ہی فخری گول کر گئی۔

اُسے کچھ کچھ فکر تھی۔

خدا معلوم کیا بات ہے ورنہ فخری اسکول کا ناغہ نہیں کرتی تھی۔ اُس نے سوچا تھا۔ اسکول سے واپسی پر وہ فخری کی خیریت پوچھتی ہوئی آئے گی لیکن واپسی میں تانگہ نسرین کو اُتار کر فوراً ہی مُڑ گیا اور وہ کچھ نہ کر سکی۔

ساری رات وہ خرّم کے خواب دیکھتی رہی۔ اُس نے خواب میں دیکھا کہ اُس کی شادی خرّم کے ساتھ ہوگئی ہے۔ خواب ہی خواب میں وہ خوب گھومی پھری، خوش ہوتی رہی۔

صبح آنکھ کھلی تو پتہ چلا وہ سب کچھ خواب تھا۔ مگر خرّم کے ساتھ شادی ہونا خواہ خواب ہی سہی، اُسے بہت زیادہ اچھا لگا۔ لیکن گھر میں کوئی ایسا نہ تھا جسے وہ اپنا خواب سُنا سکتی۔

وہ آپ ہی آپ مسکرا رہی تھی تب ہی منی بیگم نے اُسے اسی انداز میں دیکھا۔

''ارے منیرہ کیا پاگل ہوئی ہے کہ آپ ہی آپ ہنس رہی ہے۔''

''امّی رات کو ایک خواب دیکھا۔ اُس پر ہنسی آ رہی ہے۔''

''کیا خواب دیکھا تھا ہمیں بھی بتاؤ۔''

'' آپ کو بتانے والا خواب نہیں ہے امّی۔'' منیرہ نے کہا۔'' ایک دم پرائیویٹ خواب ہے۔''

''ماروں گی ایک تھپڑ۔'' منی بیگم نے پیار سے کہا۔'' چل بتا جلدی کیا دیکھا ہے خواب میں۔''

''بتادوں؟''

''ہاں ہاں۔''

''اب آپ خفا تو نہیں ہوں گی۔''

''اب بتائے گی بھی یا دوں ایک۔۔۔'' منّی بیگم نے جھوٹ موٹ ہاتھ اُٹھایا۔

''امی میں نے خواب میں دیکھا کہ میری شادی ہو رہی ہے۔''

منی بیگم ہنسنے لگیں۔

''کس کے ساتھ؟''

''خرم بھائی کے ساتھ۔'' منی بیگم نے بے جھجک کہہ دیا۔ وہ اپنی ماں سے بہت زیادہ فری تھی۔

''تُو کرے گی خرّم سے شادی؟'' منی بیگم نے مسکرا کر پوچھا۔

''امّی آپ کیسی باتیں کرتی ہیں۔''

''بول بتا دے ٹھیک ٹھیک اگر تُو کہے تو میں کروادوں تیری شادی خرّم سے''

منیرہ کا چہرہ خوشی سے سُرخ پڑ گیا۔''میں کیا جانوں واہ۔ آپ بڑی خراب ہیں۔'' یہ کہہ کر

منیرہ اندر بھاگ گئی۔

رات کو منی بیگم اپنے میاں کے پاؤں دباتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ ''پتہ ہے آپ کی لاڈلی نے آج کیا خواب دیکھا ہے۔''

''کیا دیکھا؟''

''وہ کہنے لگی کہ میں نے دیکھا کہ میری شادی خرّم سے ہو رہی ہے۔''

''لاحول ولاقوۃ۔'' واسطی صاحب کے منہ سے اچانک نکلا۔ ''تم نے ڈانٹ دیا ہوتا منیرہ کو۔''

''اے لو۔ اس میں ڈانٹنے کی کیا بات ہے۔ مجھے تو بڑی ہنسی آئی اُس کی بات سُن کر نہ بچی ہے ابھی۔ اُسے خرّم پسند ہو گا جو سوچتی ہو گی وہی نظر آ گیا خواب میں۔''

''اُس نے خرّم کو دیکھا تک نہیں وہ کیا پسند کریں گی اُس کو۔ بیگم تم منیرہ کی تربیت پر کوئی توجہ نہیں دے رہی ہو۔''

''ارے جائیے میری جیسی تربیت کون کرے گا۔ منیرہ لاکھوں میں ایک ہے۔ صورت میں سیرت میں یکتا۔ ایسی بھولی بھالی۔ اگر بڑے بھیّا چراغ لے کر بھی ڈھونڈیں تو ایسی ہیرا لڑکی نہ ملے گی۔ آخر کیا کمی ہے منیرہ میں، اگر بچّی کی مرضی ہے تو میں ضرور بڑے بھیّا سے بات کروں گی۔''

''یعنی تم اُلٹا اپنی لڑکی کے لئے کہو گی۔''

''بھائی بہنوں میں اُلٹا سیدھا نہیں ہوتا۔''

''تم سے بحث فضول ہے، تم کرتی وہی ہو جو تمہارے دل میں ایک بار آ جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خرّم اچھا لڑکا ہے پھر بھی کہے دیتا ہوں کہ جو قدم اُٹھانا سوچ سمجھ کر اُٹھانا، ایسا نہ ہو کہ جلد بازی کے نتیجے میں بعد کو پچھتانا پڑے۔''

'' آپ تو ابھی سے سٹھیا گئے ہیں۔'' منی بیگم نے ہنس کر کہا۔ ''کیسی جلد بازی اور کیسا پچھتاوا۔ خرّم بڑے بھیّا کا بیٹا ہے، خوبصورت ہے، صحت مند ہے، منیرہ اور اُس کا جوڑ ہر لحاظ سے مناسب ہے۔ نہ انھیں منیرہ سے بہتر لڑکی مل سکتی ہے اور نہ ہمیں خرّم سے بہتر لڑکا، ایک ہی گھر کے بچے ہیں، نہ کچھ سوچنا ہے نہ دیکھنا بھالنا۔''

''بڑے بھیّا کو خبر بھی نہ ہو گی اور تم اپنی طرف سے لڑکی کا نکاح کرنے بیٹھ گئیں۔''

''اگر نہیں ہے تو اب ہو جائے گی خبر۔ بس میرے پہنچنے کی دیر ہے وہاں، دیکھ لیجئے گا نہ نکاح پڑھوا دیا ہو دونوں کا تو میرا نام منی بیگم بدل دیجئے گا۔''

''صرف خواب کی بات پر مت جانا۔ منیرہ کی مرضی بھی پوچھ لینا۔'' یہ کہہ کر واسطی صاحب نے کروٹ بدل دی۔

منی بیگم نے بہتیرا چاہا کہ وہ اس سلسلے میں میاں سے اور باتیں کریں مگر وہ اُن کی ہر بات کے جواب میں ہوں ہاں کرتے رہے اور بیوی کی بک بک سنتے سنتے نیند کی وادی میں پہنچ گئے۔

صبح صبح امّی باورچی خانے میں پہنچیں تو تانبے کی چار دیگچیوں میں سے دو غائب تھیں۔

''ارے اصغر۔۔اصغر۔'' امّی وہیں سے چلائیں۔

''کیا ہوا امّی؟'' اصغر ٹنکی کے پاس بیٹھا منہ دھو رہا تھا۔

''چوری ہو گئی بیٹا۔ تانبے کی دیگچیاں غائب ہیں۔ کمبخت پتہ نہیں کون ہے، گھر ہی دیکھ لیا ہے جب دیکھو کوئی نہ کوئی چیز غائب ہو جاتی ہے۔''

''ارے دیکھو کوئی اور چیز تو نہیں گئی۔'' بابا اندر سے پکارے۔ فخری بھی امی کی آواز پر لپک کر آ گئی تھی۔

گھر کے سب افراد اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑانے لگے کہ کسی اور چیز کی گمشدگی کا پتہ لگا سکیں۔

''ارے امّی۔۔۔اوامّی۔'' فخری دُور سے چیخی۔

''کیا ہوا۔۔؟''

''آپ کا مرادآبادی لوٹا بھی غائب ہے۔ رات کو گھڑونچی کے پاس رکھا تھا نا۔''

''ہا۔۔ہا'' امّی نے افسوس سے آواز نکالی۔'' کتنے پُرانے وقتوں کا لوٹا تھا کیسا عمدہ۔ آج کل کہاں ملتا ہے لے گیا وہ بھی کمبخت۔''

''مرادآبادی کٹورا ہے یا وہ بھی اُٹھ گیا۔۔۔'' بابا کی آواز پھر آئی۔

''وہ تو رکھا ہے گھڑے پر جوں کا توں۔'' فخری نے کہا۔

''ہے کوئی خیال والا چور۔'' امی کٹورے کو اُٹھاتے ہوئے بولیں۔'' لوٹا لے گیا اور کٹورا چھوڑ گیا۔ دو دیگچیاں لے گیا اور دو چھوڑ گیا۔''

''امّی آپ ہمیشہ چور کے حق میں دعا ہی کرتی ہیں۔۔'' فخری نے کہا۔

''جو بات ہے وہ تو کہی جائے گی۔'' امی نے کہا۔''ایمان کی بات ہے پاکستان کے چور ہیں خیال والے۔ کم از کم مہاجر کیمپوں میں خیال کرتے ہیں، ایک آدھ چیز اُٹھا کر بھاگ جاتے ہیں اب پچھلی سردیوں کا واقعہ لے لو، تمہارے باپ کا مفلر چُرا کر لے گیا مگر مراد آباد کے زمانے کا پوری آستین کا سوئٹر وہیں رکھا تھا مشین کے پاس، وہ چھوڑ گیا۔ اب یہ خیال ہی ہے، اور کیا کہیں اِسے۔''
ہاں اور کیا سوچتا ہوگا بابا کو تکلیف ہوگی سردی میں۔'' فخری نے کہا۔''یہی کہنا چاہتی ہیں نا آپ؟''

''اور کیا کہوں پھر؟'''' امی یہ چور بھی اِس قابل ہیں کہ انھیں دعائیں دی جائیں۔ آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ اسی ڈر سے کہ کسی کی آنکھ نہ کُھل جائے جو چیز ہاتھ میں آتی ہے لے کر بھاگ جاتے ہیں۔''

''کیا پتہ، ہمارے گھر میں تو یہی ہوتا ہے کہ جب بھی چوری ہوئی ایک آدھ چیز ہی جاتی ہے۔'' امی نے کہا۔

''امی تو چوروں کی بھی مشکور ہیں۔'' فخری نے جل کر چھوٹے بھیّا سے کہا۔ اصغر علی کو ہنسی آ گئی۔

''امی بے چاری کسی نہ کسی طرح خود کو مطمئن کر لیتی ہیں فخری، ورنہ مراد آبادی لوٹے کا کیا انھیں غم منانے کا وہ کٹورا نہ جانے کی خوشی منا رہی ہیں۔ بے چاری امّی۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں چھوٹے بھیّا۔ فخری نے کہا'' امی ہمیشہ کی صابر، شاکر ہیں، جو چھن گیا اس کا غم نہ کیا جو بچ گیا اس کے لئے شکر ادا کرتی ہیں۔''

''سچے مسلمان کی یہی صفات ہونی چاہئیں۔'' اصغر علی نے کہا۔

دونوں بھائی بہن اسی قسم کی باتیں کر رہے تھے۔ امّی چپ چاپ باورچی خانے میں ناشتہ پکانے میں مصروف تھیں۔

کیمپوں کے اندر چوری کی وارداتیں بہت عام تھیں، حفاظت کا کوئی انتظام تو تھا نہیں، نہ ہی گھروں میں دروازے تھے۔ کسی کے گھر دروازے موٹے ٹاٹ کا پردہ لٹک رہا تھا تو کسی کے گھر چٹائی کا کمزور سادہ دروازہ اندر ڈوری سے بندھا تھا۔ اور قناطیں تو ہر طرف سے ڈھیلی ڈھالی تھیں، کوئی شخص بھی کہیں گھس سکتا تھا۔ چنانچہ آئے دن چوری ہوتی رہتی، چور گھر میں گھستا اور جو چیز فوری طور پر ہاتھ آتی لے کر چمپت ہو جاتا۔

چار برسوں میں فخری کے گھر کی بے شمار چیزیں چوری ہو چکی تھیں لیکن چونکہ ایک وقت میں ایک ہی چیز جاتی تھی، اس لئے زیادہ غم نہ ہوتا تھا۔ امّی بے چاری صبر کر کے بیٹھ جاتی تھیں۔ بلکہ اُلٹا چور کے مشکور ہوتیں اور دعائیں دیتی رہتی تھیں کہ خیال والا چور تھا ایک ہی چیز لے کر گیا۔

فخری کو امّی کی سادہ لوحی پر ہنسی آتی تھی۔

آج فخری دو دن کے ناغے کے بعد اسکول کے لئے تیار ہو رہی تھی۔ پچھلے دو دونوں سے اُس کی طبعیت درست نہ تھی۔ دو دن قبل بڑے بھیّا نے جو ہنگامہ برپا کیا تھا اِس کا اُس پر شدید رَدِ عمل ہوا تھا اور وہ اسکول کا ناغہ کر بیٹھی تھی۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ اب اُس کی طبعیت معمول پر آ گئی تھی۔ اس قسم کے واقعات چونکہ اس گھر میں عام تھے اس لئے اُن کا اثر دیرپا نہ ہوتا تھا۔ چھوٹے بھیّا اور امّی کے سمجھانے بجھانے پر وہ کسی حد تک نارمل ہو چکی تھی۔ دو دونوں سے وہ منیرہ سے بھی نہ ملی تھی، اُسے دل ہی دل میں منیرہ سے شکایت بھی کی تھی کہ آتے جاتے کسی وقت بھی اُس نے خیریت نہ پوچھی تھی۔ لیکن منیرہ نے تانگے میں ہی معذرت کر لی تھی۔ دونوں سہلیاں اسکول پہنچیں تو موقع ملتے ہی منیرہ نے خرم کی داستان سُنانی شروع کر دی۔ اس نے وہ باتیں بھی دہرائیں جو اُس کے اور امی کے درمیان ہوئی تھیں۔ فخری نے حیرت سے اپنی دوست کی باتوں کو سُنا۔

''مجھے تعجب ہوتا ہے تم اپنی امّی سے کس طرح اس قسم کی باتیں کر لیتی ہو۔'' فخری نے کہا۔

وہ دل میں سوچ رہی تھی کہ میں تو منصور کی خیریت تک امّی سے پوچھ سکتی حالانکہ میں اُن کی منکوحہ ہوں اور ایک منیرہ ہے کہ مزے سے اپنی پسند اور شادی کی باتیں اپنی امّی سے کرتی رہتی ہے۔

''میری امّی نے شروع ہی سے مجھ سے دوستانہ روّیہ رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں امّی سے ہر قسم کی بات کر لیتی ہوں۔'' منیرہ نے کہا۔

تب تو تم اپنی شادی خرم بھائی سے پکی سمجھو۔''

''خدا تمہاری زبان مبارک کرے۔''

''گراؤنڈ میں بنے چبوترے کی سب سے اونچی سیڑھی پر بیٹھی یہ دونوں باتیں کر رہی تھیں۔ کہ اچانک فخری کی نظر نگہت پر پڑی۔ نگہت نے بھی اُسے مسکرا کر دیکھا اور اوپر چڑھ کر فخری کے پاس آ گئی۔

''ہلو'' نگہت نے مسکرا کر فخری سے ہاتھ ملایا۔

''تم کیسے نظر آرہی ہوں آج اِدھر؟'' فخری نے نگہت کا تعارف منیرہ سے کرانے کے بعد پوچھا۔

''تمہارے اسکول میں داخلہ مل گیا ہے مجھے۔'' نگہت نے فخریہ بتایا۔

''اچھا۔ مگر یہ اسکول تو تمہارے گھر سے کافی دُور پڑے گا۔

''دور تو پڑے گا مگر کیا کریں ہمارا اسکول مڈل تک تھا اب وہاں کوئی ڈھنگ کا اسکول نہیں ہے اس لیے سوچا کہ اسی اسکول میں داخلہ ہو جائے بڑی مشکل سے اکبر بھائی نے سفارش کروا کے داخلہ دلوایا ہے۔''

فخری کو تعجب ہونے لگا۔ بڑے بھیا نے سفارش کروائی نگہت کو داخلہ دلوایا اور اُسے خبر بھی نہ ہوئی 'پھر اُسے خود ہی اپنے اوپر بڑے بھیا کے تعلقات کا خیال آیا' وہ خاموش سی ہوگئی۔ 'ٹھیک ہی تو ہے اُس کی کب بڑے بھیا سے بنتی ہے جو اُسے کسی بات کا علم ہو!'

وہ اپنے دلی جذبات کو چھپائے اخلاق سے بولی۔

''کب سے آرہی ہو اسکول؟''

''پرسوں داخلہ ہوا تھا۔ کل سے آرہی ہوں۔ آج دوسرا دن ہے۔ تمہارا پتہ کیا تھا معلوم ہوا تم چھٹی پر ہو۔''

''بس دو دن کی چھٹی لی تھی میری طبیعت خراب تھی ویسے اب ٹھیک ہوں۔'' فخری نے کہا۔

منیرہ بہت غور سے ان دونوں کو باتیں کرتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

نگہت جلد ہی چلی گئی اُس کے جانے کے بعد منیرہ نے کہا۔

''یہ تمہاری بھابی کی سگی بہن ہے؟''

''ہاں بالکل سگی۔ کیوں؟''

''تمہاری مسرت بھابی تو بہت سویٹ سی ہیں، معاف کرنا ان کی بہن مجھے کچھ عجیب سی لگی۔''

''مجھے خود یہ عجیب سی لگتی ہیں۔ میں اس سے بہت کم بات کرتی ہوں۔''

''جتنی دیر تم سے باتیں کرتی رہی آنکھوں کو عجیب انداز سے گھما گھما کر انداز بناتی رہی۔ بس اسی لمحے خیال ہوا کہ یہ لڑکی کچھ دوسری نوعیت کی ہے۔''

'شکر ہے ہمارے سیکشن میں نہیں ہے۔'' فخری نے کہا ''ورنہ مروت میں اسی کے ساتھ ہی رہنا پڑتا۔''

تھوڑی دیر نگہت کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں پھر اچانک فخری کو ثریا باجی کی شادی کا خیال آیا۔ وہ سب تفصیل پوچھنے لگی۔ کیونکہ فخری شادی میں نہ جا سکی تھی۔ منیرہ نے بتایا بس سادگی سے دونوں کی شادی ہو گئی۔ زہرہ باجی تو اس قدر خوش ہیں کہ پہچانی نہیں جاتیں لیکن تعجب کی بات ہے کہ ثریا باجی بھی خوش نظر آتی ہیں۔"

"تم نے کیسے اندازہ لگایا؟" فخری نے پوچھا۔

"خوشی اور غم کب چھپتے ہیں چہرے سے۔ ثریا باجی نے نکاح سے پہلے رو رو کر ہنگامہ کر دیا تھا، اتنا کہ پیر جی تک پریشان ہو گئے تھے۔ میں خود بہت ڈری ہوئی تھی کہ دیکھیں سسرال جا کر ثریا باجی کیا کریں گی، اسی بے چینی میں دوسرے روز بھاگی ہوئی گئی، دیکھا تو سرخ ریشمی جوڑا پہنے سرمہ لگائے پان کھائے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی ہیں۔ زہرہ باجی البتہ بہت زیادہ شرمائی ہوئی تھیں۔"

"خدا کرے وہ ہمیشہ خوش رہیں۔" فخری نے کہا۔ "ماں باپ شاید جو کچھ کرتے ہیں ٹھیک ہی کرتے ہیں۔"

"اب آئی ہو راہِ راست پر۔" منیرہ نے ہنس کر کہا "اُس روز بہت منطق بگھار رہی تھیں۔"

"وہ ایک الگ بات تھی۔" فخری نے کہا۔ "شادی بہرحال فریقین کی مرضی اور پسند سے ہونی چاہیے۔ میں اب بھی یہی کہوں گی۔"

"لیکن ثریا باجی تو خوش ہو گئیں آپ ہی آپ، پتہ نہیں جمن بھائی نے کیا جادو پڑھ کر پھونکا رات بھر میں۔" منیرہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا خیر چھوڑو ان فضول باتوں کو، تم بہت خراب ہوتی جا رہی ہو۔ میں دیکھ رہی ہوں کچھ دنوں سے۔" یہ کہہ کر فخری اُٹھ گئی۔

دونوں کلاس روم میں جانے لگیں۔ سامنے ہی نگہت چند لڑکیوں کے ساتھ زمین پر بیٹھی تھی۔ وہ ہاتھ ہلا ہلا کر اور آنکھیں نچا نچا کر لڑکیوں سے باتیں کر رہی تھی اور لڑکیاں بہت غور سے اس کی باتیں سن رہی تھیں۔ کچھ دوپٹے میں منہ چھپا کر "بجھی بجھی" کر رہی تھیں۔

'تو یہ ہے آئے ہوئے دو دن ہوئے اور ابھی سے اتنی لڑکیوں سے دوستی ہو گئی!

فخری نے دل ہی دل میں سوچا مگر اُس نے منیرہ سے کچھ بھی نہ کہا۔ وہ نگہت کے متعلق بہت زیادہ باتیں نہیں کرنا چاہتی تھی۔ نگہت اچھی لڑکی نہیں ہے اُس کے اس اسکول میں آ جانے سے فخری کو خوشی نہیں ہوئی تھی۔ اس طرح اُس کے گھرانے کا بھرم ٹوٹنے کا اندیشہ تھا۔ اور اسی بات سے

فخری خوف کھاتی تھی۔

وہ خاموشی سے اپنی ڈیسک پر بیٹھ کر سائنس کی کتاب کھول کر پڑھنے لگی۔ منیرہ نے بھی اس کی تقلید کی کیونکہ اگلی صبح سائنس کا ٹیسٹ ہونے والا تھا۔

اکبر علی کو سرکاری کوارٹر مل گیا۔ اُن کی پوری فیملی کوارٹر میں شفٹ ہوگئی۔ اکبر علی کی کوششوں سے کوارٹر اسی محلے میں مل گیا تھا کیونکہ اس محلے میں رہنے کی ان لوگوں کو عادت ہوگئی تھی۔ دوسرے فخری کا اسکول بھی نزدیک پڑتا تھا، کوارٹر میں اگرچہ دو کمرے تھے مگر کشادہ تھے چوڑا سا برآمدہ بھی تھا۔ جو لوگ اس سے قبل اس کوارٹر میں رہتے تھے انھوں نے پچھلے برآمدے کو جافری سے بند کر کے کمرہ نما کرلیا تھا اس طرح رہائش کے لیے کافی گنجائش نکل آئی تھی۔ کوارٹر میں سامنے کی طرف اچھی بڑی سی جگہ جھاڑی کی باڑھ لگا کر گھیری ہوئی تھی۔ جس روز فخری کی فیملی کوارٹر میں شفٹ ہوگئی اس روز گویا اُن کے گھر میں بہار آگئی۔ سب لوگوں نے مل کر سامان کو سلیقے سے سیٹ کیا۔ گری پڑی حالت میں بھی امی کے پاس مرادآباد کے زمانے کی کافی اچھی اچھی چیزیں تھیں جو کہ سب کی سب ایک بڑے صندوق میں بند پڑی تھیں۔ ڈنر سیٹ، تانبے کی دیگچیاں کہ ایک چھوٹا قالین تک موجود تھا۔ فخری نے بہت سلیقے سے پورا گھر سیٹ کرلیا تھا۔ پچھلے کورڈ برآمدے میں بابا اور امی کے پلنگ ڈال دیئے گئے۔ ایک کمرہ اکبر علی کی فیملی کو مل گیا۔ دوسرے کمرے میں فخری، اصغر علی اور ریحانہ تھے۔ دردانہ نے اپنا پلنگ اندر کے برآمدے میں بچھالیا تھا اُن کا کہنا تھا کہ وہ کسی کے ساتھ کمرے میں گھس کر نہیں لیٹ سکتیں۔ دردانہ کے باہر نکل جانے سے فخری کے کمرے میں کافی گنجائش نکل آئی۔ اصغر علی اپنے ٹیوشن کے پیسوں سے ایک میز اور دو کرسیاں خرید لایا جو فخری اور اصغر علی کی مشترکہ اسٹڈی کے لیے استعمال ہونے لگیں۔ ان دونوں نے اپنی اپنی کتابیں میز پر سلیقے سے جمالی تھیں۔ کمرے میں ایک جانب قالین بچھالیا گیا تھا۔ رات کو ریحانہ اس پر سوتی تھی۔ کمرے کے ایک کونے میں اصغر علی کا پلنگ تھا اور قالین کی طرف فخری کا پلنگ۔ اس طرح کمرہ بہت خوشنما معلوم ہوتا تھا۔ کوارٹر میں شفٹ ہونے کے بعد ایک روز منیرہ اُن کے گھر آئی تھی اُس نے بھی فخری کے کمرے کی بہت تعریف کی۔ امی سے مل کر گھر مل جانے کی مبارکباد دی۔ ان لوگوں کو ٹینٹ میں رہتا دیکھ کر اُسے بھی دکھ ہوتا تھا۔ اگرچہ فخری نے اپنے مصائب کا کبھی تذکرہ نہ کیا تھا پھر بھی وہ سب کچھ سمجھتی تھی۔ اب فخری کی فیملی کو بھی اور لوگوں کی طرح مناسب رہائش میسر ہوگئی تھی۔ سب

سے زیادہ آرام تو بجلی اور پانی کا تھا۔ ورنہ ٹینٹ میں نہ روشنی کا انتظام تھا نہ پانی کا۔

امی نے فوراً ہی اپنی شفٹنگ کا حال اپنی بہن کو لکھ بھیجا تھا جس کے جواب میں مبارکباد کا خط بھی آ گیا۔

فخری ان دنوں بہت زیادہ خوش رہنے لگتی تھی۔ کبھی کبھی وہ سوچتی میرے تمام اندیشے بے بنیاد تھے۔ رفتہ رفتہ حالات ٹھیک ہوتے جا رہے ہیں سب سے بڑا مسئلہ خراب رہائش کا تھا جو اللہ کے فضل سے دور ہو گیا، اب دوسرا مسئلہ آمدنی کا ہے جو چھوٹے بھیا کی پڑھائی کے مکمل ہونے تک رہے گا پھر انشاءاللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا اور اس وقت تک وہ خود بھی پڑھائی سے فارغ ہو چکی ہوگی۔ اور پھر۔ اور پھر چھوٹی خالہ کو اُسے اپنے گھر لے جانے میں یقیناً خوشی ہوگی۔

پتہ نہیں منصور اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے۔ کیا خبر وہ میرے متعلق کیا سوچتے ہوں گے۔ اُن کے پاس بھی تو میری کوئی تصویر نہیں ہے۔ وہ اکثر سوچا کرتی، کاش میرے پاس اُن کی کوئی تصویر ہوتی یا کبھی وہ میرے گھر آتے۔

اور اس تصور کے ساتھ ہی اُس کا دل انجانے انداز میں دھڑکنے لگتا۔

'اب تو چھوٹی خالہ اکثر خط بھیجتی ہیں اور مجھے ضرور پوچھتی ہیں، اس نے خوش ہو کر سوچا۔

'منصور نے بھی خالو جان کے ساتھ مل کر کام شروع کر دیا ہے۔ چھوٹی خالہ نے لکھا تھا، وہ جلد ترقی کر جائیں گے۔'

فخری ان دنوں صرف اور صرف منصور کے متعلق سوچنے لگی تھی۔ مشکل یہ تھی کہ اس نے اپنے اتنے خوبصورت راز میں کسی کو شریک نہ کیا تھا، اس نے مسرت بھابی سے کہہ دیا تھا کہ امی کو بھی منع کر دیں کہ منیرہ کے سامنے کبھی اس قسم کا تذکرہ نہ ہو۔

دن سبک رفتاری سے گزرتے رہے۔ فخری کی زندگی اب بدل گئی تھی، یوں تو وہی تانگہ تھا اور وہی تانگے کی ساتھی لڑکیاں مگر گھر کے بدل جانے سے اُس کے اندر خود اعتمادی پیدا ہو گئی تھی اور وہ کھل کر دوسروں سے بات کرنے کا حوصلہ محسوس کرنے لگی تھی۔ ایک خاص قسم کی جھجک اور احساس کمتری جو اُس کے وجود میں چھپی ہوئی تھی وہ یکسر مٹ گئی تھی حالانکہ یہ اُس کے بچپن کی سوچ تھی ورنہ ان دنوں انڈیا سے ہجرت کرنے والے سیکڑوں گھرانے انھی حالات کا شکار تھے، بڑے بڑے گھرانوں کے لوگ جن کے انڈیا میں عالی شان مکانات تھے سب کچھ چھوڑ کر کیمپوں میں رہائش پذیر تھے اور یہ بھی سب کو معلوم تھا کہ یہ عارضی سلسلہ ہے جس کسی کو بھی جوں جوں موقع ملتا

گیا حالات سدھرے، رہائش کا بندوبست ہوتا گیا۔ بہر حال چند سالوں کی کشمکش کے بعد فخری کا گھرانہ بھی اس بحران سے نکل چکا تھا۔ اب نہ پانی بھرنے کے لیے باہر کے نلکے پر لائن لگانے کی ضرورت تھی نہ اندھیرے کی کوفت اور نہ چوری کا خوف۔

''ہاں تو وہ ٹینٹ کی زندگی اب قصہ پارینہ ہوگئی! ایک دن فخری نے چپکے سے دل ہی دل میں سوچا۔ اور پھر ٹینٹ کے تصور کے ساتھ ہی شمشیر خان کا چہرہ سامنے آ گیا۔' وہ بڑی آپا کا راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر شمشیر خان سے ملنا۔ ناولوں کے اندر رکھ رکھ کر خطوط کے تبادلے پھر چھوٹے بھیا کی مداخلت۔ اُسے سب کچھ یاد آ گیا اور اس کے ساتھ ہی ایک جھرجھری سی بدن میں دوڑ گئی۔

'تو یہ ہے کتنے برے تھے وہ دن بھی مگر شکر ہے اب سب کچھ ٹھیک ہوگیا۔ بڑی آپا نے اپنے آپ کو ٹھیک کرلیا یا پھر شمشیر خان ہمت ہار بیٹھا جو کچھ بھی ہوا ہو، ہماری عزت قائم رہی۔' وہ اس بات کے لیے بہت زیادہ شکرادا کیا کرتی تھی مگر ایک روز گھر میں بھونچال سا آ گیا۔

شمشیر خان کی بھاوج امی کے پاس آئی اور شمشیر خان کا رشتہ دردانہ سے مانگا۔ امی نے سنا تو سناٹے میں رہ گئیں، وہ رشتے کی بات کر کے دو چار روز بعد آنے کا وعدہ کر گئی مگر یہاں تو اس بات پر قیامت مچ گئی۔

شمشیر خان چند جماعتیں پاس تھا کتابوں کی لائبریری ذریعہ آمدنی تھی۔ تین بچوں کا باپ تھا۔ دِق زدہ بیوی بھی زندہ تھی۔

اکبر علی نے سنا تو آپے سے باہر ہو گئے۔ انھیں دردانہ اور شمشیر خان کے چکر کے متعلق علم تھا۔ مسرت بھابی نے سختی سے ہر بات چھپائی ہوئی تھی۔ امی نے سمجھا بجھا کر اکبر علی کو ٹھنڈا کیا کہ کوئی بات نہیں، رشتے تو ہر قسم کے آتے ہی رہتے ہیں۔ رشتہ لانا کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ میں کسی مناسب طریقے سے منع کر دوں گی۔ اس نئے واقعے نے اکبر علی کا وجود ہلا ڈالا تھا۔

'تو گویا شمشیر خان نے ہار نہیں مانی تھی۔'

چند روز بعد جب شمشیر خان کی بھاوج جواب لینے آئی تو امی نے بڑی خوبصورتی سے انکار کر دیا۔

''ہم لوگ شیخ صدیقی ہیں۔ ہمارے ہاں خانوں میں شادی نہیں ہوتی۔'' امی اپنی طرف سے بہت خلوص سے ملیں اور یہ بھی کہا کہ ذات پات تو سب انسانوں کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں۔ سب اپنی ذات کے کھرے ہوتے ہیں، نہ کوئی شخص اونچا ہے نہ نیچا ہے بس رسم و رواج کی بات ہے، ہم لوگ بھی رسم و رواج کے پابند ہیں، اس وجہ سے انکار کر رہے ہیں ورنہ کوئی بات نہ تھی۔

امی نے اتنے خلوص اور قاعدے سے انکار کیا کہ شمشیر خان کی بھاوج کے پاس بولنے کے لیے کچھ نہ رہا۔ اور وہ خاموشی سے واپس چلی گئی۔ اگرچہ وہ بہت اچھا سا ریشمی جوڑا پہن کر آئی تھی مگر اس گھر کی خواتین کے پاس بیٹھ کر وہ خود کو بہت کم تر محسوس کر رہی تھی۔ دونوں گھرانوں کے اسٹینڈرڈ میں کوئی میچ نہ تھا یہ بات وہ دل ہی دل میں خود بھی سمجھ گئی تھی۔

شمشیر خاں کی بھاوج واپس چلی گئی تھی۔ مگر فخری کا سکون اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ وہ جانتی تھی یہ معاملہ ختم نہیں ہوا ہے۔ اتنے ماہ کے گیپ کے بعد اچانک شمشیر خاں نے رشتہ بھیجا۔ کچھ عرصے کی خاموشی کے بعد وہ کوئی نئی بات بھی کھڑی کر سکتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ شمشیر خاں کے پاس بڑی آپا کے بہت سے خطوط ہیں جنھیں وہ ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتا ہے۔ اگر شمشیر خاں سے بڑی آپا کی شادی ہو گئی تو اس کے خاندان کی عزت پر ایک کاری ضرب ہو گی اور ان حالات میں چھوٹی خالہ کا رویہ کون سا روپ اختیار کرے گا وہ یہ سوچنے سے قاصر تھی۔ رشتے سے انکار ہونے پر بظاہر معاملہ دب سا گیا تھا۔

بڑی آپا نے بھی کوئی ردعمل نہ دکھایا پھر بھی فخری کا وہ اطمینان اور خوشی جو چند روز کے لیے میسر آئی تھی، رخصت ہو گئی۔

نگہت اگرچہ دوسرے سیکشن میں تھی مگر پھر بھی فخری سے ملنے بریک میں یا چھٹی میں آیا کرتی تھی۔ اُس نے بہت جلد اپنی دوستوں کا ایک بہت وسیع حلقہ پیدا کر لیا تھا۔ عموماً وہ بریک میں کینٹین سے بھنے چنے یا مونگ پھلیاں خرید لیتی پھر اُس کی ٹولی زمین پر گھیرا ڈال کر بیٹھ جاتی۔ سب مل کر چنے یا مونگ پھلیاں کھاتی جاتیں اور باتیں کرتی جاتیں۔ ایک دو بار فخری بھی منیرہ کو لے کر اُن کے گروپ کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اُن کی باتیں سنیں اور آئندہ اُن کے ساتھ نہ بیٹھنے کی توبہ کر لی۔

نگہت کی سب سے قریبی دوست بلقیس تھی جو کہ شادی شدہ تھی۔ بلقیس اور نگہت مل کر اتنی بے ہودہ باتیں کرتی تھیں کہ سننے والے کو شرم آ جائے۔ ان کی ساتھی لڑکیاں بہت دلچسپی سے اُن کی باتیں سنا کرتی تھیں اُن کا معیار اس قدر پست تھا کہ فخری کو تصور سے اُبکائی آتی تھی اُس نے نگہت پر ظاہر تو نہ کیا کہ کس وجہ سے کتراتی ہے البتہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے الگ ہی رہی۔ منیرہ کے سامنے اُسے شرمندگی ہوتی تھی کہ اُس کی بھابی کی بہن اتنی غلیظ ذہنیت کی لڑکی ہے، سچ بات تو یہ ہے کہ فخری کو خود بھی پہلے علم نہ تھا کہ نگہت ایسی ہے۔ بلکہ اس نے خاندان میں ہمیشہ نگہت کے کام کاج اور سلیقے کی

تعریف ہی سنی تھی۔ اُسے تو خود ہی اُس کے وجود سے کوفت سی ہوتی تھی۔ لیکن یہ عقدہ اب کھلا کہ وہ گندی گندی باتیں کر کے اپنے ناپاک ذہن کو تسکین دیا کرتی تھی۔ اُس کے جذبات کو ہوا دینے والی بلقیس تھی۔ اور ان دونوں کی صحبت میں رہنے والی معصوم لڑکیاں اپنی کم عمری اور ناتجربہ کاری اور بعض باتوں سے ناواقفیت کے باعث اُن کے پاس بیٹھ کر...... اپنی معصومیت کھو رہی تھیں۔

جب سے نگہت نے فخری کے اسکول میں داخلہ لیا تھا۔ اکثر شام کو چھٹی میں وہ فخری کے تانگے میں بیٹھ کر فخری کے گھر آیا کرتی تھی۔ پھر رات وہیں گزارتی صبح تیار ہو کر فخری کے ساتھ اسکول چلی جاتی۔ اس طرح کبھی ایک دن کبھی دو دن وہ بہن کے گھر گزارتی تھی۔ جب کبھی نگہت بہن کے گھر رہنے آتی۔ مسرت بھابی کو چھٹی مل جاتی۔ نگہت کی عادت تھی، وہ بہن کے تمام کام سنبھال لیا کرتی تھی۔ اُن کے بچوں کو رکھنا اُن کے کمرے کی صفائی کرنا، اکبر بھائی کے لیے اچھی اچھی چیزیں پکانا اُس کا معمول تھا۔ اکبر علی اُس کی موجودگی میں بہت خوش رہتے ان کا موڈ درست رہتا۔ میاں کو خوش دیکھ کر مسرت بھابی بھی خوش رہتیں مگر نہ معلوم کیا بات تھی جب تک نگہت اس گھر میں رہتی، فخری کو اپنی سانسیں گھٹتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ اس کی موجودگی سے اُسے کوفت سی ہوتی تھی اور بڑے بھیا کا اس قدر جاں نثار ہونا بھی اُسے بہت برا لگتا تھا۔ نگہت اور بڑے بھیا میں بہت بے تکلفی تھی۔ یوں تو سالی اور بہنوئی کا رشتہ ایسا ہوتا ہے کہ ہنسی مذاق...... آپس میں چلتا ہی رہتا ہے۔ چھیڑ چھاڑ بھی ہوتی ہے لیکن نگہت اور اکبر علی کا مذاق بھی عجیب قسم کا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے نوالے تک چھین کر کھا جاتے۔ اکثر باتوں پر مذاق ہی مذاق میں ہاتھا پائی کی نوبت آ جاتی۔ نگہت اور بڑے بھیا کے قہقہے اُن کے کمرے میں گونجا کرتے اور مسرت بھابی بھی ان دونوں کے ساتھ مل کر ہنسا کرتیں۔ فخری کا جی چاہتا، وہ اپنے کانوں کو اتنا کس کر بند کر لے کہ نگہت کا کوئی قہقہہ، کوئی آواز اُسے سنائی نہ دے سکے۔ بعض اوقات ان دونوں کے ساتھ مل کر ہنستی ہوئی مسرت بھابی بہت خوفناک اور عجیب سی لگتیں۔ یوں لگتا وہ ہنس نہ رہی ہوں بلکہ چیخیں مار مار کر رو رہی ہوں۔ کبھی کبھی فخری اپنے آپ کو اپنی سوچ کو تنبیہہ کرتی، اپنی سوچ کو غلط اور بے بنیاد قرار دیتی مگر اُس کا ذہن درہم برہم ہو جاتا۔ جب تک نگہت گھر میں رہتی اُس کا پڑھائی میں بھی جی نہ لگتا اور طرح طرح کے وسوسوں سے جی پریشان رہتا۔ ایک طرف بڑی آپا تھیں ایک خاموش سمندر کی مانند، نہ جانے کب جوار بھاٹا آ جائے اور کون کون غرق ہو جائے۔ تو دوسری طرف بڑے بھیا تھے، بہتا ہوا آبشار، شور مچاتا دریا۔ کیا خبر کون سی چیز کس وقت بہہ جائے کوئی نشان باقی نہ رہے۔ اُسے

دونوں سے خوف آتا تھا۔ بڑی آپا کی خاموشی سے بھی اور بڑے بھیا کے شور سے بھی۔ اور ساتھ ہی ساتھ ساتھ اپنی تقدیر سے بھی۔ ایک چھوٹے بھیا کی ذات تھی جس کے سہارے وہ شاہراہ حیات پر مضبوطی سے ڈٹی ہوئی تھی۔ کاش اُسے منصور کے خیالات کا علم ہوتا۔ کاش منصور نے خود کبھی، امی ہی کو سہی کوئی خط لکھا ہوتا۔ کچھ پوچھا ہوتا کچھ بتایا ہوتا۔ چھوٹی خالہ نے یہ لکھ کر منصور کو فارغ کر دیا تھا کہ منصور کو خط لکھنے کی عادت نہیں ہے۔ لیجئے قصہ ختم۔

کبھی وہ منیرہ کے متعلق سوچتی تو اُسے رشک سا آنے لگتا۔ کتنی خوش نصیب تھی منیرہ اور کتنا کھلا کھلا سا اُس کے گھر کا ماحول تھا۔ وہ کتنی آسانی سے اپنے دل کی بات ماں سے بیان کر لیتی تھی۔ اگر کہیں فخری کی جگہ منیرہ ہوتی تو نہ معلوم کتنے خطوط کا تبادلہ اب تک ہو چکا ہوتا منصور سے۔ مگر یہاں تو ایسی خاموشی اور لاتعلقی تھی کہ فخری کا دل ڈوب ڈوب جاتا پھر بھی ایک اُمید کے سہارے وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ گو کہ راہ میں بہت دھند تھی مگر منزل بہر حال موجود تھی اور اس منزل کو پا لینا دشوار تو تھا مگر ناممکن نہ تھا۔

اسکول میں سالانہ کھیل ہو رہے تھے۔ کلاسز آف تھیں۔ آج خلاف معمول منیرہ کچھ خاموش سی تھی، یوں محسوس ہوتا، جیسے کچھ کہنا چاہ رہی ہو مگر کہہ نہ پا رہی ہو۔

فخری نے اس کی کیفیت بھانپ لی تھی۔ کہ یکسوئی حاصل ہو تو وہ کھل کر منیرہ سے بات کرے اور جب باسکٹ بال کا میچ ختم ہوا تو وہ دونوں کمپاؤنڈ سے اُٹھ کر ہال میں آ گئیں۔ موسم میں اچھی خاصی خنکی بس گئی تھی۔ پورا ہال خالی پڑا تھا۔

''ہاں تو بھئی میری۔ بتا ڈالو جلدی سے وہ بات جو تم آج صبح سے کہنا چاہ رہی ہو۔'' فخری نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

''اسی لئے تم مجھے سنسان جگہ پر لے آئی ہو۔''

''ہاں اور کیا سب کے سامنے تفصیل سے بات کہاں ہو پاتی ہے۔''

''دراصل تم سے کوئی بات پوشیدہ رکھنا میرے لیے ممکن نہیں ہوتا مگر یہ ایسی بات ہے کہ میں صبح سے یہی سوچ رہی ہوں کہ تم سے کہوں کہ نہ کہوں۔''

''اگر تم نامناسب سمجھتی ہو تو مت کہو۔'' فخری نے اطمینان سے کہا۔

فخری کی یہی عادتیں منیرہ کو بھاتی تھیں۔ اُس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو پیچھے پڑ جاتی کہ بتا

ہی دو۔

''بعض اوقات فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے فخری۔''

''کس قسم کا فیصلہ؟''

''اوہ تم میری بات کا غلط مطلب سمجھ رہی ہو میرا مقصد یہ تھا کہ تم کو بتانے یا نہ بتانے کا فیصلہ۔''

''بات کس کے متعلق ہے؟''

''تمہارے گھرانے کے متعلق۔''

''ہمارے متعلق!'' فخری کو حیرت ہوئی۔ ''کیا مجھے اس بات کی خبر نہیں؟''

''نہیں۔ تمہیں خبر نہیں لیکن اگر میں نے تمہیں وہ بات بتا دی تو تمہیں بہت افسوس ہوگا اور اگر نہ بتائی تو بھی برا ہوگا۔''

فخری کا دل دھڑک اُٹھا۔ اُس کا دھیان اچانک شمشیر خان کی طرف چلا گیا۔ 'ہوسکتا ہے کہ بڑی آپا کی کوئی بات منیرہ کے کانوں تک پہنچ گئی ہو۔'

''اگر بتانا ضروری سمجھتی ہو تو ضرور بتا دو تم میرے غم کی قطعی فکر نہ کرو۔''

''پتہ ہے کل رات میں فلم دیکھنے گئی تھی۔ امی اور نعیم ماموں وغیرہ کی فیملی تھی ہمارے ساتھ۔''

فخری غور سے منیرہ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''اور ہماری اگلی سیٹ پر نگہت بیٹھی تھی۔''

''نگہت؟''

'اور وہ تمہارے بڑے بھیا کے ساتھ فلم دیکھنے آئی تھی۔''

فخری کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔

''تم نے ٹھیک طرح دیکھا تھا؟''

''ہاں ہاں فخری۔ میں بھلا نگہت کو نہ پہچانوں گی۔ اُس نے نقاب الٹی ہوئی تھی اور تمہارے بڑے بھیا سے خوب ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ فخری پتہ نہیں یہ کیسی لڑکی ہے۔ بڑے بھیا نے اس کی خوب خاطریں کیں۔ طرح طرح کی چیزیں کھلائیں۔ سنٹرویل میں، میں نے اپنا نقاب گرا لیا تھا کہیں یہ لوگ مجھے پہچان نہ لیں۔''

فخری خاموش بیٹھی تھی اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بالکل بے جان ہوگئی ہو۔ پتھر کی مورتی۔

منیرہ نے پھر کہا۔ ''نگہت تو پرسوں سے تمہارے گھر آئی ہوئی تھی نا۔''

''ہاں لیکن کل اسکول سے ہم لوگ جوں ہی واپس ہوئے بڑے بھیا اُسے لے کر چلے گئے تھے۔'' فخری نے آہستہ سے کہا۔ ''تم نے کون سا شو دیکھا تھا؟''

''ساڑھے چھ بجے والا۔''

''اچھا تو یہی بات ہوگی۔'' فخری نے کہا۔ ''ہم لوگ تو یہی سمجھ رہے تھے کہ نگہت کو اس کے گھر چھوڑنے گئے ہیں بڑے بھیا۔''

''تم یقین کرو فخری کل سے میں بہت فکرمند ہوں۔ مجھے تو یہ لڑکی شروع ہی سے ناپسند ہے۔ کل سے نفرت ہوگئی۔ شرم نہیں آتی اپنی بڑی بہن کے پاؤں پر پاؤں رکھتے ہوئے۔'' منیرہ نے غصہ سے کہا۔

''بڑے بھیا کو اس طرح پکچر ہاؤس نہیں جانا چاہیے تھا۔'' فخری نے کہا۔

''تم نگہت کو کچھ نہیں کہتی ہو۔ عجب لڑکی ہو۔ وہ لڑکی ہے ہی ایسی اچھے اچھوں کو خراب کر دے یقیناً اُس نے تمہارے بھیا کو بہکایا ہے ورنہ......'' منیرہ خاموش ہوگئی۔

''یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نگہت نے اپنی امی سے اجازت لے لی ہو۔''

فخری کی آواز بہت ڈوبی ہوئی تھی۔

''فخری وہ لوگ بہت قابل اعتراض حرکتیں کر رہے تھے میں بیان نہیں کرسکتی۔'' منیرہ نے کہا۔ ''کیا نگہت کی امی نے اجازت دی ہوگی کہ جاؤ اپنی بہن کا گھر اجاڑ دو۔''

فخری نے شرمندگی سے نظریں نیچی کرلیں۔ وہ اپنے آپ کو بہت پست اور گرا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

منیرہ نے اُس کی کیفیت کو محسوس کیا۔

''تم کیوں شرمندہ ہو رہی ہو۔ شرمندہ تو اُس لڑکی کو ہونا چاہیے جس نے ایسی حرکت کی۔ فخری تم سب کو چپ چاپ اپنی بھابی کو بتادو۔ وہی کوئی ترکیب کریں گی۔''

''بھابی کیا کرلیں گی؟''

''یہ تو وہی بہتر سوچ سکتی ہیں اگر بروقت چیک نہ کرلیا گیا تو بات آگے بڑھ سکتی ہے۔''

''منیرہ، میں بہت کمزور طبیعت کی لڑکی ہوں اس قسم کی بات شاید میرے لیے ناقابل برداشت ہوجائے۔''

''اسی لیے تو کہتی ہوں کہ بھابی کو بتادو۔''

"کوشش کروں گی کہ کوئی حل نکل سکے اس مصیبت کا۔"

"بھابی کو چاہیے کہ نگہت کو تمہارے گھر رہنے سے بالکل منع کر دیں۔"

"رہنے تو وہ اب آتی ہے۔ بڑے بھیا تو ہمیشہ سے سسرال کے عاشق مشہور ہیں۔ ہر دوسرے تیسرے روز جاتے ہیں اور کھانا کھا کر رات گئے واپس آتے ہیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ جال بہت پرانا ہے۔"

"مجھے کچھ نہیں معلوم منیرہ میں اس قسم کی بات تو سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"تم بہت بھولی ہو بہت سیدھی، میری دوست مجھے معلوم ہے۔ تم کیا، اسی قسم کی بات کوئی بھی نہیں سوچ سکتا ہے۔ اسی لیے میں تمہیں بتانے میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہی تھی مگر میں نے سوچا نہ بتانے میں زیادہ نقصان ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں بات بڑھ جائے۔"

فخری کا موڈ غارت ہو گیا تھا۔ ایسا دن کم ہی آتا تھا کہ وہ مطمئن اور خوش ہو۔ آج دوپہر سے گیمز کی وجہ سے اچھا وقت گزر گیا تھا اور اب تو شام ہونے والی تھی۔ مگر منیرہ کے انکشاف نے اُس کا موڈ آف کر دیا۔

"آؤ باہر چلتے ہیں۔" فخری اس ٹاپک کو ختم کر دینا چاہتی تھی۔ منیرہ اور وہ دونوں ہال سے باہر آ گئیں۔ سامنے ہی نگہت کا گینگ کھڑا تھا اور ان کے درمیان قہقہے گونج رہے تھے۔ وہ دونوں نگہت سے کتراتی ہوئی دوسری طرف نکل گئیں۔

اور جب شام کو فخری نے چپ چاپ مسرت بھابی سے آج کی روداد کہہ سنائی تو بھابی نے بہت اطمینان اور صبر سے بس اتنا کہا۔

"پاگل ہو تم تو فخری۔ اتنی سی بات سے فکر مند ہو گئی۔ پتہ ہے میں نے خود گل نگہت کو تمہارے بھائی کے ساتھ بھیجا تھا۔ پکچر دیکھنے نکلیں اب خوش ہو جاؤ اور فکر کرنا چھوڑ دو۔" بھابی نے پیار سے اُس کے گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

اُس نے بھابی کی نگاہوں میں جھانک کر سچائی کو تلاش کرنا چاہا مگر بھابی نے نظریں چرا لیں۔

"بھابی آپ آئندہ نگہت کو پکچر کی اجازت نہ دیجیے گا۔"

فخری یہ کہہ کر وہاں سے چلی آئی۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا بھابی کی آنکھوں میں بہت گہری اُداسی تھی اور اُن کا ہاتھ پانی کا گلاس پیتے ہوئے آہستہ آہستہ کانپ رہا تھا۔

فروری کا مہینہ تھا۔ کوئٹہ کی ہوائیں آئی ہوتی تھیں۔ پورا کراچی سردی کی لپیٹ میں تھا۔ اب تک فخری بغیر سوئٹر کے ہی اسکول جایا کرتی تھی۔ کیونکہ دوپہر کی شفٹ تھی اور اُسے سردی برداشت کرنے کی عادت بھی تھی مگر اب اچانک سردی کی لہر نے سب کو جیسے منجمد کر دیا تھا۔ منیرہ فخری سے کئی بار کہہ چکی تھی کہ تم سوئٹر پہن کر کیوں نہیں آتیں۔ اُس کا دل چاہتا تھا کہ فخری اُس کا دیا ہوا سوئٹر پہنے۔

اور آج سردی سے مجبور ہو کر اُس نے سوئٹر نکال ہی لیا۔ دراصل وہ بڑے بھیا کے ڈر سے اُسے استعمال کرنے سے ڈرتی تھی کیونکہ سوئٹر سرخ رنگ کا تھا اور بڑے بھیا جو سرخ ربن پر قیامت برپا کر چکے تھے سرخ سوئٹر کی اجازت کیسے دے سکتے تھے۔ مگر آج سردی سے سکڑتا دیکھ کر امی اور بھابی دونوں نے مجبور کر کے اُسے سوئٹر پہنا ہی دیا۔

سوئٹر بہت گرم اور آرام دہ تھا اُسے ایک دم ہی سکون سامل گیا۔

منیرہ اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ سب لڑکیوں نے اُس کے اتنے خوبصورت سوئٹر کی بہت تعریف کی۔

پورے دن وہ دل ہی دل میں بڑے بھیا کی طرف سے خوف کھاتی رہی۔

شام کو گھر پہنچی تو وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔

بڑے بھیا فخری کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔

ایک لمحے کو وہ اُسے پہچان ہی نہ سکے۔

''یہ سوئٹر۔ کہاں سے آیا فخری کے پاس؟'' وہ امی کے پاس کھڑے پوچھ رہے تھے۔

''منیرہ نے دیا تھا تحفے میں، جب فرسٹ آئی تھی۔'' امی نے کہا۔

''اور سارے محلے والوں کو دکھاتی یہ اسکول پہنچی سرخ سوئٹر پہن کر۔'' بڑے بھیا پھاڑ کھانے کو تیار کھڑے تھے۔

''میں نے کہا تھا پہن جاؤ سردی بہت ہے ورنہ اتنے دن سے رکھا تھا گھر میں تمہارے فساد کی وجہ سے وہ نہیں پہن رہی تھی۔'' امی نے کہہ ہی دیا۔

''اُتارو فوراً یہ سوئٹر اور مجھے دو۔'' بڑے بھیا فخری کے روبرو آ گئے۔

''آپ کیا کریں گے اس کا؟''

''ابھی دیکھا کیا کروں گیا۔ میں کہہ رہا ہوں اُتارو فوراً۔''

''مجھے سردی لگ رہی ہے۔''

''سردی کی بچی، اب تک سردی نہیں لگتی تھی، سرخ سوئٹر دیکھ کر سردی لگنے لگی۔ ابھی تو صرف ناصر سلام کرتا ہے اب پورے محلّہ کے مردوں سے سلام و دعا شروع کرنے کا ارادہ ہے کمینی کا۔''

''آپ غلط کہتے ہیں بڑے بھیا'' وہ اچانک رو پڑی۔'' ناصر کی نسرین سے دوستی ہے۔ میرے سوئٹر پہننے نہ پہننے سے کچھ نہیں ہوتا۔''

''میں کہہ رہا ہوں اتارو سوئٹر اور مجھے دو۔''

''تم کیا کرو گے سوئٹر کا؟'' امی برتن دھوتے دھوتے اُٹھ کر قریب آ گئیں۔

مسرت بھابی بھی بے بی کو لے کر نزدیک آ گئی تھیں۔

''اب پہن لیا تو پہن لیا۔ حرج ہی کیا ہے ساری دنیا کی لڑکیاں پہنتی ہیں شوخ رنگ۔'' بھابی نے میاں سے کہا۔

''تم خاموش رہو۔ تم سے ہزار بار کہا ہے میرے معاملات میں نہ بولا کرو۔'' بھیا نے حقارت سے کہا۔

مسرت بھابی بے چاری خاموش ہو گئیں۔ اس ڈر سے کہ وہ بے شمار باتیں جو انھوں نے اپنی مسکراہٹوں میں چھپا رکھی ہیں کہیں سب کے سامنے عیاں نہ ہو جائیں۔

''اتار دوں گی مگر آپ کو نہیں دوں گی۔'' فخری نے بات ختم کرنے کے بعد سوئٹر اتار کر تہہ کرنا شروع کر دیا۔ بڑے بھیا نے اُس کے ہاتھ سے سوئٹر جھپٹ لیا۔ پھر ایک لمحہ میں ماچس کی تیلی جلا کر سوئٹر میں آگ لگا دی۔

''ہائے میرا سوئٹر۔ میرا سوئٹر امی۔'' وہ چیخ کر دوڑی مگر بڑے بھیا نے اُسے ہاتھ مار کر دور کر دیا۔ وہ گرتے گرتے بچی۔

نائیلون کے اون کا بنا ہوا خوبصورت ملائم سوئٹر ذرا سی دیر میں جل کر خاک ہو گیا۔

فخری کو نہ جانے کیا ہوا، روتے روتے وہ اچانک زور زور سے چیخنے لگی۔ اُس کی فلک شگاف چیخوں سے دور در دیوار ہل رہے تھے۔ اُسے دورہ پڑ گیا تھا۔ امی جلدی سے گلوکوز گھول کر لائیں۔

''فخری۔ فخری۔'' امی مسلسل پکار رہی تھیں۔

بابا بھی اپنی بیساکھیاں سنبھالتے فخری کے پاس چلے آئے تھے۔ بڑی آپا دور سے تماشا دیکھ رہی تھیں۔ مسرت بھابی اُسے سنبھالنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔

اتنے برسوں کا جما ہوا لاوا تھا جو اُبل پڑا تھا۔ پیمانہ بھر چکا تھا چھلک گیا۔

تمام واقعات تمام کیفیات فخری کے ذہن میں اُمڈ آئیں۔ شمشیر خان کا بھوت، نگہت کا آسیب اور پھر بڑے بھیا کی بے بنیاد باتیں اُن کے ظلم و ستم۔ وہ چیخ چیخ کر روئی، روتی رہی۔

بعض اوقات غم نا قابل برداشت ہو جاتا ہے۔

تسلیاں بے کار ہو جاتی ہیں۔

ہمدردیاں بے معنی محسوس ہوتی ہیں۔

یہی حال اس وقت فخری کا تھا۔ نہ امی کی تسلیاں کام آ رہی تھیں نہ بھابی کی ہمدردیاں اُسے سکون پہنچا رہی تھیں۔ وہ ہاتھ پاؤں پٹخ پٹخ کر چیخ رہی تھی۔ امی بہت زیادہ گھبرائی گلوکوز کا پانی لیے کھڑی تھیں۔ اسی وقت اصغر علی باہر سے آ گیا۔

گھر میں طوفان برپا تھا۔

فخری کو دورہ پڑا ہوا تھا۔

انہونی سی بات۔

انوکھا واقعہ۔

چار لفظوں میں امی نے سب کچھ کہہ سنایا۔

اصغر علی کی دماغ کی نسیں تن گئیں۔ ذہنی طور پر وہ بڑے بھیا سے ہمیشہ دور تھا۔ دونوں کے خیالات، نظریات سب جدا تھے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ فخری کو شدید ذہنی صدمہ پہنچا ہے۔ اصغر علی نے بہن کو دلاسہ دیا۔ وہ چیختے چیختے تھک چکی تھی۔ بے دم ہو کر چھوٹے بھیا کے بازوؤں میں گر گئی۔ وہ چمچہ چمچہ کر کے گلوکوز پلاتا رہا۔

''میں اپنے ٹیوشن کے پیسوں میں سے بالکل ایسا ہی سوئٹر خرید کر لاؤں گا تمہارے لیے دیکھوں گا کون منع کرتا ہے پہننے سے۔'' اصغر علی نے اونچی آواز میں کہا۔

بڑے بھیا شاید خود بھی سوئٹر جلا کر پچھتا رہے تھے اس وقت اصغر علی کی بات کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ اپنے کمرے میں خاموش لیٹے رہے۔

اس واقعہ کے بعد سے فخری اور بڑے بھیا میں بول چال بند ہو گئی۔ بڑے بھیا نے خود ہی اس سے بات کرنی چھوڑ دی تھی۔ دراصل چھوٹے بھیا نے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا تھا وہ ٹیوشن کے پیسوں سے فخری کے لیے ایک عدد سوئٹر خرید لایا تھا۔ اس رنگ اور اسی ڈیزائن میں تو نہیں لیکن اُسی سوئٹر سے ملتا جلتا گہرے نیلے رنگ کا سوئٹر تھا۔

فخری نے چپ چاپ سوئٹر لے کر پہننا شروع کر دیا تھا۔ اصغر علی کو نیلا رنگ پسند تھا، اسی لیے اُس نے اس رنگ کا انتخاب کیا تھا دوسرے وہ بڑے بھیا کے منہ نہیں لگنا چاہتا تھا۔ بظاہر بات ختم ہو گئی تھی مگر بڑے بھیا کے تعلقات ان دونوں بھائی بہنوں سے کشیدہ ہو گئے تھے۔ فخری سے تو وہ بات ہی نہ کرتے تھے۔ فخری کو اُس کے سوئٹر جل جانے کا اس لیے زیادہ صدمہ تھا کہ وہ منیرہ نے تحفے میں دیا تھا۔ وہ جان بوجھ کر یہ واقعہ منیرہ سے چھپا گئی تھی۔

سردی کی تیز لہر کے دوران وہ نیلا سوئٹر پہن کر جاتی رہی پھر جوں ہی سردی تھمی ہوئی اُس نے عادت کے مطابق سوئٹر پہننا ہی چھوڑ دیا مبادا کہیں منیرہ نہ پوچھ بیٹھے کہ وہ اس کا دیا ہوا سوئٹر نہیں پہنتی ہے۔

سردیاں ختم ہوئیں تو امتحان سر پر آ گئے۔ ان دنوں نویں کلاس کے امتحان اسکول ہی میں ہوتے تھے۔ بورڈ کا امتحان میٹرک کا ہوتا تھا جس میں نویں اور دسویں کا پورا کورس شامل ہوتا تھا۔ فخری کو ہر چیز سے زیادہ اپنے امتحانوں کی فکر تھی چنانچہ وہ سب کچھ پس پشت ڈال کر پڑھائی میں مصروف ہو گئی۔

ہمیشہ کی طرح نویں کلاس میں بھی فخری اول آئی۔ اور اب گرمیوں کی چھٹیاں تھیں۔ اصغر علی بھی فرسٹ ایئر سائنس کے ہوم اگزامینیشن میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اب دونوں بہن بھائی کا آخری سال تھا مگر ان دنوں دونوں کی چھٹیاں تھیں۔ اور یہ پوری چھٹیاں فخری کو اکیلے رہ کر گزارنی تھیں کیونکہ اُس کی اکلوتی دوست منیرہ اپنی خالہ جان کے گھر کوئٹہ گئی ہوئی تھی اگرچہ منیرہ یہ چاہتی تھی کہ وہ یہ چھٹیاں ڈیرہ غازی میں اپنے بڑے ماموں کے گھر گزارے۔ خود منی بیگم بھی اپنے بھائی جان کے گھر جانے کے لیے بے قرار تھیں اور انھوں نے اپنا پروگرام بھی بھائی کو لکھ بھیجا تھا مگر

عین وقت پر منی بیگم کی بڑی بہن کا پر زور بلاوا آن پہنچا۔ منی بیگم کی بڑی بہن پھول بیگم کے میاں قمر الحسن ان دنوں کوئٹہ میں مجسٹریٹ لگے ہوئے تھے اُن کا اکثر و بیشتر تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ اب چونکہ گرمیاں تھیں اور وہ لوگ اتنے پر فضا مقام پر تھے اس وجہ سے پھول بیگم نے اپنی چھوٹی بہن کی فیملی کو بہ اصرار بلا بھیجا۔ انھوں نے اپنے خط میں لکھا تھا ''اس وقت موقع اچھا ہے تم اب آ جاؤ کیا خبر تمہارے بہنوئی کا تبادلہ کسی اور شہر میں ہو جائے۔''

بڑی بہن کے اصرار پر منی بیگم کو فیملی سمیت کوئٹہ جانا پڑ گیا پھر انھوں نے دل ہی دل میں سوچا کہ آپا سے بھی خرم کے سلسلے میں مشورہ ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ لوگ کوئٹہ پہنچ گئے اور منیرہ، خرم سے ملاقات کا پروگرام دل ہی دل میں بناتی رہ گئی۔ اُس نے اپنی جیسی بہت کوشش کی کہ امی خالہ جان کے بجائے بڑے ماموں کے گھر چلیں۔ مگر عملاً ایسا ممکن نہ ہو سکا۔

خالہ جان کی صرف دو بیٹیاں تھیں ناہید اور نوشین۔ نوشین منیرہ کی ہم عمر تھی اور ناہید اس سے عمر میں پانچ برس بڑی تھی۔ دونوں لڑکیاں ابھی پڑھ رہی تھیں۔ ناہید بی اے فائنل میں تھی اور نوشین دسویں میں آئی تھی۔

پھول بیگم کا گھر کا ماحول مغرب زدہ تھا۔ دونوں لڑکیاں کونونٹ کی پڑھی ہوئی تھیں اور گھر میں بھی اردو کی بجائے انگریزی بولا کرتی تھیں۔ دونوں بہنوں کی شکلیں بہت اچھی تھیں۔ بال کٹے ہوئے تھے اور جدید فیشن کے ملبوسات پہنا کرتی تھیں۔ سب لوگ بہت خوش اخلاق اور ملنسار تھے۔ پھول بیگم اور منی بیگم صرف دو ہی بہنیں تھیں اور ان دونوں میں آپس میں بہت محبت تھی۔ دونوں بہنوں کے بس ایک ہی بھائی تھے۔ سید جمال الدین جو ڈیرہ غازی خاں میں مقیم تھے اور وہاں ان کی زمین اور باغات تھے۔ جمال الدین ان بہنوں کے سوتیلے بڑے بھائی تھے مگر دونوں بہنوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ بہنیں بھی بڑے بھائی کی عزت کرتی تھیں۔ پھول بیگم کے مقابلے میں منی بیگم کی والدہ نے اپنے سوتیلے بیٹے سے کبھی بہتر سلوک نہ کیا۔ اور سگے سوتیلے کا فرق ہمیشہ قائم رکھا مگر عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اولاد کے درمیان سگے سوتیلے کی خلیج خود بخود مٹ گئی پھر سب اپنے اپنے گھر کے ہو گئے۔ ماں باپ دونوں ختم ہو گئے۔ اپنی اولادیں بڑی ہونے لگیں تو...... جمال الدین صاحب نے پچھلی تمام تلخ باتیں ذہن سے نکال دیں اور اب سب آپس میں سگوں کی طرح ملتے تھے۔ اور محبت سے پیش آتے تھے۔

یوں تو بہنیں دونوں ہی آزادی کی دلدادہ تھیں لیکن چونکہ منی بیگم کی شادی قدامت پسند

گھرانے میں ہوگئی تھی اوران کی حیثیت بھی معمولی تھی اس وجہ سے اُن کے مزاج میں اعتدال آ گیا تھا وہ میاں کی صحبت میں رہ کر کسی حد تک بدل گئی تھیں کچھ خوف خدا بھی تھا۔ رہن سہن طور طریقے سب مغربی تھے۔ مجسٹریٹ صاحب کو خدا نے بہت دولت سے نوازا تھا۔ پھول بیگم اور اُن کی...... بیٹیاں زندگی کی ہر خوشی دولت سے خرید چکی تھیں۔ اُن کا ہر دن عید تھا اور رات شب برات۔

دونوں بہنوں کو آپس میں ملے ہوئے تین سال ہو گئے تھے اُس وقت منیرہ کافی چھوٹی تھی۔ منی بیگم کی فیملی کوئٹہ پہنچی تو ان لوگوں نے ان سب کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ منیرہ جو وہاں جانے کے تصور سے خاصا بور ہو رہی تھی، ناہید اور نوشین کی صحبت میں بہل گئی۔ اُسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ چلتے وقت فخری سے وعدہ کر کے آئی تھی کہ کوئٹہ پہنچتے ہی اُسے خط لکھے گی۔

منیرہ کو گئے ہوئے دس دن سے زیادہ ہو گئے تھے اور اتنے دنوں سے فخری اُس کے خط کا انتظار کرتے کرتے بور ہو چکی تھی۔ گھر میں کوئی مصروفیت نہ تھی۔ وہی چند گھریلو کام ہوتے اور باقی وقت بوریت میں گزر جاتا۔

جب سے چھٹیاں ہوئی تھیں نگہت دوبارہ یہاں رہنے آ چکی تھی۔ نگہت کی موجودگی فخری اور اصغر علی دونوں ہی کو ناپسند تھی مگر امی اور بابا کو کچھ خبر نہ تھی البتہ مسرت بھابی باخبر ہوتے ہوئے بھی بے خبر بنی ہوئی تھیں۔ نگہت جب بھی آتی اکبر علی کے بہت سارے کام سنوار کر چلی جاتی۔ اُن کے کپڑے مرمت کرنا۔ کپڑے دھو کر استری کرنا، اُن کی پسندیدہ ڈش پکا کر کھلانا، سب کام وہ اپنے ذمے لے لیتی تھی جب تک رہتی، مسرت بھابی کو اُن کے کسی کام میں ہاتھ نہ لگانے دیتی۔ اکبر علی کے موزے بنیان رومال فوراً ہی دھو کر ڈال دیتی اور اس طرح خدمت کرتی کہ جس طرح گھر والی کرتی ہے۔ نگہت کام میں بہت پھرتیلی تھی۔ منٹوں میں سب کام نمٹا دیتی پھر بہنوئی سے بیٹھ کر ہنسی مذاق کرتی۔ کبھی رمی کی بازی جم جاتی تو گھنٹوں رمی کھیلنے میں گزر جاتے۔ دونوں ایک دوسرے کو مسکرا مسکرا کر دیکھتے اور پتے ڈالتے اور بے ایمانی بھی کرتے جاتے۔ اسی سلسلے میں ہاتھا پائی کی نوبت آ جاتی۔ دونوں کے قہقہے کمرے میں گونجتے رہتے اور مسرت بھابی مصنوعی مسکراہٹ سجائے چائے بنا بنا کر بہن اور میاں کو پلاتیں۔ نگہت کا بہت زیادہ خیال کرتیں اور اُن کے اس حسن سلوک سے متاثر ہو کر بڑے بھیا اپنی بیوی سے بھی بہت اچھے موڈ میں بول لیا کرتے تھے۔ فخری اس کمرے میں نہیں جاتی تھی مگر آنکھیں تو کھلی تھیں سب کچھ دیکھ رہی تھی اور سمجھ رہی تھی اُس کا دم اندر ہی اندر گھٹتا رہتا۔ کسی آنے والے طوفان سے ہر وقت خوف زدہ رہتی۔ اُسے اپنا مستقبل خطرے

میں گھرا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی اگر حالات نے کوئی خراب صورت اختیار کر لی تو چھوٹی خالہ اور شاید منصور کے لیے بھی ایک بہانہ ہاتھ آ جائے گا۔ پھر وہ کبھی منصور کو نہ پا سکے گی۔ وہ تمام عمر منصور کے خواب دیکھے گی مگر اس کے خواب کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکیں گے اُس کی ان دیکھی جنت اُجڑ جائے گی اُسے بڑے بھیا اور بڑی آپا دونوں سے ہر وقت خوف آتا تھا مگر وہ خاموش تھی کر بھی کیا سکتی تھی کاش بابا کی ٹانگیں سلامت ہوتیں۔ وہ بڑے بھیا کی روٹی کے محتاج نہ ہوتے تو بہت ممکن تھا کہ حالات یوں نہ ہوتے مگر اب بابا بے حس ہو گئے تھے زیادہ تر اپنے پلنگ پر پڑے پڑے حقہ پیا کرتے تھے۔ انھیں کچھ خبر ہی نہ تھی کہ گھر میں کون سے ناٹک کھیلے جا رہے ہیں۔ امی تو سدا کی خاموش اور صابر تھیں۔ ہزار قیامتیں بھی گزر جاتیں تو اُف کرنے کی عادی نہ تھیں کبھی اپنے دکھ، اپنے غم کسی کو بتانے کی قائل نہ تھیں۔ میاں تک سے کبھی کچھ نہ کہا۔ اور اگر کوئی بات کہتیں بھی تو بے کار تھا۔ جب سے بابا کی ٹانگیں بے کار ہوئی تھیں گھر میں اُن کا وجود بے کار سمجھا جانے لگا تھا۔ فخری بابا کی حالت دیکھتی تو دکھ سے اُس کا سینہ پھٹنے لگتا۔ کبھی بابا بھی آن بان والے تھے۔ مراد آباد میں اُن کی اچھی پریکٹس چلتی تھی۔ عدالت اُن کے نام سے کانپتی تھی۔ لوگوں میں عزت تھی خاندان والے رعب کھاتے تھے مگر اب سب کچھ خواب ہو گیا تھا۔ بابا اب کچھ نہیں تھے۔ فقط مٹی کا ایک ڈھیر تھے اور امی برف کا تودہ تھیں۔ بڑے بھیا پورے گھر کا خرچ اُٹھاتے تھے، اس لیے من مانی کرتے تھے، بڑی آپا اپنی خواہشات سے مجبور ہو کر غلط راہوں پر چل نکلی تھیں۔ مسرت بھابی اور ننھی دُرّی کا مستقبل غیر یقینی سا تھا۔ اور خود فخری۔ وہ اسی پتے کی مانند تھی جو تیز آندھی میں شاخ سے لگا آگے پیچھے جھول رہا ہو، اصغر علی کی ذات اس کے لیے ایک مضبوط شاخ کا کام دے رہی تھی اور اگر یہ شاخ بھی کمزور ہوتی تو وہ کب کی اس آندھی میں اڑ چکی ہوتی!

........❁........

فخری اور اصغر علی بوہری بازار سے شاپنگ کر کے اب رکشے کی تلاش میں کیفے ٹیریا کے سامنے کھڑے تھے۔ اچانک فخری کی نظر شمشیر خان پر پڑی جو کیفے ٹیریا سے نکل رہا تھا اس نے نئے ریشمی سلکن قیمض پہن رکھی تھی شلوار بھی نئی تھی اور بال سلیقے سے جمے ہوئے تھے اس کے پیچھے چند قدم کے فاصلے پر۔ ایک برقع پوش عورت تھی۔ وہ دونوں کیفے ٹیریا سے نکل کر دوسری جانب ... گئے ان لوگوں نے فخری کو نہیں دیکھا تھا۔

''چھوٹے بھیا۔ چھوٹے بھیا۔'' فخری نے گھبرا کر اصغر علی کا کندھا جھنجھوڑا۔

''کیا بات ہے؟'' اصغر علی نے پوچھا۔ ''تم پریشان کیوں ہو؟''

''وہ دیکھئے سامنے۔'' فخری نے اشارہ کیا۔ ''شمشیر خان اور بڑی آپا۔''

اصغر علی نے غور سے دیکھا۔

فخری ٹھیک کہہ رہی تھی۔

تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔

اصغر علی کے حواس معطل ہونے لگے۔

''چلو جلدی سے گھر چلتے ہیں، آج میں سب کے سامنے بڑی آپا سے صاف بات کروں گا۔''

''چھوٹے بھیا مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔''

''فخری ہم لوگوں کو خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہمت سے کام لینا چاہیے۔''

اصغر علی نے رکشا روکتے ہوئے کہا۔ دس منٹ بعد وہ لوگ گھر پہنچ گئے۔

بڑی آپا موجود نہیں تھیں۔ دُرّی اپنے بستر پر پڑی بے خبر سو رہی تھی اُس کی گڑیا اُس کے پاس لیٹی ہوئی تھی۔

''امی بڑی آپا کہاں گئی ہیں؟'' اصغر علی نے آتے ہی سوال کیا۔

''پڑوس میں گئی ہیں۔'' امی نے جواب دیا۔

''کتنی دیر ہوگئی گئے ہوئے؟''

''گھنٹہ بھر ہوا ہوگا۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو۔ کوئی کام ہے دردانہ سے؟''

''ہاں بہت ضروری کام ہے۔''

''آخر بات کیا ہے کچھ بتاؤ تو سہی۔'' امی اُٹھ کر بیٹھ گئیں۔ یوں جیسے معاملے کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

''بڑی آپا آج ہی محلے میں ملنے گئی ہیں یا پہلے بھی جاتی ہیں۔''

اصغر علی کا چہرہ سرخی مائل ہو گیا تھا۔

''وہ تو جب سے اس کوارٹر میں آئی ہیں تمام محلے سے میل ملاقات کر لی ہے۔ میں تو کہیں آتی جاتی نہیں۔ دلہن اپنے کاموں میں مصروف۔ دردانہ ہی آتی جاتی ہیں سب کہیں۔''

''امی آپ کو پتہ ہے اس وقت بڑی آپا کہاں ہیں؟''

''مجھے کیا پتہ۔'' امی خوف زدہ ہو گئیں۔

''وہ شمشیر خان کے ساتھ صدر میں گھوم رہی ہیں۔''

''ایسا نہیں ہو سکتا۔'' امی نے کہا۔ ''دردانہ خواہ کتنی ہی منہ زور ہو جائیں یہ جرأت نہیں کر سکتیں کہ کسی غیر مرد کے ساتھ گھومنے نکل جائیں تمھیں غلط فہمی ہوئی ہو گی۔''

''امی میں نے انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔'' اصغر علی نے کہا۔ ''فخری نے بھی دیکھا۔''

فخری سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔ اُس کی آنکھوں سے آپ ہی آپ آنسو گرنے لگے۔

''ارے فخری تم نے ٹھیک سے دیکھا کیا پتہ برقع میں کوئی اور عورت ہو۔''

فخری نے اس بات کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا دل ہی دل میں کہا کاش وہ بڑی آپا نہ ہوتیں۔ کوئی اور عورت ہوتی۔

مگر اصغر علی خاموش نہ رہ سکا۔

''میری آنکھیں بہت تیز ہیں امی۔ آج میں آپا سے صاف صاف بات کروں گا اور آپ سب لوگوں کی موجودگی میں اُس وقت جب بڑے بھیا بھی موجود ہوں گے۔''

امی نے بے بسی سے اصغر علی کو دیکھا پھر ٹھنڈی سانس بھر کر خاموش ہو گئیں۔

تھوڑی دیر بعد بڑی آپا واپس آ گئیں۔ انھوں نے ریشمی جوڑا پہن رکھا تھا اور اُن کے چہرے پر گلاب کھلے ہوئے تھے۔

اصغر علی نے اُنھیں دیکھ کر نفرت سے منہ پھیر لیا۔ بڑی آپا نے کوئی پروانہ کی وہ کمرے میں چلی گئیں۔

دوپہر کو اصغر علی نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ فخری نے بہت مجبور کیا تو وہ ہاتھ دھو کر آ گیا مگر یوں لگتا تھا نوالہ حلق میں پھنس جائے گا بڑی مشکل سے پانی کی مدد سے اُس نے نوالہ حلق سے نیچے اُتارا پھر ہاتھ روک لیا۔ فخری کا بھی یہی حال تھا وہ تو چھوٹے بھیا کے خیال سے کھانا کھانے بیٹھ گئی تھی ورنہ اُس کی بھوک پیاس تو پہلے ہی اُڑ چکی تھی۔ بڑی آپا آج کھانے پر موجود نہ تھیں انھوں نے کہلوا دیا کہ انھیں بھوک نہیں ہے۔

تین بجے اکبر علی دفتر سے آئے مسرت بھابی حسب عادت کھانا گرم کر کے شوہر کے لیے لے گئیں۔

اکبر نے کپڑے بدل کر ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھایا اور ابھی لیٹنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ اصغر

علی آن پہنچے۔

''بڑے بھیا آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔ اگر آپ کو فرصت ہو تو......''

اکبر علی متوجہ ہو گئے۔ ''کیا بات ہے کہو میں خالی ہوں۔''

''بڑی آپا کے مسئلہ پر بات کرنی تھی۔''

''دردانہ کا کیا مسئلہ ہے۔''

مسرت بھابی پریشانی کے عالم میں اصغر علی کی صورت دیکھ رہی تھیں۔ اُنھیں آج کے واقعہ کا علم نہ تھا وہ تو یہ سمجھ رہی تھیں کہ دردانہ کا مسئلہ ختم ہو چکا کیونکہ وہ لوگ رشتہ لے کر آئے تھے اور ادھر سے انکار ہو گیا تھا اس کے بعد سے کوئی بات سننے میں نہیں آئی تھی۔

''آپ کو معلوم ہے بڑی آپا کے لیے شمشیر خان کا رشتہ آیا تھا۔''

''ہاں وہ تو پرانی بات ہے اور ادھر سے انکار بھی ہو گیا تھا۔ وہ نیچ لوگ تھے ہم لوگوں کا اور اُن کا کیا جوڑ۔''

''مگر آپ کو یہ پتہ نہیں کہ اُن نیچ لوگوں کی یہ ہمت کیسے ہوئی تھی کہ وہ بڑی آپا کا رشتہ مانگنے آتے۔''

''تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟''

''شمشیر خان اور بڑی آپا میں بہت عرصے سے دوستی تھی اور اُسی دوستی کی تکمیل کے لیے وہ لوگ رشتہ مانگنے آئے تھے مگر یہاں سے انکار ہو گیا۔ ہم لوگ سمجھے کہ معاملہ ختم ہو گیا۔ مگر معاملہ اور بگڑ گیا ہے۔ آج میں نے بڑی آپا کو صدر میں شمشیر خان کے ساتھ کیفے ٹیریا سے نکلتے دیکھا۔''

''ان لوگوں نے دیکھا تھا تمہیں؟''

''نہیں۔''

''دردانہ کو بلاؤ۔ اور پوچھو میرے سامنے۔''

ریحانہ بڑی آپا کو بلا لائی۔

دردانہ اطمینان سے بھائی کے بستر پر بیٹھ گئیں۔

دونوں بھائی خاموش بیٹھے تھے۔

''بڑی آپا آج آپ کہاں گئی تھیں؟'' اصغر علی نے منہ کھولا۔

''صدر گئی تھی۔'' دردانہ کا جواب خلافِ توقع تھا۔

''کس کے ساتھ؟'' بڑے بھیا نے پوچھا۔

''شمشیر خان کے ساتھ۔'' دردانہ نے دلیری سے کہا۔

اتنی دیر میں امی بھی آ چکی تھیں۔

وہ سکتے کے عالم میں دردانہ کی بات سن رہی تھیں۔

''کس کی اجازت سے تم اس بدمعاش کے ساتھ گھومنے نکلی تھیں؟'' اکبر علی نے تیز ہو کر کہا۔

''مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں، میں اپنی مرضی کی آپ مختار ہوں۔'' دردانہ کے لہجے میں مضبوطی تھی۔

یوں لگتا تھا جیسے دردانہ کا دماغ خراب ہو گیا ہو یا پھر وہ سب پاگل ہو گئے ہوں۔

''دردانہ تمہیں نہ اپنے عزت کی پروا ہے نہ گھرانے کی عزت کا خیال۔'' امی نے کہا۔

''پاکستان آ کر سب کچھ ختم ہو گیا ایک عزت باقی تھی وہ بھی تم نے داؤ پر لگا دی۔''

''میں اس کمینے کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' اصغر علی کی مٹھیاں غصے سے بھنچ گئیں۔

''میں دردانہ کو مار مار کر بھوسا بنا دوں گا۔'' بڑے بھیا نے کہا۔ ''اب نکال کر دیکھے یہ گھر کے قدم خدا کی قسم اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔ غضب خدا کا گھر میں اتنی بڑی بڑی باتیں ہو گئیں اور مجھے خبر تک نہ ہوئی۔''

''میں ابھی جاتا ہوں شمشیر خان کے پاس۔'' جوش میں آتے ہوئے کہا۔

اب تک دردانہ خاموش دونوں بھائیوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ اصغر علی کی بات سن کر بولیں۔

''زیادہ جوش میں آنے کی ضرورت نہیں۔ شمشیر خان سے تم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ میں شمشیر خاں سے نکاح کر چکی ہوں۔ وہ میرا شوہر ہے اور اپنے شوہر کے ساتھ گھومنے پھرنے میں دنیا کا کوئی مذہب درمیان میں حائل نہیں ہو سکتا۔''

دردانہ کے اس انکشاف پر سب کو سانپ سونگھ گیا۔

امی نے باقاعدہ رونا شروع کر دیا۔

بابا بھی آوازیں سن کر بیساکھیاں سنبھالے آن پہنچے۔ ذرا سی دیر میں انھیں بھی سب کچھ معلوم ہو گیا۔

''کب ہوا نکاح؟'' بابا نے پوچھا۔

یہ وہ سوال تھا جو ہر ایک کے دل میں تھا مگر زبان سے ادا کرنے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔

''دو ہفتہ قبل نکاح ہوا ہے۔'' دردانہ نے بتایا۔ ''چونکہ آپ لوگ راضی نہ تھے اس وجہ سے مجبوراً ہمیں یہ قدم خود ہی اُٹھانا پڑا۔ میں جوان ہوں بالغ ہوں شادی کا حق رکھتی ہوں اس لیے میں نے شادی کر لی۔''

اصغر علی کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ وہ شمشیر خان سے بات کرنے جا رہا تھا مگر دردانہ کے انکشاف نے اُس کی گردن نیچی کر دی تھی۔

''اگر آج تم لوگ یہ بات نہ بھی کرتے تو شمشیر خان خود تمہارے پاس آنے والا تھا۔'' دردانہ نے کہا ''کیونکہ اب وہ لوگ باقاعدہ رخصتی چاہتے ہیں۔''

یہ کہہ کر وہ اندر کمرے میں چلی گئیں۔

فخری زار و قطار رو رہی تھی۔

امی کی آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری تھے۔ اور وہ برابر دوپٹے سے آنسو پونچھتی جاتی تھیں۔

بابا ایک دم سے کمزور اور بوڑھے ہو گئے تھے۔ وہ اپنی بیساکھیاں سنبھالے واپس اپنی طرف چلے گئے۔

اصغر علی کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ اُس وقت اس نے فخری کو چپ کرانے کی کوشش نہ کی۔ اچھا ہے وہ دل کی بھڑاس رو کر نکال لے۔ اکبر علی بھی خاموش تھے۔ دردانہ نے اُن کے منہ پر بڑا بھرپور طمانچہ مارا تھا۔ اب تک وہ ہر ایک پر اپنا رعب جماتے آئے تھے اپنی من مانی کرتے تھے مگر آج دردانہ نے انھیں شکست دے دی تھی۔ آج سب شکست خوردہ تھے اور دردانہ فاتح تھیں۔

نکاح تو ہو ہی چکا تھا۔

باقاعدہ رخصتی کر دینے ہی میں بھرم قائم رہ سکتا تھا چنانچہ سینے پر پتھر کی سل رکھ کر یہ ناخوشگوار فرض انجام دینا پڑا۔

شمشیر خاں اور اُس کے چند گھر والے آئے خاموشی سے دردانہ کو رخصت کرا کر لے گئے۔

دُرّی بھی ماں کے ساتھ چلی گئی۔

جب سے دردانہ گئی تھی، بابا کی طبیعت بہت زیادہ خراب رہنے لگی تھی۔ اپنی ٹانگوں کی محرومی سے وہ پہلے ہی بہت دل برداشتہ تھے، اب یہ نیا غم اُن سے برداشت نہ ہو سکا۔ ان کا بلڈ پریشر ایک دم سے گر گیا۔

فخری کی عجیب دیوانوں جیسی حالت تھی۔ کبھی بابا کی بیماری کو دیکھتی کبھی امی کو چپ چاپ

آہیں بھرتی دیکھتی۔ اصغر علی ساری ساری رات اُس نے جاگتے دیکھا تھا مگر ظاہر نہ ہونے دیا۔

انھیں پریشانیوں کے دوران ایک روز منیرہ کا خط آن پہنچا۔ اُس نے کوئٹہ کی سیر و تفریح اور اپنی خالہ زاد بہنوں کی بہت سی باتیں لکھی تھیں مگر فخری کو اس خط میں ذرا سا بھی مزہ نہ آیا۔ اُس کا دل بہت زیادہ پریشان تھا۔ اگر عام حالات میں منیرہ کا خط آتا تو وہ بہت خوش ہوتی اور شاید اس وقت جواب لکھنے بیٹھ جاتی مگر ان دنوں اُسے منیرہ کے خط سے بجائے خوشی کے کوفت ہوئی۔ اب منیرہ سنے گی میرے گھر کی باتیں تو کیا سوچے گی اپنے دل میں۔ فخری نے خط تہہ کرتے ہوئے سوچا۔

اب تو وہ بھولے سے بھی منصور کے متعلق نہیں سوچتی تھی اور اگر بھولے سے خیال چلا جاتا تو وہ خوف زدہ ہو جاتی۔

اللہ، اب دیکھیں چھوٹی خالہ کیا لکھیں گی۔ انھوں نے تو پہلے ہی لکھا تھا کہ خدا کرے حالات ٹھیک رہیں تو فخری اس گھر میں رخصت ہو کر آئے۔ مگر حالات ٹھیک نہیں تھے۔

امی نے اپنی طرف سے بہت ہوشیاری سے بہن کو خط لکھا بھیجا تھا۔

''ہم لوگوں نے دردانہ کی شادی کر دی۔ بے چاری کم عمری میں بیوہ ہو گئی تھی کہاں تک گھر بیٹھی رہتی۔ یہی کچھ سوچا کہ خاموشی سے نکاح کر دیا۔ لڑکا اچھا ہے۔ لائبریری کی دوکان ہے۔ دردانہ اپنے گھر میں خوش ہیں۔ دُرّی بھی انھیں کے ساتھ ہے۔''

امی نے یہ خط لکھ کر سب کو پڑھوا دیا تھا۔ کسی نے امی سے کچھ نہ کہا۔

امی بھی دل میں جانتی تھیں ایسی باتیں چھپتی کہاں ہیں بلکہ اور زیادہ بڑھ کر پہنچتی ہیں۔ قبل اس کے دردانہ کے نکاح کی خبر کسی اور ذریعے سے پہنچے، امی نے خود ہی بہن کو لکھ بھیجا۔

فخری بہت دنوں تک چھوٹی خالہ کے خط کا انتظار کرتی رہی مگر انھوں نے کوئی خط نہ بھیجا۔

تب امی نے خود ہی کہا تھا۔ ''اے جواب طلب بات ہوتی کوئی تو شکیلہ جواب دیتی۔ ایک خبر تھی سو سن لی۔''

یہ کہہ کر امی نے آپ ہی آپ ٹھنڈی سانس بھری۔

دردانہ جب سے اس گھر سے گئی تھیں، لوٹ کر نہ آئی تھیں نہ کسی نے بلایا نہ وہ خود آئیں۔

پورے محلے میں بات پھیل گئی تھی۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ بدنامی تو مقدر میں لکھی تھی ہو کر رہی۔ امی تو ویسے بھی کسی کے گھر نہیں جاتی تھیں۔ اب اور بھی قید ہو کر رہ گئیں۔ بابا بہت زیادہ بیمار رہنے لگے تھے اُن کے علاج کے لیے رقم نہ تھی پھر بھی حتی الامکان دوائیں دی جا رہی تھیں۔ جب

سے دردانہ کا واقعہ ہوا تھا، بڑے بھیا آپ ہی آپ کچھ سدھر گئے تھے۔ مسرت بھابی سے نرمی سے بات کرتے اور نگہت آتی تو وہ پہلے سی شوخی باقی نہ رہی تھی۔ گھر کی فضا بہت عجیب سی ہوگئی تھی۔ اسی وجہ سے نگہت نے خود ہی آنا چھوڑ دیا تھا۔

ادھر بابا کی حالت روز بروز بگڑ رہی تھی۔

فخری راتوں کو سوتے سوتے اچانک جاگ جاتی کبھی خواب میں ڈر جاتی۔ اُسے یوں لگتا جیسے کوئی بہت ہی عجیب واقعہ یا حادثہ ہونے والا ہے۔ کبھی وہ سوچتی کیا اس سے بڑا حادثہ بھی کوئی ہوگا جو ابھی پچھلے ماہ گزر چکا؟ انھیں پریشانیوں میں اُس نے منیرہ کے خط کا جواب نہ دیا تھا۔ اور اب منیرہ کا دوسرا خط آیا تھا۔ فخری کے خط نہ لکھنے کا شکوہ، اپنی سیر تفریح اور چند دوسری پر لطف باتیں۔ مگر فخری نے پہلے کی طرح یہ خط بھی بند کر کے کاپی کے اندر رکھ دیا۔

وہ منیرہ کو کوئی خط نہیں لکھے گی۔ لکھ ہی نہیں سکتی۔ یہ اُس نے طے کر لیا تھا۔

جولائی کا مہینہ ختم ہونے والا تھا اور اب اسکول کھلنے میں بہت کم دن رہ گئے تھے۔

ہاں تو اس بار جب میں اسکول جاؤں گی تو میرے پاس سب کو بتانے کے لیے کوئی بات نہ ہوگی اور باتیں بھلا کہاں چھپتی ہیں۔ بڑی آپا کی بات بھی لوگوں کو معلوم ہو ہی جائے گی۔' فخری نے بہت دکھ سے سوچا۔

نسرین جانتی تھی، نگہت کو علم تھا۔ نسرین تو ممکن ہے کچھ مروت کر جاتی مگر نگہت کے لیے ناممکن تھا کہ وہ اس واقعہ کو چھپا ڈالے جس انسان میں اپنے اندر کچھ کمزوری ہوتی ہے وہ دوسرے کی برائیاں ضرور اچھالتا ہے۔ یہ فخری جانتی تھی نگہت جانے کے ساتھ پہلا کام یہی کرے گی کہ فخری کی بہن کی داستان اسکول میں عام کر دے۔

'اللہ میاں تو اپنے بندوں کا کتنا امتحان لیتا ہے۔' فخری نے بے بسی سے سوچا۔ 'اب میں کس کس سے مدافعت کروں گی بڑی آپا کے سلسلے میں اور کیا کہہ کر لوگوں کو خاموش کروں گی۔'

آسمان پر تارے چمک رہے تھے گھر والے سب بے خبری کی نیند سو رہے تھے مگر فخری کی نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی وہ سوچ رہی تھی۔ اور آسمان کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی تھی۔

'کتنی قدرت والا ہے اللہ میاں۔ اتنی بڑی بڑی چیزیں بنا ڈالیں۔' زمین آسماں، چاند ستارے پھول اور پودے۔' وہ سوچ رہی تھی۔ ''اللہ میاں تو نے میری آپا کو بھی اچھا بنا دیا ہوتا۔ یا اللہ میرے بڑے بھیا کو بھٹکنے سے بچا لے۔ میرے مولا تیرے بس میں کیا کچھ نہیں۔ تو اس گھر کی

لاج رکھ لے۔ عزت کو بچا لے رب میرے!''

وہ چپ چاپ دعائیں مانگ رہی تھی۔

''اللہ میاں میرے بابا کو جلدی سے اچھا کر دے اُن کے غم دور کر دے خدایا۔''

اور جیسے خدا نے اُس کی دعا سن لی۔ بابا کے سب غم دور ہو گئے۔

انھوں نے چپ چاپ دنیا سے ناتہ توڑ لیا۔

کسی سے کوئی خدمت نہ لی نہ زیادہ بیمار پڑے۔ اچانک ختم ہو گئے۔ بابا کی موت ایک بہت بڑا حادثہ تھی۔ پورے گھر میں کہرام مچ گیا۔ فخری کی رو رو کر بری حالت تھی۔ امی صبر کی تصویر بن کر رہ گئی تھیں۔

دردانہ کو بھی باپ کی موت کی اطلاع مل گئی تھی۔ مگر وہ آنے کی ہمت نہ کر سکیں، وہ جانتی تھیں بابا اُن سے ناراض تھے وہ کس منہ سے اُن کے جنازے میں شرکت کرتیں۔

''بابا کے جانے سے گھر کیسا خالی خالی سا لگتا ہے حالانکہ وہ زیادہ تر اپنے پلنگ ہی پر رہتے تھے۔'' ایک دن فخری نے یونہی امی سے کہہ دیا۔

''جانا تو سب کو ہے ایک دن۔'' امی نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ ''اچھا ہی ہے تمہارے باپ چلے گئے سب دکھ ختم ہو گئے اُن کے۔ زندہ رہتے تو اور نہ جانے کیا کیا دیکھنا پڑتا انھیں۔''

'اللہ اب کون سی کسر باقی رہ گئی ہے مصائب کی، اب اور کیا دیکھتے بابا۔' اُس نے اپنے دل میں سوچا۔

انھیں دنوں چھوٹی خالہ کا خط آیا۔ بابا کے پرسے کا خط تھا اور کوئی خاص بات نہ تھی۔

فخری کے دل میں ایک ہوک سی اُٹھی۔

''منصور کاش تم نے اس موقع پر ہی سہی دو حرف تسلی کے لکھ دیئے ہوتے۔ کیا میرے باپ کے مرنے کا تمھیں ذرا بھی غم نہ ہوا۔'' اُس کی آنکھیں آپ ہی آپ نم ہو گئیں۔ چھوٹی خالہ کا خط بالکل روایتی سا تھا۔ اُس نے محسوس کیا اس خط میں خلوص و محبت کا شائبہ تک نہ تھا۔

اُس نے بے دلی سے خط ایک طرف ڈال دیا۔

یہ پوری چھٹیاں مصائب اور پریشانی میں گزر گئی تھیں۔ وہ کوشش کے باوجود کچھ نہ پڑھ سکی تھی اور اب کل اسکول کھل رہا تھا۔ یونیفارم بھی میلا پڑا تھا اور جوتوں پر پالش بھی نہ تھی۔ کتابیں بھی ٹھیک کرنی تھیں۔

اسکول تو بہر حال جانا ہی تھا خواہ حالات کچھ بھی ہوتے۔ اُس نے بے دلی سے کتابیں وغیرہ ٹھیک کیں پھر میلا یونیفارم کو غسل خانے میں دھونے کے لیے چل دی۔

.......❁.......

تانگے میں وہ دونوں بالکل خاموش بیٹھی تھیں۔ علیک سلیک کے علاوہ ان میں کوئی بات نہ ہوئی تھی۔ آج اسکول کا پہلا دن تھا اور منیرہ فخری سے ناراض تھی۔ اُس نے اُس کے خط کا جواب نہ دیا تھا۔ تانگے میں لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تھی۔ تانگے والا سواریاں بڑھاتا چلا جارہا تھا۔ سب ہی کو بیٹھنے میں دقت ہوتی تھی مگر مجبوری تھی کسی نہ کسی طرح ٹھس ٹھسا کر اسکول پہنچ جاتی تھیں دونوں لڑکیاں اپنی سوچوں میں گم تھیں۔ منیرہ کے ذہن میں کوئٹہ میں گزارے ہوئے خوبصورت رات دن کا عکس تھا اور فخری کے سامنے باپ کی جدائی کا غم اور بڑی آپا کا دیا ہوا گھاؤ تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے دلی تاثرات سے بے خبر تانگے میں خاموش بیٹھی چلی جارہی تھیں۔ یوں بھی اتنی بہت لڑکیوں کے سامنے آپس کی کیا بات ہوتی۔ ذرا سی دیر میں اسکول آ گیا۔

فخری اور منیرہ خاموش چلتی چبوترے کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئیں۔ صبح کی شفٹ تھی۔ اس وقت سیڑھیوں پر بیٹھ کر ٹھنڈی ہوا کھانا بہت اچھا لگتا تھا۔

''فخری تم نے میرے خط کا جواب کیوں نہ دیا؟'' منیرہ نے اس کے خاموش وجود کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' فخری نے زمین کی طرف نظریں کئے کئے جواب دیا۔

''فخری میری طرف دیکھو۔'' منیرہ نے اُسے بغور دیکھا۔

فخری اُس کی طرف خالی خالی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''تم واقعی کمزور سی لگ رہی ہو لیکن یہ کمزوری بیماری کی نہیں ہے ضرور تم ان دنوں بہت زیادہ پریشان رہی ہو۔ آخر بات کیا ہوئی۔''

''کوئی خاص بات نہیں بہت عام سی بات ہے۔''

''پھر بھی۔''

''بابا کا پچھلے دنوں انتقال ہوگیا۔''

''کیا کہہ رہی ہو فخری۔'' منیرہ ایک دم سے پریشان ہوگئی۔ ''تم نے اطلاع بھی نہ دی اور اب کہہ رہی ہو کہ کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ فخری تمہیں ہوا کیا ہے۔ بتاؤ بابا کو کیا ہوا تھا؟ کب انتقال ہوا؟''

وہ ایک ہی سانس میں بہت کچھ کہہ گئی۔

"کوئی خاص بیماری نہیں ہوئی تھی۔ بس یونہی ختم ہو گئے ایک دن۔ میرے بابا بہت اچھے تھے انھوں نے کسی سے کوئی خدمت نہ لی۔ کسی کو پریشان نہ کیا خود چپ چاپ رخصت ہو گئے۔"

منیرہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

دیکھنے میں وہ جس قدر شوخ چنچل اور باتونی تھی اندر سے اُس کا دل اتنا ہی کمزور تھا۔ فخری چٹان بنی اُس کے سامنے بیٹھی تھی یوں جیسے بابا کی موت کوئی بہت ہی معمولی حادثہ ہو۔

"تم رو رہی ہو منیرہ۔ رونے کی بھلا اس میں کیا بات ہے۔ یہ دنیا فانی ہے۔ ہر چیز کو فنا ہونا ہے۔ ہر شخص کو ایک نہ ایک دن چلے ہی جانا ہے باری باری سے۔ کوئی آگے کوئی پیچھے۔ بس بابا کی باری آ گئی تھی وہ چلے گئے۔ منیرہ میں نے تمہیں خط لکھنا چاہا تھا مگر میں کوشش کے باوجود کچھ نہ لکھ سکی میں نہیں چاہتی تھی کہ وہاں تمہیں کوئی دکھ پہنچے۔"

"فخری کاش تم نے مجھے اپنے دکھ میں شریک کیا ہوتا۔ تمہیں نہیں معلوم میرے دل میں تمہارے لیے کیا ہے، کیا کوئٹہ کی سیر و تفریح تمہارے دکھ سے اچھی تھی؟"

منیرہ کی آنکھوں سے آنسو بہے چلے جا رہے تھے اس کی آواز رندھ گئی۔

اور فخری یہ سوچ رہی تھی کہ بابا کا غم تو بڑی آپا کے دیئے ہوئے زخم کے سامنے کچھ بھی نہیں تھا۔ جب منیرہ کو پتہ چلے گا تو وہ کیا سوچے گی۔ بجائے اس کے کہ دوسروں کی زبانی وہ کوئی افسانہ سنے اُسے خود ہی یہ قصہ بتا دینا چاہیے۔ اور تب اُس نے دھیمے سے کہا۔

"بابا کی موت کے علاوہ بھی ایک واقعہ ہو گیا تھا جس کے صدمے نے ہم سب کو نیم جان کر دیا۔ اور شاید بابا بھی اسی غم میں ختم ہو گئے۔"

"کون سا صدمہ؟"

"تم میرے منہ سے سن کر تعجب ضرور کرو گی مگر دوسروں کی زبانی سننے سے بہتر ہے کہ تم میری زبانی سن لو تا کہ جب تمہیں کوئی افسانہ سنایا جائے تو تم تعجب کرنے کی بجائے مناسب الفاظ میں کہنے والے کا منہ بند کر سکو۔"

اس کے بعد فخری نے بہت محتاط الفاظ میں بڑی آپا اور شمشیر خاں کی شادی کا واقعہ بیان کر دیا ۔۔۔ لی۔

"اگرچہ بڑی آپا نے شادی کی ہے یہ اُن کا شرعی اور قانونی حق ہے لیکن ہم سب کے لیے اور بابا

کے لیے بھی یہ صدمہ بہت شدید تھا۔ پھر لوگ طرح طرح کی باتیں بنانے میں ماہر ہوتے ہیں حالانکہ اسی قسم کے واقعات ہوتے رہتے ہیں مگر تم دیکھنا لوگ کس کس انداز میں یہ قصہ بیان کریں گے۔''

منیرہ کو بھی سب کچھ سن کر افسوس ہوا تھا۔ اُس نے کہا۔

''مارنے والے کا ہاتھ پکڑا جا سکتا ہے مگر کہنے والے کی زبان نہیں روکی جا سکتی۔ اب جو ہوا سو ہو گیا۔ بڑی آپا تمام عمر گھر بیٹھ کر زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔ اگر تم لوگ پہلے ہی کہیں اُن کی شادی کر دیتے تو یہ نوبت نہ آتی۔ بہر حال انھوں نے شادی ہی تو کی ہے نا۔ یہ کوئی بری بات نہیں ہے پھر تم کہتی ہو وہ خوش ہیں اپنے نئے گھر میں۔ اب اس بات کو بھول جاؤ اور جہاں تک لوگوں کے باتیں بنانے کا سوال ہے تو وہ بھی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دھیما پڑ جائے گا۔''

منیرہ نے بہت عقلمندی سے سمجھایا۔

اتنا سب کچھ کہہ لینے سے فخری کے سینے کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔ ایک منیرہ ہی سے تو اس کی اتنی قریبی دوستی تھی اگر اس سے بھی نہ کہتی تو پھر کسے کہتی۔

منیرہ نے سب لڑکیوں سے اس کے بابا کی وفات کا ذکر کر دیا تھا اور سب لڑکیاں اُس کے غم میں برابر کی شریک تھیں۔ نگہت بھی بریک میں اس سے ملنے آئی مگر اُس نے کوئی خاص بات نہ کی ورنہ فخری دل ہی دل میں ڈر رہی تھی۔ وہ نگہت کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جایا کرتی تھی حالانکہ نگہت فخری سے رعب کھایا کرتی تھی۔

بڑی آپا کا واقعہ بھی کلاس میں لڑکیوں کو معلوم ہو گیا تھا مگر اس بات کا کسی نے کوئی خاص نوٹس نہ لیا۔ پسند کی شادیاں لوگ کرتے ہی رہتے ہیں۔ بس ایک خبر تھی لوگوں نے سن لی۔ کچھ ہی دن گزرنے کے ساتھ فخری نارمل ہونے لگی۔

پھر ایک دن اُسنے باتوں باتوں میں منیرہ سے کوئٹہ کا احوال پوچھا۔

''بس فخری کیا بتاؤں خالہ جان کا گھر ہے کہ جنت کدہ۔ سچ دل چاہتا ہے کبھی نہ آؤں اس ماحول۔''

''بہت دل لگ گیا تھا تمہارا۔'' فخری نے کہا۔ ''خدا خیر کرے اب گئے کام سے تمہارے خرم بھائی۔''

''ارے نہیں خرم بھائی میں تو سارا وقت دھیان اٹکا رہا۔ ویسے مزہ بہت آیا کوئٹہ میں۔ پتہ ہے خالہ جان کے گھر کا ماحول اس قدر آزاد ہے میرا برقعہ بھی صندوق میں بند ہو گیا تھا وہاں۔''

''تمہارے ابو بہت سوئٹ ہیں۔'' منیرہ نے کہا۔ ''امی کے سامنے کچھ نہیں بول پاتے اور ظاہر ہے خالہ جان کے گھر میں تو امی وہی کریں گی جو خالہ جان چاہیں گی۔''

''تمہاری خالہ زاد بہنیں کیسی ہیں؟''

''بہت سوئٹ۔ ناہید باجی اور نوشین دونوں ہی بہت اچھے اخلاق کی ہیں، جتنے دن ہم لوگ رہے روزانہ کہیں نہ کہیں لے کر جاتی تھیں۔ بے شمار ملنے والے ہیں ان لوگوں کے اور پتہ ہے میری لمبی چوٹی کی تو دشمن ہوگئی تھیں دونوں ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ بیوٹی پارلر لے جا کر میرے بالوں کا حشر کردیں۔ دونوں نے اپنے بال اسٹائلش کروائے ہوئے ہیں۔ فخری میں تو ان لوگوں کے سامنے بالکل بدھو لگتی تھی۔''

''پاگل ہو تم۔ تمہارے اتنے لمبے اتنے خوبصورت بال ہیں لوگ تو ترستے ہیں لمبے بالوں کو۔''

''مگر مجھے کٹے بال پسند ہیں فخری۔ ابو کے ڈر سے قینچی نہیں لگا سکتی ورنہ......''

''کہیں ایسا غضب نہ کرنا منیرہ تم اپنے لمبے بالوں کی وجہ سے خوبصورت لگتی ہو۔''

''مگر تم کیوں نہیں رکھتی ہو چوٹی؟''

''اتنے بڑے ہوگئے ہیں پونی ٹیل بنا لیتی ہوں۔ پتہ نہیں میرے بال بڑے کیوں نہیں ہوتے۔ میرا خیال ہے یہ قدرتی بات ہے کسی کے جلدی بڑھتے ہیں کسی کے دیر سے۔''

''مجھے تو تمہارے اوپر بوائے کٹ بہت اچھے لگتے تھے۔''

''وہ تو مجبوری سے ہوگئے تھے۔'' فخری نے کہا ''اچھا یہ بتاؤ ڈیرہ کا کیا پروگرام رہا؟''

''بس اب تو اگلے سال تک بات ٹل گئی۔ ظاہر ہے درمیانی سال میں تو جا نہیں سکتی۔''

''مگر وہاں گرمی بہت زیادہ ہوتی ہے۔''

''خرم بھائی کی موجودگی میں گرمی کا احساس کس کافر کو ہوگا۔'' منیرہ نے ہنس کر مذاقاً کہا۔

اچانک ہی فخری کو منصور کا خیال آ گیا، ٹھیک ہی تو کہتی ہے منیرہ اگر من پسند ماحول ہو تو پھر موسم خوبصورت لگنے لگتا ہے۔ لاہور میں تو بہت گرمی پڑتی ہے مگر منصور کا ساتھ میسر ہو تو پھر یہی گرمی کا موسم بہار کے موسم میں تبدیل ہو جائے گا مگر منصور کو کب خیال ہوگا میرا۔'

''کیا سوچنے لگیں؟''

''کچھ نہیں۔'' فخری اپنے خیالوں سے چونک گئی۔

''تم بھی کسی کے خواب دیکھنے لگی تھیں کیا؟'' منیرہ نے ہنس کر پوچھا۔

''میں خواب دیکھنے کی عادی نہیں ہوں پھر خواب اور حقیقت کے درمیان بہت طویل فاصلہ ہوتا ہے اور مجھے ان فاصلوں سے خوف آتا ہے۔''

''کبھی کبھی خواب بھی حقیقت کا روپ دھار لیتے ہیں فخری۔''

''ہاں مگر بعض اوقات حقیقت بہت تلخ بن جاتی ہے۔''

''ممکن ہے ایسا ہوتا ہے۔'' منیرہ نے کہا۔ ''مجھے تلخیوں کا تجربہ نہیں ہے اور نہ ہی خواب اور حقیقت کے فاصلوں کا علم ہے۔''

''وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان کو ہر قسم کا تجربہ حاصل ہو جاتا ہے۔''

''تم نے بلا وجہ سائنس لے لی۔ فلسفہ پڑھ لیا ہوتا۔'' منیرہ نے ہنس کر کہا۔ ''آؤ چلیں کینٹین کا چکر مار کر آتے ہیں بہت زور کی بھوک لگ رہی ہے۔''

فخری خاموشی سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور منیرہ کے ساتھ کینٹین روانہ ہوگئی۔

❖

ایک مدت کے بعد چھوٹی خالہ کا خط آیا تھا۔ دراصل امی کی طبیعت بابا کی وفات کے بعد سے مسلسل خراب چل رہی تھی اور اس نے بہت ہمت کر کے امی کے کہنے پر چھوٹی خالہ کو ایک خط لکھا تھا جس میں امی کی بیماری کا مختصر احوال درج تھا کچھ اپنی پڑھائی کا ذکر اور کچھ چھوٹے بھیا کی کامیابیوں کا تذکرہ تھا جس کے جواب میں چھوٹی خالہ کا مختصر سا خط آیا تھا۔ امی کی بیماری کے سلسلے میں تشویش کا اظہار تھا۔ کچھ موسم کا تذکرہ اور کچھ خالو جان کی کاروباری مصروفیات کا احوال بھی درج تھا۔ آخر میں بڑی آپا کے متعلق بھی پوچھا تھا کہ نئے گھر میں کیسی گزر رہی ہے۔ اور بس!

وہ پورے خط میں منصور کا نام تلاش کرتی رہ گئی۔ مگر چھوٹی خالہ نے تذکرہ کرنا مناسب نہ سمجھا تھا شاید۔ کبھی کبھی وہ سوچتی اپنے دل کی بات منیرہ کو بتا دے۔ ممکن ہے اس سلسلے میں وہی کوئی مشورہ دے سکے مگر پھر خود ہی خاموش رہ جاتی۔ وہ جانتی تھی منیرہ آزاد خیالات کی منہ پھٹ لڑکی ہے وہ تو صاف یہی مشورہ دے گی کہ منصور کو ڈائرکٹ خط لکھو اپنی تصویر بھیجو اُن کی منگواؤ وغیرہ وغیرہ۔

اور یہ سب کرنا اُس کے اختیار میں نہ تھا۔ نہ وہ منصور کو خط لکھ سکتی تھی اور نہ ہی منصور سے کسی جواب کی توقع تھی اگر منصور کے دل میں ذرا سا بھی خیال ہوتا تو اب تک وہ کراچی کا چکر لگا چکے ہوتے۔ اُسے چھوٹی خالہ اور خالو جان کی طبیعت کا اندازہ تھا۔ انھوں نے فخری سے شادی محض بابا کی حیثیت دیکھ کر کی تھی مگر اب نہ بابا رہے تھے اور نہ اُن کی حیثیت بلکہ اب وہ عزت بھی قائم نہ رہی

تھی۔ ظاہر ہے چھوٹی خالہ اور خاص کر خالو جان ان حالات میں رشتہ قائم رکھنا حماقت ہی سمجھتے ہوں گے اور پھر منصور۔ وہ بھی وہی کچھ سوچیں گے جو اُن کے دل میں ہوگا۔ اگر چہ چھوٹی خالہ نے اپنے خط میں کچھ بھی نہ لکھا تھا مگر اُسے دوسروں کے ذریعے پتہ چلا تھا کہ منصور کی بزنس بہت اچھی چل رہی ہے اور حال ہی میں انھوں نے ایک عدد گاڑی بھی خرید لی ہے۔ وہ تصور ہی تصور میں منصور کی گاڑی میں بیٹھ کر لاہور کی سیر کیا کرتی تھی مگر جب اُس کا تصور ٹوٹتا تو وہی کوارٹر ہوتا۔ اور زندگی کے وہی مسائل۔

اُس نے منصور کے معاملے میں زبان نہ کھولنے کا عہد کیا۔

''ٹھیک ہے اگر منصور کو میرا خیال نہیں تو میں کیوں اُن کا کسی سے تذکرہ کروں اور اپنی بے بسی کا مذاق اُڑواؤں۔''

یہی وجہ تھی کہ اُس نے منیرہ سے اپنے اور منصور کے بارے میں کچھ نہ کہا تھا۔

پھر گھریلو حالات اور زیادہ خراب ہونے لگے۔ اب امی بہت بیمار رہنے لگی تھیں۔ حکیم جی کہتے تھے کہ انھیں یرقان ہوگیا ہے۔ اصغر علی سے جو کچھ ممکن تھا ماں کے دوا کے لیے کر رہے تھے۔ اکبر علی کی تنخواہ میں گھر کا خرچ ہی مشکل سے چلتا تھا۔ دوا علاج کے لیے رقم کہاں سے آتی۔ امی کی بیماری کے ساتھ ساتھ نگہت کی آمدورفت بھی زیادہ ہوگئی۔ دراصل امی کی بیماری کی وجہ سے گھر میں کام کاج کی کافی وقت ہوگئی تھی اس وجہ سے نگہت اپنی بہن کی مدد کے خیال سے اکثر آتی تھی اور چار چار دن رہ کر جاتی تھی۔ جتنے دن نگہت رہتی نگہت بھابی کو کام سے منع کر دیتی۔

صبح سات بجے اسکول جانا ہوتا تھا۔ نگہت پانچ بجے صبح اُٹھ کر ہانڈی روٹی پکا کر اسکول جاتی تھی۔ فخری کے ساتھ اسکول جانا اور آنا پھر دوپہر کے بعد سے بہتیرے دوسرے کام تھے۔ گڈو اور بے بی کو نہلانا اُن کے کپڑے دھونا۔ رات کا کھانا۔ نگہت سب کچھ سنبھال لیتی تھی۔

مسرت بھابی خود بھی کام کر کر کے تھک چکی تھیں۔ اُن کی صحت بھی خراب ہوگئی تھی۔ دراصل تیسرے بچے کی آمد آمد تھی۔ اس وجہ سے نگہت کے آجانے سے انھیں بہت آرام مل جاتا تھا۔ پھر کبر علی کے سب کام بھی نگہت بڑی خوش اسلوبی سے انجام دے دیتی تھی۔ دفتر سے آتے تو بھاگ کر کھانا گرم کر کے لاتی۔ کھانے کے ساتھ کوئی نہ کوئی چٹنی وہ ضرور بناتی تھی اس لئے کہ اکبر علی کو ٹنی کا بہت شوق تھا۔ نگہت کو اُن کے ہر شوق کا خیال تھا۔ جتنے دن نگہت رہتی مسرت بھابی بڑے رام سے بستر پر پڑے پڑے ماضی کے خواب دہرایا کرتیں اور جب وہ چلی جاتی تو پھر وہی شب و

روز ہوتے اور وہی روزمرہ کے کام۔

مگر اب امی کی بیماری کی وجہ سے کام سنبھالنا دشوار ہو گیا تھا اکثر فخری کو اسکول سے چھٹی کرنی پڑتی تھی۔ یہ آخری سال تھا، بورڈ کا امتحان تھا، پڑھائی بھی بہت کرنی پڑ رہی تھی اوپر سے گھریلو پریشانیاں۔ اصغر علی کو دو بہت اچھی ٹیوشن مل گئی تھیں جن سے اتنے پیسے مل جاتے تھے کہ وہ اپنی پڑھائی کا خرچ نکال کر بھی کچھ نہ کچھ امی کے ہاتھ پر رکھ دیتے تھے۔ اور پڑھائی کا خرچ ہی کیا تھا فیس پوری معاف تھی بس کا کرایہ ایک آنہ ہوتا تھا۔ کالج میں کچھ خرید کر کھانے کے عادی نہ تھے۔ سارا سارا دن خالی پیٹ رہ کر گزار دیتے۔ کتابیں سب سیکنڈ ہینڈ شروع ہی میں خرید چکے تھے۔ اصغر علی کا ارادہ انجینئر بننے کا تھا۔ اور اب ایف ایس سی کے امتحانات نزدیک تھے۔ وہ بھی گھریلو پریشانیوں کے ساتھ ساتھ پڑھائی میں لگے ہوئے تھے۔ انھیں دونوں مسرت بھابی نے ایک لڑکی کو جنم دیا۔

گھر میں ایک فرد کا اضافہ ہو گیا۔

نگہت، بہن کا ہاتھ بٹانے کو مستقل ادھر ہی چلی اُئی۔

اب فخری، نگہت کی عادی ہو گئی تھی مگر وہ ذہنی طور پر اُسے قبول نہ کر سکی۔ اگرچہ نگہت نے پورے گھر والوں کی انتھک خدمت کی مگر پھر بھی وہ فخری کے دل میں جگہ نہ بنا سکی۔ اُسے نگہت کی موجودگی سے ہمیشہ کوفت سی ہوتی تھی اس کے وجود سے گھن سی آتی تھی مگر مجبوری تھی مسرت بھابھی کی خدمت کے لیے کسی کو تو ہونا ہی تھا یہ تو نگہت کی امی کی مہربانی تھی جو وہ بڑی کی خدمت کے لیے چھوٹی کو بھیج دیتی تھیں۔ ورنہ کون برے وقت میں کسی کے کام آتا ہے۔

ابھی مسرت بھابی نے چھلہ بھی نہ نہایا تھا کہ امی ختم ہو گئیں۔ بابا کی موت کو ابھی سامنے مہینے ہوئے تھے کہ امی کی باری آ گئی۔

دراصل وہ بابا کی موت کے ساتھ ہی ختم ہو گئی تھیں ایک چپ سی لگ گئی تھی۔ اندر ہی اندر گھلتی رہیں۔ اُدھر دردانہ کی روش اور اِدھر فخری کی فکر۔ چھوٹی بہن کا رویہ سمجھ رہی تھیں۔ فخری کی طرف سے تمام خوش فہمیاں رخصت ہو چکی تھیں۔ فخری کا مستقبل انھیں ڈولتا نظر آ رہا تھا۔ انھیں سب غموں نے دیمک کی طرح چاٹ لیا۔ یرقان کے مرض میں کئی ماہ مبتلا رہیں مناسب علاج نہ ملا تو چپ چاپ مالکِ حقیقی سے جا ملیں۔

امی کی موت پر دردانہ آن پہنچیں۔ یہاں گھر میں کہرام مچا تھا۔ فخری ریحانہ دونوں بہنوں کی رو رو کر بری حالت تھی۔ اصغر علی اور اکبر علی تجہیز و تکفین کے انتظامات میں مصروف تھے۔ دردانہ کی

کون خبر لیتا۔ وہ خود ہی آئیں ایک کونے میں بیٹھی آنسو بہاتی رہیں۔ امی کا جنازہ اٹھا تو وہ بھی روتی دھوتی اپنے گھر سدھار گئیں۔

امی کی موت نے فخری کے پورے وجود کو ہلا ڈالا۔ یوں لگتا تھا کوئی سائبان تھا جو ٹوٹ گیا۔ اب نہ کوئی چھت تھی نہ دیوار۔ اللہ کیا رہ گیا تھا اس زندگی میں۔ وہ گھر جو کچھ دن پہلے تک چھوٹا پڑتا تھا، خالی خالی سا لگتا۔

امی کی موت کی اطلاع چھوٹی خالہ کو تار کے ذریعے دی گئی۔ اُدھر سے بھی افسوس کا تار آیا پیچھے سے چھوٹی خالہ کا ایک عدد خط جس میں انھوں نے اپنی بیماری کا حال بہت بڑھا چڑھا کر لکھا تھا اور یہ بھی کہ جوں ہی حالات نے اجازت دی میں تم لوگوں کے پاس آؤں گی۔ یہ خط اصغر علی کے نام تھا۔ 'اللہ کیا چھوٹی خالہ کے دل میں اتنی سی بھی محبت نہیں ہم لوگوں کی'

فخری کی آنکھوں سے چپکے چپکے آنسو بہنے لگے۔

ماں کے بعد تو خالہ ہی ہوتی ہے اور پھر خالہ بھی وہ جس نے اپنی خوشی سے اُسے بہو بنایا تھا مگر اب حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ وہ بھی بدل گئی تھیں۔

اصغر علی بھی چھوٹی خالہ کا رویہ بخوبی سمجھے تھے۔ فخری کا اُداس چہرہ دیکھتے تو فکر دو چند ہو جاتی مگر حالات اپنے بس میں کب تھے۔

دونوں بھائی بہن ایک دوسرے سے کچھ نہ کہتے۔ پھر ایک دن اصغر علی نے فخری کو پاس بٹھا کر بہت سنجیدگی سے کہا

"فخری اب نہ ہمارے بابا زندہ ہیں اور نہ امی۔ بڑے بھیا جیسے بھی ہیں وہ ہم لوگوں کے سامنے ہیں۔ اب ہم دونوں کو مل کر اپنا مستقبل بنانا ہے اور ریحانہ کی ذمہ داری بھی ہمارے اوپر ہے۔ چھوٹی خالہ سے کسی اچھی اُمید کی توقع رکھنا قطعی فضول ہے انھوں نے اپنے رویے سے ظاہر کر دیا ہے کہ انھیں ہم سے یا ہمارے مصائب سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تم خود سمجھ دار ہو بڑی ہو ئی ہو۔ منصور بھائی سے تمہارا رشتہ اب صرف کاغذ کے ایک پرزے کی حیثیت رکھتا ہے میں نہیں بھتا کہ چھوٹی خالہ کی نظروں میں کاغذ کے اس پرزے کی کوئی اہمیت ہو گی۔ چھوٹی خالہ کے حالات بدل چکے ہیں خالو جان کا بزنس چمک رہا ہے۔ منصور بھائی بھی دنیا دیکھ رہے ہیں۔ سونے کا محل سامنے ہو تو مٹی کی کٹیا میں کون پناہ لینا پسند کرے گا۔ سنا ہے منصور بھائی بہت فیشن ایبل ہیں اور اعلیٰ زندگی گزارنے کے عادی ہیں۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ وہ انگلینڈ جانے

والے ہیں۔ انھوں نے آج تک ہم لوگوں کو دو لائنوں کا خط تک نہیں لکھا۔ بابا اور پھر امی کی وفات پر بھی کوئی پرسے کا خط نہ آیا چھوٹی خالہ نے دنیا داری نبھانے کے لئے چار حرف لکھ دیئے۔ ان سب باتوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کو اور خاص کر تم کو چھوٹی خالہ کی طرف سے آنکھیں بند کر لینی چاہئیں ہمیں اپنی منزل خود تلاش کرنی ہوگی۔ زندگی میں جدو جہد کر کے خود کوئی مقام حاصل کرنا ہوگا۔''

اصغر علی سمجھا رہے تھے اور فخری کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے ان دنوں وہ بہت کمزور دل ہوگئی تھی۔ بات بات پر آنسو نکل آتے تھے۔

''فخری تم اپنے ذہن سے ہر قسم کی بات نکال دو۔ خالہ جان یا منصور بھائی کی بے رخی سے لے کر بابا اور امی کی موت تک۔ ہر بات بھول جاؤ۔ بس ایک بات یاد رکھو کہ ہم دونوں کو ہر حال میں اپنے امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کرنی ہے۔ اپنے خاندانی وقار کو بحال کرنا ہے اور یہ سب کرنے کے لیے بہت زیادہ ہمت اور عزم کی ضرورت ہے۔ اگر تم نے ہمت ہار دی تو میں بھی بے ہمت ہو جاؤں گا پھر ہم کچھ نہ کر سکیں گے۔ اگر ہم چاہیں تو اب بھی اس مقام تک پہنچ سکتے ہیں کہ خاندان کے تمام لوگ ہمارے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ فخری تم وعدہ کرو کوئی غم نہ کرو گی اور پڑھائی پر پوری توجہ دو گی۔''

فخری نے چھلکتی آنکھوں سے چھوٹے بھیا کی باتوں کی تائید کی۔

اس سال ریحانہ کا نام اسکول میں لکھ جانا چاہیے تھا مگر حالات نے اجازت نہ دی۔

''انشاء اللہ اب کے سیشن میں ریحانہ کا نام تمہارے اسکول میں لکھوا دیں گے اسی تانگہ سے چلی جایا کرے گی۔'' چھوٹے بھیا یہ کہہ کر اُٹھ گئے۔

اور فخری، چھوٹے بھیا کے الفاظ اپنے ذہن میں دہرانے لگی۔ وہ الفاظ جو انھوں نے اُس کے اور منصور کے بارے میں کہے تھے۔

''منصور بھائی سے تمہارا رشتہ صرف کاغذ کے ایک پرزے کی حیثیت رکھتا ہے۔''

کیا چھوٹے بھیا ٹھیک کہتے ہیں؟

کیا منصور سے میرا کوئی رشتہ نہیں؟

کوئی واسطہ نہیں؟

کیا میں منصور کے بارے میں سوچنا چھوڑ دوں۔

اُنھیں اپنے ذہن سے نکال پھینکوں۔

کاش یہ سب کچھ اتنا ہی آسان ہوتا۔شاید چھوٹے بھیا ٹھیک ہی کہتے ہیں۔چھوٹی خالہ نے اچھے حالات کے ساتھ بندھن باندھا تھا مگر اب حالات اچھے نہیں تھے۔

اور اگر چھوٹے بھیا انجینئر بن جائیں اور میں ڈاکٹر بن جاؤں تو۔؟

کیا تب بھی چھوٹی خالہ اپنا رویہ نہیں بدلیں گی اور کیا اُس وقت کا منصور میرا انتظار کر سکیں گے۔کیا وہ وقت اتنے نزدیک آسکتا ہے۔

شاید یہ سب کچھ اتنا آسان نہ تھا۔

فخری جانتی تھی۔

چھوٹے بھیا منزل پا لینے کی جستجو میں مصروف تھے۔مگر منزل ابھی بہت دور تھی۔

راہ دشوار گزار تھی۔

اس راہ میں بہت سے پیچ و خم تھے۔

بڑے نوکیلے کانٹے تھے ایسے کانٹے جن سے چھوٹے بھیا بے خبر تھے۔

مگر وہ ان کانٹوں کی چبھن بہت پہلے سے محسوس کر رہی تھی۔

اُسے یوں لگتا تھا جیسے اس گھر میں کوئی طوفان آنے والا ہے۔

بہت ہی بڑا طوفان۔

جو اُس کے سارے عزائم بہا کر لے جائے گا اور اس طوفان کے پس پشت اُسے نگہت کا وجود کانٹے کی طرح چبھتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

مسرت بھابی کی خاموش اور اُداس نگاہیں۔

بڑے بھیا کا اُن سے اُکھڑا اُکھڑا سا سلوک۔

اور نگہت کا اس گھر پر اس حد تک اختیار اور بڑے بھیا کی خدمت گزاری۔

یہ سب باتیں یقیناً کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ تھیں۔

نہ جانے چھوٹے بھیا کو کچھ خبر تھی مگر وہ خود آنے والے طوفان سے خوف زدہ رہا کرتی تھی۔

اُس نے اپنے دل میں اُٹھنے والے شبہات کو کبھی زبان نہ دی اور خاموشی سے اپنی پڑھائی میں مصروف ہو گئی۔

جمعہ ہاف ڈے ہوتا تھا جوں ہی منیرہ گھر پہنچی، دیکھا امی کے پاس ایک خوبصورت اسمارٹ سا نوجوان بیٹھا ہوا ہے اور امی ہنس ہنس کر باتیں کر رہی ہیں۔ منیرہ کو دیکھ کر انھوں نے پکارا۔ ''آؤ جلدی سے آ کر دیکھو کون آیا ہے!؟''

منیرہ نے برقع اتارا اور جھجھکتی ہوئی امی کے پاس پہنچ گئی۔

''یہ منیرہ ہے۔'' امی نے نوجوان سے کہا پھر منیرہ سے بولیں۔ ''اب تم پہچانو تو بھلا یہ کون ہیں؟''

''آپ بتایئے امی میں نے تو انھیں کبھی نہیں دیکھا؟''

''یہ خرم ہیں بے وقوف لڑکی۔ ابھی آئے ہیں ڈیرہ سے۔''

''آداب!'' منیرہ نے مسکراتے ہوئے خرم کو آداب کیا۔

''جیتی رہو'' خرم نے تنقیدی نگاہوں سے منیرہ کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

منی بیگم قہقہہ مار کر ہنسنے لگیں۔

''اب تم بیٹھو منیرہ۔ اور باتیں کرو اپنے خرم بھائی سے، میں ذرا خرم کے لیے چائے بنا دوں بے چارا تھکا ہارا آ رہا ہے اتنی دور سے۔''

منی بیگم یہ کہتی ہوئی وہاں سے اُٹھ گئیں۔ وہ بہت دور اندیش عورت تھیں۔ وہ جان بوجھ کر دونوں کو اکیلا چھوڑ کر اُٹھ گئیں تا کہ منیرہ کھل کر خرم سے گفتگو کر سکے۔

منیرہ نے اطمینان سے خرم کا جائزہ لیا۔

لمبا قد، کسرتی بدن، صاف رنگت، گھومے ہوئے بال۔ وہ ایک دم ہی خرم سے متاثر ہو گئی۔ واقعی اُس نے خرم کے متعلق جیسا سن رکھا تھا ویسا ہی پایا تھا۔ وہ بہت لوگوں کی زبانی خرم کی تعریف سن چکی تھی۔ اسی وجہ سے دل ہی دل ہیں پسند کرنے لگی تھی۔

خرم کی اچانک آمد نے منیرہ کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ تو سوچ نہ سکتی تھی کہ اُس کے خوابوں کا

شہزادہ یوں اچانک آن پہنچے گا۔خوشی کے باعث اُس کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔

''تم نے تو ڈیرہ آنے کے لیے لکھا تھا اور کوئٹہ پہنچ گئیں۔'' خرم نے خودہ بات کی ابتدا کی۔

''بھئی امی سے لڑیئے۔ سچ خرم بھائی میں نے تو بہت زور مارا آپ کے گھر جانے کے لیے مگر خالہ جان نے عین وقت پر سارا پروگرام چوپٹ کر دیا۔''

''اب آئندہ کیا پروگرام ہے؟''

''ان چھٹیوں میں انشاء اللہ ہم ضرور آئیں گے۔'' منیرہ نے کہا ''اور اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں ہمارے امتحانوں میں صرف ڈیڑھ ماہ باقی ہے۔''

''اچھا پھر تو میٹرک کرلو گی۔'' خرم نے جان بوجھ کر حیران ہو کر پوچھا۔

منیرہ شرمندہ ہو گئی۔

''میٹرک کر کے کون سا تیر مارلوں گی۔ سب ہی کرتے ہیں میں بھی کرلوں گی۔''

''اس کے بعد؟''

''اس کے بعد کالج میں داخلہ لوں گی۔'' منیرہ نے کہا۔ ''اور آپ کیا کر رہے ہیں آج کل؟''

''ڈیرہ کے اسکول میں پڑھا رہا ہوں۔''

اتنے میں منی بیگم چائے لے کر آ گئیں۔

''کیا کہا؟ اسکول میں پڑھانے کیوں لگ گئے؟ پڑھائی چھوڑ دی تم نے؟''

''بی ایس سی کرلیا تھا پھر سوچا کہ کچھ دن اسکول میں پڑھا لیا جائے پھر دیکھا جائے گا، ویسے بھی ابا کہتے ہیں کہ تم پڑھتے ہی رہو گے تو زمینوں کی دیکھ بھال کون کرے گا؟''

''وہ تو ٹھیک ہے۔'' منی بیگم نے کہا۔ مگر تعلیم تو بہت ضروری ہے، تمہیں ایم ایس سی ضرور کر لینا چاہیے۔''

''مگر جلدی کیا ہے کریں گے فی الحال گزارے کے لیے اسکول جوائن کرلیا ہے۔''

''ہاں ٹھیک ہے بعد میں سہی مگر کرنا ضرور۔'' یہ کہہ کر منی بیگم چائے بنانے لگیں۔

''لو منیرہ بھائی کو چائے دو۔'' منی بیگم نے کہا۔

منیرہ نے چائے کی پیالی خرم کو تھما دی۔

تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ منی بیگم پھر چلی گئیں۔ انھیں خرم دل و جان سے

پسند تھا اور وہ ہر حال میں خرم کو اپنا داماد بنانا چاہتی تھیں۔

''آپ کتنے دنوں کے لیے آئے؟''منیرہ نے خرم سے پوچھا۔

''آج جمعہ ہے۔بس پیر کو واپسی۔''

''اللہ اتنی جلدی!۔وہ کیوں؟''

''بس ایک کام سے آیا تھا۔ابا کا کام تھا۔زیادہ رک کر کیا کروں گا۔اسکول میں امتحانات قریب ہیں۔میرا جانا ویسے بھی ضروری ہے۔''

''بھئی یہ تو بہت غلط بات ہے خرم بھائی، دو دن میں تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔''

''کیا کرنا چاہتی ہو تم جو نہیں ہو سکتا۔''خرم نے ہنس کر پوچھا۔

''بس گھومنا پھرنا، سیر و تفریح اور کیا۔دو دن تو کچھ بھی نہیں ہوتے۔''

''وہ تو اتفاق ہی ہے جو میں آ گیا بس اچانک پروگرام بن گیا ورنہ سوال ہی نہ تھا اس وقت آنے کا۔''

''تو آپ کے اچانک پروگرام کو دعائیں دوں گی میں۔''منیرہ نے کہا'اب کل ہفتہ ہے اسکول کی چھٹی کروں گی پرسوں اتوار کی ویسے ہی چھٹی ہے۔''

''تم اسکول ضرور جانا ناغہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''خرم نے کہا۔

''واہ آپ ہمارے گھر پہلے پہل آئے ہیں اور میں ایک دن کی چھٹی بھی نہ کروں اسکول سے۔''

اسی قسم کی باتوں میں دوپہر کے کھانے کا وقت ہو گیا۔منی بیگم نے جلدی میں جو کچھ ہو سکا کافی اہتمام کر لیا تھا بہت ہی اچھے موڈ میں کھانا کھایا گیا۔تین بجے کے قریب واسطی صاحب بھی آ گئے۔انھوں نے خرم کو گلے لگایا۔خرم کی آمد سے انھیں بھی خوشی ہوئی تھی۔واسطی صاحب سنجیدہ سے انسان تھے۔خرم کافی دیر تک اُن سے باتیں کرتے رہے۔شام کی چائے پی کر واسطی صاحب اپنے اسکول کا کام کرنے اپنے کمرے میں چلے گئے اور منیرہ خرم کو لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

''تمیں کوئٹہ کیسا لگا؟''خرم نے پوچھا۔

''بہت اچھا لگا۔آپ نے تو دیکھا ہو گا کوئٹہ؟''

''ہاں پہلے بھی جا چکا ہوں۔وہاں میرا ایک دوست رہتا ہے۔ویسے ابھی دو ماہ قبل پھول پھوپھی کے گھر جانا ہوا تھا اتفاق سے ایک ہفتہ قیام رہا۔''

''اچھا۔؟ اُن دنوں تو بہت سردی ہوگی بلکہ برف باری بھی رہی ہوگی۔''

''ہاں سنو فال'' دیکھنے ہی گئے تھے ہم لوگ۔ میں تھا اور میرے دو ساتھی تھے۔ پھول پھوپھی نے ہم سب کی بہت خاطر مدارت کی۔''

''ناہید باجی اور نوشین کیسی لگیں آپ کو؟''

''بہت خوبصورت لگیں!'' خرم نے شرارت سے کہا۔

''میرا مطلب تھا اُن لوگوں نے خوب آؤ بھگت کی ہوگی۔'' منیرہ کی کریدنا چاہ رہی تھی۔

''بہت زیادہ۔ ناہید تو ہر وقت آگے پیچھے پھرتی تھی۔ اتنی خدمت کی اور اتنا خیال کیا کہ کیا بتاؤں۔''

''ناہید باجی کی طبیعت میں مہمان نوازی زیادہ ہے۔''

''ارے صاحب ایسی ویسی۔ ناہید تو مثال لڑکی ہے۔'' خرم نے یہ کہہ کر منیرہ کی طرف دیکھا۔

''کس لحاظ سے مثالی کہہ رہے ہیں آپ؟''

''ہر لحاظ سے۔''

''اُن کی صورت اچھی ہے نا۔ اُسی سے رعب کھا گئے ہوں گے آپ۔''

''رعب تو ہم نے بالکل نہیں کھایا۔ باقی رہی ناہید کی صورت تو وہ پورے خاندان میں مشہور ہے۔ تم خود جانتی ہو۔''

''مطلب کیا ہے آپ کا۔ اگر ناہید باجی خوبصورت ہیں تو بڑی اچھی بات ہے۔''

''ہاں ایک تو خوبصورت اوپر سے اتنی خیال والی اور کام کاج والی لڑکی۔ تمہاری طرح نکمی تھوڑا ہی ہے۔'' خرم نے چھیڑنے کے لیے کہا۔

''آپ کو کیا پتہ میں نکمی ہوں۔'' منیرہ نے برا مان کر کہا۔ ''اور وہ لوگ کیا کام کریں گی، سارا کام تو نوکر کرتے ہیں۔ فیشن کے طور پر چائے وغیرہ بنا لیتی ہیں۔''

''نہیں یہ بات نہیں۔'' خرم نے سنجیدگی سے کہا۔ ''میرا کوئی کام ناہید نے نوکر کو نہیں کرنے دیا۔ اپنے ہاتھ سے ناشتہ تیار کرنا۔ اچھی سے اچھی چیزیں پکانا۔ حتیٰ کہ موزے بنیان اور رومال تک دھو کر ڈالتی تھی اپنے ہاتھ سے۔''

''بڑے متاثر ہو گئے تھے آپ ناہید باجی سے۔ کہئے تو سفارش کروا دوں آپ کی۔'' منیرہ

نے جل کر کہا۔

''میں تو بالکل متاثر نہیں ہوا البتہ وہ خود ہی بلکہ سب ہی لوگ متاثر ہو گئے تھے اور ناہید نے مجھ سے شادی کی بات بھی کی تھی مگر میں نے منع کر دیا۔''

خرم کے اس انکشاف پر منیرہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''کیا کہا تھا ناہید باجی نے؟'' اُس نے تھوک نگل کر پوچھا۔

''کچھ نہیں۔ بس ایک دن برف باری دیکھ کر واپس آئے تو آتش دان کے پاس بیٹھے ہوئے اُس نے کہا کہ خرم مجھ سے شادی کرو گے؟''

''تو پھر آپ نے کیا کہا؟'' منیرہ آنکھیں پھاڑے پوچھ رہی تھی۔

میں نے کہا ''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''ناہید باجی تو بہت خوبصورت ہیں پھر آپ نے کیوں منع کر دیا؟''

''دراصل وہ لوگ بہت زیادہ آزاد خیال ہیں میری طبیعت اور ہے۔ اُن کی اور۔''

''ابھی تو آپ اُن کی تعریف کر رہے تھے۔''

''وہ الگ بات ہے، ناہید میں جو خوبیاں ہیں اُن سے انکار ممکن نہیں لیکن شادی کے لیے میں اُسے اپنے لیے موزوں نہیں سمجھتا تھا اس لیے انکار کر دیا۔''

منیرہ دل ہی دل میں خوش ہو گئی۔ پھر کچھ سوچ کر بولی۔

''آپ کیسی لڑکی چاہتے ہیں؟''

''اپنی جیسی۔''

''آپ کیسے ہیں؟''

''بس سیدھا سادا شریف انسان ہوں۔ ناہید جیسی پر کٹی لڑکی کا گزارہ کیسے ہو گا ڈیرہ میں۔ تمہیں پتہ ہے وہاں کتنا پردہ ہے۔ ہم تو ڈھونڈیں گے کوئی برقع پوش لڑکی جو ڈیرہ کے ماحول میں گزارہ کر سکے۔''

منیرہ چپ چاپ سنتی رہی۔ آج پہلی بار اسے برقع پہننے کی بہت زیادہ خوشی محسوس ہو رہی تھی اُسے فخری کی بات بھی یاد آ رہی تھی کہ منیرہ تمہارے لمبے بالوں ہی سے تمہاری خوبصورتی ہے انھیں کبھی مت کاٹنا۔

وہ بے خیالی میں اپنے لمبے بالوں سے کھیلنے لگی۔

خرم نے کسی خیال سے یہ باتیں منیرہ سے نہیں کی تھیں یوں ہی بات نکلی تھی تو دل کی بات کہہ اٹھے ورنہ خرم کے دل میں منیرہ کا کوئی خیال نہ تھا۔

یہ سچ تھا کہ ناہید نے خرم سے شادی کی پیشکش کی تھی اور خرم نے بالکل صاف الفاظ میں منع بھی کر دیا تھا۔ پتہ نہیں اس پیشکش میں پھول پھپھو کی مرضی کو دخل تھا یا نہیں یہ خرم نہیں جانتے تھے۔ خرم کے انکار پر ناہید نے پوچھا تھا۔

''مجھ میں کیا خرابی ہے جو آپ منع کر رہے ہیں۔''

تب خرم نے اُس کے بوائے کٹ بالوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''تمہارے بال کٹے ہوئے ہیں۔''

''میں اپنے بال لمبے کر لوں گی۔''

''ان لمبے لمبے ریچھ جیسے ناخنوں کا کیا کرو گی؟''

''انھیں کاٹ دوں گی۔''

''نہیں ناہید، تم یہ سب کچھ نہیں کر سکو گی۔ تم اچھی لڑکی ہو بہت اچھی مگر میرے اور تمہارے ماحول میں بہت فرق ہے، ہم لوگوں کا نباہ نہ ہو سکے گا۔''

''لڑکی چاہے تو اپنے آپ کو بدل سکتی ہے۔''

''کیا ضرورت ہے خود کو بدلنے کی تمہیں اچھے سے اچھا شوہر مل جائے گا۔'' خرم نے کہا تھا۔

اس کے بعد ناہید خاموش ہو گئی تھی۔ خرم نے بہت واضح الفاظ میں اُس کے لیے انکار کر دیا تھا۔ خرم کو سب کچھ اچھی طرح یاد تھا۔ ناہید کی خوبصورتی نے ایک لمحہ کو خرم کو ڈگمگا دیا تھا۔ مگر وہ پریکٹیکل انسان تھا۔ کوئی فیصلہ جذبات کی رو میں بہہ کر کرنا نہ چاہتا تھا نہ ہی کسی کو دھوکے میں رکھنا چاہتا تھا اسی لیے ناہید کی باتوں کا قطعی جواب دے دیا تھا۔ ناہید نے چند منٹوں میں خود کو نارمل کر لیا تھا۔ اُس کے بعد پھر وہی خرم کی خاطر مدارات اور خیال۔

'ناہید جس گھر میں بھی جائے گی ایک مثالی بیوی ثابت ہو گی۔' خرم نے دل میں سوچا۔ 'مگر پھر بھی وہ میرے لیے موزوں نہیں تھی۔'

''کیا سوچ رہے ہیں خرم بھائی۔'' منیرہ نے انھیں خیالات سے چونکا دیا۔

''کچھ نہیں۔ کوئٹہ کی برف باری یاد آ گئی تھی۔'' خرم نے مسکرا کر کہا۔

''برف باری یاد آ گئی تھی یا کہ پھر......''

ابھی منیرہ کا جملہ مکمل نہ ہوا تھا کہ منیر آ گیا۔ وہ دوپہر کے کھانے کے بعد ابو کے کسی کام سے چلا گیا تھا۔ منیر کے آ جانے سے منیرہ کی گفتگو رک گئی۔ وہ اُٹھ کر باورچی خانے میں چلی گئی اور منیر اور خرم باتوں میں مشغول ہو گئے۔

دوسرے دن منیرہ نے اسکول کا ناغہ کیا۔ اُن کا خیال تھا کہ سارا دن بیٹھ کر خرم سے باتیں کرے گی پھر شام کو سیر کا پروگرام رکھے گی مگر دس بجے کے قریب خرم نہا دھو کر باہر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ منیرہ انھیں جاتا دیکھ کر سخت بور ہو گئی۔

''ارے خرم بھائی آپ تو جا رہے ہیں کہیں، میں نے بلاوجہ اسکول سے چھٹی کی۔''

''بھئی جس لیے آیا تھا وہ کام نہ کروں کمال ہے تم سے کس نے کہا تھا کہ تم اسکول سے چھٹی کرو۔'' خرم نے ہنس کر کہا۔

''کیا کام ہے؟''

''ابا نے پلاٹ لیا تھا کراچی میں، اُس کے الاٹمنٹ کا چکر ہے۔''

''کتنی دیر تک واپسی ہو گی؟''

''ڈھائی تین بجے تک۔''

''اتنی دیر میں۔'' منیرہ نے منہ بنا کر کہا۔ ''اچھا خیر تین بجے سے ایک منٹ بھی اوپر نہیں ہونا چاہیے۔''

خرم نے مسکراتے ہوئے خدا حافظ کہا اور چلے گئے۔

منی بیگم صبح سے باورچی خانے میں گھسی ہوئی تھیں۔ آج خرم کے لیے خاص طور پر بہترین ڈشز تیار کی جا رہی تھیں۔ دو دن کی تو مہمانی تھی۔ منی بیگم چاہتی تھیں کہ زیادہ سے زیادہ خاطر مدارات ہو۔ خرم کو کسی شے کی کمی کا احساس نہ ہو۔ موقع موقع سے وہ بیٹی کو بھی ہدایات دیتی جا رہی تھیں۔

خرم کے چلے جانے سے منیرہ سخت بوریت محسوس کر رہی تھی۔ اُس کا کسی کام میں جی نہیں لگ رہا تھا۔ تمام رات اُسے ٹھیک سے نیند نہ آ سکی تھی۔ سارا وقت اُس نے خرم سے متعلق سوچتے گزار دیا تھا۔ نہ جانے کیا کیا پروگرام بنائے تھے مگر خرم نے سخت بار کر دیا تھا۔ وہ چپ چاپ اپنے بستر میں آنکھیں موندے پڑی تھی۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اچانک ثریا اور زہرہ آ گئیں۔

دونوں بہنوں کے آجانے سے منیرہ کی بوریت دور ہوگئی۔ زہرہ جبیں کی گود میں بیٹا کھیل رہا تھا۔ اور وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔ ثریا جبیں کی گود فی الحال خالی تھی۔ مگر چہرے سے کسی بے اطمینانی کا اظہار نہ تھا۔ شادی کے بعد سے دونوں بہنوں میں کافی فرق پیدا ہو گیا تھا اگرچہ عمریں دونوں کی کم ہی تھیں مگر ایک طرح کی بردباری سی آگئی تھی۔ منیرہ کو دونوں بہنوں سے کہانیاں سننے کی چاٹ پڑ گئی تھی مگر اب وہ سلسلہ ختم ہو گیا تھا دونوں اپنے اپنے سسرال چلی گئی تھیں۔ اگر کبھی منیرہ کو پتہ چل جاتا کہ یہ لوگ آئی ہوئی ہیں تو وہ امی سے پوچھ کر اُن کے گھر چلی جاتی تھی۔ اس وقت زہرہ جبیں کو دیکھ کر منیرہ کا بے اختیار جی چاہا کہ وہ اچھی سی کہانی سنے ایسی کہانی جس میں لڑکی کا کزن اُس کے گھر رہنے آتا ہے۔ پھر ان دونوں کے درمیان بڑی دلچسپ باتیں ہوتی ہیں اور آخر شادی ہو جاتی ہے۔ زہرہ جبیں کی کہانیوں کا یہی مرکزی پلاٹ تھا اور منیرہ کہانیاں بہت خوش ہو ہو کر سنا کرتی تھی۔

منیرہ نے دونوں بہنوں کی چائے سے تواضع کی پھر اپنے دل کی خواہش زہرہ جبیں سے بیان کر بیٹھی۔

''زہرہ باجی بہت دنوں سے آپ نے کوئی کہانی نہیں سنائی آج سنا دیجئے۔''

زہرہ کو منیرہ کی بات پر ہنسی آگئی۔ ''لو بھئی اب بھی تم کہانی سنو گی۔ اب تو مجھے کوئی کہانی یاد نہیں۔ ثریا باجی سے سن لو۔''

''نہیں۔ میں ثریا باجی کی کہانی نہیں سنوں گی۔''

''کیوں؟''

''اُن کی کہانی میں لڑکی ہمیشہ لڑکے سے بچھڑ جاتی ہے۔ آپ اپنی کہانی میں شادی کروا دیتی ہیں۔ میں تو آپ کی کہانی سنوں گی۔''

دونوں بہنیں منیرہ کی بات سن کر زور زور سے ہنسنے لگیں۔

''میں آپا جی (منی بیگم) سے کہتی ہوں تمہاری شادی کر دیں پھر کسی کہانی کی ضرورت نہیں پڑے گی''۔ ثریا جبیں نے کہا۔

''آپ تو مذاق کرنے لگیں۔'' منیرہ نے کہا۔ ''میں تو سچ مچ زہرہ باجی سے کہانی سننا چاہ رہی تھی۔''

اتنے میں زہرہ کا بیٹا شور مچانے لگا وہ اُسے بہلانے میں مصروف ہوگئی۔

''دیکھ لو کتنی خوبصورت کہانی ہے میری گود میں۔'' زہرہ نے کہا۔ ''اسے دیکھ کر تو میں سب کچھ بھول گئی۔''

زہرہ کا بیٹا واقعی بہت پیارا تھا سرخ سفید اور گول مٹول بالکل اپنی ماں پر گیا تھا۔ زہرہ کے بیٹے کو دیکھ کر ثریا جبیں کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے شاید اُسے اپنی گود خالی ہونے کا احساس تھا۔

تھوڑی دیر تک دونوں بہنیں بیٹھ کر رخصت ہوگئیں۔ چلتے چلتے ثریا نے کہا۔

''ہم لوگ ایک ہفتہ اماں کے گھر رہیں گے تمہیں وقت ملے تو ضرور آنا۔''

''آؤں گی مگر تین روز بعد، ابھی نہیں۔'' منیرہ نے کہا۔

''کیوں تین دن میں کیا خاص بات ہے؟'' زہرہ نے ہنس کر پوچھا۔

''میرے ماموں زاد بھائی آئے ہوئے ہیں ڈیرہ سے، ان کی وجہ سے مصروفیت رہے گی۔''

''اوہو۔ تو یہ بات ہے۔'' منیرہ نے مذاق کیا۔ ''تب ہی کہانی سننے کو دل چاہ رہا تھا اور وہ بھی زہرہ کی کہانی۔''

دونوں بہنیں پھر ہنسنے لگیں۔

''بھئی ہمیں کیا پتہ تھا یہ بات ہے، ورنہ سنا دیتے ایک کہانی ایک لڑکی اور اُس کے ماموں زاد بھائی کی۔'' زہرہ نے کہا۔

''اور آخر میں شادی ہو جاتی دونوں کی۔''

ثریا اور زہرہ کے ساتھ منیرہ بھی ہنسنے لگی۔

دونوں چلی گئیں تو منیرہ سوچنے لگی۔

'کتنے اچھے مزاج کی لڑکیاں ہیں، اتنی ہنس مکھ اور باتونی کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوتا۔''

بعد دوپہر خرم واپس آئے اُس وقت تک منیر اور واسطی صاحب بھی آ چکے تھے۔ خرم کی وجہ سے کھانا نہیں کھایا تھا۔ خرم کے آتے ہی کھانا لگا دیا گیا۔ پوری میز طرح طرح کے کھانوں سے بھری ہوئی تھی۔

پورے وقت منی بیگم خرم کی خاطر میں لگی رہی زبانی بھی اور عملی طور پر بھی۔ واسطی صاحب بھی دھیمی آواز میں گفتگو کرتے رہے۔

خرم بہت تھک گئے تھے اس وجہ سے کھانا کھاتے ہی لیٹ گئے۔شام کو ہل پارک جانے کا پروگرام تھا یہ بات منی بیگم انھیں پہلے ہی بتا چکی تھیں۔

خرم کا خیال تھا کہ گھر کے سب ہی افراد ہل پارک گھومنے چلیں گے۔مگر منی بیگم نے گھریلو مصروفیات کا بہانہ کر دیا۔منیر نے صاف کہہ دیا کہ مجھے فزکس کا جرنل مکمل کرنا ہے میں اتنا وقت برباد نہیں کرسکتا۔منیرہ منہ بنا کر بیٹھ گئی،مگر اندرونی طور پر خوش تھی کہ اُسے اکیلے ہی خرم کے ساتھ گھومنے کو ملے گا۔بے وقوف یہ نہیں سمجھتی تھی کہ منی بیگم نے نہ جانے کا بہانہ ہی اسی لیے کیا تھا تا کہ منیرہ تنہا خرم کے ساتھ جائے۔غرض یہ کہ خرم،منیرہ اور وحید ہل پارک روانہ ہو گئے۔

شام کا وقت اور خوبصورت موسم۔پورا ہل پارک لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔خوبصورت بچے گھاس پر کھیلتے پھر رہے تھے۔کئی بندر والے ادھر سے اُدھر پھر رہے تھے کہ شاید کوئی بندر کا تماشہ دیکھنے پر راضی ہو جائے۔جگہ جگہ ہوٹل کھلے ہوئے تھے جہاں اونچی آواز میں ریکارڈ بج رہے تھے۔

خرم کو سیر وتفریح سے زیادہ دلچسپی نہ تھی وہ بھی اس طرح ایک لڑکی اور کمسن بچے کے ساتھ مگر پھوپھی کی مروت میں چلے آئے تھے۔طبیعت میں مروت بہت زیادہ تھی اس طرح ایک لڑکی اور کمسن بچے کے ساتھ مگر پھوپھی کی مروت میں چلے آئے تھے۔طبیعت میں مروت بہت زیادہ تھی اس وجہ سے انہوں نے منیرہ اور وحید کی خوب خاطر مدارات کی۔چاٹ اور کباب وغیرہ سے تواضع کی۔منیرہ بہت خوش ہوئی اور پورے وقت باتیں کر کر کے خرم کے کان کھاتی رہی۔جب گھوم پھر کر تھک گئے تو یہ لوگ ایک جگہ گھاس پر بیٹھ گئے۔

اچانک ہی منیرہ کی نظر دور بیٹھے ہوئے اکبر علی اور نگہت پر پڑی۔نگہت نے نقاب اُلٹا ہوا تھا۔دونوں بالکل نزدیک بیٹھے ہوئے تھے اور کسی بات پر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔

نگہت کو اپنے بہنوئی کے ساتھ اس طرح دیکھ کر منیرہ کو شاک سا پہنچا۔وہ مسلسل اُدھر ہی دیکھ رہی تھی۔فاصلہ خاصا تھا اُن لوگوں کی نظر ادھر نہیں تھی۔

''کسے دیکھ رہی ہو؟''خرم نے منیرہ کو اتنی محویت سے ایک جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ سامنے برقع میں جو لڑکی بیٹھی ہے نا۔''

''ہاں ہاں۔''

''وہ ہمارے اسکول میں پڑھتی ہے۔نگہت نام ہے اس کا۔اسی کو دیکھ رہی ہوں۔''

''اچھا تمہاری دوست ہے مل آؤ جا کر۔''

''نہیں میری دوست تو بالکل نہیں۔'' منیرہ نے کہا۔ ''بہت عجیب سی لڑکی ہے۔ یہ صاحب جو اس کے ساتھ بیٹھے ہنس بول رہے ہیں اس کے بڑے بہنوئی ہیں۔''

''تمہیں کیسے معلوم۔؟''

''میں ان سب کو جانتی ہوں دراصل ان صاحب کی چھوٹی بہن فخری میری سب سے عزیز ترین دوست ہے اسی وجہ سے مجھے ان لوگوں کو دیکھ کر افسوس ہو رہا ہے۔''

''قصور تو ان صاحب کا ہوا نا۔'' خرم نے کہا۔

''نگہت کا قصور زیادہ ہے!'' منیرہ نے کہا۔ ''وہ لڑکی ہے اُسے اپنی عزت کا خیال ہونا چاہیے اور پھر یہ شخص اس کا بہنوئی ہے اپنی بہن کا گھر اُجاڑتے اسے شرم نہیں آتی۔''

''واقعی۔ یہ تو بہت بری بات ہے کیا ان کے گھر والوں کو خبر نہیں۔''

''ممکن ہے سب خبر ہو۔ کم از کم فخری کو تو پتہ ہے مگر وہ لوگ کیا کر سکتے ہیں۔''

''اس لڑکی کی ماں سے کہا جائے تو معاملہ رک سکتا ہے۔''

''کون کہے گا اس کی ماں سے۔'' منیرہ نے کہا ''باپ زندہ نہیں ہیں۔ ماں بیمار رہتی ہیں۔ دو بھائی ہیں وہ بھی مصروف رہتے ہیں کوئی پرسانِ حال نہیں اکثر و بیشتر اپنی بہن کے گھر رہتی ہے جا کر بس وہیں سے چکر شروع ہو گیا۔''

''ہر قسم کے لوگ ہیں دنیا میں، ایک قسم ایسے لوگوں کی بھی ہے۔'' خرم نے کہا۔

''مجھے فخری پر ترس آتا ہے وہ بہت ہی اچھی لڑکی ہے آئیڈیل لڑکی۔ ہمیشہ کلاس میں فرسٹ آتی ہے۔ مگر قسمت خراب ہے گھر کے لوگ ایسے ہیں۔''

''ماں باپ کچھ نہیں کہتے؟''

''ماں باپ دونوں ختم ہو چکے ہیں بے چاری کے۔''

''تب ہی یہ حالات ہیں اکثر ماں باپ کے ختم ہو جانے سے اولاد بے راہ رو ہو جاتی ہے۔''

''نہیں ان کا تو پہلے بھی یہی حال تھا۔'' منیرہ نے کہا۔ ''ماں باپ اب ختم ہوئے ہیں۔ ہاں اب آزادی زیادہ مل گئی ہے جو جی میں آئے کریں کوئی پوچھنے والا نہیں۔''

ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اکبر علی اُٹھ کر گئے اور ہوٹل سے کھانے پینے کی چیزوں کا آرڈر دے کر آئے بیرا ٹرے میں سامان لے کر آ گیا۔ دونوں ہنس کر کھانے لگے۔

منیرہ سے یہ سب کچھ دیکھنا ناقابل برداشت ہوگیا۔

''آیئے خرم بھائی چلتے ہیں یہاں سے، میرا اس جگہ دل نہیں لگ رہا ہے۔''

خرم اُٹھ گئے۔ اب دیر بھی کافی ہوگئی تھی۔

وہ تینوں ٹیکسی میں بیٹھ کر گھر واپس آ گئے۔

آج پھر فخری کو دورہ پڑ گیا تھا۔ وہ زور زور سے چیخ رہی تھی۔ ہاتھ پاؤں پٹخ رہی تھی اُسے کسی پل قرار نہ تھا۔ اصغر علی کے ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔ فخری کی یہ بیماری اُس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

کوئی پانی پلانے کی کوشش کر رہا تھا تو کوئی ہاتھ پاؤں سہلا رہا تھا مگر فخری کی چیخیں کم نہ ہوتی تھیں۔

''ہوا کیا ہے فخری بولو تو سہی۔'' اصغر علی پوچھ رہا تھا۔

''ہائے میرا دل...... ہائے میرا دل......''

وہ دل کو زور زور سے مسل رہی تھی آنسو بہے چلے جا رہے تھے۔

کافی دیر چیخنے اور رونے کے بعد فخری کا دورہ ختم ہوا تو وہ نڈھال ہو کر بستر پر چت لیٹ گئی۔

اصغر علی نے غور سے اُس کا چہرہ دیکھا۔

اُس کی آنکھوں کے پپوٹے سوجے ہوئے تھے۔ اور آنسوؤں کی دھاریں خشک ہوگئی تھیں۔ جسم بالکل بے جان تھا۔

فخری کی حالت یقیناً تشویشناک تھی۔ اصغر علی نے بہت سوچا کوئی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔ ابھی کل رات تک اچھی بھلی تھی یہ صبح ہی صبح اچانک اُسے کیا ہوگیا۔

بستر پر پڑے پڑے فخری کی آنکھ لگ گئی۔ تانگے والا کب کا جا چکا تھا۔ آج اُس نے اسکول کی چھٹی کر دی اصغر علی بھی کالج نہ گئے۔ بہن کو اس حال میں چھوڑ کر کیسے جاتے۔ تقریباً دس بجے تک فخری سوتی رہی پھر اُس کی آنکھ کھلی تو سامنے چھوٹے بھیا کو بیٹھا ہوا دیکھا۔

''اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟'' چھوٹے بھیا نے فوراً ہی پوچھا۔

''ٹھیک ہوں بس کمزوری لگ رہی ہے۔'' فخری نے کہا۔ ''نگہت اسکول چلی گئی؟''

''ہاں نگہت گئی۔ تم سو رہی تھیں تانگہ والے سے کہہ دیا تھا میں نے کہ تمہاری طبیعت خراب

ہے۔''

فخری کسی سوچ میں پڑ گئی۔

''بڑے بھیا بھی دفتر گئے۔''

''ہاں وہ بھی چلے گئے۔'' اصغر علی نے کہا۔ ''تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''کچھ نہیں ایسے ہی۔''

پھر فخری نے اُٹھ کر منہ دھویا۔ اصغر علی نے چائے تیار کی۔ ریحانہ ناشتہ لے آئی۔ چھوٹے بھیا کے اصرار پر اس نے تھوڑا سا ناشتہ کیا اور چائے پی۔

''بھابی کا کیا حال ہے؟''

''ابھی بخار ہے۔'' اصغر علی نے کہا۔ ''میں نے انھیں دوا دے دی ہے۔ سو رہی ہیں اس وقت۔''

''بھابی بیمار ہیں بڑے بھیا کو دفتر نہیں جانا چاہیے تھا۔'' فخری نے یوں ہی کہہ دیا۔

''بھابی تو کئی روز سے بیمار ہیں، بھیا دفتر کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔'' اصغر علی نے کہا۔ فخری خاموش ہو گئی۔

''اچھا اب بات بتاؤ، ہوا کیا تھا جو تمہاری طبیعت خراب ہو گئی؟''

''کوئی بات نہیں چھوٹے بھیا۔''

''تم نے پھر جھوٹ بولا۔''

''ہاں اب میں نے جھوٹ بولنا شروع کر دیا ہے۔''

''کیوں؟''

''سچ بولنے کی اب مجھ میں سکت نہیں رہی ہے۔''

''پھر بھی بات کیا ہوئی؟''

''بس ایک بھیانک خواب دیکھا تھا رات۔ اُسی کے اثر سے میری یہ حالت ہو گئی چھوٹے بھیا۔ آپ فکر نہ کریں میں بہت جلد ٹھیک ہو جاؤں گی۔''

''پاگل ہو خواب دیکھ کر ڈر گئیں۔''

''میں سمجھی تھی یہ سب سچ ہے۔''

''بہر حال اب میں تم سے خواب نہیں پوچھوں گا اس لیے کہ بھیانک خوابوں کا نہ بیان کرنا

ہی اچھا ہوتا ہے۔''

اور فخری اپنے دل میں کہہ رہی تھی۔

''کاش وہ سب کچھ خواب ہی ہوتا جو میں نے اپنی جاگتی آنکھوں سے رات دیکھا تھا۔''

''اور میں بتاؤں گی بھی نہیں آپ کو۔'' فخری نے پھیکی مسکراہٹ سے کہا۔ ''میں اس خواب کو بھول جانا چاہتی ہوں۔''

''شاباش تم بہت اچھی لڑکی ہو۔ اب جلدی سے اپنے آپ کو ٹھیک کرو۔ دیکھو ایک دن اسکول ضائع ہو گیا امتحان سر پر ہے۔ خبردار جو اب کوئی خواب دیکھا ورنہ......''

اصغر علی نے مسکراتے ہوئے مکہ اُٹھایا۔ فخری بھی جبراً مسکرانے لگی۔

''اچھا تو اب میں چلوں تھوڑا سا پڑھ لوں تمہاری وجہ سے میں بھی کالج نہ گیا۔''

''ہاں جائیے آپ پڑھنے میں بھابی کو دیکھتی ہوں۔''

دونوں اپنی جگہ سے اُٹھ گئے۔

اصغر علی نے فزکس کی کتاب کھولتے ہوئے بہت دکھ سے سوچا۔

فخری تم یہ سمجھتی ہو کہ میں نے تمہاری خواب والی بات پر یقین کر لیا۔ نہیں میری بہن۔ میں اتنا احمق نہیں ہوں خدا کرے تم نے خواب ہی دیکھا ہو یا پھر وہ خواب اتنا بھیانک نہ ہو جتنا تم نے محسوس کیا تھا'

اور پھر بے دلی سے فزکس کے سوالات حل کرنے لگا۔

فخری نے بھابی کے کمرے میں جھانکا۔

بھابی اب جاگ رہی تھیں۔

''کیسی طبیعت ہے بھابی؟''

''کمزوری لگ رہی ہے پیاس بھی محسوس ہو رہی ہے۔''

فخری نے پانی پلایا۔ پھر ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بخار محسوس کیا۔

''ابھی بخار گیا نہیں۔''

''چلا جائے گا آہستہ آہستہ۔'' بھابی کی آواز بہت کمزور لگ رہی تھی۔

پچھلے پانچ دنوں سے بھابی کو ملیریا ہو گیا تھا اور وہ مستقل بیمار چل رہی تھیں۔ بہن کی بیماری کی خبر سنتے ہی نگہت ادھر شفٹ ہو گئی تھی اور حسب عادت گھر بار سنبھال لیا تھا۔

نکہت کی آمد اور رہائش کے اب سب عادی ہو گئے تھے اس لیے یہ کوئی خاص بات نہ لگتی تھی۔ نکہت، فخری کے برابر والے پلنگ پر سوتی تھی۔

رات بہت عجیب سی بات ہوئی۔

فخری کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ آنکھیں موندے جاگ رہی تھی۔ رات کے دو یا ڈھائی بجے ہوں گے۔ اچانک نکہت آہستہ سے اٹھی اور بغیر آواز کئے بڑے بھیا کے کمرے میں داخل ہو گئی۔ فخری نے تھوڑی سی آنکھ کھول کر دیکھا بھیا اندر سے دروازہ بند کر رہے تھے۔

اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

پانچ منٹ تک وہ بے حس و حرکت بستر میں پڑی رہی۔ پھر آہستہ سے اُٹھ کر باتھ روم جانے کے بہانے باہر نکلی۔ برآمدے میں بچھے ہوئے تخت پر مسرت بھابی بے خبر پڑی سو رہی تھیں۔ گود کا بچہ بھی بے سدھ سویا ہوا تھا۔

اُس کی ٹانگیں ڈگمگانے لگیں۔

وہ جس طرح گئی تھی اُسی طرح اپنے بستر میں آ کر ڈھیر ہو گئی۔ ہاتھ پاؤں سن ہو گئے۔ یوں لگتا تھا کوئی جسم کی جان نوچے لے رہا ہے۔ دل بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو اُس کے جاگنے کا علم ہو جائے۔ اس لئے دانت مضبوطی سے جمائے آنکھیں موندے چپ چاپ پڑی تھی۔ ذرا دیر بعد نکہت بڑے بھیا کے کمرے سے برآمد ہوئی اور آہستہ سے اپنے پلنگ پر لیٹ کر بے خبر سو گئی۔ اُس کے خراٹے پورے کمرے میں شور مچا رہے تھے مگر فخری کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہونے لگی تھی۔

اُس کا جی متلا رہا تھا۔

اچانک اُسے بڑے زور کی الٹی آئی اور وہ آنگن میں نل کے پاس بیٹھ کر اُلٹی کرنے لگی۔

سب بے خبر سو رہے تھے۔ کسی کو اُس کی حالت کی خبر نہ تھی۔ صبح ہونے تک اُسے تین الٹیاں ہو چکی تھیں اور پھر اسکول جانا ہوتا تھا۔

صبح سویرے حسب عادت نکہت جاگ گئی۔ کیونکہ اُسے ناشتہ تیار کرنا، دوپہر کی ہانڈی روٹی پکانا اور پھر اسکول جانا ہوتا تھا۔

وہ اٹھی تو دیکھا فخری نل کے پاس بیٹھی الٹی کر رہی ہے۔

''ارے تمہیں کیا ہوا فخری۔'' وہ اپنائیت سے آگے بڑھی۔ ''کب سے طبیعت خراب ہے۔

رات تو اچھی بھلی تھیں۔"

"ابھی ابھی خراب ہوئی ہے۔" اُس نے بہ مشکل جواب دیا۔

فخری الٹی کر کے دوبارہ بستر پر آکر لیٹ گئی۔ اچانک اُسے رونا آنے لگا۔

نگہت اُس کے پاس آگئی۔

"رو کیوں رہی ہو فخری۔ طبیعت خراب تھی تو مجھ سے کہا ہوتا۔" نگہت نے اپنائیت سے اُس کا سر دبانے کی کوشش کی تو اچانک فخری کو جیسے کرنٹ سا لگ گیا۔

اُس نے نگہت کا ہاتھ جھٹک دیا اور زور سے چلانے لگی۔ ذرا سی دیر میں سب لوگ جمع ہو گئے۔

بڑے بھیا، چھوٹے بھیا، ریحانہ یہاں تک کہ مسرت بھابی بھی بخار کے باوجود آہٹ سے اُٹھ کر آگئیں۔

بھابی کو دیکھ کر فخری کا درد شدید ہو گیا۔ یہاں تک کہ سب کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

کسی کو اس کی طبیعت کی خرابی کی وجہ معلوم نہ تھی۔ پھر رفتہ رفتہ سب کچھ نارمل ہو گیا۔

کئی گھنٹے کی نیند لے لینے سے فخری کی حالت قدرے بہتر تھی اور اب وہ بھابی کے پاس کھڑی اُن کا احوال پوچھ رہی تھی۔

بھابی بہت کمزور ہو گئی تھیں۔ بخار نے انھیں توڑ کر رکھ دیا تھا۔

"آپ جلدی سے اچھی ہو جایئے بھابی۔" فخری اُن کے پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"تم بھی ڈاکٹر کو دکھا لو فخری۔" بھابی نے کہا "روز روز کی بیماری اچھی نہیں ہوتی۔"

فخری نے جواب میں کچھ نہ کہا۔

اچانک ننھی بچی جاگ گئی۔ وہ زور زور سے شور مچانے لگی۔

ریحانہ اب کافی سمجھ دار تھی اور ننھی کو سنبھال لیتی تھی۔ اُس نے لپک کر ننھی کو گود میں دبوچ لیا۔ بھابی نے دوسری جانب کروٹ لی۔ فخری اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

پیر کی صبح جب منیرہ اور فخری آپس میں ملیں تو منیرہ کے پاس اُسے بتانے کو بے شمار باتیں تھیں اور فخری کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ مگر فخری اپنا دکھ اپنا غم اُس پر ظاہر نہ کر سکتی تھی۔ اس لیے ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے اُس سے تین دنوں کی روئیداد پوچھ رہی تھی۔

اور منیرہ، خرم کی باتیں کرتی تھکتی نہ تھی۔

''اللہ اتنے ہینڈسم ہیں۔ اتنے پیارے، بالکل فلمی ہیرو کی طرح۔ فخری انھیں دیکھ کر تو بس مر جانے کو دل چاہتا ہے۔''

''پاگل ہو تم تو۔'' فخری نے کہا۔ ''بس خوبصورتی ہی کے گن گاتی رہو گی یا کچھ کام کی بات بھی بتاؤ گی۔''

''بھئی اُن سے خوب باتیں کیں۔ سیر تفریح کی۔ شادی بیاہ تک کے موضوع پر بات ہوگئی اور کیا چاہیے۔''

''اچھا کیا بات ہوئی۔'' فخری نے اشتیاق سے پوچھا۔

''بس جی وہ کہتے تھے کہ میں تو ایسی لڑکی سے شادی کروں گا جو برقع پہنتی ہو جس کے بال نہ کٹے ہوئے ہوں وغیرہ وغیرہ...... اب تم خود سمجھ لو ان کی باتوں کا مطلب۔'' منیرہ نے خوش ہو کر کہا۔

''تو یہ بات ہے۔'' فخری نے کہا۔ ''پھر تو بات پکی ہی سمجھو۔''

''خدا تمہاری زبان مبارک کرے۔''

''لڑکی بھی راضی اور لڑکا بھی راضی تو کیا کرے گا بے چارا قاضی۔'' فخری نے ہنس کر کہا۔

''اب تو تمہارے بھی پر نکلتے آ رہے ہیں۔''

''تمہاری صحبت کا کچھ نہ کچھ اثر تو ہونا ہی تھا نا۔''

''اچھا فخری تم بتاؤ۔ کیا کرتی رہیں اتنے دن۔ تم بھی ہفتہ کو اسکول نہیں آئی تھیں۔''

''ہاں میں بیمار ہوگئی تھی۔''

''بہت زیادہ پڑھنے لگی ہو۔ ضرورت سے زیادہ محنت کرو گی تو بیمار نہیں پڑو گی تو پھر کیا ہوگا۔''

''یوں ہی سمجھ لو۔ امتحان نزدیک ہیں نا۔'' فخری اس بات کی نفی کرنا نہیں چاہتی تھی۔

''تمہاری نگہت بیگم گئیں اپنے گھر؟''

''ہاں کل اتوار کو چلی گئی تھیں۔''

''عجیب لڑکی ہے تم صاف منع کر دو یہ تمہارے گھر نہ رہا کرے جا کر۔''

''تمہیں کیا تکلیف ہے اس کے میرے گھر رہنے سے۔'' فخری نے مسکرا کر کہا۔

''میں تم سے سیریسلی کہہ رہی ہوں فخری، اس لڑکی کی انٹری بند کر دو۔ ورنہ ایک دن پچھتاؤ

گے تم لوگ۔''

''آخر ہوا کیا ہے تم بہت جوش میں ہو آج۔''

''سچ مچ مجھے بہت غصہ آ رہا ہے نگہت پر۔''

''مگر بات بھی تو معلوم ہو۔''

''پتہ ہے ہفتہ کی شام کو ہم لوگ ہل پارک گئے تھے خرم بھائی کے ساتھ۔ دیکھا تو نگہت بیٹھی تھی۔ سامنے تمہارے بڑے بھیا سے اٹھکیلیاں کر رہی تھی۔''

''اچھا۔؟''

''اور کیا۔ تم لوگ اتنے سیدھے ہو کسی بات کی خبر ہی نہیں تمہیں۔''

فخری کا چہرہ تاریک ہو گیا۔

اب وہ کیسے منیرہ کو بتاتی کہ وہ اسی آگ میں جل رہی ہے۔ نگہت کی لگائی ہوئی آگ میں اور وہ وقت دور نہیں جب اس آگ کے شعلے بھڑک کر پورے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے، یہ بات ہم سب جانتے ہیں مگر مجبور ہیں۔ بے بس ہیں کچھ کر نہیں سکتے۔ بدی کے بیج کو اکھاڑ کر پھینک دینا آسان ہے مگر جب یہی بیج اُگ کر بڑا ہو کر تناور درخت کی شکل اختیار کر لے تو اس کا ہلانا بھی دُشوار ہے۔

''تم کیا سوچنے لگیں؟''۔ مُنیرہ نے اُسے خاموش دیکھ کر پوچھا۔

''سوچوں گی کیا میرے پاس سوچنے کے لیے رکھا ہی کیا ہے۔''

''تم بھابی سے بات کرو۔''

''کوئی فائدہ نہیں اُن سے بات کرنے کا۔''

''پھر ہو گا کیا یہ بھی سوچا ہے تم نے۔''

''نہیں میں نے کچھ نہیں سوچا۔ میں کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتی۔''

''اس طرح تو تم سب کی بدنامی ہو گی۔''

''میں بدنامی سے نہیں ڈرتی۔ میں کسی چیز سے نہیں ڈرتی۔ میں صرف اپنے متعلق سوچ سکتی ہوں بس یہی کافی ہے مجھے دوسروں سے کوئی مطلب نہیں رکھنا چاہیے۔ جو جس کا دل چاہیے وہ کرے۔''

''مجھے تو اس لڑکی سے نفرت ہو گئی ہے آئندہ میں اس سے بات بھی نہ کروں گی۔ خدا جانے

کیسے پروموٹ ہوگئی ہے دسویں میں۔''منیرہ نے جل کر کہا۔

فخری خاموش رہی۔

''اچھا یہ بتاؤ آئندہ نگہت کا کیا پروگرام ہے کالج میں داخلہ لے گی؟''

''ہاں کہہ تو رہی تھیں۔''

''پھر ٹھیک ہے۔اول تو اس کا پاس ہونا ہی دشوار ہے اور اگر تھرڈ ڈویژن میں پاس ہو بھی گئی تو تمہارے ساتھ کسی اچھے کالج میں داخلہ ملنا ناممکن ہے اس طرح تمہارے ساتھ پڑھنے جانے کا بہانہ ختم ہو جائے گا اور تمہارے گھر رہائش بھی بند۔''

''تم بہت دور کی باتیں سوچ رہی ہو۔''

''ایک بات ذہن میں آئی تھی سو کہہ دی۔''منیرہ نے کہا۔

''اچھا اب بند کرو یہ ٹاپک۔تم نے بور کر دیا۔آؤ روبینہ آپا کے پاس چلتے ہیں انھوں نے کہا تھا خالی وقت میں آنا کوئی کام ہے ہم لوگوں سے۔''

روبینہ آپا کا نام سن کر منیرہ کے چہرے پر گلاب کے پھول کھل گئے۔آج بھی ان کی ویسی ہی پرستار تھی جیسی آٹھویں کلاس میں ہوا کرتی تھی۔

''چلو۔اس وقت ہم بھی فری ہیں۔وہ بھی فری ہوں گی۔''منیرہ نے کہا۔

دونوں کتابیں سنبھالتی اسٹاف روم کی طرف روانہ ہوگئیں۔

مسرت بھابی کی طبیعت اب ٹھیک تھی۔گھر کے حالات قطعی نارمل تھے۔امتحانات چونکہ بالکل نزدیک تھے اس وجہ سے فخری سب کچھ بھول کر پڑھائی میں لگی ہوئی تھی۔نگہت بھی اس کے بعد رہنے نہ آئی تھی۔پہلے فخری کو یہ دھڑکا تھا کہ کہیں ساتھ امتحان دینے کے چکر میں نگہت نہ آجائے مگر اس کا اندیشہ بے بنیاد نکلا۔

نگہت نہیں آئی۔

فخری اب پرسکون تھی۔اس نے بہت اچھی طرح سے میٹرک کا امتحان دیا۔اس کے پرچے بہت اچھے ہوگئے منیرہ کے پرچے بھی خاصے اچھے تھے۔اُس نے اس سال ہمیشہ سے زیادہ محنت کی تھی۔اب ان سب کی لمبی چھٹیاں تھیں۔

کچھ ہی دنوں بعد اصغر علی بھی اپنے انٹر سائنس کے امتحانات سے فارغ ہوگئے۔اُن کے

پرچے بھی اُمید سے زیادہ اچھے ہو گئے تھے۔ایک دن منیر بھیا، منیرہ کا پرچہ لے کر آئے اُس نے لکھا تھا۔

''پیاری فخری!

ہم سب لوگ تین روز بعد ڈیرہ جا رہے ہیں۔کل تم سارے دن کے لیے آ جاؤ دل بھر کر باتیں کریں گے پھر تو بہت عرصہ بعد ملاقات ہوگی۔چھوٹے بھیا سے کہنا وہ چھوڑ جائیں گے۔فقط تمہاری دوست میری۔''

فخری نے خط چھوٹے بھیا کو دکھلا دیا۔

چھوٹے بھیا نے وعدہ کیا کہ وہ کل صبح فخری کو منیرہ کے گھر پہنچا دیں گے۔فخری خوش ہو گئی۔ کچھ دیر تک منیر بھیا اور چھوٹے بھیا باتیں کرتے رہے۔پھر فخری کی آمد کا پیغام لے کر منیر بھیا رخصت ہو گئے۔

دوسرے روز دس بجے چھوٹے بھیا، فخری کو منیرہ کے گھر چھوڑ آئے۔

آج منی بیگم دونوں چھوٹے بچوں کو لے کر اپنی ایک دوست کے گھر گئی ہوئی تھیں۔منیر بھیا بھی گھومنے چلے گئے واسطی صاحب دفتر میں تھے۔دونوں سہیلیاں گھر میں اکیلی تھیں۔آج ایک مدت کے بعد فخری خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ایک تو یہ کہ امتحانات بہت اچھی طرح سے ختم ہو گئے تھے۔دوسرے گھر میں بھی فضا پرسکون تھی۔آج منیرہ کے گھر میں بھی کسی تکلف کی فضا نہ تھی دونوں اکیلی تھیں اس لیے خوب زور شور سے باتیں ہو رہی تھیں۔منیرہ نے ریکارڈ پلیئر نکال کر پرانے گیت بجانے شروع کر دیئے تھے۔

تھوڑے سے گیت سن کر فخری نے ریکارڈ بند کر دیا۔

''گیت تو بعد میں بھی سنے جا سکتے ہیں تم ڈیرہ کی باتیں کرو۔'' فخری نے اطمینان سے ٹانگیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

''میں کبھی وہاں گئی ہی نہیں ابھی سے کیا باتیں کروں جب واپس آؤں گی تب باتیں کروں گی وہاں کی۔''

''کیا کیا تیاری کر لی؟''

''سب کچھ امی ہی نے تیاری کی ہے۔ماموں جان، ممانی جان خرم بھائی اور شاہدہ کے لیے تحائف وغیرہ۔کچھ ہم لوگوں نے اپنے کپڑے بنوا لیے ہیں۔بس اور کیا تیاری ہوتی۔''

''کتنا عرصہ رہنے کا ارادہ ہے۔''

''دو ماہ''

''خوب عیش کرو گی۔''

''پتہ نہیں مجھے تو یہ سب کچھ خواب سا لگ رہا ہے۔''

''کبھی کبھی تو رشک آتا ہے تمہارے اوپر منیرہ۔''

''مجھے خود بھی اپنے اوپر رشک ہی کرنا چاہیے۔''

''اگر تمہاری شادی ہوگئی تو پھر آگے کس طرح پڑھو گی۔'' فخری نے پوچھا۔

''میں پڑھوں گی ضرور۔ یہ تو طے ہے۔ شادی اپنی جگہ۔ پڑھائی اپنی جگہ۔''

''ڈیرہ میں رل کر تم کس طرح پڑھو گی؟''

''ہاسٹل میں رہ کر۔''

''خرم بھائی تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔''

''یہ سب بعد کی باتیں ہیں پہلے ہو تو شادی۔'' منیرہ نے کہا ''ویسے تمہاری کیا رائے ہے۔ اگر شادی ہو جائے تو مجھے پڑھائی چھوڑ دینا چاہیے۔''

''پتہ نہیں۔ یہ تو حالات پر منحصر ہے۔ ویسے میں خود پڑھائی کے بہت زیادہ حق میں ہوں۔'' فخری نے کہا۔

''فخری میں بہت زیادہ پڑھنا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ خرم بھائی سے شادی ہو جائے تو بھی میں پڑھتی رہوں اور پھر ہم دونوں مل کر بھی تو پڑھ سکتے ہیں۔''

''ضروری نہیں کہ وہ پڑھائی کے بہت زیادہ حق میں ہوں۔''

''آج کا دور مشینی دور ہے۔ یہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے فخری۔ ہمیں اپنی صلاحیتیں ضائع نہیں کرنی چاہئیں۔ خرم بھائی کے نظریات اگر مختلف ہوئے تو میں انھیں تبدیل کر سکتی ہوں۔''

''بہتر ہے کہ تم پہلے ہی اُن کے خیالات معلوم کر لینا۔''

''ظاہر ہے۔ وہ تو ہو گا ہی۔ خیالات میں اختلاف ہو تو زندگی گزارنا دشوار ہو جاتا ہے لیکن فخری ہم بھی کتنی پاگل لڑکیاں ہیں ابھی نہ کوئی بات نہ چیت اور ہم اتنی آگے کی باتیں سوچنے بیٹھ گئے۔''

''تمہاری امی تو اس سلسلے میں خاصی سیریس معلوم ہوتی ہیں۔ پھر تمہاری بھی مرضی ہے خرم

بھائی شاید ہی انکار کریں۔''

''اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔'' منیرہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''خط تو لکھو گی نا؟'' فخری نے پوچھا۔

''میں تو لکھوں گی مگر تم شاید ہی جواب دو۔''

''اگر کوئی ابنارمل بات نہ ہوئی تو ظاہر ہے جواب دوں گی۔''

''فخری تمہارا ایسا کوئی کزن نہیں ہے میرا مطلب ہے تمہارے جوڑ کا جہاں تمہاری شادی ہو سکے۔''

اچانک منیرہ نے پوچھا تو فخری کی نگاہوں کے سامنے منصور کا دھندلا سایہ لہرا گیا۔

وہ تصور کی نگاہوں سے منصور کو دولہا بنا دیکھنے لگی۔

اُس کا دل چاہا وہ منصور کے بارے میں سب کچھ بتا دے۔ اپنے ذہن کے بند دریچوں کو کھول دے۔ منیرہ کے سامنے اپنے جذبات بیان کر دے۔

منصور کی باتیں کرے۔

وہ منصور کی دلہن تھی۔ منصور اُس کے مجازی خدا تھے مگر اُسے اُن کے متعلق کچھ خبر نہ تھی۔ اب تو ایک مدت سے چھوٹی خالہ کا خط بھی نہیں آیا تھا۔

فخری کو خیالوں میں کھویا دیکھ کر منیرہ نے پوچھا۔

''کہاں پہنچ گئیں۔ میری بات کا جواب نہیں دیا۔''

فخری کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کیا جواب دوں تمہاری بات کا؟''

''کوئی تو ہوگا تمہارے خاندان میں تمہارے جوڑ کا۔''

''ہاں کیوں نہیں بہت سے رشتے دار ہیں مگر میں کسی کے جوڑ کی نہیں ہوں۔''

''یہ کیا بات ہوئی؟''

''یہی بات تو ہے منیرہ۔ مراد آباد میں بابا کی پوزیشن تھی۔ پورے خاندان میں ہمارے گھرانے کا رعب تھا۔ یہاں آ کر حالات بدل گئے۔ ہندوستان میں جو رشتے دار بہت معمولی حیثیتوں میں زندگی گزار رہے تھے۔ پاکستان آ کر بن گئے اور وہ لاکھوں میں کھیل رہے ہیں۔ پیسہ کو پیسہ کھینچتا ہے منیر، ہم لوگوں کے پاس اب کیا رکھا ہے تم تو جانتی ہو ہمارے گھرانے کے

حالات۔''

''لیکن تم تو اتنی اچھی ہو فخری۔کوئی بھی شخص تمہیں اپنا ساتھی بنا کر اپنے اوپر فخر کر سکتا ہے۔''

''یہ تمہاری سوچ ہے۔دنیا کو اپنی نظر سے دیکھو۔کسی کو نہ مجھ سے غرض ہے نہ میرے حالات کا علم۔لوگ میرے گردوپیش کو دیکھیں گے بلکہ دیکھ رہے ہیں اور اسی معیار پر پرکھ رہے ہیں اس لیے تمہارا سوال میرے لیے بالکل بے معنی ہو جاتا ہے۔''

''لیکن حالات ہمیشہ یکساں تو نہیں رہتے۔'' منیرہ نے کہا۔''چند سالوں کی بات ہے تمہارے چھوٹے بھیا انجینئر بن جائیں گے اور پھر تم ڈاکٹر۔اس کے بعد لوگ اپنی سوچ بدلنے پر مجبور ہو جائیں گے۔''

''ممکن ہے ایسا ہی ہو مگر فی الحال یہ بہت دور کی بات ہے۔''

''نہیں فخری میرا دل گواہی دیتا ہے تم بہت شاندار زندگی گزارو گی۔''

''شاید ایسا ہی ہو۔'' فخری پھر منصور کے پاس پہنچ گئی تھی۔''پتہ نہیں اتنے برسوں میں حالات کون سا رخ اختیار کریں۔کیا پتہ منصور نے کبھی میرے متعلق سوچا بھی نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ آئندہ کے لیے کسی اور ساتھی کا انتخاب کر چکے ہوں پھر میں کیا کروں گی۔کیا منصور مجھے طلاق دے دیں گے۔نہیں۔ایسا نہیں ہو سکتا میں بے قصور ہوں۔میرے ناکردہ گناہوں کی سزا مجھے نہیں دے سکتے۔انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا۔'

فخری اپنے خیالوں میں گم بیٹھی تھی۔منیرہ چائے بنانے چلی گئی تھی۔

ذرا سی دیر میں منیرہ چائے کی ٹرے لے آئی۔

فخری اپنے تصورات سے پلٹ آئی۔

دونوں خاموشی سے چائے پینے لگیں۔

تب ہی فخری کو ثریا اور زہرہ کا خیال آ گیا۔وہ ان کی خیریت پوچھنے لگی۔منیرہ نے بتایا۔

''وہ لوگ اکثر یہاں آتی ہیں اور تمہیں بھی پوچھتی ہیں۔''

''میرا بھی جی چاہتا ہے کہ ان لوگوں سے ملوں۔'' فخری نے کہا۔''مجھے ثریا باجی زیادہ اچھی لگتی ہیں۔''

''ثریا باجی واقعی بہت اچھی ہیں۔زہرہ باجی بھی اچھی ہیں۔مگر پیر جی کے بارے میں عجیب وغریب باتیں سننے میں آ رہی ہیں۔''

''کون پیر جی؟''

''ثریا باجی کے والد۔''

''کس قسم کی باتیں۔''

''سنا ہے کسی عورت سے چکر چل رہا ہے ان کا۔ لوگ کہتے ہیں عنقریب وہ اس عورت سے نکاح کرنے والے ہیں۔''

''کیا واقعی اس نیچر کے ہیں؟''

''پتہ نہیں فخری۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آتا ایسی باتوں کا مگر منیر بھیا خود کہہ رہے تھے پیر جی کچھ اچھے آدمی نہیں ہیں۔''

''مگر تم تو ان کی بڑی تعریف کرتی تھیں۔''

''مجھے کیا خبر۔ میں بھی گئی۔ بیٹی بیٹی کہہ کر بات کی۔ نگاہیں نیچی کر کے الگ کھڑے ہو گئے۔ داڑھی ہے' کاکلیں ہیں' لوگ تعویذ وغیرہ بھی لے جاتے ہیں۔ بہت سے عقیدت مند بھی ہیں۔ مگر اب ایسی باتیں سننے میں آ رہی ہیں۔''

''میں تو کبھی بھی اس قسم کے پیروں فقیروں پر یقین نہیں رکھتی۔'' فخری نے کہا۔

''واقعی اگر ان کے متعلق خبریں سچی ہیں تو ایسے تو پیروں سے ہم جیسے گنہگار ہی بھلے۔''

''اس قسم کے لوگ داڑھی کی آڑ لے کر بڑے سے بڑا گناہ کر بیٹھتے ہیں بلکہ داڑھی رکھتے ہی اس لیے ہیں کہ گناہوں پر پردہ پڑا رہے اور پیر جی کا لیبل لگا کر لوگوں کے اعتماد کو دھوکا دیتے ہیں۔ اپنے مذہب کو بدنام کرتے ہیں اپنی قوم اور ملک کے لیے ایک بدنما داغ ہیں ایسے لوگوں کو عبرتناک سزائیں ملنی چاہیں۔'' فخری نے جوش سے کہا۔

''جب سے یہ افواہیں سنی ہیں ان کے گھر نہیں گئی حالانکہ آنٹی بے چاری بہت اچھی ہیں۔ ان کی وجہ سے میں ایک آدھ بار گئی مگر اب ابو اور منیر بھیا نے منع کر دیا ہے اور میں خود بھی ڈر سی گئی ہوں۔''

''کیا باقاعدہ تعویذ وغیرہ کرتے ہیں۔'' فخری نے پوچھا۔

''ہاں سنا ہے عورتوں کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ انہی عورتوں میں سے کسی عورت کے ساتھ چکر چلا۔ مجھے تو کچھ ٹھیک سے معلوم بھی نہیں' ابو اس قسم کی باتیں ہم لوگوں کے سامنے نہیں کرتے ہیں۔''

''کمال ہے لڑکیاں تو اتنی اچھی سی ہیں اور ابا جان کے یہ کرتوت۔''

''مجھے خود ترس آتا ہے ثریا باجی اور زہرہ باجی پر۔''

''اور پیر جی کی بیوی پر ترس نہیں آتا؟''

''واقعی وہ تو قابل رحم ہیں۔'' منیرہ نے کہا۔ ''اب بڑھاپے میں یہ تماشے دیکھیں گی۔''

کافی دیر تک دونوں باتیں کرتی رہیں۔ دوپہر ہوگئی تو منی بیگم واپس آ گئیں اور منیر بھیا بھی آ گئے۔

کھانا کھا کر سب آرام کرنے لیٹ گئے۔ دو روز بعد منیرہ کی ڈیرہ غازی خاں روانگی تھی۔ ان چھٹیوں میں ان دونوں کی یہ آخری ملاقات تھی۔ اس وجہ سے خوب دل بھر کر باتیں ہوئیں۔ شام کو اصغر علی آ کر بہن کو لے گئے۔

''ارے بیوی...... او بیوی۔'' سید جمال الدین ٹیلیگرام ہاتھوں میں پکڑے گھر میں داخل ہوئے۔

''کیا بات ہے؟'' ان کی بیوی صابرہ خاتون نے گھبرا کر میاں کی طرف دیکھا۔

''بھئی منی کا تار آیا ہے۔ وہ لوگ پرسوں پہنچ رہے ہیں۔''

''مبارک ہو۔ اتنے برسوں بعد تمہاری بہن آ رہی ہیں۔'' صابرہ خاتون نے مسکرا کر کہا۔

''یہ لوگ اوپر کی منزل میں رہ لیں گے۔ خرم سے کہو اتنے دنوں کے لیے نیچے سو جایا کریں گے۔''

''خرم سے میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تمہاری پھوپھی آنے والی ہیں وہ بے چارا خود ہی کہہ رہا تھا کہ میں اپنا کمرہ خالی کر دوں گا۔''

''پورے چھ آدمیوں کا انتظام کرنا ہوگا یہ سوچ لو۔'' جمال صاحب نے کہا۔

''ارے تو کیا ہے۔ چھ آدمی کون سے زیادہ ہوئے۔ یہاں اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ تم تو ابھی سے ہولے جا رہے ہو۔''

''ہول کہاں رہا ہوں ایک بات کہی ہے تم سے۔''

''بات ہمیں بھی معلوم ہے۔ کب سے بے چاری آنا چاہ رہی ہے۔ جب کبھی ملی۔ ''بھابی بھابی'' کہتے منہ سوکھتا تھا۔''

''ہاں یہ ہے تو منی بہت چاہتی ہے ہم سب کو۔'' جمال صاحب نے کہا۔ ''پھول بیگم میں یہ بات نہیں ہے۔''

''اے ان کی نہ کہو'' صابرہ خاتون نے کہا۔ ''وہ بالکل دوسرے مزاج کی ہیں۔ کہاں منی بیگم اور کہاں پھول بیگم۔ کہنے کو تو دونوں بہنیں ہیں مگر مزاجوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔''

''پھول بیگم کے اوپر سسرال کا اثر زیادہ ہے۔'' جمال صاحب نے بہن کی حمایت لیتے ہوئے کہا۔

''خیر یہ تو نہ کہو'' صابرہ خاتون نے چھالیہ پھانکتے ہوئے کہا۔ ''تمہارے گھر میں کون سی آزادی تھی......

سارے علی گڑھ میں تمہارا گھرانہ مشہور تھا۔ جیسی تربیت دی گئی ویسی لڑکیاں بن گئیں۔ منی بیگم کی شادی اتفاق سے ایسے گھرانے میں ہوگئی کہ وہ سدھر گئیں۔ پھول بیگم کی شادی سونے پر سہاگے کا کام کرگئی۔ وہ بالکل ہی انگریز بن گئیں۔''

''تم سے تو کوئی بات کرنا غضب ہو جاتا ہے فوراً کھری کھری سنانے بیٹھ جاتی ہو۔''

''تم کیوں برا مان گئے۔ جو سچ بات تھی وہ کہہ دی۔ بے حد آزادی تھی تمہارے گھر میں۔ ایک تم ہی ہو پرانے طرز کے......''

''اچھا تو تمہیں اس پر بھی اعتراض ہے کہ ہم آزاد خیال نہیں ہیں۔''

''یہ میں نے کب کہا۔'' صابرہ خاتون نے کہا۔ ''مجھے خود آزادی پسند نہیں۔ اور تم نے بھی اسی وجہ سے ہمارے گھرانے میں شادی کی کہ ہمارے یہاں پردے کا بہت رواج تھا۔''

''اچھا خیر اب تو یہ برسوں پرانی بات ہوگئی۔ بات منی کی ہو رہی تھی کہ ان لوگوں کے لیے کمرے ٹھیک کرواور تم گڑے مردے اکھاڑنے بیٹھ گئیں۔''

''اے لو میں نے کچھ کہا بھی نہیں، تم ہی لڑنے بیٹھ گئے۔''

''ارے نیک بخت کبھی تو خوش ہو لینے دیا کرو۔ ہر وقت کی بک بک جھک جھک۔''

''خوب خوش ہو کس نے منع کیا ہے مجھے کیا ضرورت ہے کسی بات میں بولنے کی۔''

ابھی یہ نوک جھونک چل رہی تھی کہ خرم آگئے۔

''کیا بات ہے امی کس بات پر معرکہ ہو رہا ہے؟''

''اے بیٹا کوئی بات نہ چیت تمہارے باپ کی تو عادت ہے الٹی سیدھی ہانکنے کی۔'' امی نے

کہا۔

''پھر بھی ٹاپک کیا تھا؟''

''بات یہ ہے کہ تمہاری منی پھوپھو آ رہی ہیں پرسوں' بس یہ جل گئیں سن کر۔'' ابا نے چھیڑنے کو کہا۔

''میں کیوں جاتی۔'' امی نے بگڑ کر کہا۔ ''میں کیا دیوانی ہوں۔ منی بے چاری اس قدر محبت کرتی ہے۔ پورے سسرال میں ایک وہی تو ہے جو رشتے کو نبھاتی ہے ورنہ میں تو جب سے بیاہ کر آئی تمہارے گھرانے میں سگے سوتیلے ہی کا چرچا دیکھا۔''

''وہ سب باتیں والدہ صاحبہ کی زندگی تک تھیں اب نہ وہ زندہ ہیں نہ والد صاحب۔ اب کیسا سگا اور کہاں کا سوتیلا۔'' ابا نے بات ختم کرنے کی غرض سے کہا۔

''ہم لوگوں نے تو اپنی طرف سے ہمیشہ یہی سوچا مگر دوسرے بھی تو یہی سوچیں۔'' امی نے جواب دے ہی دیا۔

''ارے تو کون تمہیں سوتیلا کہہ رہا ہے۔'' ابا نے بگڑ کر کہا۔ ''خواہ مخواہ بحث نکال لیتی ہو تمہاری عادت ہے۔'' یہ کہہ کر وہ باہر چلے گئے۔

''کیا مجال ہے ان کے خاندان والوں کو کوئی کچھ کہہ تو دے۔'' امی نے خرم سے کہا۔ ''فوراً بگڑ جاتے ہیں۔ ساری عمر بے چارے محبت کو ترستے رہے خود سب کی محبت میں جیب خالی کرتے رہے مگر بدلے میں محبت کے دو بول نہ ملے بس اسی لیے یہ حالت ہوگئی ہے۔''

''خیر چھوڑیئے امی اس ٹاپک کو۔'' خرم نے کہا۔ ''میں اور شاہدہ مل کر اوپر کا حصہ ٹھیک کر لیں گے میں کراچی گیا تو منی پھپھو نے بہت خاطر کی تھی ان لوگوں کو بھی کسی کمی کا احساس نہیں ہونا چاہیے۔''

''ارے بیٹا۔ ساری عمر گزر گئی سسرال والوں کی خاطر مدارات کرتے۔ اب تم کیا سبق پڑھاؤ گے۔''

اتنے میں شاہدہ بھی آ گئی۔

خرم اور شاہدہ کو باتیں کرتے دیکھ کر امی دوسری طرف چلی گئیں۔ انہیں اپنے کچھ بھولے ہوئے کام یاد آ گئے تھے۔

.......❖.......

منی بیگم کی فیملی کو ڈیرہ میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ کئی برسوں بعد بھائی بہن آپس میں ملے تھے۔ منی بیگم بھائی بھاوج کے سامنے بچھی جارہی تھیں۔ جمال صاحب کا یہ حال' خوشی بدن سے پھوٹی پڑ رہی ہے۔ کبھی منی بیگم کو چھیڑتے' کبھی بہنوئی سے مذاق کرتے۔ منیر اور منیرہ دونوں ہر وقت ماموں جان کے پاس گھسے رہتے۔ دنیا بھر کی باتیں ہورہی ہیں۔ پرانے قصے سنائے جارہے ہیں۔ ہندوستان کے زمانے کی خوبصورت یادیں دہرائی جارہی ہیں۔ اور منی بیگم کے قہقہے پورے گھر میں گونج رہے ہیں۔ واسطی صاحب گو کہ کم بولتے تھے مگر یہاں آ کر گویا انہیں بھی زبان مل گئی تھی۔ وہ بھی خوب ہنستے تھے اور فقرے چست کرتے تھے۔ گرمی اس غضب کی پڑ رہی تھی کہ برداشت سے باہر تھی۔ ہر وقت شربت سے بھرا ہوا جگ موجود رہتا لوگ پیتے رہتے۔ ہر شخص خوش تھا۔ آج کل سب ہی لوگوں کی گرمیوں کی چھٹیاں تھیں۔ خرم بھی گھر ہی پر تھے۔ شاہدہ بھی میٹرک کے امتحان سے فارغ تھی۔ آموں کی فصل تھی...... جمال صاحب کا اپنا آموں کا باغ تھا۔ اس وجہ سے مہمانوں کے لیے ہر وقت بے حساب آم بھیگے رہتے۔

منی بیگم نے منیرہ کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ دیکھو یہاں بہت دب کر رہنا۔ بھائی جان پرانے خیالات کے ہیں اور بھابی جان بھی ویسی ہی ہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری طرف سے ان لوگوں کے خیالات خراب ہو جائیں۔ منیرہ تو ویسے بھی اچھی لڑکی تھی اپنے ابو کی ہدایات پر عمل کرتی تھی۔ کوئی کام بھی ہوتا بھاگ کر خود کرنے پہنچ جاتی۔ ماموں جان' منیرہ کو خوب دعائیں دیتے۔ منی بیگم کے چہرے پر ہنسی بکھری رہتی۔

ایک دن باتوں ہی باتوں میں جمال صاحب نے اپنی بہن سے کہا۔

''بھئی منی برا نہ ماننا ایک بات کہوں۔''

''جی بھائی جان کہیے۔ میری کیا مجال جو برا مانوں۔''

''کچھ نہیں۔ کہنا یہ تھا کہ تم تو ہو بس ذرا یونہی سی۔ اب کیا کہیں۔ مگر لڑکی تمہاری بہت اچھی ہے یہ کیا بات ہے یہ کیسے ایسی سلیقہ کی نکل آئی۔''

منی بیگم ہنستے ہنستے بے حال ہو گئیں۔

''واہ بھائی جان ہم خفا ہو جائیں گے آپ سے۔ ہم میں کیا عیب ہے۔ بھتیجی سے بہت محبت آ رہی ہے تو رکھ لیجیے اسے اپنے پاس۔''

''بس یہ ٹھیک ہے۔ منیرہ کو چھوڑ جاؤ یہ اچھی لڑکی ہے۔ ماموں کو چاہتی بھی بہت ہے تم جاؤ

واپس اسی وقت۔''

جمال صاحب کی عادت مذاق کرنے کی تھی۔

''واہ واہ اتنی جلدی ہم ٹلنے والے نہیں ہیں۔'' منی بیگم نے ہنس کر کہا۔''پورے دو ماہ رہیں گے۔''

''یہ تو ہمیں معلوم تھا کہ تم آسانی سے کھسکنے والی نہیں ہو۔'' جمال صاحب نے پھر مذاق کیا۔

''دیکھ لیجیے بھابی جان۔'' منی بیگم نے کہا۔''بھائی جان ابھی سے ہم لوگوں کو بھگائے دے رہے ہیں۔''

''تم بھائی بہنوں کی چوٹیں ہمیشہ سے چلتی ہیں میں کیا بولوں بیچ میں۔'' صابرہ خاتون نے مسکرا کر کہا۔

''اچھا یہ تو بتاؤ نیک بخت۔'' جمال صاحب بہن سے بولے۔''آخر منیرہ کو کس نے تربیت دی۔ تم نے یا مشرف میاں نے......؟''

''یہ میری تربیت ہے بھائی جان۔'' واسطی صاحب خوش ہو کر بولے۔''میں نے اپنے بچوں کو شروع سے مذہبی تعلیم دی بارہ برس کی عمر سے منیرہ نے برقع اوڑھ لیا تھا۔ یقین کیجیے ہماری بچی کو کراچی کی ہوا بھی نہیں لگی......''

''کر لیجیے خوب اپنی تعریفیں اب میں کیا بول سکتی ہوں۔'' منی بیگم جی ہی جی میں نہال ہو کر بولیں۔

''واقعی مشرف میاں ہی کی تربیت معلوم ہوتی ہے ورنہ پھول بیگم کی لڑکیوں کو دیکھو۔ منیرہ ان سے بالکل الگ ہے۔'' جمال صاحب نے کہا۔

''بھائی جان آپا کی بات دوسری ہے ان کا ماحول الگ ہے ہمارا الگ۔'' منی بیگم سنجیدہ ہو کر بولیں۔

''ناہید اور نوشین کی تربیت انگریزی ماحول میں ہوئی ہے اور یہاں منیرہ کب سے برقع اوڑھ رہی ہے۔''

''وہ لوگ بہت آزاد خیال ہیں۔'' واسطی صاحب بولے۔''وہ بڑے لوگ ہیں ہمارا ان کا کیا مقابلہ۔''

''بڑے اور چھوٹے کی اس میں کیا بات ہے۔'' منی بیگم مصنوعی غصہ سے بولیں۔''جس

طرح ہمارا جی چاہتا ہے ہم رہتے ہیں جس طرح آپا کا جی چاہے وہ رہیں۔''

''ویسے لڑکیاں ان کی بھی دونوں اچھی ہیں یہ اور بات ہے وہ آزاد ہیں۔'' جمال صاحب نے کہا۔

''ناہید کی طبیعت میں مہمان نوازی بہت ہے۔'' صابرہ خاتون نے زبان کھولی۔

''دراصل قمر بھائی خود بہت آزاد خیال ہیں کچھ آپا کی اپنی طبیعت بس اسی لیے ان کے گھر کا ماحول انگریزی بن گیا ویسے لڑکیاں بہت اچھی ہیں اس میں کوئی شک نہیں۔''

''اے اچھی اور بری کیا اپنے ہی گھر کی لڑکیاں ہیں وہ بھی۔'' صابرہ خاتون نے بات ختم کی۔

''یہاں بات ماحول کی ہو رہی ہے اچھے برے انسان کی نہیں۔'' جمال صاحب نے بیوی کو ٹوکا۔

''بھائی جان ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' منی بیگم نے پان منہ میں ٹھونستے ہوئے بھائی کی ہاں میں ہاں ملائی۔ وہ ہر حال میں بھائی کا دل جیتنا چاہتی تھیں جو کچھ بھی جمال صاحب کہتے ہیں منی بیگم کسی نہ کسی طور سے ہاں میں ہاں ضرور ملاتی تھیں اور ہر انداز سے یہی ظاہر کرتی تھیں کہ ان کے اور جمال صاحب کے گھرانے کا ماحول بالکل یکساں ہے۔

رات کو جب جمال صاحب سونے لیٹے تو انہوں نے بیوی سے کہا۔

''منیرہ بہت اچھی لڑکی ہے تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں؟''

''اے کس بارے میں؟''

''یہی کہ خرم منیرہ کی بات طے کر لیں۔''

''خرم کی شادی ابھی کون سی جلدی ہے۔ میں نے سوچا تک نہیں۔ پہلے شاہدہ کی شادی ہو گی پھر خرم کی دلہن آئے گی گھر میں۔''

''ارے تو کون سا ابھی شادی کے لیے کہہ رہا ہوں صرف بات طے کر لیں۔ شادی بعد میں کرتی رہنا۔''

''آخر اس قدر جلدی کی کیا ضرورت ہے؟'' صابرہ خاتون نے تعجب سے پوچھا۔

''بھئی کئی بار اشاروں کنایوں میں منی کہہ چکی ہے کہ وہ منیرہ کی شادی خرم سے کرنا چاہتی ہیں۔ منیرہ ہے بھی اچھی پھر آخر حرج کیا ہے اس رشتے میں؟''

''حرج کوئی نہیں مگر ہر کام وقت پر ہی اچھا لگتا ہے۔''

''اتنا نامناسب وقت بھی نہیں ہے۔خرم پڑھ لکھ چکے'منیرہ بھی میٹرک کا امتحان دے چکی'اگر چاہو تو شادی بھی کرسکتی ہو۔''

''خرم سے پوچھا ہوتا۔'' صابرہ خاتون نے کہا۔''کیا پتہ اس کی مرضی نہ ہو۔''

تم سے بات کررہا ہوں خرم سے بھی بات ہو جائے گی۔ پہلے تمہاری منشا تو معلوم ہو۔''

''مجھے تو ہمیشہ مشرف میاں کا گھرانہ پسند ہے۔منیرہ'مشرف میاں کی لڑکی کی حیثیت سے مجھے بھی قبول ہوگی۔مگر یہ یاد رکھو جو کام بھی ہو سب کی مرضی اور منشا سے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں پچھتانا پڑے۔''

''مرضی تو سب کی ہے۔'' جمال صاحب نے کہا۔''مشرف میاں اور منی دونوں یہی چاہتے ہیں۔خود منیرہ بھی ہم سب سے بہت مانوس ہے اب رہے خرم تو ان سے بات کر کے انہیں راضی کیا جاسکتا ہے۔''

''خیر اب اتنی جلدی مچانے کی ضرورت نہیں ہے۔انہیں ابھی آئے ہوئے دس ہی دن تو ہوئے ہیں کچھ اور دن رہنے دو۔منی کا منشا معلوم ہونے دو پھر بات کرنا خرم سے۔''

''اب منی یہ تو کہنے سے رہیں کہ اللہ کے واسطے میری بیٹی بیاہ لو۔'' جمال صاحب نے کہا۔ ''ویسے آنکھیں ہماری بھی ہیں کچھ عقل بھی ہے بھیجے میں۔ ہر ہر طرح سے وہ یہ بات کہہ چکی ہیں بس ہمارے اشارہ کرنے کی دیر ہے۔''

''وہ تو خیر میں بھی سمجھ رہی ہوں کہ منی اور مشرف میاں دونوں خرم کو بہت پسند کرتے ہیں وہ خوشی سے اس بات پر راضی ہو جائیں گے۔''

''تو بس پھر نیک کام میں دیر کیوں۔میں کل ہی خرم سے بات کروں گا۔'' جمال صاحب نے خوش ہو کر کہا۔''دراصل میں منیرہ سے شادی کر کے سگے اور سوتیلے کے فرق کو مٹانا چاہتا ہوں خواہ کتنا بھی زمانہ بدل جائے باپ اپنی جگہ پر ہے والدہ مرحومہ نے اپنی زندگی میں کبھی ہم لوگوں کے دل نہ ملنے دیئے۔اب اگر اسی پشت پر یہ شادی ہوگئی تو یقیناً یہ فرق مٹ جائے گا بیوی میں یہ چاہتا ہوں کہ میری اولاد کو کسی قسم کی کمی کا احساس نہ ہو۔اگر یہ شادی ہوگئی تو میل محبت بڑھے گی۔سب کے دل ایک ہو جائیں گے ورنہ عملی طور پر ہمارے بچے پورے خاندان سے کٹے ہوئے ہیں۔''

جمال صاحب اپنے دل کی بھڑاس نکال رہے تھے اور صابرہ خاتون خاموشی سے سن رہی تھیں۔

وہ میاں کے جذبات کو سمجھتی تھیں انہیں خود بھی معلوم تھا کہ میاں اسی لیے منیرہ سے بیٹے کی شادی کا سوچ رہے ہیں کہ دونوں بھائی بہن ایک ہوسکیں۔ جس محبت کو وہ تمام عمر ترستے رہے آپس میں رشتے کر کے اس محبت کو حاصل کر کے پختہ بنا سکیں...... منیرہ اچھی لڑکی تھی۔ خرم سے مناسب جوڑ تھا۔ پھر مشرف میاں کا اچھی روایات والا گھرانہ، انہیں اس رشتے پر اعتراض نہ تھا اسی لیے صابرہ خاتون نے میاں کے خیال کی مخالفت نہ کی۔ یوں بھی صابرہ خاتون معتدل مزاج عورت تھیں۔ سب کی خوشی میں اپنی خوشی تلاش کیا کرتی تھیں۔ اگر اس طرح پورا خاندان خوش ہوسکتا تھا تو پھر انہیں اور کیا چاہیے تھا؟

دوسرے روز تنہائی میں یہ معاملہ خرم کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

''بتاؤ خرم تمہاری کیا رائے ہے؟'' جمال صاحب نے پوچھا۔

''لڑکی پرانے طرز کی ہے، برقع اوڑھتی ہے، خوش شکل اور کام کاج کرتی ہے پھر ان کی مرضی یہی معلوم ہوتی ہے اب تم اپنا خیال بتا دو۔''

''ابھی تو میں نے اپنی شادی کے لیے سوچا بھی نہیں ابا جی پھر منیرہ کے لیے سوچنا اور بھی عجیب سا لگتا ہے۔ وہ تو بہن ہے میری۔'' خرم نے پریشان ہو کر کہا۔

''پھوپھی زاد بہن ہے کوئی سگی تو نہیں۔ نہیں سوچا تھا تو اب سوچ لو۔'' جمال صاحب نے دو ٹوک بات کی۔

''ہاں ہاں جو مرضی ہو سوچ لو سمجھ لو اور بتا دو۔'' صابرہ خاتون نے لقمہ دیا۔

''امی میں منیرہ سے شادی کیسے کرلوں۔ یہ بات ہی عجیب سی لگتی ہے۔''

''اے اس میں عجیب کی کیا بات ہے لو اور سنو شادی ساری دنیا کی ہوتی ہے اگر تمہاری اور منیرہ کی ہو جائے گی تو کون سی عجوبہ بات ہو جائے گی۔''

''تم بتاؤ شاہدہ تمہارا کیا خیال ہے۔'' جمال صاحب نے بیٹی سے پوچھا۔

''مجھے تو منیرہ بہت اچھی لگی۔ اتنی پیاری سی ہے بھائی جان کے ساتھ بہت اچھا جوڑ رہے گا۔''

''لو شاہدہ کا بھی ووٹ پڑ گیا۔ اب بولو خرم تم کیا کہتے ہو؟'' جمال صاحب نے کہا۔

خرم عجیب کشمکش میں مبتلا ہو گئے۔

یہ حملہ اتنا اچانک ہوا تھا کہ وہ بوکھلا کر رہ گئے۔

''اچھا دو چار روز میں سوچ کر جواب دیں گے۔'' خرم نے یہ کہہ کر جان چھڑائی۔

''ادھر منی بیگم کی مہم جاری تھی۔ انہوں نے خود کو بھی ان دنوں کافی سیدھا سادا بنا رکھا تھا۔ بھائی بھاوج کے لیے محبت ابلی پڑتی تھی۔ ویسے وہ سچ مچ بھی بھائی کو بہت چاہتی تھیں۔ البتہ واسطی صاحب کا رویہ محتاط تھا۔ وہ بردبار انسان تھے انہیں تو خبر بھی نہ تھی کہ منی بیگم اتنے دنوں سے کیسی کیسی باتیں بناتی رہی ہیں۔

خرم کسی طور پر اس شادی پر رضامند نہ تھے۔ ان کا بس یہی جواب تھا کہ منیرہ سے شادی کے لیے نہ میں نے کبھی سوچا نہ سوچ سکتا ہوں۔

لیکن ان کا یہ اعتراض قطعی پھسپھسا اور بے جان سمجھا گیا۔ جمال صاحب اور شاہدہ دونوں ہی پیچھے پڑ گئے۔ البتہ صابرہ خاتون نیوٹرل رہیں۔ سوچتے سوچتے خرم بالکل ہی بوکھلا گئے یہ نہیں تھا کہ انہوں نے کسی اور لڑکی کے متعلق کبھی سوچا ہو۔ مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ منیرہ کے لیے وہ اپنے دل میں کشش نہ پاتے تھے مگر گھر والوں کے مجبور کرنے پر خاموش ہو گئے۔

''لڑکی ہر طرح سے دیکھی بھالی ہے خوبصورت ہے پھر لڑکی کے گھر والے خود یہ شادی کرنا چاہتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہی ہے۔ پھر تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ جمال صاحب نے جب زور دے کر کہا تو خرم کو خاموش ہو جانا پڑا۔

رات کو سونے لیٹے تو اچانک ناہید کی کہی ہوئی باتیں ذہن میں گونجنے لگیں۔

ناہید ان کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار تھی۔ خود کو بدل لینا چاہتی تھی۔ پھر بھی انہوں نے انکار کر دیا تھا۔

ابا کہتے تھے کہ اصل بات یہ ہے کہ لڑکی والے خود کرنا چاہتے ہیں۔ وہاں بھی یہی معاملہ تھا۔ لڑکی والے اور لڑکی خود کرنا چاہتی تھی۔ وہاں بھی معاملہ گھر ہی کا تھا۔ ناہید کہیں زیادہ خوبصورت پڑھی لکھی اور سمجھدار لڑکی ہے پھر بھی میں نے انکار کر دیا تھا اس لیے کہ میں سمجھتا ہوں کہ ناہید کا ماحول اور میری طبیعت دوسری ہے۔ بہت ممکن تھا کہ آگے چل کر ناہید میرے خیالات سے میچ نہ کر سکتی۔ ابا جی یہ سمجھتے ہیں کہ منی پھپھو کے گھر کا ماحول وہی ہے جو ہمارا ہے حالانکہ یہ ان کا خیال ہے منی پھپھو اچھی تو ہیں مگر ان کی طبیعت عجیب سی ہے کچھ اس قسم کی جس کا بیان کرنا میرے بس میں نہیں ہے اور ان کے گھر کا ماحول۔

اگر مشرف پھوپھا کا اثر گھر پر نہ ہوتا تو وہاں کے حالات پھول پھپھو کے گھر سے بھی بد ہوتے اور پھول پھپھو کے گھریلو حالات جیسے بھی ہیں سب کے سامنے ہیں اگر وہ آزاد ہیں'۔

پردہ ہیں، تو چھپاتے نہیں ہیں مگر منی پھپھو...... شاید وہ نہیں ہیں جو باہر سے نظر آتی ہیں...... اور منیرہ...... وہ ابھی بہت چھوٹی ہے مگر ماں کا اثر بیٹی قبول کرتی ضرور ہے۔

خرم کو یاد آیا۔

جب وہ کراچی گئے تھے تو ان کے سامنے میجر نعیم اور ان کی فیملی آئی تھی۔ میجر نعیم سے منی پھپھو کی کوئی رشتہ داری نہ تھی لیکن پھر بھی منی پھپھو نے انہیں اپنے گھر پر بہت زیادہ اختیارات دیئے ہوئے تھے۔ میجر نعیم سے منیرہ کی بے تکلفی خرم کو ناگوار گزر رہی تھی۔ اگرچہ وہ جانتے تھے منیرہ کو ان باتوں کی سمجھ نہیں...... مگر وہ مرد تھے، مرد کو سمجھتے تھے۔ جوں ہی میجر نعیم، منی پھپھو کے گھر آئے تھے انہوں نے آتے ہی منیرہ کا ہاتھ گھسیٹ کر اپنے پاس بٹھالیا تھا۔

خرم کو بہت عجیب سا لگا تھا مگر منی پھپھو نے اس بات کو بہت اچھا سمجھا تھا اور منیرہ کو برابر ہدایات دے رہی تھیں۔

''نعیم ماموں کے لیے چائے بناؤ۔ یہ لاؤ وہ لاؤ۔''

''منیرہ کہاں غائب ہو گئیں۔ نعیم ماموں تمہیں بلا رہے ہیں۔'' وغیرہ وغیرہ۔

منیرہ اب بڑی ہو گئی تھی میجر نعیم ایک غیر مرد تھے۔ یہ بات منی پھپھو نے کیوں نہ سوچی تھی؟ بار بار خرم کے ذہن میں یہ باتیں چکر کھا رہی تھیں۔

کبھی منیرہ کے بارے میں سوچتے۔ وہ ہر طرح سے انہیں معصوم نظر آتی مگر منی پھپھو کا طرز عمل اور ماحول عجیب سا لگتا کبھی مشرف پھوپھا کے بارے میں سوچتے وہ بہت شریف اور اچھے آدمی تھے مگر منی پھپھو پورے طور پر ان پر حاوی تھیں۔

تمام رات وہ یہ سب باتیں سوچتے رہے۔ انہیں ٹھیک طرح سے نیند نہ آسکی۔ پھر دوسری صبح نہ چاہنے کے باوجود انہوں نے اپنے دل کی باتیں ماں کے سامنے دہرا دیں۔

مگر ان کی ہر بات کی نفی کر دی گئی۔

''منیرہ ابھی بچی ہے۔ جس طرح رکھو گے رہے گی۔ وہ کیا جانے دنیا کی اونچ نیچ''...... امی نے یہ بات کہہ کر اس کو خاموش کر دیا۔ گویا خرم کی طرف سے رضامندی مل گئی۔

جمال صاحب نے بیٹے کی رضامندی ملتے ہی بہن سے بات کی...... وہ تو انتظار ہی میں تھیں چھوٹتے ہی ہاں کر دی۔

''بھائی جان اس سے بڑھ کر ہمارے لیے خوشی کا اور کون سا مقام ہوگا کہ ہماری بیٹی آپ

کے گھر جائے۔"

غرض یہ کہ سب بڑوں کے درمیان لمحوں میں یہ بات طے ہوگئی۔ آپس میں مبارک سلامت ہونے لگی۔

"لیکن ہم لوگ منگنی کے قائل نہیں ہیں۔" جمال صاحب نے صاف کہہ دیا۔ "کرنا ہے تو نکاح کردو۔ منگنی کا کیا اعتبار۔"

"جیسی آپ کی مرضی بھائی جان۔ جب شادی کے لیے اقرار کر ہی لیا تو لڑکی آپ کی ہوگئی۔ اب چاہیں تو منگنی کریں چاہیں نکاح پڑھوائیں۔"

"بس اگلے ہفتہ نکاح کردیں دونوں کا۔ ذرا دلچسپی رہے گی۔"

منی بیگم بھائی کے اس خلوص پر آبدیدہ ہوگئیں۔

"بھائی جان نکاح کے لیے کچھ تو انتظام کرنا ہی ہوگا اور میں اس وقت تو بالکل خالی ہاتھ ہوں۔"

"ارے یہ تو گھر کا معاملہ ہے یہاں پیسہ کا کیا کام؟" جمال صاحب نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"ارے پیسے ہیں واہ بھائی جان کیا خرم کا ایک جوڑا بھی نہ بنوادوں گی۔" منی بیگم نے ابرو چڑھا کر کہا۔

اندر یہ باتیں ہو رہی تھیں شاہدہ نے سب کچھ سنا اور منیرہ کے کمرے میں بھاگی وہاں منیرہ اور خرم باتیں کررہے تھے۔

"بھئی مبارک ہو منیرہ اور بھائی جان آپ کو بھی۔" شاہدہ نے آتے ہی دھاکہ کیا۔

"کس بات کی مبارک؟" منیرہ نے حیرانگی سے سوال کیا۔

ان دونوں کے فرشتوں کو بھی یہ علم نہیں تھا کہ ان کے نکاح کی تاریخ طے ہو رہی ہے۔

"اگلے ہفتہ تمہارا نکاح ہے منیرہ بھائی جان کے ساتھ اندر یہی بات طے ہو رہی ہے میں نے سوچا دولہا دلہن کو اطلاع کردوں۔"

"ہائے شاہدہ بڑی خراب ہو تم۔"...... منیرہ کا چہرہ شرم سے لال پڑ گیا۔ اسے امید تو تھی کہ امی خرم سے اس کی شادی طے کرا دیں گی لیکن یہ گمان نہ تھا کہ اتنی جلدی نکاح کی نوبت آجائے گی۔ شاہدہ کے اس انکشاف پر مارے خوشی، حیرت و شرم کے منیرہ کی بری حالت ہوگئی۔ خرم مسکراتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ شاہدہ نے منیرہ کو چھیڑ چھیڑ کر اس کا ناک میں دم کردیا۔

دو ہفتہ بعد کافی دھوم دھام سے منیرہ اور خرم کا نکاح ہو گیا رخصتی چند سال بعد تک کے لیے ملتوی کردی گئی دونوں گھرانوں کے خیال میں رخصتی کی کوئی جلدی نہ تھی۔ صابرہ خاتون چاہتی تھیں کہ پہلے شاہدہ کی شادی ہو جائے پھر بہو گھر میں آئے اور منی بیگم اور واسطی صاحب بھی یہ چاہتے تھے کہ فی الحال منیرہ اپنی تعلیم جاری رکھے۔ جمال صاحب خود بھی تعلیم کے حامی تھے اس لیے ان کی بھی یہی منشا تھی کہ فی الحال ان کی بہو تعلیم جاری رکھے گی پھر کسی مناسب وقت پر رخصتی ہو جائے گی۔

خرم کے دل میں اگرچہ منیرہ کا کوئی خیال نہ تھا۔ مگر نکاح ہوتے ہی گویا ان کے دل کی کایا پلٹ گئی۔ انہوں نے محسوس کیا جیسے وہ منیرہ کو بہت زیادہ چاہتے ہیں اور وہ منیرہ سے شادی کا انکار کر کے شاید بہت بڑی حماقت کر رہے تھے۔

جب سے نکاح ہوا تھا منیرہ ان سے الگ الگ شرمائی شرمائی رہتی تھی۔ اگرچہ دونوں کا پردہ نہ تھا پھر بھی بڑوں کا لحاظ درمیان میں حائل تھا...... نکاح سے قبل منیرہ کافی بے تکلفی سے خرم سے باتیں کر لیتی تھی مگر اب حجاب پیدا ہو گیا تھا۔ پھر بھی جب کبھی دونوں کو تنہائی میسر آ جاتی وہ دونوں خوبصورت باتوں میں وقت گزار دیتے۔ شاہدہ اور منیرہ کی آپس میں بہت دوستی ہو گئی تھی۔ اگرچہ منیرہ کا رشتہ اب بڑا ہو گیا تھا اور اصولاً شاہدہ کو ''بھابی'' کہنا چاہیے تھا مگر وہ اسے منیرہ کہہ کر ہی بلاتی تھی۔ شاہدہ کا کہنا تھا کہ ہم دونوں ہم عمر دوست اور بہنیں ہیں میرے منہ سے بھابی نہیں نکلتا۔ فی الحال تو منیرہ ہی ٹھیک ہے بعد میں کوشش کروں گی۔ غرض یہ کہ ہنسی خوشی یہ دو ماہ بیت گئے۔

منی بیگم کا مشن کامیاب رہا منیرہ کی آرزئیں پوری ہو گئیں تھیں وہ خرم جسے اس نے دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا اس کا ہو چکا تھا۔

اپنے نکاح کے بعد اس نے ایک تفصیلی خط فخری کو روانہ کر دیا تھا۔ مگر اس بار بھی وہ جواب نہ پا سکی تھی۔ منیرہ اس بار خرم کے ساتھ اتنی مگن تھی کہ نہ تو اس نے دوبارہ فخری کو خط لکھا اور نہ ہی اس کے جواب نہ آنے کا نوٹس لیا۔ ایک طرح سے وہ ان دنوں فخری کو بھول ہی گئی تھی۔

خرم اور منیرہ کے نکاح کی بہت سی تصویریں کھینچی گئی تھیں ان کی ایک ایک کاپی خرم اور منیرہ کو دے دی گئی۔ شاہدہ نے ایک البم خرید کر منیرہ کو پریذنٹ کر دیا۔ منیرہ نے خوش ہو کر تمام تصویریں اس البم میں سجالیں اور کچھ عرصہ کے بعد منی بیگم بیٹی کو لے کر کراچی واپس آ گئیں۔

منیرہ کا تفصیلی خط اس نے بہت اطمینان سے پڑھا پھر مسکراتے ہوئے چھوٹے بھیا سے بولی۔

''منیرہ کا خط آیا پچھلے ہفتے اس کی شادی ہوگئی۔''

''اچھا مبارک ہو' کس سے ہوئی شادی؟''

''اس کے ماموں زاد بھائی ہیں خرم' ان ہی سے اچانک طے ہوئی پھر نکاح بھی ہوگیا۔''

''اب تم کوئی اچھا سا تحفہ دینا اپنی دوست کو۔'' چھوٹے بھیا نے بہن کی خوشی میں شریک ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں بھئی میرے اوپر تو ویسے بھی اس کا تحفہ ادھار ہے۔''

فخری نے کہا تو اچانک ہی اسے منیرہ کا سوئٹر کا واقعہ یاد آ گیا تھا کتنا خوبصورت تحفہ تھا اس کا' جسے بڑے بھیا نے ماچس کی تیلی دکھا کر خاک کر دیا تھا۔

''دیکھو میں سوچوں گا تم کوئی بہتر چیز دینا۔ میرے پاس ٹیوشنوں کے کافی پیسے بچے ہوئے ہیں کچھ اور مل جائیں گے پہلی کو۔ اب چھٹیاں ہیں ہم لوگوں کا کوئی خرچہ بھی نہیں ہے آج کل......''

''اب خرچہ ویسے بھی کم ہوگیا ہے' نہ بابا زندہ رہے نہ امی۔ بڑی آپا اپنے گھر کی ہوگئیں۔'' فخری نے آہستہ سے کہا۔

ابھی یہ دونوں بھائی بہن باتیں کر رہے تھے کہ دروازہ کھلا اور نگہت بڑے بھیا کے ساتھ داخل ہوئی۔ آج نگہت کافی عرصے بعد آئی تھی۔ بھابی کی بیماری کے سلسلے میں جب رہنے آئی تھی اس کے بعد اس کا آنا نہ ہوا تھا...... خدا معلوم کیا بات تھی۔ وجہ تو فخری کو معلوم نہ تھی بہرحال نگہت کی غیر موجودگی سے وہ ایک طرح کا سکون سا محسوس کرتی تھی۔ امتحانوں کے دوران نگہت سے سرسری ملاقات ہوئی تھی اور امتحان ختم ہوئے بھی ایک ماہ ہو چکا تھا...... نگہت اب آئی تھی۔

نگہت نے برقع اتار کر پلنگ پر ڈالا اور دعا سلام کے بعد بے بی سے باتیں کرنے لگی۔

فخری نے نگہت کو غور سے دیکھا۔

اس کی صحت بہت اچھی ہوگئی تھی۔ جسم بھر گیا تھا اور چہرہ بھی گول گول سا لگ رہا تھا۔ مسرت بھابی نے اس کی تنگ قمیص کو اچٹتی ہوئی نگاہوں سے دیکھا پھر بولیں۔

''کیسی رہیں نگہت بہت عرصے سے آئی نہیں تھیں۔ اماں کیسی ہیں؟''

''اماں ٹھیک ہیں۔ ویسے کچھ نہ کچھ بیماری تو چلتی ہی رہتی ہے۔ میں کافی دن ادھر رہ کر گئی تھی اس لئے نہ آئی۔''

''اب فوراً نہ لوٹ جانا آئی ہو تو کچھ دن رہ لو۔'' بھابی نے روایتی انداز میں کہا پھر ننھی گڑیا کے لیے دودھ کی بوتل بنانے چلی گئیں۔

''تمہارے پرچے کیسے ہوئے؟'' فخری نے اخلاقاً پوچھا۔

''ٹھیک ہوگئے ہیں۔'' نگہت نے مختصر جواب دیا۔

بھابی دودھ کی بوتل لے کر آئیں۔ گڑیا دودھ پینے لگی۔

نگہت کے صحت مند جسم کو دیکھ کر بھابی نے کہہ ہی دیا۔

''تمہاری صحت تو ماشاء اللہ بہت اچھی ہو رہی ہے کون سا ٹانک استعمال کیا ہے چھٹیوں میں؟''

''بھابی نے ایک رسمی سی بات پوچھی تھی مگر نگہت کو ان کا جملہ طنزیہ سا لگا۔

''صحت ٹانکوں سے نہیں بنتی ہے باجی۔'' اس نے خشک لہجے میں کہا۔ ''انسان خوش رہے تو خود بخود...... صحت مند ہو جاتا ہے۔''

نگہت کا لہجہ کاٹ کھانے والا تھا۔ بھابی نے مزید کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔

بڑے بھیا خاموشی سے دونوں بہنوں کی گفتگو سن رہے تھے۔ وہ کسی گہری سوچ میں مبتلا تھے۔ فخری نے کبھی بڑے بھیا کو اتنا خاموش اور فکر مند نہ دیکھا تھا۔ نہ جانے کیا بات تھی۔ فخری آپ ہی آپ سہم گئی۔

''اے خدا اس گھر کو ہر بلا سے محفوظ رکھنا۔

اے اللہ ہم پہ کوئی مصیبت نہ آئے۔

ہماری عزت قائم رہے۔ ہم سب خوش رہیں اے خدا۔''

وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگی۔

آج اسے بڑے بھیا اور نگہت دونوں ہی پراسرار سے لگ رہے تھے۔

چھوٹے بھیا اپنی ٹیوشن پڑھانے جا چکے تھے۔

نگہت ہمیشہ کی طرح آج رات بھی فخری کے برابر والے پلنگ پر سوئی تھی۔

آج ہمیشہ سے زیادہ نگہت کے وجود سے کراہیت سی آ رہی تھی۔ اس کی نیند اڑ گئی۔ طرح طرح کے خیالات اس کے ذہن کو پریشان کرتے رہے۔ اسے وہ رات یاد آ گئی جب نگہت دبے پاؤں بڑے بھیا کے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

انجانے اندیشوں سے اسے تمام رات نیند نہیں آئی۔ مگر اس کے تمام اندیشے بے بنیاد نکلے۔ نگہت تمام رات مست نیند سوتی رہی اور وہ خوب بے چین ہو ہو کر کروٹیں بدلتی رہی۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

آج کی صبح بڑی خوبصورت، بڑی عجیب اور بے حد پراسرار تھی۔ مسرت بھابی صبح سو کر اٹھیں تو ان کے چہرے پر گلاب کھلے ہوئے تھے۔ آج رات اکبر علی نے اپنی بے لوث محبت کا انہیں یقین دلایا تھا۔ تمام رات وہ پیار بھری باتیں کر کر کے خود بھی جاگتے رہے تھے اور بیوی کو بھی جگائے رکھا تھا۔ شوہر کی اچانک اتنی توجہ پا کر وہ خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھیں۔ انہوں نے صبح ہی صبح سب کے لیے ناشتہ تیار کیا۔ پھر خوشی خوشی سب کو اٹھایا۔ فخری کو وجہ تو معلوم نہ تھی کہ بھابی اتنی خوش کیوں ہیں بہرحال وہ بھابی کو خوش دیکھ کر مطمئن ہو گئی تھی۔

بھیا دفتر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ خلاف معمول گڈو بے بی اور ننھی گڑیا کو انہوں نے پیار کیا پھر مسرت بھابی کو خدا حافظ کر کے گھر سے روانہ ہو گئے۔ نگہت اپنا بیگ تھامے تیار تھی۔

''میں نگہت کو رکشہ میں بٹھا کر خود آفس چلا جاؤں گا۔'' بڑے بھیا نے بھابی سے کہا۔

''ابھی اور رک جائیں نگہت، اتنی جلدی کیوں جا رہی ہو۔'' بھابی نے سچے جذبے کے ساتھ کہا۔

''نہیں میں نے اماں سے ایک ہی دن کے لیے کہا تھا۔''

نگہت نے جواب دیا اور بڑے بھیا کے ساتھ گھر کا آنگن پار کر گئی۔

* * *

شام ہوئی اور پھر رات ہو گئی۔ بڑے بھیا واپس نہ آئے۔ مسرت بھابی کا فکر سے برا حال تھا۔ چھوٹے بھیا اور فخری بھی پریشان تھے۔ دراصل کراچی کی ٹریفک اور حادثوں سے ہر کوئی خوف

زدہ رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مسرت بھابی نے اصغر علی سے کہا کہ وہ اماں کے گھر جا کر پتہ کریں مگر اصغر علی کا خیال تھا کہ ممکن ہے بڑے بھیا نگہت کے گھر چلے گئے ہوں اور رات وہیں رک گئے ہوں اس لیے فکر کی کوئی بات نہ تھی۔

صبح ہوئی تو چھوٹے بھیا اور بھابی کچھ دیر اکبر علی کا انتظار کرتے رہے مگر دن کے دس بجے تو بھابی کی بے چینی دوچند ہوگئی۔

''اصغر بھیا چلے جاؤ میرا تو دل ہول کھا رہا ہے۔'' بھابی نے بے صبری سے کہا۔

''ٹھیک ہے جاتا ہوں آپ پریشان مت ہوں انشاءاللہ سب لوگ ٹھیک ہوں گے۔''

چھوٹے بھیا فوراً ہی لالوکھیت روانہ ہوگئے۔ ڈیڑھ گھنٹہ بعد چھوٹے بھیا لوٹے ان کا چہرہ اترا ہوا تھا۔

بڑے بھیا اور نگہت کوئی بھی گھر نہیں پہنچا تھا۔

''یا اللہ کیا ہوگیا نگہت کو۔'' بھابی بے چاری پریشان ہوگئیں۔ ''کیا خبر کوئی حادثہ ہوگیا ہو ہمیں خبر بھی نہیں۔''

''حادثہ کوئی نہیں ہوا بھابی' اگر ہوتا تو اخبار میں خبر آجاتی۔'' چھوٹے بھیا نے آہستہ سے کہا۔

''پھر کیا بات ہوسکتی ہے؟''

''یہ تو آنے والا وقت خود بتا دے گا۔'' چھوٹے بھیا نے کہا اور اپنے کمرے میں چلے گئے۔

شام کی ڈاک سے بھیا کا رجسٹری خط بھابی کے نام موصول ہوگیا۔ بہت مختصر سا خط تھا۔

''میں نگہت کو لے کر بہت دور جا رہا ہوں۔ آج رات ہم دونوں نکاح کرلیں گے۔ تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ طلاق نامہ ساتھ ہی رکھا ہے۔''

پورے گھر میں موت کا سناٹا پھیل گیا۔

مسرت بھابی اجڑ گئیں۔

گڈو' بے بی اور گڑیا کا باپ انہیں چھوڑ کر بہت دور چلا گیا' فخری کا بڑا بھائی جو باپ کی جگہ تھا' اسے بے یارو مددگار چھوڑ کر اپنی دنیا میں مست ہوگیا۔

مسرت بھابی اور فخری دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر رو رہی تھیں۔

''بھابی بڑے بھیا نے جو کچھ کیا ہے اس کے لیے خدا انہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ ایک ایک لمحہ کا حساب ہوگا وہاں' آپ دیکھ لیجیے گا۔''

"نہیں فخری انہیں کچھ نہ کہو۔ وہ مجبور ہو گئے ہوں گے۔" بھابی نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے صرف اتنا ہی کہا۔

انہیں نگہت کا صحت مند جسم اور چہرے کی رونق یاد آ گئی۔

بڑی گہری بات کہی تھی انہوں نے۔

مگر فخری ابھی بہت چھوٹی تھی وہ ان باتوں کو سمجھنے کی اہل نہ تھی۔

بھابی کی بات کا مطلب اس نے کچھ اور ہی لیا۔

"بھابی آپ اب بھی ان کی طرف داری میں بول رہی ہیں۔ آپ نے ہمیشہ بھیا کے عیبوں پر پردہ ڈالا ہے۔

آپ بہت خراب ہیں بھابی، بہت بری۔"

"ہاں فخری میں بہت بری ہوں۔ اگر بری نہ ہوتی تو اکبر نے مجھے کیوں چھوڑا ہوتا۔" بھابی نے حسرت سے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

اصغر علی کے اوپر اس واقعہ کا ایسا اثر تھا کہ ان کے منہ سے الفاظ ہی نہ نکلتے تھے۔ دو ہی دن میں پورے محلے میں مشہور ہو گیا کہ اکبر علی نے بیوی کو طلاق دے دی۔ سالی کو لے کر بھاگ گئے وہ ان کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔

پورے محلے میں ایسی تھو تھو ہوئی کہ اصغر علی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔

اڑتے اڑتے یہ خبر دردانہ کو بھی پہنچی۔ وہ فوراً دُرّی کا ہاتھ پکڑے اپنے پھولے ہوئے وجود کو سنبھالے آن موجود ہوئیں ان کے یہاں عنقریب خوشی ہونے والی تھی مسرت بھابی سے مل کر جھوٹ موٹ کے آنسو بہائے۔ فخری اور اصغر علی نے کوئی بات نہ کی۔ وہ جیسی آئی تھیں ویسی ہی چلی گئیں۔

........✿........

اصغر علی کے سامنے زندگی ایک لق و دق صحرا کی مانند تھی نہ کوئی حامی تھا نہ مددگار۔ مسرت بھابی اپنے بچوں کو لے کر میکے جا چکی تھیں۔ اب فخری اور ریحانہ کے ساتھ وہ تنہا تھے۔ مکان بھی سرکاری تھا اس لیے چند ماہ بعد بھی چھن جانا تھا۔ اصغر علی اور فخری کے نتائج آ چکے تھے۔ دونوں نے اپنی اپنی کلاسوں میں فرسٹ ڈویژن لی تھی لیکن یہ ایسی کامیابی تھی کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی خوش نہ ہو سکا۔

جب زندگی اتنی کٹھن ہو جائے کہ سانس لینا دشوار ہو جائے تو ہر خوشی بے معنی ہو جاتی ہے۔
چاروں طرف بدنامی اور رسوائی کا اندھیرا تھا۔
اصغر علی کا ذہن بے کار ہو چکا تھا ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حالات کو کس طرح قابو میں کریں...... مسئلہ صرف بے عزتی ہی کا نہیں' روٹی اور رہائش کا بھی تھا جس کا فی الفور کوئی حل نہ تھا۔
سوچتے سوچتے اصغر علی کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اگر چھوٹی خالہ فخری کو رخصتی کروالیں تو مسئلہ آسان ہو جائے گا ایک اپنی جان اور ریحانہ کے لیے ٹھکانا کرنا نسبتاً آسان ہو جائے گا۔
چنانچہ بہت ہمت کر کے اصغر علی نے چھوٹی خالہ کو خط لکھا۔ اس نے سب کچھ صاف صاف لکھ دیا تھا اور پھر آخر میں لکھا کہ بڑے بھیا کے چلے جانے سے ہم بالکل بے آسرا ہو گئے ہیں۔ سب سے زیادہ فکر فخری کی ہے یوں تو ہم چاہتے ہیں کہ فخری اپنی تعلیم جاری رکھتی مگر حالات کے پیش نظر یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب فخری کی رخصتی ہو جائے۔ میں آپ کے جواب کا بے چینی سے منتظر رہوں گا۔

اصغر علی نے خط پوسٹ کیا تو ذہن سے ایک بڑا بوجھ سرک گیا اسے یقین تھا خالہ اس برے وقت میں ضرور ساتھ دیں گی...... اس نے فخری سے خط کا تذکرہ نہ کیا۔
پھر کچھ ہی دنوں میں خالہ کا جواب آ گیا۔
انہوں نے لکھا تھا۔ ''اکبر علی کے کارنامے کی اطلاع مجھے تمہارے خط سے پہلے مل گئی تھی۔ ابھی دردانہ کا قصہ لوگ بھولے نہیں تھے کہ یہ خبر پھیل گئی۔ مجھے حیرت ہے کہ ان حالات میں تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ تمہارے خالو جان' فخری کو قبول کر لیں گے۔ ہر ایک کو اپنی عزت پیاری ہوتی ہے۔ منصور کبھی بھی رخصتی پر راضی نہ ہوں گے۔ یہ میں یقین سے کہہ رہی ہوں ویسے بھی منصور ان دنوں انگلینڈ گئے ہوئے ہیں واپسی پر ان سے تفصیلی بات ہو گی تب تم لوگوں کو جواب سے مطلع کر دیا جائے گا۔ اصغر تم برا مت ماننا میں تمہاری خالہ ضرور ہوں میرے دل میں تم لوگوں کا درد بھی ہے مگر تمہارے خالو جان تو غیر ہیں۔ انہیں تم لوگوں سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ خدا تم لوگوں پر رحم کرے۔

تمہاری خالہ''

چھوٹی خالہ کا یہ خط اصغر علی کے لیے مزید پریشانیاں لے کر آیا۔ وہ جو ایک آس تھی جھوٹی ہی سہی' وہ بھی ٹوٹ گئی۔ اصغر علی نے خط پڑھ کر میز پر ڈال دیا تا کہ فاخر بھی پڑھ لے۔ وہ بہن سے

کوئی بات چھپانا نہ چاہتا تھا۔

فخری نے خط پڑھ لیا۔ اسے چھوٹی خالہ سے ایسے جواب کی امید نہ تھی۔ اگر ان کے دل میں ذرا بھی خیال ہوتا تو وہ بڑھ کر بھانجی کو گلے لگا لیتیں۔ اپنی پناہ میں رکھ لیتیں مگر وہ تو بہانے کی تلاش میں تھیں اور اب ایک بہت مناسب بہانا ہاتھ آ گیا تھا۔ ورنہ بڑے بھیا کے جانے سے پیشتر وہ کون سا محبت کے پھول نچھاور کر رہی تھیں۔

'ہاں تو منصور محمود۔ تم بھی اپنی دلہن کے حق میں کوئی بات نہ کہو گے۔ میرے ناکردہ گناہوں کی داستان سن کر دامن چھڑا لو گے اپنا۔'

اس نے چپ چاپ اپنے دل میں سوچا۔

''کیا خبر منصور کے خیالات مختلف ہوں وہ چھوٹی خالہ کی بات ماننے سے انکار کر دیں۔ ہاں کیا خبر ایسا ہی ہو۔''

اب بھی ایک کرن جگنو بن کر چمک رہی تھی اور اس کا دل ہولے ہولے دھڑک رہا تھا۔

دل کی ہر دھڑکن میں منصور کا نام تھا۔

منصور اس کا مجازی خدا جسے اس نے دیکھا تھا۔ بچپن کے دھندلے نقوش آج بھی ذہن کے گوشے گوشے میں پیوست تھے مگر کوئی واضح تصویر نہ تھی۔

''کاش میں منصور سے ایک بار مل سکتی۔''...... اس نے دل کی گہرائیوں سے دعا کی۔ مگر یہ سب کچھ اتنا آسان تو نہ تھا۔

اصغر علی کے انجینئر بننے کے سارے خواب ادھورے رہ گئے۔ رزلٹ آتے ہی اس نے نوکری کے لیے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ کچھ لوگوں نے یہ مشورہ دیا تھا کہ اصغر علی کو سرکاری ملازمت مل جائے تو یہی کوارٹر ان کے نام منتقل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اصغر علی رات دن نوکری کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ فخری کو کالج میں داخل کرنا بے حد ضروری تھا۔ دو ایک روز میں داخلے شروع ہو رہے تھے۔

اصغر علی نے بہن سے کہا۔ ''تم گورنمنٹ کالج جا کر داخلے کا فارم لے آؤ کہیں ایسا نہ ہو داخلے کی تاریخ گزر جائے۔''

''آپ چلیے نہ میرے ساتھ، مجھے تو کسی جگہ کا راستہ بھی نہیں معلوم۔'' فخری نے کہا۔

''اچھا تم کل صبح چلنا، میں تمہیں لے چلوں گا۔ تمہاری دوست منیرہ کا کیا ہوا وہ کہاں داخلہ

لے گی؟"

"منیرہ ڈیرہ غازی خاں گئی ہوئی تھی پتہ نہیں واپس ہوئی کہ نہیں۔ اب وہ ملے تو تفصیل معلوم ہو۔ نکاح کی اطلاع بھیجی تھی اس نے۔ میں نے خط کا جواب نہ دیا تو وہ بھی چپ ہو گئی۔"

"تمہیں خط کا جواب ضرور دینا چاہیے تھا۔"

"بس حالات ایسے ہو گئے ہیں کیا لکھتی۔"

"رزلٹ کیا رہا اس کا؟"

"سیکنڈ ڈویژن آئی ہے۔ پتہ نہیں نمبر کیسے ہیں۔ اگر ڈویژن خراب ہوئی تو میرے کالج میں داخلہ دشوار ہو جائے گا۔"

"تم چاہو تو منیرہ کے گھر جا کر پتہ کر سکتی ہو۔"

"نہیں میں وہاں نہیں جانا چاہتی چھوٹے بھیا۔ مجھے بہت شرم آتی ہے۔"

"یہ بات چھپ نہیں سکتی تم کب تک منہ چھپاؤ گی۔"

"منیرہ تو پہلے ہی نگہت کو برا کہتی تھی اور مجھے اس نے بہت پہلے خبردار کر دیا تھا مگر ہم لوگ کیا کر سکتے تھے۔"

"تم نے مجھ سے تو کوئی ذکر نہ کیا۔"

"آپ سے کیا کہتی۔"

"جو کچھ تمہیں معلوم تھا بتا دیتیں۔"

"آپ کیا کر لیتے؟ بڑی آپا کے لیے آپ نے کیا کر لیا؟ بھیا نے جو چاہا وہ کیا ہم سب بے بس تھے۔" فخری نے نظریں نیچی کر کے کہا۔

اسے اس ٹاپک پر بات کرتے ہوئے چھوٹے بھیا سے جھجک محسوس ہو رہی تھی۔ وہ فطرتاً بہت ہی حیادار لڑکی تھی۔ ایسی غلیظ اور باعث شرم باتیں سن کر اسے ہمیشہ متلی آتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کبھی اس قسم کا کوئی تذکرہ چھوٹے بھیا سے نہ کرتی تھی۔

"اچھا خیر اس بات کو چھوڑو۔ تم کل کالج چلنا اور داخلے کا فارم لے آنا۔"

"بھیا آپ اپنی پڑھائی کا کیا کریں گے؟" فخری نے رنجیدہ ہو کر پوچھا۔

"فخری ہم کوشش ضرور کرتے ہیں مگر نصیب بنانا بگاڑنا سب خدا کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اگر میری قسمت میں زندگی کی کوئی خوشی لکھی ہے تو وہ ضرور ملے گی یہ میرا ایمان ہے۔ رہا تعلیم کا سوال تو

یہ ضروری نہیں کہ ہر انسان ڈاکٹر انجینئر بن جائے۔ تعلیم حاصل کرنے کے لیے بے شمار میدان کھلے ہوئے ہیں۔ میں نوکری کروں گا اور پرائیویٹ بی اے کی تیاری کروں گا...... فخری میرے لیے بی اے کرنا بہت آسان ہو گا اس کے بعد شام کے وقت ایل ایل بی کی کلاسز جوائن کروں گا...... اور پھر بابا کی طرح پریکٹس کروں گا...... بس اب میں نے یہی سوچ لیا ہے۔ یہ پلان میں نے بہت سوچ سمجھ کر بنایا ہے۔ فخری اب بھی بہت کچھ ممکن ہے تم ڈاکٹر بن جاؤ گی اور میں وکالت کروں گا۔ ہم دونوں مل کر ریحانہ کو تعلیم دلوائیں گے۔ اگر ہماری آزمائش پوری ہو گئی ہے تو پھر ہماری راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو گی۔ بس مجھے سروس مل جائے تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔''

''لیکن بھیا لوگ ہمیں اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھتے۔''

''لوگوں کا کیا ہے۔ وہ تو حالات کے ساتھ ساتھ بدلتے ہی رہتے ہیں۔ آج ہم بے آسرا ہیں تو سب ہمیں حقیر اور کمتر سمجھتے ہیں۔ کل ہم بااقتدار ہوں گے لوگ ہم سے رشتے داریاں جوڑنے خود بخود اکھٹے ہو جائیں گے۔''

فخری خاموش ہو گئی۔

اصغر علی کے عزائم بہت بلند تھے۔ اسے بھیا کی باتیں سن کر کافی حوصلہ ہوا۔ پھر بھی آج اور کل میں بہت طویل فاصلہ تھا۔ یہ بات اس کے لیے حوصلہ شکن تھی۔

بات کوئی بھی ہو اس کا دھیان منصور کی طرف پلٹ جاتا تھا۔

''کیا ہمارے حالات بہتر ہونے کے ساتھ منصور گزری باتوں کو ذہن سے نکال دیں گے۔''

وہ سوچ رہی تھی۔ اصغر علی نے جیسے بہن کے دلی جذبات پڑھ لیے۔

''چھوٹی خالہ سے کسی بہتر سلوک کی مجھے امید نہ تھی۔ بہر حال ان کا خیال جاننے کے لیے میں نے سب کچھ صاف صاف لکھ دیا تھا اچھا ہی ہوا ان کے ارادے ظاہر ہو گئے۔ انہوں نے بات منصور بھائی پر رکھ کر ٹال دی ہے مگر میں جانتا ہوں منصور بھائی کا فیصلہ بھی خالو جان کے فیصلے سے مختلف نہ ہو گا فخری تم ان لوگوں کے متعلق سوچنا چھوڑ دو۔ دنیا بہت وسیع ہے۔ ہم اپنی دنیا خود بنائیں گے۔''

یہ کہہ اصغر علی بہن کے پاس سے اٹھ گئے۔

''کاش یہ سب کچھ اتنا ہی آسان ہوتا چھوٹے بھیا۔ کاش مجھے اپنی سوچ پر قابو ہوتا۔'' فخری

نے آہستہ سے کہا پھر قریب رکھے ہوئے چھوٹی خالہ کے خط کے پرزے پرزے کرنے لگی۔

دوسرے روز فخری چھوٹے بھیا کے ساتھ ویمن کالج پہنچی تو اسے دور ہی سے منیرہ نظر آ گئی۔ کئی اور بھی اسکول کی لڑکیاں موجود تھیں۔ سب ہی لڑکیاں داخلے کے چکر میں آئی تھیں۔ اصغر علی بہن کو پہنچا کہ واپس چلے گئے۔

منیرہ اور فخری دوڑ کر ایک دوسرے سے بغل گیر ہوگئیں۔

''مبارک ہو منیرہ تمہاری شادی ہوگئی۔'' فخری نے خوش ہو کر کہا۔ وہ اس وقت اپنی تمام باتیں بھول چکی تھی۔

''تم بڑی بے مروت ہو خط کا جواب تک نہ دیا بے وقوف، میں سمجھی تمہیں میرا خط نہ ملا ہوگا۔''

''خط مل گیا تھا۔ زبانی مبارکباد دے رہی ہوں۔'' فخری نے ہنس کر کہا۔ ''تم نے تو آتے ہی شکوے شکایات شروع کر دیں۔''

''تمہاری تو فرسٹ ڈویژن ہے داخلہ مل ہی جائے گا۔'' منیرہ نے کہا۔

''تمہاری کیا پرسنٹیج ہے؟''

''۵۵٪۔''

''تمہیں بھی مل جائے گا۔ فرسٹ ڈویژن بہت کم ہیں اس سال۔''

''ہاں بھئی تم سے لوگ خال خال ہی ہیں دنیا میں۔'' منیرہ نے ہنس کر کہا۔ ''اچھا یہ بتاؤ تمہارے بھیا کی کیا ڈویژن رہی؟''

''ان کی بھی فرسٹ آئی ہے۔''

''بھئی ڈبل مبارک باد۔ تم دونوں بہن بھائی زبردست چیز ہو۔ اب تو مٹھائی ڈیو ہوگئی۔''

''کس بات کی مٹھائی مانگی جا رہی ہے۔'' منیرہ کی پرانی دوست وکی اور اسمی نے آتے ہی درمیان میں لقمہ دیا۔

''بھئی یہ دونوں بہن بھائی فرسٹ ڈویژن لائے ہیں۔ اسی بات کی مٹھائی مانگ رہی تھی۔'' منیرہ نے کہا۔

''فرسٹ ڈویژن لانا عام سی بات ہے دوستو۔'' فخری نے کہا۔ ''منیرہ کے ساتھ ایک بہت ہی خاص بات ہوئی ہے۔ اس سے ٹریٹ لو سب لوگ۔''

''کیا بات ہوئی میری ڈیر۔'' وقار النساء عرف وکی نے پوچھا۔

منیرہ مسکرانے لگی۔

''اب بتا بھی چکو۔'' اسماء نے ہاتھ مارا۔

''یہ منیرہ واسطی سے منیرہ خرم بن گئی ہیں چھٹیوں میں۔'' فخری نے بتایا۔

ہائے سچ۔'' وکی چیخی۔ ''ایمان سے تو تو بڑی چھپی رستم نکلی۔ بتا جلدی سے اپنے خرم کا حدود اربعہ اور کھلا جلدی سے زبردست قسم کی مٹھائی۔''

''تم لوگ چپ ہو جاؤ میں بتاتی ہوں۔'' فخری نے کہا۔

''پہلے ان محترمہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کی شادی ان کے ماموں زاد بھائی خرم سے ہو رہی ہے پھر چھٹیوں میں ان کے گھر ڈیرہ گئیں، وہاں ان کے خواب نے حقیقت کا روپ دھار لیا۔''

''واقعی؟'' اسمی نے کہا ''تو نے سچ مچ خواب دیکھا تھا؟''

''یہ فخری کی بچی بہت بولنے لگی ہے' کہیں اس کی بھی شادی وادی تو نہیں ہو گئی چھٹیوں میں۔'' منیرہ نے ہنس کر کہا۔

فخری کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا مگر اس نے خود کو سنبھال لیا۔

''اب تم بات ٹالو مت اور سب تفصیل سناؤ الف سے ے تک۔''

منیرہ نے مختصر طور پر اپنے نکاح کی روداد سنائی۔

وکی سب سے زیادہ بے چین تھی۔

''رخصتی کب ہو گی؟'' وکی نے پوچھا۔

''جب پڑھ لوں گی تو ہو جائے گی رخصتی بھی۔'' منیرہ نے ہنس کر کہا۔

''ہائے میری! تو میرے لیے بھی ایک خواب دیکھ دے۔ خدا کی قسم منہ مانگا انعام دوں گی۔''

وکی نے کہا تو سب لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

داخلے کا فارم لے کر سب نے بھرا اور جمع کروا دیا۔ دو روز بعد انٹرویو کے لیے آنا تھا۔ کالج آئے ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی۔ فخری اور منیرہ گھر جانے والی بس پر سوار ہو گئیں۔

فخری اور منیرہ کے علاوہ ان کی دوست وقارالنساء کو بھی داخلہ مل گیا تھا۔ان کے علاوہ ان کی کوئی قریبی دوست داخل نہیں ہوئی تھی۔

کالج کی دنیا انھیں بہت خوبصورت لگی۔ابھی کالج آئے ہوئے انھیں دو دن ہی ہوئے تھے پڑھائی شروع نہیں ہوئی تھی زیادہ تر یہ لڑکیاں گھومتی پھرتی رہتیں اور باتیں کر کے وقت گزارتیں۔

ایک دن باتوں ہی باتوں میں منیرہ کو نگہت یاد آ گئی۔

''ارے فخری وہ تمہاری رشتے دار نگہت کا کیا بنا؟ پاس ہوئی کہ نہیں؟''

''مجھے تو خبر نہیں۔''فخری نے کہا۔

اب نگہت کا واقعہ کچھ پرانا ہو چلا تھا اس وجہ سے فخری نے اپنے ذہن کو اس جانب سے نارمل کر لیا تھا۔

''تمھیں خبر نہیں کیوں؟''

''منیرہ تمھیں پتہ ہے میں نے تمھارے خط کا جواب کیوں نہ دیا تھا؟''اچانک فخری نے آہستہ سے سوال کیا۔

''یہ میری بات کا جواب تو نہیں۔''

''یہی تمہاری بات کا جواب ہے تم پوچھو تو سہی۔''

''اچھا بتاؤ تم نے میرے خط کا جواب کیوں نہ دیا تھا؟''

''ابھی تمھارے نکاح کی خوشی میں منانے بھی نہ پائی تھی کہ نگہت نے ہماری تمام خوشیوں کو نگل لیا۔منیرہ۔یہ بات تمھیں خود ہی معلوم ہو جائے گی بہتر ہے کہ میری زبانی ہی سن لو۔نگہت اور بڑے بھیا۔اس شہر یا شاید اس ملک ہی سے چلے گئے۔''

''نہیں فخری نہیں۔''منیرہ نے پریشان ہو کر کہا۔''اور تمہاری بھابی؟''

''انھیں بڑے بھیا طلاق دے گئے ہیں۔''

''اب کہاں ہیں وہ؟''

''اپنی اماں کے گھر بچوں کو لے کر چلی گئیں،اب گھر میں،میں ریحانہ اور چھوٹے بھیا اکیلے رہتے ہیں۔''

''تم لوگ اب کیا کرو گے۔''منیرہ اب بہت زیادہ پریشان ہو گئی تھی۔

''چھوٹے بھیا اب انجینئر نہیں بنیں گے منیرہ۔وہ آج کل میری خاطر کلر کی ڈھونڈ رہے

ہیں۔''

منیرہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

''تم بہت کمزور دل ہو منیرہ۔ بات بات پر آنسو بہانے بیٹھ جاتی ہو۔'' فخری نے کہا۔'' مجھے دیکھو کیسی پتھر دل ہوں بڑی سے بڑی مصیبت ٹوٹ جائے کیا مجال ہے کہ آنکھیں نم ہو جائیں۔''

''فخری خدا کے واسطے تم ایسی باتیں نہ کرو مجھے کچھ ہو جائے گا۔''

''منیرہ میں نے اسی لیے اتنے دنوں سے تم سے یہ بات چھپائی ہوئی تھی میں جانتی تھی تم رنجیدہ ہو جاؤ گی۔''

''مجھے تو پہلے ہی نگہت کے کردار پر شبہ تھا اور تمھارے بڑے بھیا کے ساتھ وہ اکثر گھوما بھی کرتی تھی مگر یہ خبر نہ تھی کہ اپنی بہن کا گھر اُجاڑ کر اتنی آگے نکل جائے گی۔'' منیرہ نے کہا۔

''ہم نے جو ذلت اور رسوائی اُٹھائی ہے منیرہ، اس کا تم اندازہ نہیں کر سکتیں۔ لوگ ہمیں بھی ویسا ہی سمجھتے ہوں گے۔'' فخری نے کہا۔

''لوگوں کی پروا کرو گی تو خود کو مٹا دوں گی فخری۔ لوگ جو کچھ کہتے ہیں انھیں کہنے دو۔ کسی کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا جو جیسا ہے ویسا ہی رہے گا۔''

''رسوائی کا یہ داغ تو تمام عمر کے لیے لگ گیا ہے منیرہ۔'' فخری نے رنجیدہ ہو کر کہا۔

''وقت گزرنے کے ساتھ ہر واقعہ دھندلا جاتا ہے کچھ عرصے کے بعد لوگ بھول جائیں گے۔'' منیرہ نے کہا۔

''تم اپنا مشن جاری رکھو انشاءاللہ جب تم ڈاکٹر بن جاؤ گی تو ہر بات قصہ پارینہ بن چکی ہو گی۔''

''یہ سب دل بہلانے کی باتیں ہیں منیرہ ورنہ حقیقت بہت تلخ ہے۔''

''تم دیکھ لینا ایسا ہی ہو گا جب تم ڈاکٹر بن جاؤ اور زندگی کی ہر خوشی تمھارے قدموں میں ہو تو میری بات ضرور یاد کر لینا۔''

''اچھا بیگم صاحبہ۔'' فخری نے ہنس کر کہا۔'' ضرور یاد کر لوں گی آپ کی بات مگر آپ کہاں ہوں گی اس وقت؟ میری خوشیوں میں شریک ہونے نہ آئیں گی؟''

''پتہ نہیں اس وقت میں کہاں ہوں گی۔ شاید امریکہ یا لندن۔ فخری مجھے اپنے ملک سے باہر جانے کا بہت شوق ہے میرا پکا ارادہ ہے کہ میں رخصتی کے بعد خرم کو مجبور کروں گی کہ وہ باہر

جانے کی کوشش کریں۔''

''رخصتی کب کروا رہی ہو؟'' فخری نے مسکرا کر پوچھا۔

''فی الحال تو نہیں۔''

''منیرہ تم نے غلطی کی کہ صرف نکاح کر کے چلی آئیں اگر رخصتی ہو جاتی تو اچھا ہوتا۔'' فخری نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''رخصتی ہونا تو ایک روایتی سی بات ہے اصل چیز تو نکاح ہے وہ تو ہو ہی چکا'' منیرہ نے کہا۔ ''تم نے یہ بات کیوں کہی؟''

''بس یونہی کہہ دی تھی۔'' فخری نے کہا۔ ''بزرگوں سے سنتے آئے ہیں نکاح کر کے بہت عرصے ایک دوسرے سے الگ نہیں رہنا چاہیے۔ کیا فائدہ ہوتا ہے۔ جب شادی کرنا ہو تو پوری ہی ہونی چاہیے نکاح اور رخصتی ساتھ ساتھ۔''

''لیکن ہمارے درمیان کوئی اجنبیت نہیں ہے۔ خرم آتے جاتے رہیں گے۔ ہمارا آپس میں پردہ بھی نہیں ہے۔ پھر میری امی بہت آزاد خیال ہیں وہ کسی بات کو منع نہیں کرتیں۔''

''وہ سب کچھ ٹھیک ہے لیکن ممکن ہے وقت گزرنے کے ساتھ خیالات میں تبدیلی آ جائے۔''

''کس کے خیالات میں؟'' منیرہ نے کہا ''خرم کے؟ ناممکن۔ خرم مجھے بہت پسند کرتے ہیں۔ شادی ان کی مرضی لے کر ہی کی گئی ہے۔''

''نہیں خرم کے خیالات تبدیل نہیں ہو سکتے'' فخری نے وثوق سے کہا۔ ''میں تمہاری بات کر رہی تھی۔''

''میری بات؟'' منیرہ نے تعجب سے کہا۔ ''تم مذاق کر رہی ہو شاید...... تمھیں تو اچھی طرح معلوم ہے خرم کو حاصل کرنا میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا تھی جو اتفاق سے پوری ہو گئی پھر میرے خیالات اور وہ بھی خرم کے لیے کیسے تبدیل ہو سکتے ہیں۔''

''یہی تو بات ہے منیرہ۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پسند کر کے جو چیز حاصل کی جاتی ہے پھر وقت گزرنے کے ساتھ...... جب پسند بدل جاتی ہے تو وہ چیز بھی نظروں سے اُتر جاتی ہے...... رہی خرم کی بات تو انھوں نے یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر کیا ہے، جذبات میں بہہ کر نہیں اس لیے ان کے تبدیل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''تمہارا خیال ہے میں نے یہ فیصلہ جذبات میں بہہ کر کیا ہے ورنہ خرم میرے قابل نہ تھے۔''منیرہ نے برامان کر کہا۔

''تم میری بات کو غلط مت سمجھو منیرہ۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ تمہارا فیصلہ غلط ہے یا خرم میں کوئی عیب ہے۔ اس وقت تمھارے جذبات بالکل سچے ہیں لیکن ابھی تم کم عمر ہو نا تجربہ کار ہو۔ جب وقت گزرے گا اور تمہارا شعور پختہ ہوگا اس وقت ممکن ہے تم سوچو کہ تمہارا فیصلہ جذباتی تھا۔ اس لیے اکثر ان معاملات میں پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور اگر رخصتی ہو جاتی تو تمھیں سوچنے کی مہلت ہی نہ ملتی۔''

''میں کم عمر اور نا تجربہ کار ہوں۔''منیرہ نے مصنوعی غصے سے کہا، اور تم جیسے دادی اماں بن چکی ہو۔''

''دراصل اس قسم کا واقعہ ہوا ہے ہمارے خاندان میں اس وجہ سے منہ سے نکل گیا تھا تم برا نہ ماننا منیرہ۔''فخری نے منصور کے متعلق سوچتے ہوئے کہا۔

''کیسا واقعہ؟''

''ایک صاحب نے اور ان کے گھر والوں نے اپنی پسند سے اپنی رشتے دار لڑکی سے نکاح کیا مگر بعد میں حالات بدلے۔ کچھ دنیا دیکھی اور کچھ دنیا کے رنگ ڈھنگ دیکھے تو ان لوگوں کو پچھتاوا ہوا کہ خواہ مخواہ نکاح کر کے بیٹھ گئے...... اب وہ لوگ رخصتی کروانے سے انکار کر رہے ہیں۔''

''وہ کوئی بے وقوف لڑکا ہوگا۔ میں ایسی پاگل نہیں ہوں اور نہ ہی اتنی بچہ ہوں کہ اپنا برا بھلا نہ سوچ سکوں۔''

''اچھا یہ بتاؤ منیرہ تمھیں کیا تحفہ دوں تمھارے نکاح پر؟''فخری نے موضوع بدل کر کہا۔

''ابھی کیا ضرورت پیش آ گئی تحفے کی۔ جب رخصتی ہو تو دے دینا۔''

''ذہین چھوٹے بھیا کہہ رہے تھے کہ تمھارے لیے کوئی اچھا سا تحفہ خریدیں گے۔''

''بس تم دونوں کا خلوص ہی میرے لیے سب سے بڑا تحفہ ہے فخری۔ میں تم سے سچ کہہ رہی ہوں ابھی تحفے کا...... تکلف مت کرو۔ خدا تمھارے حالات اچھے کرے میں تم سے اچھی سے اچھی چیز مانگ لوں گی۔''

''اچھا سنو منیرہ، تم اپنے ابو سے تذکرہ کرنا اگر چھوٹے بھیا کی نوکری کے لیے وہ کوشش کر

سکیں۔“

منیرہ سوچنے لگی پھر بولی۔”ٹھیک ہے ابو سے تو میں کہوں گی۔ ویسے ابو بے چارے اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں وہ کیا کر سکتے ہیں۔ہاں ہمارے ایک جاننے والے ہیں میجر نعیم۔ان کے بہت زیادہ لوگوں سے تعلقات ہیں۔ میں ابو سے کہوں گی وہ ان سے بات کریں بلکہ میں خود تمھارے بھیا کے لیے ان سے کہوں گی مجھے یقین ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی انتظام ضرور کروادیں گے۔“

”منیرہ پلیز تم جلدی تذکرہ کرنا۔ میں تمہارا یہ احسان تمام عمر نہ بھولوں گی۔ بھیا اپنی سروس کے لیے بہت پریشان ہیں۔“

”کیسی بات کرتی ہو فخری۔ کیسا احسان اور کہاں کا احسان۔ خدا نے چاہا تو بھیا کو نوکری ضرور مل جائے گی۔“

”سب سے زیادہ فکر تو مکان کی ہے ہمیں جلد ہی گھر خالی کرنا ہوگا لیکن اگر بھیا کو سرکاری ملازمت مل جائے تو یہ مکان ان کے نام کروایا جا سکتا ہے۔“

”اچھا یہ بات بھی نعیم ماموں سے کروں گی۔ اچھا ہوا جو تم نے بتادیا۔“

”تم ساری باتیں بتانے نہ بیٹھ جانا۔“

”نہیں، تم پاگل سمجھتی ہو مجھے۔ میں نعیم ماموں سے یہ قصہ بیان کروں گی؟ بس نوکری کی بات کروں گی۔“

”شکریہ بہت بہت۔“ فخری نے کہا۔”آؤ چلتے ہیں دوپہر ہوگئی۔ پڑھائی تو ہونہیں رہی۔“

”وکی کہہ رہی تھی کہ نوٹس بورڈ پر ٹائم ٹیبل لگ گیا ہے کل سے کلاسز ہوں گی آؤ اتار لیتے ہیں۔“

”چلو“......فخری نے کہا۔ دونوں سہیلیاں نوٹس بورڈ پر ٹائم ٹیبل اُتارنے چلی گئیں۔

منیرہ کا خیال تھا کہ میجر نعیم اپنے تعلقات کے بل بوتے پر اصغر علی کو سروس دلوانے میں بھرپور مدد کریں گے۔ مگر سوائے زبانی وعدوں کے انھوں نے کوئی عملی مدد نہ کی۔ان کی اس روش سے منیرہ کافی بددل ہوئی۔اس نے فخری سے بہت زیادہ معذرت بھی کی۔

اصغر علی نے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور بہت جلد اپنی ذاتی قابلیت اور اہلیت کے بل بوتے پر ایک کیمیکل کمپنی میں ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔اس کی میٹرک اور انٹر سائنس میں فرسٹ ڈویژن تھی۔قد وقامت بھی اچھا تھا اور وہ بہترین انگریزی بول سکتا تھا۔اس

کی تنخواہ دو سو روپے ماہوار تھی جو اس زمانے میں اسے بہت زیادہ غنیمت معلوم ہوئی۔ ان لوگوں نے جلد ہی وہ کوارٹر چھوڑ دیا۔ اصغر علی کے دوست کے مکان کا ایک پورشن جس میں ایک کمرہ، برآمدہ، باتھ روم اور کچن تھا، پچاس روپے ماہوار پر لے کر وہ لوگ رہنے لگے۔

محلے کی تبدیلی نے ان سب پر خوشگوار اثر کیا۔ اب نئی جگہ تھی نئے پڑوسی تھے، کسی کو ان کے حالات کا علم نہ تھا سب کو معلوم تھا کہ ماں باپ ختم ہو چکے ہیں۔ اصغر علی اور دونوں بہنیں دنیا میں اکیلی ہیں۔ فخری نے اپنی خوش اخلاقی اور ذہانت سے بہت جلد محلے میں مقام پیدا کر لیا۔ کالج کے اندر بھی فخری بہت جلد سب کے درمیان ہر دل عزیز ہو گئی۔ اس نے اپنی تعلیمی سرگرمیاں اور تیز کر دی تھیں اور وہ ہر ماہ ہونے والے ٹیسٹوں میں ہر مضمون میں اول آنے لگی اور جلد ہی وہ لیکچررز کی نگاہوں میں بھی آ گئی۔

اصغر علی نے پرائیویٹ بی اے کی تیاری شروع کر دی تھی۔ اس کا مشن اپنی جگہ پر تھا۔ چھوٹی خالہ سے ہر تعلق ختم ہو چکا تھا۔ ان لوگوں نے اپنے مکان کی تبدیلی اور نئے پتے کی بھی وہاں اطلاع نہ دی۔ کیا کرتے لکھ کر۔ چھوٹی خالہ کو ان لوگوں سے واسطہ ہی کیا تھا۔

زندگی اب معمول پر آ گئی تھی اور تینوں بھائی بہن بہت سکون سے زندگی گزار رہے تھے۔

منیرہ اور فخری کی دوستی بدستور تھی۔ ان ہی دنوں ان لوگوں کو نسرین کی شادی کی اطلاع ملی۔ اس کی شادی اُسی پڑوسی ناصر سے ہو گئی تھی اس کے علاوہ یہ بھی پتہ چلا کہ پیر جی نے دوسرا نکاح کر لیا تھا۔ پہلی بیوی بے چاری ایک کونے میں پڑی اللہ اللہ کیا کرتی تھیں اور دوسری بیوی ہر چیز پر قابض تھی۔ پیر جی کا کہنا تھا کہ شرع میں چار شادیوں کی اجازت ہے اور چونکہ سنت بھی ہے اس لیے انھوں نے عین شرع کے مطابق سنت پوری کی ہے یہ سب خبریں گاہے بہ گاہے منیرہ بیان کیا کرتی تھی۔

رفتہ رفتہ ایک سال بیت گیا۔ فرسٹ ایئر کے ہوم اگزام پاس کر کے یہ سب لوگ سیکنڈ ایئر میں آ گئیں۔ یہ سال فخری کے لیے بہت اہم تھا کیونکہ انٹر سائنس کے نمبروں پر اس کے مستقبل کا دارومدار تھا۔ وہ ڈاکٹر بننا چاہتی تھی اور اس کے لیے انتھک محنت کی ضرورت تھی۔

فخری کے لیے ہر ٹیچر کے دل میں عزت تھی۔ ایک مقام تھا۔ منیرہ کالج آ کر اپنی پڑھائی کا وہ معیار برقرار نہ رکھ سکی۔ بہت زیادہ محنت کرنے کے باوجود اس کے نمبر زیادہ اچھے نہیں آتے تھے۔ وہ ان دنوں اپنی فزکس کی لیکچرر مس شہلا پر مرا کرتی تھی۔ مس شہلا کم عمر کی شوخ طبیعت کی

لیکچرر تھیں۔ بہت جلد منیرہ اور وہ آپس میں بے تکلف ہوگئیں۔ منیرہ کی سہیلیوں کا حلقہ وسیع ہو چکا تھا اس کی سہیلیاں اسے "مس شہلا" کے نام سے چھیڑا کرتی تھیں اور وہ بہت خوش ہو ہو کر لڑکیوں کی باتیں سنا کرتی تھی۔

اس کی تمام دوستوں کو اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ اس کا نکاح ہو چکا ہے اور وہ اپنی دوستوں سے خرم کی بہت زیادہ باتیں کیا کرتی تھی۔ سہیلیاں اُس کی باتیں دلچسپی سے سنتی تھیں۔ مگر فخری کو اپنی پڑھائی سے زیادہ دلچسپی تھی اس لیے عملاً ایسا ہوا کہ دو گروپ بن گئے تھے۔ منیرہ اپنی نئی دوستوں کے ساتھ مگن رہتی اور فخری کی دنیا دوسری تھی۔ یہ نہیں کہ ان کی دوستی میں کوئی فرق آیا تھا وہ اب بھی دوست تھیں مگر دونوں کی بدلتی ہوئی طبیعتوں نے ایک دوسرے کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ پیدا کر دیا تھا۔

انہی دنوں فخری کی دوستی کلاس کی امیر ترین لڑکی فرح سے ہو چکی تھی۔ فرح خوبصورت تھی۔ فیشن ایبل تھی مگر ساتھ ہی ساتھ پڑھائی میں بھی بہت تیز تھی۔ اس نے سینٹ جوزف اسکول سے میٹرک کیا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ فخری اور فرح آپس میں مل کر پڑھائی کرتیں اکثر خالی پیریڈ لائبریری میں گزارتیں۔ عام لڑکیوں کا خیال تھا کہ فخری کی صحبت میں رہ کر فرح بھی کتاب کا کیڑا بن گئی ہے۔

کچھ عرصہ فرح کے ساتھ گزارنے کے بعد فخری کو یہ احساس ہوا کہ فرح بہت اچھی طبیعت کی لڑکی ہے۔ اس میں ایسی کوئی خامی نہ تھی جو عام طور پر دولت مند لڑکیوں میں پائی جاتی ہے۔ اس نے نہ کبھی اپنی امارت کا ذکر کیا نہ کبھی پیسے کا رعب جھاڑا۔ نہ ہی کبھی ماضی کو کریدنے کی کوشش کی اسے اس بات سے بالکل غرض نہ تھی کہ فخری کون ہے کس خاندان سے تعلق ہے اس کا مالی اسٹیٹس کیا ہے۔ وہ تو فخری کی ذہانت اور اس کی سیرت سے متاثر تھی۔ یہی وجہ تھی کہ فخری بہت جلد فرح کی دوست بن گئی۔ اکثر ڈھکے چھپے الفاظ میں منیرہ نے فخری کو فرح کا طعنہ بھی دیا مگر فخری ہنس کر ٹال گئی۔ فخری نے میٹرک کے فارم میں اپنا نام فاخرہ خاتون فخری بھرا تھا یہی وجہ تھی کہ کالج میں وہ ...... کے نام سے مشہور ہوگئی۔ ساری لڑکیاں اور اکثر لیکچررز بھی اسے فخری کے نام سے پکارا کرتی تھیں۔ فخری نے اپنی نئی دوست فرح کا تذکرہ چھوٹے بھیا سے کیا ہوا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایک دن جب فرح نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دی تو اصغر علی نے اسے بخوشی اجازت دے دی۔

اصغر علی خود فخری کو فرح کے گھر چھوڑ کر آئے۔ فرح کی کوٹھی بہت بڑی تھی۔ سامان بھی بہت

قیمتی اور اعلیٰ تھا۔ گھر میں ملازم بھی تھے۔ مگر فرح کے گھر کے لوگ بہت سادہ اور مخلص تھے۔ غرور نام کو نہ تھا۔

فخری سے سب غائبانہ متعارف تھے۔ فرح کی امی بیگم سبحانی، فخری سے بہت محبت سے ملیں۔ فرح اپنے ماں باپ کی صرف ایک ہی لڑکی تھی۔ اس کے علاوہ دو بڑے بھائی تھے دونوں شادی شدہ اور بال بچے دار تھے۔ وہ سب کے سب ساتھ ہی رہتے تھے۔ یہ سب لوگ تجارت پیشہ تھے۔ جوائنٹ فیملی سسٹم تھا۔ فرح کی بھابیاں بھی فخری سے ملنے آئیں۔ فخری ان سب مخلص لوگوں سے مل کر بہت خوش ہوئی اور گھر آ کر چھوٹے بھیا سے سب کی خوب تعریف کی۔ اس کے بعد اکثر ایسا ہونے لگا...... فرح نے بھی فخری کا گھر دیکھ لیا تھا۔ کبھی کوئی نوٹس منگوانے ہوتے یا کتاب، فرح اپنا ڈرائیور بھیج کر منگوا لیتی یا چھٹی ہوتی تو خود چلی آتی تھی۔ اسے فخری کا چھوٹا سا صاف ستھرا گھر بہت اچھا لگتا تھا۔

''فخری تمہارے گھر میں کتنا سکون ہے۔'' وہ اکثر کہا کرتی تھی۔

''تم بڑے گھر میں رہنے کی عادی ہو، یہ مختصر سا گھر ہے اس لیے عجیب سا لگتا ہے جس کو تم سکون کا نام دے دیتی ہو۔'' فخری نے ہنس کر کہا۔

''نہیں فخری تم یوں نہ کہو۔'' وہ کہتی۔ ''میں سچ کہتی ہوں تمہارے گھر میں اتنا سکون اور اتنی ٹھنڈک ہے کہ میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتی۔''

انٹر سائنس کے امتحانات نزدیک تھے۔ ایک روز فرح نے فخری سے کہا۔ ''کل چھٹی ہے میں ڈرائیور کو بھیج دوں گی۔ تم آ جانا ہم دونوں ساتھ مل کر پڑھیں گے۔''

چنانچہ فخری نے چھوٹے بھیا سے اجازت لی اور دوسرے روز فرح کے گھر جا پہنچی۔

فرح اور فخری دونوں لاؤنج میں بیٹھی کتابیں درست کر رہی تھی کہ اچانک ایک اسمارٹ سا نوجوان ان دونوں کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

فخری اور فرح نے ایک ساتھ نگاہیں اُٹھائیں۔

''ہائے منصور بھائی آپ۔ اچانک کیسے آ گئے؟'' فرح کتابیں پھینک کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم نے یاد کیا ہو گا جب ہی دو دن سے مسلسل ہچکیاں آ رہی تھیں۔ میں نے کہا پوچھ آؤں جا کر تمہاری خیریت۔ کم از کم ہچکیاں تو بند ہوں۔''

''کمال ہے۔ اتنی دور سے ہچکیاں بند کرنے چلے آئے۔''

فرح کا چہرہ گلاب کی مانند کھلا ہوا تھا۔

اچانک اسے فخری کا خیال آیا۔

''فخری معاف کرنا میں نے تعارف نہیں کروایا۔ یہ منصور بھائی ہیں۔ امجد انکل کے اکلوتے بیٹے۔ لاہور میں رہتے ہیں۔ ان کے ڈیڈی اور میرے ڈیڈی کی بزنس پارٹنر شپ ہے اور منصور بھائی یہ میری کلاس فیلو اور عزیز دوست فخری ہیں۔ ہر مضمون میں اوّل آتی ہیں۔''

''بڑی خوشی ہوئی مل کر۔'' منصور نے روایتی انداز میں کہا۔ پھر تینوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

فخری کا دل عجیب انداز میں دھڑ کنے لگا وہ تو منصور کا نام سن کر ہی چونک گئی تھی مگر خالو جان کا نام سن کر تو کسی شبہے کی گنجائش ہی نہ رہی۔

تو یہ تم ہو منصور محمود۔ میرے مجازی خدا جس سے ایک بار ملنے کی میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی۔ اس نے اپنے دل میں کہا، ہاں اللہ تعالیٰ یوں ہی تو دعائیں پوری کرتا ہے۔

بچپن کی دُھندلی شبیہہ بالکل واضح اور صاف ہو چکی تھی یہ تو بالکل وہی تھا۔ ہو بہو وہی بچپن کا منصور......وہی اونچی سی ناک، وہی کشادہ پیشانی اور وہی بالوں کا خوبصورت سا خم۔

اللہ کچھ بھی تو نہ بھولی تھی وہ۔ سب کچھ یوں یاد آ گیا تھا جیسے کل کی بات ہو۔

اور وہ دونوں اُس کے خیالات سے بے خبر اپنی باتوں میں مگن تھے۔ فخری کا وجود کسی اہمیت کا حامل نہ تھا۔ نہ وہ فرح کی طرح خوبصورت تھی نہ ہی بے باک۔ اس کی قدر تو وہی لوگ کر سکتے تھے جنھوں نے اسے قریب سے دیکھا ہو، عام لوگوں کے لیے وہ ذرا بھی توجہ کا باعث نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ منصور نے اُس کا کوئی نوٹس نہ لیا اور سرسری سی علیک سلیک کے بعد فرح سے باتوں میں مشغول ہو گئے۔ فخری کی عجیب سی حالت تھی۔

اس نے چپکے سے منصور کو دیکھا۔

لمبا اونچا قد، بھرا ہوا جسم، بچپن کا دُبلا پتلا منصور اب توانا مرد بن چکا تھا......کتنا خوبصورت تھا اس کا منصور۔

اس کا دل چاہا وہ منصور کو اپنے دل میں چھپا لے۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اتنی دُور نکل جائے کہ کسی کو ان دونوں کا سایہ بھی نہ ملے۔

وہ چیخ چیخ کر ساری دنیا کو بتا دے۔

''منصور میرا ہے......منصور میرا ہے۔''

مگر عملی طور پر وہ کچھ بھی نہ کرسکتی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا محبوب شوہر اس سے بے گانہ بنا فرح سے ہنس ہنس کر باتیں کررہا تھا۔

فرح اچانک اُٹھ گئی۔

''تم بیٹھو فخری، میں ابھی ممی کو بتا کر آتی ہوں۔ پھر ہم بیڈروم میں چل کر پڑھیں گے۔''

فرح چلی گئی۔

فخری بے چین ہوگئی۔

ہاتھوں میں پکڑی ہوئی کتابیں پسینے سے بھیگ گئیں۔ منصور کے لیے یہ عام سی لڑکی ذرا بھی قابل توجہ نہ تھی۔ انھوں نے قریب پڑا ہوا انگریزی میگزین اٹھالیا اور ورق گردانی کرنے لگے۔

فخری کا دل چاہا وہ منصور سے کچھ پوچھے۔ چھوٹی خالہ اور خالو جان کے متعلق۔ سارہ آپا کی خیریت معلوم کرے۔ اور خود اپنے متعلق اس کے خیالات جان سکے۔ مگر وہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی اس کی زبان بند سی ہوگئی تھی۔

اُسے اتنا اندازہ ہوگیا تھا کہ فرح اور منصور آپس میں بہت بے تکلف ہیں مگر وہ اس بے تکلفی کو کوئی نام نہ دے سکی۔ بڑے لوگوں میں اکثر لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان ایسی ہی دوستی ہوتی ہے۔

ابھی وہ خیالات کے تانے بانے بن رہی تھی کہ فرح اور ممی آ گئیں۔ فرح فخری کو لے کر اپنے بیڈروم میں چلی گئی۔ آج فخری کا دل پڑھائی میں نہیں لگ رہا تھا۔ فزکس کے سوالات حل کرتے ہوئے وہ اٹک اٹک جاتی تھی۔ یوں جیسے سارے سوالات سب طریقے بھول چکی ہو۔ فرح کو حیرانی تھی کہ آج فخری کو کیا ہوا ہے۔ آخر اس نے پوچھ ہی لیا...... ''کیا بات ہے فخری، آج تم غائب دماغ ہورہی ہو۔''

''ہاں فرح دراصل آج میرے سر میں سخت درد ہورہا ہے اس وجہ سے کوئی سوال سمجھ میں نہیں آتا۔''

''تم نے ذکر بھی نہ کیا اگر طبیعت خراب تھی تو ڈرائیور سے کہلوادیا ہوتا۔ ہم کسی اور دن پڑھ لیتے۔''

''اس وقت کوئی خاص درد نہ تھا اب بڑھتا جارہا ہے۔'' فخری نے سر کو ہاتھوں سے دباتے ہوئے کہا۔

''اگر آج میں نہ آتی تو اپنے منصور کو کیسے دیکھتی۔ اس نے دل میں کہا اور منصور کی شبیہہ نگاہوں میں بسائے آنکھیں موند کر فرح کے بستر میں لیٹ گئی۔

''ٹھیک ہے تم تھوڑی دیر آرام کرلو۔ اگر طبیعت ٹھیک ہو جائے تو پڑھائی کر لینا ورنہ میں تمھیں گھر چھوڑ آؤں گی۔''

''ہاں میں تھوڑی دیر لیٹوں گی پھر مجھے بھجوا دینا۔''

''واہ میں خود تمھیں چھوڑ کر آؤں گی۔''

''نہیں تمھارے گھر مہمان آئے ہوئے ہیں تم کہاں تکلیف کرو گی۔''

''منصور بھائی مہمان نہیں ہیں۔'' فرح نے ہنس کر کہا۔'' وہ اس گھر میں بالکل اپنے گھر کی طرح آتے جاتے ہیں ڈیڈی کے امجد انکل سے بہت تعلقات ہیں۔ ظاہر ہے منصور بھائی سے بھی کوئی تکلف نہیں ہے۔''

''تمھیں بہت پسند ہیں شاید منصور بھائی؟'' فخری نے آنکھیں موندے موندے پوچھا۔

''تم نے کیسے سمجھ لیا فخری۔ میں تو تمھیں ان معاملات میں بدھو سمجھتی تھی مگر تم تو بڑی تیز نکلیں۔''

فخری نے آنکھیں کھول دیں۔'' میرا خیال صحیح نکلا نا۔''

''ہاں ہے تو درست مگر تم نے کیسے سمجھا؟''

''بس دھچتل لڑایا تھا ورنہ میں کون سی تجربہ کار ہوں۔'' فرح ہنسنے لگی۔

''اور وہ حضرت کتنے پانی میں ہیں؟'' فخری نے اپنے دھڑکتے دل کو سنبھالتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ تو جان جگر دل سب کچھ طشتری میں سجائے رکھتے ہیں میرے لیے، بس میں خود ذرا لفٹ کم دیتی ہوں۔''

''تم لفٹ کیوں نہیں دیتیں؟''

''ان مردوں کو زیادہ لفٹ مل جائے تو ان کے دماغ خراب ہو جاتے ہیں اس وجہ سے میں ذرا خیال رکھتی ہوں۔''

''بہت عقلمند ہو۔ ویسے خیال کیا ہے تمہارا؟''

''خیال تو نیک ہی ہے اب دیکھو آئندہ کیا ہوتا ہے۔''

پہلے فخری نے سوچا تھا کہ فرح سے کچھ حالات معلوم کر کے اپنے حالات بتا دے گی۔ مگر اب معاملہ دوسرا ہو گیا تھا۔ فرح اور منصور ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور منصور نے اپنے نکاح کی بات ان لوگوں سے چھپائی ہوگی اتنا تو فخری سمجھ ہی گئی تھی۔

فخری زیادہ رُکی نہیں۔ وہ آج بہت زیادہ ڈسٹرب ہو گئی تھی۔ اس لیے فرح اسے اس کے گھر پہنچا آئی۔

منصور اور فرح کے سامنے اس نے غیر معمولی ضبط کا مظاہرہ کیا تھا۔ جوں ہی گھر آئی ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ برسوں کا رُکا ہوا سیلاب آنکھوں کی راہ اُبل پڑا۔ ریحانہ فخری کو روتا دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

''کیا ہوا چھوٹی آپا آپ رو کیوں رہی ہیں؟''

''کچھ نہیں، میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' فخری نے ریحانہ کو ٹال دیا۔

ریحانہ کچھ بھی نہ سمجھ سکی۔ چپ چاپ فخری کے پاس کھڑی ہو گئی۔

''تم جاؤ ریحانہ، مجھے تنہا چھوڑ دو میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

ریحانہ چپ چاپ چلی گئی۔ آنسوؤں کا سیلاب اُمڈتا رہا۔ اُمڈتا رہا۔

نکاح کی تقریب۔ چھوٹی خالہ اور خالو جان کی محبتیں، پاکستان آنا اور پھر بدلتے حالات کے ساتھ چھوٹی خالہ کی نفرتیں۔ منصور اور فرح سب کچھ آپس میں گڈمڈ ہو گیا۔

تو منصور نے اپنی نئی دنیا بسانے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے۔

وہ فاخرہ خاتون کو بھول چکے ہیں۔

لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔

میں فرح کو سب کچھ بتا دوں گی۔

منصور کی پوری لائف ہسٹری کھنگال ڈالوں گی۔

منصور میرے ہیں۔

صرف میرے۔

انھیں مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔

منصور کو اپنے فیصلے بدلنے ہوں گے۔ وہ فاخرہ خاتون کو نہیں بھول سکتے۔

کبھی بھی نہیں۔

اس کے دل سے ایک ہوک سی اٹھی۔

منصور کا خوبصورت سراپا اس کی رگ رگ میں سما گیا۔ کتنے اچھے ہیں منصور۔ میرے منصور۔ میں انھیں چھین لوں گی۔ چھپالوں گی۔ انھیں کوئی نہیں لے سکتا۔

وہ بہت زیادہ جذباتی ہورہی تھی۔

وہ منصور سے اتنی شدید محبت کرتی ہے اس کا اس کو آج سے قبل اندازہ نہ تھا۔

کاش وہ منصور کو بتاسکتی وہ کون ہے مگر یہ بات اتنی آسان تو نہ تھی۔

سارا دن روتے روتے اُس کی آنکھیں سوج کر سرخ ہوگئیں۔

شام کو اصغر علی، کمپنی سے واپس آئے تو فخری کی حالت دیکھ کر پریشان ہو اُٹھے۔

''کیا ہوا فخری؟'' انھوں نے آتے ہی فکرمندی سے پوچھا۔

اور چھوٹے بھیا کی شفیق ہستی سے سر ٹکا کر وہ ایک بار پھر رو پڑی۔

''کچھ بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے آج تم فرح کے گھر گئی تھیں؟''

''گئی تھی مگر بہت جلد واپس آ گئی تھی۔''

''کیوں؟''

''میری طبیعت خراب ہوگئی تھی۔''

''مگر وجہ کیا ہوئی؟''

''چھوٹے بھیا......''

''ہاں ہاں کہو۔''

''فرح کے گھر......'' وہ رک گئی۔

''تم اطمینان سے پوری بات بتادو ہوا کیا۔''

''فرح کے گھر منصور آئے تھے۔''

''منصور بھائی؟''

''ہاں۔''

''تم نے کیسے پہچانا؟''

''تعارف ہوا تو پتہ چلا۔''

''وہ پہچان گئے تمھیں؟''

''نہیں۔ فرح نے کہا تھا یہ میری دوست فخری ہیں اس وجہ سے وہ کچھ نہ سمجھ سکے۔''

''تو اس میں اس قدر رونے کی کیا بات ہے؟''

''یہ بات نہیں۔''

''پھر کیا بات ہے؟''

''منصور اور فرح ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں چھوٹے بھیا۔''

''تمھیں کیسے معلوم ہوا؟''

''مجھے ان لوگوں کے رویے سے شک ہوا تھا۔ پھر فرح نے اس شک کی تائید بھی کر دی۔''

''فرح کو منصور بھائی کے نکاح کی بات معلوم ہے؟''

''نہیں۔ اسے غالباً کوئی بات معلوم نہیں۔''

اصغر علی سوچ میں پڑ گئے۔

ان کی سمجھ میں نہ آیا وہ فخری کو کن الفاظ میں تسلی دیں یا پھر کون سا مشورہ دیں۔

اتنی باتیں سن کر وہ سوچتے ہوئے کپڑے بدلنے چلے گئے۔

فخری آنکھیں خشک کر کے چپ چاپ بیٹھی زمین کو تکتی رہی۔

تھوڑی دیر میں اصغر علی آئے اور بہن کے پاس بیٹھ کر بولے۔

''تم صبح سے یہی بات سوچ سوچ کر رو رہی ہو۔''

فخری خاموش رہی۔

''اگر منصور بھائی نے اپنی زندگی بدلنے کا فیصلہ کر ہی لیا ہے تو انھیں ان کے ارادے سے کوئی باز نہیں رکھ سکتا۔''

''لیکن انھیں میرے جذبات سے کھیلنے کا کیا حق تھا۔''

''فخری سراب کے پیچھے بھاگنا حماقت ہے۔ وہ انسان اس قابل نہیں کہ تم جیسی شریف لڑکی کا شریک سفر بن سکے جو لوگ حالات بدلنے کے ساتھ بدل جایا کرتے ہیں وہ کبھی بھی بھروسے کے قابل نہیں ہوتے نہ ہی کسی کے لیے مخلص ہوتے ہیں اگر تم آج فرح کو حالات بتا بھی دو اور فرض کرو فرح ان سے کنارہ کش بھی ہو جائے تو بھی منصور بھائی کسی دوسری فرح کو تلاش کر لیں گے۔ تم یقین کرو فخری وہ کسی کے لیے مخلص نہیں ہو سکتے۔''

''پھر آپ سب نے کیوں مجھے ان کے ساتھ باندھ دیا تھا؟'' فخری کی آنکھوں سے پھر آنسو نکل پڑے۔

''میں تو خود چھوٹا تھا اس وقت۔'' اصغر علی نے کہا۔ ''یہ نکاح خود چھوٹی خالہ اور خالو جان کی خواہش پر ہوا تھا۔ ان دنوں بے چارے خالو جان غریب آدمی تھے اور بابا کا پورے خاندان میں بھرم تھا مگر اب حالات بدل چکے ہیں۔ اب وہ لاکھوں میں کھیل رہے ہیں اور ہمارے ہاتھ خالی ہیں۔ خالو جان کا بدل جانا یقینی تھا...... جن لوگوں نے کبھی آنکھیں کھول کر دولت نہیں دیکھی ہوتی ہے ان کا یہی حال ہو جاتا ہے۔ فخری تمھیں حقیقت پر نظر رکھنی چاہیے۔ منصور بھائی سراب ہیں۔ ایک دھوکا۔ ان کے متعلق سوچ کر اپنا وقت ضائع مت کرو۔ فخری تمھیں ابھی زندگی میں بہت کچھ کرنا ہے۔ ڈاکٹر بننا ہے۔ معاشرے میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنا ہے۔ اگر تم سراب کے پیچھے بھاگتی رہیں تو اپنا راستہ بھول جاؤ گی۔''

فخری چپ چاپ چھوٹے بھیا کی باتیں سن رہی تھی۔

''تم سن رہی ہونا میں کیا کہہ رہا ہوں۔''

''جی ہاں۔''

''کیا کہا ہے میں نے؟''

''یہی کہ منصور ایک سراب ہیں۔''

''ہاں اور آئندہ تم ان کے متعلق نہیں سوچو گی۔''

''اگر وہ لوگ ایسے ہیں تو فرح کو بھی ان سے محفوظ رہنا چاہیے۔ فرح میری دوست ہے۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔''

''ہاں فرح بہت اچھی لڑکی ہے۔'' اصغر علی کا لہجہ کچھ نیا سا تھا۔ فخری نے چونک کر بھائی کی طرف دیکھا۔

''میں فرح کو سب کچھ بتا دوں گی۔''

''ہاں حقیقت سے باخبر کر دینا تمہارا فرض ہے اس کے بعد وہ خود با اختیار ہے جو چاہے کرے۔''

یہ کہہ کر چھوٹے بھیا اس کے پاس سے اُٹھ گئے۔

تو چھوٹے بھیا بھی یہی چاہتے ہیں کہ فرح منصور سے شادی نہ کرے۔ مگر کیوں؟ اس لیے

کہ میں منصور کے نکاح میں ہوں...... مگرنہیں یہ بات نہیں۔ ممکن ہے چھوٹے بھیا، فرح کو پسند کرتے ہوں لیکن ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ شاید یہ میرا شبہ ہو۔''

اصغر علی کی باتوں سے اس کا دھیان بٹ گیا تھا۔ وہ منصور کے علاوہ بھی بہت سی باتیں سوچنے لگی۔

ریحانہ چائے بنا کر لے آئی تھی۔

تینوں بھائی بہنوں نے چائے پی۔

اچانک اصغر علی کو کچھ یاد آ گیا۔

''فخری ایک خوش خبری تم لوگوں کو سنانا بھول ہی گیا۔''

فخری نے سوالیہ نگاہوں سے بھائی کی طرف دیکھا۔

''میرا انکریمنٹ ہوگیا ہے۔ فی الحال تو پچاس روپے ماہانہ بڑھے ہیں اور میرے باس نے وعدہ کیا ہے کہ اگر میں بی اے کے امتحان میں کامیاب ہوگیا تو وہ میرا عہدہ بھی بڑھا دیں گے۔''

''آپ نے آتے ہی کیوں نہ بتایا؟'' فخری کے چہرے پر خوشی کی کرن بکھر گئی۔

''تم کو دیکھ کر سب کچھ بھول گیا تھا۔''

''واقعی یہ تو بہت بڑی خوش خبری ہے ہم لوگوں کے لیے۔''

''بس دعا کرو میں بی اے میں کامیاب ہو جاؤں۔''

''میں تو ہر وقت دعا کرتی رہتی ہوں ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنی سب کی عزت سلامتی اور ترقی کی دعا کرتی ہوں۔''

''خدا تمہاری دعائیں ضرور پوری کرے گا۔'' اصغر علی نے کہا پھر ریحانہ سے بولے۔

''اسی خوشی میں ریحانہ کے لیے ایک اچھا سا سوٹ بنوائیں گے کیوں ریحانہ کس رنگ کا سوٹ پہنو گی؟''

ریحانہ خوش ہوگئی۔

''مجھے نیلا رنگ پسند ہے چھوٹے بھیا۔''

''کل ہی چلیں گے بازار کیوں فخری؟''

''جی ہاں ضرور۔''

''اور تمھیں کون سا رنگ پسند ہے؟''

''میرے پاس تو بہت سے کپڑے ہیں چھوٹے بھیا۔'' فخری نے کہا۔ ''آپ اپنے لیے پتلون بنا لیجئے گا۔ مگر کل پیسے کہاں ہوں گے۔''

''یہ لو پیسے......'' اصغر علی نے جیب سے دس دس کے نوٹ نکال کر فخری کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

''یہ کہاں سے آ گئے؟''

''میرے جو پچاس روپے بڑھے ہیں وہ پچھلے چار ماہ سے بڑھائے گئے ہیں بس اسی کے ایریز ملے ہیں۔''

دونوں بہنیں خوش ہو گئیں۔

چھوٹے بھیا کی ترقی سن کر فخری اپنا غم بھول گئی تھی اب خوشی خوشی وہ تینوں مل کر آئندہ روز بازار جانے کا پروگرام بنانے لگے۔

''ڈیئر خرم۔

آپ خط لکھنے میں بہت کنجوسی کرتے ہیں۔ یہاں سے تین خط جاتے ہیں تب آپ کا ایک خط آتا ہے بہرحال اطلاعاً عرض ہے کہ آج کل میں اپنی پڑھائی میں بہت زیادہ مصروف ہوں۔ اگلے ہفتے امتحان شروع ہو رہے ہیں۔ پہلے تھیوری پھر پریکٹیکل۔ ایک ماہ میں بالکل فارغ ہوں گی۔ آپ سے ملے ہوئے پورے دو سال ہو جائیں گے اس لیے ان چھٹیوں میں آپ کراچی آئیں گے اور ضرور آئیں گے۔ اس بات کا جواب انکار میں نہیں ہونا چاہیے۔

آپ کی منیرہ''

خرم نے مسکراتے ہوئے منیرہ کا خط ختم کیا۔

''کیا لکھا ہے منیرہ نے؟'' شاہدہ نے ہنس کر بھائی سے پوچھا۔

''یہ لو پڑھ لو......'' خرم نے خط بڑھایا۔

''ارے نہیں میں تو یونہی پوچھ رہی تھی......'' شاہدہ جھینپ گئی۔

''نہیں نہیں۔ پڑھ لو کوئی خاص بات نہیں ہے۔'' خرم نے منیرہ کا خط بہن کو تھما دیا۔

شاہدہ نے جھجکتے ہوئے خط پڑھ ڈالا۔ واقعی خط میں کوئی خاص بات نہ تھی۔

''اچھا تو پھر آپ کا کیا ارادہ ہے اس سال۔'' شاہدہ نے پوچھا۔ ''جا رہے ہیں کراچی؟''

''تم رائے دو۔''

''چلیئے میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔ اچھی تفریح رہے گی۔ منی پھوپھو خوب خاطر مدارات کریں گی۔''

''ہاں بھئی سسرال ہے ہماری کوئی مذاق تھوڑی ہے۔ خاطر کروانے کا نادر موقع ہے۔'' خرم نے ہنس کر کہا۔

''خیر وہ بے چاری ویسے بھی کافی خاطر کرتی ہیں۔''

''مگر اب اسپیشل انتظام ہوگا۔''

''تو پھر لکھ دیجیے منیرہ کو خط کہ ہم لوگ اب کی چھٹیوں میں آ رہے ہیں۔''

''پہلے ابا اور امی سے پوچھ لو۔''

''انھیں بھلا کیا اعتراض ہوگا؟'' شاہدہ نے کہا۔

اتنے میں امی بھی آ گئیں۔

''کیا باتیں ہو رہی ہیں دونوں بھائی بہن میں۔''

''امی منیرہ کا خط آیا ہے۔ بھائی جان کو کراچی بلایا ہے چھٹیوں میں۔''

''اے تو ہو آؤ تم دونوں۔ دو برس ہو گئے نکاح کو۔ میں تو سوچ رہی ہوں تمھارے باپ سے کہوں کہ منی بیگم کو لکھیں منیرہ ایف ایس سی کا امتحان دے لے تو رخصت کر دیں لڑکی کو۔''

''کیا منی پھوپھو رخصت کر دیں گی؟'' شاہدہ نے پوچھا۔

''کیوں نہ کریں گی؟'' امی نے کہا ''لڑکی کا نکاح کس نے کیا ہے۔''

''اگر منی پھوپھو کا رخصتی کا ارادہ ہوتا تو وہ لوگ بھائی جان کو چھٹیوں میں کیوں مدعو کرتے۔''

''اے تو وہ خود منہ پھوڑ کر کہیں گے رخصتی کے لیے۔'' امی نے کہا۔ ''یہ تو ہمارا فرض ہے کہ ہم لوگ لکھیں۔''

''بہر حال اس وقت تو ہمارے جانے کی بات طے ہو رہی تھی آپ اجازت دیں تو منی پھوپھو کے گھر خط بھیج دیا جائے۔''

''ضرور بھیجو خط یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔'' امی نے کہا۔ ''منی بے چاری کے ڈھیروں خط آ چکے ہیں۔ سب کو بلا بلا کر تھک گئی غریب۔ کوئی یہاں سے پھٹکتا نہیں۔''

''اتنی دور تو رہتی ہیں پھٹکنا کوئی آسان ہے۔'' شاہدہ نے امی کی زبان استعمال کرتے

ہوئے کہا۔

''ہوں۔ہوں۔'' امی نے گھورا۔''خبردار جو ہماری نقل کی۔''

شاہدہ اور خرم دونوں ہنسنے لگے۔

خرم کے نکاح کو دو برس ہو گئے تھے اور تب سے یہ لوگ مل نہ سکے تھے۔منیرہ بہت پابندی سے خط بھیجتی تھی۔خرم جواب میں کاہلی کرتے تھے مگر اب انھیں یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ منیرہ کے بغیر ایک پل بھی نہیں گزار سکتے۔وہ چاہتے تھے کہ جلد از جلد رخصتی ہو جائے مگر منہ سے کہتے ہوئے جھجھکتے تھے۔دوسرے یہ کہ منیرہ ایف ایس سی کی پڑھائی میں مصروف تھی مگر اب وہ امتحانوں سے فارغ ہونے والی تھی۔اس لیے اب منی پھوپھو سے رخصتی کے لیے کہنے کا مناسب وقت تھا۔

چھٹیوں میں کراچی جانے کے تصور سے خرم خوش ہو گئے وہ خود بھی یہی چاہتے تھے کہ وہاں جائیں مگر منیرہ سے نکاح ہو جانے کی وجہ سے جھجھکتے تھے مگر اب یہ بات طے ہو گئی تھی کہ ان چھٹیوں میں خرم اور شاہدہ دونوں کراچی جائیں گے۔چنانچہ خرم نے منی پھوپھو کو اور منیرہ دونوں کو الگ الگ لکھ بھیجا کہ اس سال گرمیوں کی چھٹیاں ان کے ساتھ گزاریں گے۔

جس وقت سے منیرہ نے خرم کا خط پڑھا تھا خوشی سے دیوانی ہو گئی تھی۔اس کے خواب رنگین ہو گئے تھے۔ایک بار پہلے بھی خرم آئے تھے مگر تب کی اور بات تھی وہ اجنبی تھی ان کے لیے مگر اب ان کے درمیان اجنبیت کی تمام دیواریں گر چکی تھیں وہ دونوں شرعی اور قانونی طور پر ایک ہو چکے تھے۔منیرہ جانتی تھی کہ وہ خرم کے ساتھ کراچی کی ہر سیر گاہ گھوم ڈالے گی۔کونہ کونہ چھان مارے گی۔اسے اپنی امی کا مزاج معلوم تھا وہ خود ہی موقع دیں گی کہ منیرہ خرم کے ساتھ ہر کہیں گھومنے جائے۔منیرہ کے لیے وقت گزارنا دشوار تھا۔امتحانات ہو رہے تھے۔منیرہ نے سال کے آخر میں بہت زیادہ محنت کی تھی۔اسے پڑھائی سے بہت لگاؤ تھا اور وہ ہر حال میں اچھے نمبروں سے پاس ہو جانا چاہتی تھی۔خدا خدا کر کے...... امتحانات ختم ہوئے اور چھٹیاں ہو گئیں۔خرم کی آمد کی اطلاع آ چکی تھی۔چند دنوں میں وہ اور شاہدہ پہنچنے والے تھے۔خرم اور شاہدہ کے لیے کمرہ ٹھیک کر دیا گیا تھا۔منی بیگم صبح شام بیٹی کو طرح طرح کی نصیحتیں کرتیں۔خرم سے یوں بات کرنا، اس طرح اس کے سامنے رہنا۔یہ پہننا وہ پکانا...... وغیرہ وغیرہ۔بعض اوقات منیرہ اپنی ماں کی باتوں پر دل ہی دل میں چڑ سی جاتی وہ سوچتی کہ امی ہر بات میں دخل دیتی ہیں کیا مجھے اتنی بھی عقل نہیں کہ میں خرم سے کس طرح ملوں کیا بات کروں۔مگر منہ سے کچھ نہ کہہ پاتی۔

منیرہ اپنے دل کی خوشی دل میں چھپائے تنہا تنہا گھوما کرتی۔اس کے دل کی بات سننے والا کوئی نہ ہوتا۔وہ کس سے خرم کی بات کرے۔کوئی تو ہو جس سے وہ سب کچھ کہہ سکے۔بہت دنوں بعد اچانک اسے فخری کا خیال آ گیا۔وہی لڑکی ایسی ہے جو خلوص سے ہر بات سنتی ہے اور مناسب مشورے بھی دیتی ہے۔اسے فخری کا نیا گھر معلوم تھا چنانچہ ایک روز منیرہ بھیا کو لے کر فخری کے گھر جا پہنچی۔

منیرہ کو دیکھ کر فخری خوش ہوگئی۔دراصل امتحان ختم ہو جانے سے وہ بھی خاصی بور ہوگئی تھی۔ منیرہ کو پہنچا کر منیر بھیا چلے گئے۔فخری اور ریحانہ گھر میں اکیلی تھیں۔آج بھی فخری نے تہری چڑھائی ہوئی تھی۔پورے گھر میں تہری کے بگھار کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔اچانک فخری اور منیرہ کو بھی بہت عرصے پہلے کی تہری یاد آ گئی۔

''ایک بار تمھارے گھر میں تہری پکی تھی۔ایسی ہی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔'' منیرہ نے کہا۔ ''مگر اس روز میں کھانا کھائے بغیر چلی گئی تھی مگر آج ضرور کھاؤں گی۔''

''ہاں ضرور کھانا۔اچھا ہوا تم آ گئیں میں اکیلے بور ہو رہی تھی دن اچھا گزر جائے گا۔''

''تم سناؤ فخری کیا کرتی رہتی ہو؟'' منیرہ نے بات شروع کی۔

''میں کیا کروں گی۔نہ کہیں آنا نہ جانا۔بس بور ہوتی رہتی ہوں۔تم سناؤ کچھ اپنا حال احوال۔''

''حال احوال ہی سنانے آئی ہوں۔پیٹ میں چوہے کود رہے تھے اس لیے بھاگی چلی آئی تمھارے پاس۔''

''کوئی خوش خبری ہے؟''

''ہاں بہت بڑی خوش خبری۔''

''پھر جلدی سے سناؤ نا۔''

''خرم آ رہے ہیں۔''

''رخصتی کروانے؟''

''ارے نہیں پاگل۔یوں ہی ملنے۔گھومنے پھرنے۔میں نے خود خط لکھ کر بلایا ہے۔''

''اچھا اور کون کون آ رہا ہے؟''

''بس شاہدہ آ رہی ہے اور ہے ہی کون ان کے ہاں۔''

''پوری چھٹیاں گزاریں گے اِدھر؟''

''اور کیا۔ دو ماہ سے قبل جانے تھوڑی دوں گی انھیں۔''

''بھئی مبارک ہو تمھارے تو خوب عیش ہوں گے پھر کہاں یاد رکھو گی ہمیں۔''

''ارے نہیں فخری ایسا تو نہ کہو۔ تم تو ہر لمحہ ہر گھڑی یاد رہتی ہو مجھے۔ شاید تم یقین نہ کرو۔ میرے دل میں سب سے زیادہ محبت تمہاری ہے۔ سب سے پرانی دوست بھی تم ہی ہو۔ جو بات تم میں ہے وہ کسی اور میں آ ہی نہیں سکتی۔ میں جہاں بھی ہوں جس حال میں بھی ہوں ہمیشہ تمھیں یاد رکھتی ہوں تم میری دوست ہی نہیں پیاری سی بہن بھی ہو۔''

''افوہ اتنی باتیں۔'' فخری نے ہنس کر کہا۔ ''اچھا تو بہن صاحبہ کیا کیا پروگرام بنا ڈالے تفریح کے؟''

''اب خرم آئیں تو پتہ چلے کچھ۔''

''بہت بے تکلفی سے نام لیتی ہو۔''

''پھر کیا کہوں؟''

''وہ۔'' ''یہ'' کہہ کر بات کیا کرو۔''

''نہیں بھئی اس میں مزہ نہیں آتا۔''

''ان لوگوں نے رخصتی کے لیے نہیں کہا؟''

''ابھی تو نہیں کہا۔ ویسے میں چاہتی ہوں کہ اپنی تعلیم جاری رکھوں فی الحال چھٹیوں میں خرم آتے جاتے رہا کریں۔''

''منیرہ یہ طریقہ درست نہیں ہے۔ اگر وہ رخصتی کے لیے کہیں تو تمھیں چاہیے کہ فوراً ان کی بات مان لو۔''

''لیکن اس میں حرج بھی کیا ہے۔'' منیرہ نے کہا ''تم نہیں جانتیں فخری دُور رہ کر میں خرم کو اور زیادہ چاہنے لگی ہوں۔ سچ ہر روز اپنی شادی کا البم نکال کر بیٹھ جاتی ہوں اور ورق ورق اُلٹ کر تصویریں دیکھتی رہتی ہوں۔ دل نہیں بھرتا۔ جب بہت بے چین ہوتی ہوں تو خط لکھنے بیٹھ جاتی ہوں۔''

''لیکن پھر بھی اتنی طویل جدائی مناسب نہیں ہے۔''

''سب مناسب ہے فخری۔'' منیرہ نے کہا۔ ''خرم کو آنے دو میں ان سے تمام پروگرام طے

کرلوں گی۔ خدا کرے میں اچھے نمبروں سے پاس ہو جاؤں۔ میں خرم سے کہوں گی کہ وہ بھی اسکول سے چھٹی لے کر ایم ایس سی میں نام لکھوالیں۔ میں بی ایس سی کروں گی اور وہ ایم ایس سی۔ بس پھر رخصتی ہو جائے گی۔''

''اور اگر انھوں نے تمہاری بات نہ مانی۔''

''کون سی بات۔''

''یہی جو تم کہہ رہی ہو۔''

''وہ مان لیں گے فخری۔ وہ بہت سویٹ ہیں مجھے بہت چاہتے ہیں۔''

''اگر انھوں نے رخصتی کے لیے کہا تو تم انکار کر دو گی؟''

''میں انھیں پیار سے منالوں گی۔ صرف دو سال کی تو بات ہے۔ اس کے بعد ہم دونوں ہمیشہ کے لیے ساتھ رہیں گے۔''

''دو سال بہت بڑے ہوتے ہیں منیرہ۔''

''تم ہمیشہ مجھے دہلاتی رہتی ہو۔ دو سال قبل بھی تم نے یہی بات کہی تھی مگر بجائے دور ہونے کے ہم ایک دوسرے کے اور بھی نزدیک آگئے ہیں۔'' منیرہ نے کہا۔

''خدا کرے تم اپنی زندگی میں ہمیشہ خوش و خرم رہو۔ میں تو یہی دُعا کروں گی۔''

''تم تو میڈیکل کالج میں پہنچ جاؤ گی اس سال۔'' منیرہ نے کہا۔

''اب دیکھو کیا ہوتا ہے یہ تو رزلٹ آنے پر ہی معلوم ہوگا۔''

''رزلٹ تمہارا شاندار نہ ہوگا تو پھر کس کا ہوگا۔'' منیرہ نے کہا۔

''کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اگر میری تقدیر میں ڈاکٹر بننا لکھا ہوگا تب ہی نمبر اچھے ہوں گے ورنہ نہیں۔''

''دو ماہ بعد رزلٹ بھی آجائے گا اس کے بعد تم انشاء اللہ اپنی زبردست پڑھائی میں مصروف ہو جاؤ گی فخری، پھر تمہارا اور میرا ساتھ چھوٹ جائے گا۔''

''کوئی بات نہیں تم میرے گھر آجایا کرنا۔''

''اور تم؟''

''ہاں میں بھی آیا کروں گی تمھارے گھر۔'' فخری نے کہا۔ ''مگر یہاں کراچی میں، ڈیرہ میں نہیں۔''

منیرہ ہنسنے لگی۔ ''تم مطمئن رہو میں فی الحال کراچی میں رہوں گی۔ ڈیرہ جانے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔خرم خود ہی کچے دھاگے سے بندھے چلے آئیں گے یہاں۔''

دونوں سہیلیاں ہنسنے لگیں۔

جب کبھی منیرہ خرم کی باتیں کیا کرتی تھی۔فخری، منصور کو یاد کر کے اُداس ہو جاتی تھی مگر وہ اپنی اداسی کو ہمیشہ چھپا ڈالتی تھی۔وہ کوئی بات منیرہ پر ظاہر نہ کرنا چاہتی تھی۔وہ اکثر سوچتی تھی کہ اگر نکاح کر کے چھوٹی خالہ اسے اپنے گھر لے گئی ہوتیں تو وہ وہیں بڑی ہوتی وہیں پڑھتی لکھتی تو آج کے دن کوئی مسئلہ ہی نہ ہوتا۔منصور اس کے ہوتے۔مگر صرف نکاح کر کے الگ ڈال رکھنے سے یہ حالات پیدا ہو گئے تھے۔

نہ جانے کیوں وہ منیرہ کے لیے ہمیشہ خوف کھایا کرتی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو منیرہ کے خیالات بدل جائیں۔وہ بہت جذباتی سی لڑکی تھی۔بڑی جلدی ہر کسی کا اثر قبول کر لیتی تھی۔رخصتی میں غیر معمولی دیر اس کے لیے مناسب نہ تھی......انھی خدشات کا اظہار وہ اکثر منیرہ سے کر دیتی تھی جس پر اکثر و بیشتر منیرہ برا مان جاتی تھی۔

آج کافی دنوں کے بعد دونوں سہیلیاں مل کر بیٹھیں تو ان میں ہر قسم کی باتیں ہوئیں۔پرانی دوستوں کے تذکرے۔پرانے قصے اسکول کی باتیں......سب ہی کچھ دہرایا گیا......باتوں ہی میں نسرین کا ذکر نکلا۔منیرہ نے بتایا وہ اپنے شوہر کے گھر بہت خوش تھی اور ایک بیٹے کی ماں بن چکی تھی۔اس نے اسکول تب ہی چھوڑ دیا تھا۔اس کے علاوہ ثریا جبیں اور زہرہ جبیں کا ذکر بھی نکلا۔ جب سے پیر جی نے دوسری شادی کی تھی۔منیرہ ان کے گھر نہیں......گئی تھی۔البتہ ایک بار زہرہ جبیں بس میں ملی تھیں کئی بچے ہو چکے تھے سب کو سنبھالے ہوئے کسی عزیز کے گھر جا رہی تھیں۔

دوپہر کو منیرہ، فخری اور ریحانہ نے مل کر کھانا کھایا۔اچار کے ساتھ تہری کھانے میں منیرہ کو بہت لطف آیا۔شام کے چار بجے تک منیرہ رہی پھر فخری کو خدا حافظ کر کے اپنے گھر واپس چلی گئی۔

شام کے پانچ بجے تھے۔فرح گھر میں تنہا بیٹھی بور ہو رہی تھی۔گھر کے سب لوگ ایک تقریب میں گئے ہوئے تھے۔فرح کے سر میں درد اور ہلکی حرارت تھی اس وجہ سے وہ نہ گئی تھی تاہم وقت کاٹے نہ کٹتا تھا۔اچانک ہی گھنٹی بجی۔ملازم نے دروازہ کھولا۔

فخری اور اصغر علی آئے تھے۔

فرح ان دونوں کو دیکھ کر خوش ہو گئی۔

''آؤ فخری اس وقت میں بہت بور ہو رہی تھی گھر میں کوئی نہیں ہے۔'' وہ ان دونوں کو اندر لاتے ہوئے بولی۔

اصغر علی کو صوفے پر بیٹھنے کے لیے کہا۔اصغر علی صرف بہن کو چھوڑنے کے لیے آئے تھے مگر فرح نے روک لیا تو انھیں بیٹھنا پڑا۔

''کہاں گئے ہیں سب لوگ؟'' فخری نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ہمارے ملنے والوں میں ایک تقریب ہے۔''

''تم کیوں نہ گئیں؟''

''مجھے کچھ حرارت تھی۔''

''ارے تو تم آرام کرو فرح۔'' فخری نے جلدی سے کہا۔

''جی ہاں آپ کو لیٹ جانا چاہیے کہیں طبیعت زیادہ خراب نہ ہو جائے۔'' اصغر علی نے کہا۔

''جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔'' فرح نے شرمندگی سے کہا۔''مجھ سے لیٹا نہیں جاتا۔میں اس وقت بور ہو رہی تھی۔اچھا ہوا آپ لوگ آ گئے۔''

اصغر علی نے فرح کی طرف دیکھا۔اس کا چہرہ حرارت کے باعث کچھ اُترا ہوا سا لگ رہا تھا۔ اصغر علی کو دیکھتے ہی اس نے سلیقے سے سر سے دوپٹہ اوڑھ لیا تھا اور اب بہت لیے دیے انداز میں گفتگو کر رہی تھی۔

''جو لوگ پشتینی رئیس ہوتے ہیں اُن میں وہ خرابیاں پیدا نہیں ہوتیں جو نو دولیتے لوگوں میں پیدا ہو جاتی ہیں۔'' اصغر علی دل ہی دل میں سوچ رہے تھے۔

''تم لوگ ریحانہ کو کہاں چھوڑ آئے؟'' فرح نے پوچھا۔

''ریحانہ گھر پر ہے۔'' فخری نے بتایا۔

''اکیلے ڈرے گی نہیں۔''

''وہ آپا بی کے گھر چلی جاتی ہے۔ وہ اُس کا بہت خیال رکھتی ہیں۔'' اصغر علی نے بتایا۔

''اچھا وہی آپا بی آپ کی مالک مکان؟'' فرح نے اصغر کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''جی ہاں وہی۔'' اصغر علی نے جواب دیا۔ ''بہت ہی اچھے لوگ ہیں۔ ویسے ان کے گھر میں ہے کون۔ ایک میرا دوست اور اُس کی ماں جنھیں ہم آپا بی کہتے ہیں۔ ہم سب کا وہ لوگ بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں۔''

''آپ نے بھی تو بی اے کا امتحان دیا ہے؟'' فرح نے پوچھا۔

''جی ہاں دیا تو ہے۔'' اصغر علی مسکرائے۔

''پیپر تو یقیناً اچھے ہوئے ہوں گے۔'' فرح نے کہا۔ ''کیونکہ فخری بتاتی ہیں آپ کی ہمیشہ فرسٹ ڈویژن آتی ہے۔''

''جن دنوں فرسٹ ڈویژن آتی تھی وہ اور زمانہ تھا۔ اب حالات دوسرے ہیں۔ میں سروس بھی کر رہا ہوں اور پرائیویٹ پڑھ بھی رہا ہوں۔ بہر حال پرچے تو اچھے خاصے ہو گئے ہیں۔ رزلٹ آنے پر ہی کچھ پتہ چلے گا۔''

''اس کے بعد کیا ارادہ ہے؟''

''پھر میں ایل ایل بی کروں گا۔ میرے والد مرحوم بھی مراد آباد میں وکالت کرتے تھے۔ میں بھی وہی پیشہ اپناؤں گا۔''

''آپ کے پاس کون سے مضامین ہیں؟''

''اکنامکس اور میتھس۔''

''تو پھر آپ میتھس میں ایم۔ اے کیوں نہیں کرتے؟''

فرح نے کہا تو اصغر علی ایک لحہ کو خاموش ہو گئے۔

''کیوں یہ تجویز مناسب نہیں ہے؟''

''لیکن اس کے بعد میں کیا کروں گا؟''

''یونیورسٹی میں پڑھایئے گا۔ اگر آپ کی پوزیشن آ جائے تو وہیں جاب مل جاتا ہے اس کے بعد راہیں خود بخود کھل جاتی ہیں۔ پی ایچ ڈی کے لیے اسکالرشپ بھی مل جاتا ہے۔''

''میں نے اس انداز میں کبھی سوچا ہی نہیں۔'' اصغر علی نے لاجواب ہو کر کہا۔

''اب سوچ لیجیے۔ میرے خیال میں تو ایل ایل بی کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ آپ جیسے فرسٹ کیریر والے اسٹوڈنٹس کو بہت اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔''

''اچھا سوچوں گا۔ آپ کی تجویز ہے تو مناسب لیکن اس میں بہت سے اگر لگے ہوئے ہیں۔''

''کون سے؟''

''اگر بی اے میں فرسٹ کلاس آ جائے۔ اگر ایم اے میں پوزیشن آ جائے۔ اگر یونیورسٹی میں جاب مل جائے اگر......''

''لیکن اس میں تمام ''اگر'' ایسے ہیں جو پورے ہونے والے ہیں۔''

''ٹھیک ہے بی اے کا نتیجہ آ لے تو کچھ اندازہ ہو۔''

اتنی دیر سے فرح اور اصغر علی باتیں کر رہے تھے اور فخری خاموش بیٹھی تھی۔

وہ بھائی کے چہرے کو برابر کن انکھیوں سے دیکھ رہی تھی۔ فرح سے بات کرتے ہوئے اصغر علی کا چہرہ بہت پُر اعتماد تھا اس پر مسرت اور پسندیدگی کی لکیریں بکھری ہوئی تھیں۔ لیکن فرح اپنے نارمل انداز میں گفتگو کر رہی تھی۔

اصغر علی اس کے رکھ رکھاؤ سے متاثر تھے اور یہ فرح کی عادت تھی کہ کسی اجنبی سے ملتی تھی تو بہت سلیقے سے دوپٹہ سر سے اوڑھ کر سنجیدگی سے بات کرتی تھی۔

فرح اُٹھ کر چائے کا انتظام کرنے چلی گئی۔

ملازم چائے تیار کر چکا تھا۔ فرح نے پلیٹوں میں کچھ حلوہ، پھل اور نمکین چیزیں نکالیں اور ٹرالی گھسیٹتی ہوئی آ گئی۔

''ارے اتنا تکلف فرح، ہم لوگ چائے پی کر چلے تھے''...... فخری نے کہا۔

''تم مت چائے پینا میں تو اصغر صاحب کے لیے بنا کر لائی ہوں۔'' فرح نے کہا تو فخری شرمندہ ہو گئی۔ اصغر علی مسکرانے لگے۔ فرح کے منہ سے اپنا نام سن کر انھیں بہت عجیب سا لگا۔

فرح کے اصرار پر اصغر علی نے کچھ چیزیں کھائیں چائے پی پھر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''میں جا رہا ہوں۔فخری رک جائیں گی جب یہ کہیں واپس بجھوا دیجئے گا۔''

''جی ہاں آپ فکر نہ کریں۔فخری کو ڈرائیور کے ساتھ میں خود چھوڑ آؤں گی۔''

یہ فرح کی عادت تھی کہ اُس نے کبھی بھی فخری کو تنہا نہیں بھیجا تھا۔اکثر پڑھائی کے دنوں میں رات میں دیر ہو جاتی تھی تو پھر گاڑی میں خود بیٹھ کر فرح ساتھ جاتی تھی یا پھر اس کی امی یا بھابی بیٹھ جاتی تھیں۔یہ وہ چھوٹی چھوٹی باتیں تھیں جن کی قدر اصغر علی دل سے کیا کرتے تھے اور بے دھڑک فخری،فرح کے گھر بھیج دیا کرتے تھے۔

اصغر علی نے خدا حافظ کہا اور باہر نکل گئے۔

اب فخری اور فرح اکیلے تھے۔

''چلو تمھارے بیڈ روم میں چلتے ہیں تم لیٹ جاؤ بہت تھک گئی ہو گی۔''فخری نے کہا۔

''نہیں اب تو میں اپنے آپ کو بہتر محسوس کر رہی ہوں آؤ باہر لان میں بیٹھتے ہیں چل کر۔ اندر بہت گرمی ہے۔''

دونوں سہیلیاں لان میں بچھی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

باہر موسم واقعی بہت خوشگوار تھا۔ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔

''اب سناؤ فخری کچھ اپنے حال چال۔''

''کیا سناؤں۔چند روز ہوئے منیرہ آئی تھی پورا دن رہ کر گئی اور تو کوئی خاص بات نہیں ہے۔''

''کیا باتیں کیں تم دونوں نے؟''

''اُس کے شوہر آنے والے ہیں بلکہ اب تک آ چکے ہوں گے ان ہی کے قصے سنا رہی تھی۔''

''منیرہ ہر وقت اپنی دوستوں میں خرم کی باتیں کرتی رہتی ہے۔اس کی بہت جلد رخصتی کر دینی چاہیے۔''

''ہاں باتیں تو ہر وقت خرم کی کرتی ہیں مگر محترمہ ابھی رخصتی پر راضی نہیں ہیں۔''

''ارے وہ کیوں؟''فرح نے تعجب سے پوچھا۔

''کہتی ہے چھٹیوں میں خرم کے ساتھ رہ لیا کروں گی اور پڑھائی جاری رکھوں گی۔''

''اور وہ راضی ہو جائیں گے اس تجویز پر؟''

''انسان دل سے راضی نہ بھی ہو تو مجبوری کے تحت خاموش ہو جاتا ہے۔''

''واقعی یہ تو زیادتی ہو گی خرم کے ساتھ۔''

''ارے تم کیوں ہمدرد بن گئیں منیرہ کے خرم کی۔''

''بھئی مجھے کیا میں نے تو ایک بات کہی دنیا زمانے کی۔'' فرح نے کہا۔

''ویسے وہ ہیں کیسے، تم نے تصویر تو دیکھی ہو گی؟''

''ہاں شادی کا پورا البم دیکھا ہے۔ خاصا خوبصورت اسمارٹ سا لڑکا ہے۔''

''اچھی تو منیرہ بھی ہے۔'' فرح نے کہا۔

''ہاں دونوں کا جوڑ مناسب ہے۔'' فخری نے کہا۔ ''مگر منیرہ بہت بے وقوفی کی باتیں کرنے لگی ہے اگر اس کی رخصتی جلد نہ ہو گئی تو مجھے ڈر ہے کہ اس معاملے میں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔''

''خیر ہمیں کیا خود بھگتیں گے وہ لوگ۔'' فرح نے کہا۔

''اچھا تم بتاؤ تمہاری کہانی کہاں تک پہنچی۔'' اچانک فخری نے پوچھ لیا۔

''کون سی کہانی؟''

''منصور صاحب کو پوچھ رہی ہوں میں۔''

''اوہ...... فخری معاف کرنا میں تمھیں خبر سنانا بھول گئی۔ منصور کی والدہ ہمارے گھر آئی تھیں۔ انھوں نے میری امی سے بات کر کے مجھے منصور کے لیے مانگ لیا ہے۔''

یہ خبر اتنی اچانک تھی کہ فخری گم صم سی ہو کر رہ گئی۔ اس کے منہ سے ایک حرف نہ نکلا۔ نہ غم کا نہ خوشی کا۔

''ارے تم خاموش کیوں ہو گئیں فخری؟''

فخری نے اپنے آپ کو سنبھالا پھر بولی۔

''دراصل اچانک اتنی اہم خبر سن کر میں حیران رہ گئی اس وجہ سے کچھ نہ بول سکی۔''

''ہاں ہے تو اہم خبر مگر حیران کن بالکل نہیں۔''

''تم خوش ہو فرح اس رشتے سے؟''

''یہ تم کیوں پوچھ رہی ہو۔''

''تمہاری دوست ہوں اس لیے پوچھ رہی ہوں۔''

’’ظاہر ہے میری مرضی کے بغیر کیسے یہ رشتہ طے ہو سکتا تھا۔‘‘

’’اور منصور صاحب کے کیا تاثرات ہیں۔‘‘ فخری نے اپنے آپ کو قطعی نارمل کرتے ہوئے پوچھا۔

’’وہ تو اتنے خوش ہیں فخری کہ حیرت ہوتی ہے۔ سچ پوچھو تو اتنی چائلڈش حرکتیں مجھے بالکل اچھی نہیں لگتیں۔ مگر کیا کروں ان کی اتنی چاہت دیکھ کر میں انکار نہ کر سکی۔‘‘

’’کتنے عرصے سے تم جانتی ہو ان کو؟‘‘

’’کئی سال ہو گئے کیوں؟‘‘

’’فرح تم ان کو بہت زیادہ چاہتی ہو؟‘‘ فخری نے عجیب سے لہجے میں سوال کیا۔

’’آج تم اتنی عجیب باتیں کیوں کر رہی ہو؟‘‘

’’ابھی کی تو نہیں ہیں مگر اب شاید جو بات کروں گی وہ تمہیں ضرور عجیب لگے گی۔‘‘

’’فخری تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو جلدی سے کہہ ڈالو مجھے الجھن ہونے لگی ہے۔‘‘

’’پہلے تم بتاؤ۔ تم منصور صاحب کے متعلق کیا جانتی ہو؟‘‘

’’میں تو کچھ نہیں جانتی بس اتنا جانتی ہوں کہ میرے ڈیڈی کے بزنس پارٹنر امجد صاحب کے بیٹے ہیں۔ ان لوگوں سے تین سال سے تعلقات ہیں انڈیا میں بھی یہ لوگ تجارت کرتے تھے اب لاہور میں کاروبار کرتے ہیں۔‘‘

فخری کچھ دیر کو خاموش ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ بات کس طرح شروع کرے۔

’’تم کیا سوچنے لگیں؟‘‘

’’کیا انڈیا میں ان لوگوں کی بہت بڑی بزنس تھی؟‘‘

’’ہاں بہت بڑا کاروبار تھا مگر پاکستان آ کر کم ہو گیا ہے۔‘‘

’’یہ ان لوگوں نے کہا ہو گا؟‘‘

’’ظاہر ہے اور کون بتاتا؟‘‘

’’مگر یہ سب جھوٹ ہے۔‘‘

’’کیا جھوٹ ہے؟‘‘

’’میں ان لوگوں کو جانتی ہوں۔‘‘

''فخری تم ٹکڑوں میں بات مت کرو خدا کے لیے جو کچھ جانتی ہو بتا ڈالو اور اگر تم پہلے سے جانتی تھیں تو اب تک تم نے کوئی تذکرہ کیوں نہ کیا؟''

''امجد صاحب کی لکھنؤ میں چھوٹی سی دوکان تھی۔ بہت تنگی سے گزر اوقات ہوتی تھی۔ پاکستان آئے تو قسمت جاگ گئی اب سنا ہے لاکھوں میں کھیل رہے ہیں۔''

''بس یہی بات تھی؟''

''نہیں یہ تو بہت معمولی سی بات ہے اصل بات تو یہ ہے کہ منصور صاحب کی شادی ہو چکی ہے۔''

''کیا کہہ رہی ہو فخری؟'' فرح حیرت سے چیخ پڑی۔

''میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔'' فخری نے اطمینان سے کہا۔ ''منصور صاحب جب چھوٹے سے تھے تب ہی ان کی والدہ نے اپنی بہن کی لڑکی سے ان کا نکاح کر لیا تھا کیونکہ اس وقت ان کی بہن حیثیت دار تھیں اور یہ لوگ غریب تھے پاکستان آئے تو حالات اُلٹے ہو گئے یعنی بہن غریب ہو گئیں اور یہ امیر ہو گئے اس لیے اب یہ بات ان لوگوں نے ذہن سے نکال دی ہے کہ کبھی منصور کا نکاح بھی ہوا تھا۔''

فرح کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

''تم جانتی ہو اُس لڑکی کو جس سے منصور کا نکاح ہوا تھا؟''

''ہاں بہت اچھی طرح سے۔''

''کیا نام ہے اس لڑکی کا۔ کہاں رہتی ہے۔ فخری مجھے جلدی سب کچھ بتاؤ ورنہ یقین کرو مجھے کچھ ہو جائے گا۔''

''نام جان کر کیا کرو گی بس اتنا بتا دینا کافی ہے کہ منصور کا ان کی خالہ زاد بہن سے نکاح ہو چکا ہے۔''

''وہ لڑکی انھیں پسند کرتی ہے۔''

''بہت زیادہ۔'' فخری نے کہا۔ ''اُس نے بچپن سے اپنے نام کے ساتھ منصور کا نام سنا اگر اس کے دل میں منصور کی محبت ہے تو یہ کوئی تعجب خیز بات تو نہیں۔''

''اور منصور اس سے ملتے بھی نہیں۔''

''انھوں نے تو بچپن کے بعد سے اسے دیکھا بھی نہیں وہ لوگ تو خط وکتابت بھی نہیں رکھتے

اس گھر سے۔''

''فخری تم مجھے اس لڑکی سے ملوادو۔''

''کیا کروگی اس سے مل کر؟''

''میں اس سے خود منصور کے متعلق سب کچھ پوچھوں گی۔ پھر تمام باتیں منصور کو بتا کر...... ان کی حقیقت ان پر واضح کر دوں گی...... خدا کی قسم فخری اگر یہ سب کچھ سچ ہے تو میں کبھی منصور کی شکل بھی نہ دیکھوں گی۔''

''اتنی جذباتی نہ بنو فرح۔ تمہاری نسبت منصور سے طے ہو چکی ہے۔''

''کیا تم نے مجھے اتنا گیا گزرا سمجھ لیا ہے فخری کہ میں کسی دوسری لڑکی کا گھر اُجاڑ کر اپنا آشیانہ تعمیر کروں گی اور پھر منصور جیسے فراڈ آدمی سے میں گزارا کرسکوں گی بھلا؟ بس مجھے ثبوت چاہیے ان سب باتوں کا۔''

''تمھیں میری بات کا یقین نہیں ہے۔''

''ہے مگر منصور کو بتانے کے لیے میں اس لڑکی سے ملنا چاہتی ہوں تا کہ میں کہہ سکوں کہ میں خود اس سے ملی ہوں۔''

''کیا یہ بہت ضروری ہے؟''

''ہاں۔''

فخری خاموش ہوگئی۔

''تم خاموش کیوں ہو جاتی ہو؟''

فخری کی آنکھوں سے اچانک آنسو بہہ نکلے۔

''ارے تم تو رونے لگیں۔ فخری میری دوست کچھ تو بتاؤ۔''

''وہ بدنصیب لڑکی میں ہوں فرح۔'' اُس نے ہچکیاں لے کر کہا۔

''نہیں!'' فرح چیخی۔ ''یہ نہیں ہوسکتا۔ تم منصور کی دلہن ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ منصور اتنے فراڈ میں سوچ بھی نہ سکتی تھی۔''

پھر فرح کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے۔

جب دونوں کی بھڑاس نکل چکی تو فرح کے اصرار پر فخری نے ہر بات تفصیل سے بیان کر ڈالی...... پھر کہا۔

''اُس روز تمھارے گھر میں منصور کو دیکھا تھا اُن سے مل کر میری طبیعت خراب ہوگئی تھی۔ فرح میں فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ مجھے یہ سب باتیں تمھیں بتا دینی چاہئیں کہ نہیں۔''

''کاش تم نے یہ سب کچھ پہلے ہی بتا دیا ہوتا تو یہ رشتہ نہ طے پایا ہوتا۔ خیر اب بھی کچھ نہیں گیا ہے۔ میری طرف سے یہ رشتہ اسی وقت ختم ہوگیا ہے۔ فخری تم فکر نہ کرنا تمہارا حق تمھیں ضرور ملے گا۔''

''لیکن چھوٹے بھیا کہتے ہیں کہ اگر فرح نے رشتے سے انکار کر بھی دیا تو وہ کوئی اور فرح ڈھونڈھ لیں گے ایسے آدمی قابل اعتبار نہیں ہوتے۔ بھیا کہتے ہیں وہ کسی کے لیے مخلص نہیں ہیں۔ منصور ایک سراب ہیں مجھے ان کے متعلق نہیں سوچنا چاہیے۔ فرح تم بتاؤ بھیا ٹھیک کہتے ہیں یا غلط۔''

''تمھارے بھیا کا کہنا بھی درست ہے۔'' فرح نے کہا۔ ''اگر وہ تمھارے لیے مخلص ہوتے تو میری طرف قدم کیوں بڑھاتے۔''

''تم منصور سے کیا کہوگی؟''

''ان کی حقیقت ان پر واضح کردوں گی۔''

''جس روز میں ان سے ملی تھی تم نے مجھے ان سے فخری کہہ کر ملوایا تھا انھیں یہ نہیں معلوم کہ فاخرہ خاتون اور فخری ایک ہی لڑکی کے نام ہیں تم یہ مت بتانا کہ میں ہی فاخرہ خاتون ہوں۔''

''نہیں میں یہ ذکر نہیں کروں گی لیکن فاخرہ خاتون کے متعلق ان کے خیالات معلوم کر کے تمھیں بتلا دوں گی۔''

''تم اپنی امی وغیرہ سے میرے متعلق کہہ دوگی؟''

''نہیں۔ میں کہوں گی کہ میری دوست ہے فاخرہ۔ اسی نے مجھے بتایا ہے۔ امی کو تمہارا نام معلوم ہے مگر میں کہہ دوں گی دوسری فاخرہ ہے۔''

''فرح میں نہیں چاہتی تمھارے گھر والوں کو میرے متعلق یہ اطلاع ملے کہ میں ہی منصور کی دلہن ہوں۔''

''تم اطمینان رکھو۔'' فرح نے کہا۔ ''فخری ایک بات بتاؤ۔''

''پوچھو۔''

''تم منصور کو چاہتی ہو؟''

"یہ حقیقت ہے جھوٹ بولنے کا کیا فائدہ۔"

"اور اگر منصور نے تمھیں قبول نہ کیا تو؟"

"تو بھی میں اپنی زندگی کو روگ نہیں لگاؤں گی۔"

"بس یہی بات میں تم سے کہنے والی تھی۔فخری تمھیں ذہنی طور پر ہر قسم کے حالات کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"فی الحال تو میں ڈاکٹر بننا چاہتی ہوں باقی باتیں بعد میں دیکھی جائیں گی۔"

"تم بھی منیرہ جیسی باتیں کرنے لگیں..... "فرح نے ہنس کر کہا۔

"نہیں منیرہ اور میرے خیالات میں فرق ہے۔وہاں خرم کی خواہش کے باوجود وہ رخصتی سے انکار کررہی ہے اور میں منصور کی بے تعلقی اور ٹھکرائے جانے کی وجہ سے مجبور ہوگئی ہوں۔"

"میں نے برا نہیں مانا ہے فرح، حقیقت بیان کی ہے۔"

"اچھا اب بھول جاؤ ان باتوں کو۔میں جلد ہی انشاء اللہ تمھارے گھر آؤں گی۔پرسوں منصور ہمارے گھر آنے والے ہیں بلکہ ان کے والد بھی ساتھ آئیں گے۔وہ لوگ منگنی کی رسم دھوم دھام سے کرنا چاہتے ہیں۔اسی سلسلے میں آرہے ہیں۔"

"وہ آئیں یا نہ آئیں تم ضرور آنا فرح، میں بہت بور ہوتی رہتی ہوں۔"

اب شام بہت گہری ہوگئی تھی۔اچانک مغرب کی اذان کی آواز آئی۔دونوں سر سے دوپٹے اوڑھ کر اذان سننے لگیں۔

"آؤ فرح نماز پڑھ لیتے ہیں۔"

"چلو......میں خود بھی اٹھنے والی تھی۔نماز پڑھنے سے دل کو سکون ملتا ہے۔"فرح نے کہا۔

دونوں لڑکیوں نے وضو کیا اور پھر مغرب کی نماز کے لیے نیت باندھ لی۔

.......✿.......

آج شام منصور اور ان کے والد امجد حسین آنے والے تھے۔فرح صبح سے بے چین پھر رہی تھی۔بہت کوشش کے باوجود وہ اب تک اپنی ممی سے منصور کے متعلق کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی۔فخری سے ملے ہوئے دو روز گزر چکے تھے اور پورے دو دنوں سے وہ مسلسل اسی مسئلے پر سوچ رہی تھی۔اگرچہ فخری کے سامنے اس نے اپنی کسی کمزوری کا اظہار نہ کیا تھا مگر یہ حقیقت ہے کہ اس واقعہ سے اُسے شدید ذہنی صدمہ پہنچا تھا۔

اور یہ اس کی زندگی کا پہلا واقعہ نہ تھا۔

ایک بار اور بھی وہ اسی طرح جذباتی طور پر مار کھا چکی تھی۔ یہ دو سال قبل کی بات تھی جب وہ میٹرک کے امتحان سے فارغ ہوئی تھی۔ ممی نے اپنی پیاری دوست کے اکلوتے بیٹے اشعر سے اس کی منگنی کی تھی۔ اشعر بہت خوبصورت تھا۔ بہت دولت مند تھا۔ فرح، اشعر کی خوبصورتی میں گم ہو گئی تھی۔ اشعر نے امریکہ میں تعلیم حاصل کی تھی اور وہیں سروس کر رہے تھے۔ اشعر کی والدہ نے اپنی خوشی سے فرح کی منگنی کر دی تھی پورے چھ ماہ فرح، اشعر کے ساتھ منسوب رہی تھی اور پھر اچانک ہی امریکہ سے خبر آئی تھی کہ اشعر نے ایک امریکن لڑکی سے شادی کر لی۔ فرح کچھ بھی نہ کر سکی۔ ممی کی دوست بھی بیٹے کے خلاف کچھ نہ بول سکیں۔ فرح کی مفت میں بدنامی ہوئی۔ وہ اتنے عرصے اشعر کے ساتھ منسوب رہی۔ دونوں اکثر ساتھ گھومے بھی تھے اور جب وہ پوری کی پوری اشعر کی محبت میں ڈوب گئی تو اشعر کی طرف سے یہ انعام ملا۔ اشعر اُس کی پہلی محبت تھی معصوم اور سچی محبت مگر وہ سپنا ٹوٹ گیا۔ اس کے معصوم ذہن پر اس واقعہ کا بہت اثر ہوا۔ کبھی کبھی وہ سوچتی اگر اشعر کو وہیں شادی کرنی تھی تو پھر انھوں نے منگنی کا کھیل کیوں کھیلا۔ کیوں اتنے دن جذبات سے کھیلتے رہے۔ ممی اپنی دوست کی طرف سے دل برداشتہ ہوئیں تو رفتہ رفتہ دونوں گھرانوں میں تعلقات ختم ہو گئے۔ وقت گزرا تو فرح کے دل سے غم کم ہونے لگا۔ پھر منصور نے اپنی محبت کا دامن پھیلایا...... یہ ڈیڈی کے دوست کے بیٹے تھے...... اب کی بار معاملہ دوسرا تھا۔ اب کے منصور کے ماں باپ نہیں خود منصور کی خواہش پر شادی طے ہوئی تھی۔ پچھلے ایک برس سے منصور نے ہر ہر انداز میں اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔ فرح اُن کے دل کی بے تابیوں سے باخبر تھی۔ اور جب ممی نے اُس سے منصور کے لیے رائے لی تو وہ انکار نہ کر سکی۔ منصور میں کوئی خرابی نہ تھی وہ اچھی صورت شکل کا گریجویٹ لڑکا تھا۔ ڈیڈی کے دوست کا اکلوتا بیٹا...... جو فرح سے محبت کرتا تھا۔ وہ کیوں انکار کرتی...... اُس نے اقرار کر لیا تھا اور اُس کی بات طے ہو گئی تھی اور جب اُس نے ذہنی طور پر خود کو منصور سے وابستہ کر لیا اور اُن کی منگنی کی تقریب ہونے والی تھی تو فخری نے منصور کی اصلیت کو بے نقاب کر کے ایک بار پھر اُسے ذلت اور رسوائی کے غار میں لا پھینکا تھا۔

ممی اپنی دوست کو آزما چکی تھیں۔ اب ڈیڈی کی باری تھی۔ جب ڈیڈی کو منصور کی اصلیت معلوم ہو گی تو ان کا رویہ کیا ہو گا۔ امجد انکل نے بھی اس بات کو چھپایا۔ یہ بات ڈیڈی کے لیے ناقابل برداشت ہو گی اور پھر ان دونوں گھرانوں کے تعلقات بھی اسی طرح ختم ہو جائیں گے جیسے

اشعر کے گھرانے سے ختم ہوئے تھے۔

مگر ابھی تک اُس نے اپنی ممی سے کوئی تذکرہ نہ کیا تھا وہ پہلے خود منصور سے بات کرنا چاہتی تھی۔

اُس کا ذہن بُری طرح ماؤف ہو گیا تھا۔ منصور کی محبت اُسے خود غرض اور پُر فریب معلوم نظر آ رہی تھی۔ اُسے رہ رہ کر منصور پر غصہ آ رہا تھا اور اپنی بے بسی پر رونا۔ خدا خدا کر کے شام ہوئی۔ منصور آ گئے۔ امجد انکل کو دوسرے روز پہنچنا تھا۔ کسی ضروری کام کی وجہ سے وہ آج نہ آ سکے تھے۔ فرح کے لیے یہ خبر خوش کن تھی۔ اب وہ اطمینان سے منصور سے بات کر سکتی تھی۔

''ہلو فرح۔'' منصور نے آتے ہی بے دھڑک اُسے مخاطب کیا۔ خوشی اُن کے چہرے پر پھوٹی پڑ رہی تھی۔

''آیئے بیٹھئے منصور صاحب۔'' فرح کا چہرہ جذبات سے خالی تھا۔

''خیریت تو ہے موڈ کچھ آف سا لگ رہا ہے۔'' منصور نے نزدیک والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں آپ کو شبہ ہوا ہے میرا موڈ بالکل درست ہے۔''

اتنے میں ممی اندر آ گئیں۔

''السلام علیکم ممی۔''

''وعلیکم السلام۔'' ممی نے کہا۔ ''بیٹے منصور تم فرح سے باتیں کرو میں ذرا بازار جا رہی ہوں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں آ جاؤں گی فرح تم منصور کا خیال رکھنا۔''

''جی اچھا ممی آپ جایئے۔'' فرح نے سعادت مندی سے کہا۔

''تمھیں معلوم ہے فرح ابو کس لیے آ رہے ہیں؟''

''جی ہاں معلوم ہے۔''

''فرح مجھے یقین نہیں آتا کہ تم مجھے مل گئی ہو۔''

''یہ کوئی اتنی اہم بات تو نہیں۔ آپ کو یقین کیوں نہیں آ رہا۔''

''اہم بات نہیں ہے؟ کمال ہے یہ تم کہہ رہی ہو فرح۔ تم مجھے سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ شاید تمھیں میرے جذبات، میری محبت کا اندازہ نہیں ہے تب ہی تم اس طرح کہہ رہی ہو۔''

''واقعی مجھے صحیح اندازہ نہیں ہے۔''

''کیا اب بھی تم کو میرے خلوص اور میری محبت پر شک ہے۔''

''اب کیا خاص بات ہو گئی؟''

''اب تو ہماری منگنی ہونے والی ہے پھر جلد ہی شادی بھی ہو جائے گی۔ فرح ہم دونوں زندگی کے ساتھی ہیں۔ پیار کرنے والے سچے جذبات رکھنے والے۔ ہم دونوں کو بہت زیادہ خوش ہونا چاہیے مگر مجھے لگتا ہے کہ تم زیادہ خوش نہیں ہو۔''

''دراصل مجھے ڈر ہے کہ یہ منگنی ٹوٹ نہ جائے۔''

''خدا نہ کرے فرح ایسی باتیں کیوں منہ سے نکال رہی ہو۔ تم نے ایسی بات سوچی کیسے؟''

''منگنی تو بہت معمولی سی چیز ہے اکثر نکاح تک ٹوٹ جاتے ہیں۔''

فرح نے کہا تو منصور ایک لمحہ کو چپ سے ہو گئے پھر بولے۔

''لیکن منگنی یا نکاح ٹوٹنے کا یہاں ذکر ہی کیا ہے۔''

''ہو سکتا ہے میری آپ سے منگنی ہو جائے یا نکاح ہو جائے اور پھر اچانک میرے ڈیڈی کا...... کاروبار ختم ہو جائے ہمارے حالات بدل جائیں تو پھر آپ کیا کریں گے؟ کیا تب بھی یہ رشتہ قائم رکھیں گے۔''

''تم کیسی باتیں کر رہی ہو فرح، اس سے قبل تو ایسی الٹی سیدھی باتیں تم نے کبھی نہ کی تھیں۔''

''میں نے آپ سے ایک بات پوچھی ہے اگر نکاح کے بعد میرے حالات بدل جائیں تو آپ کا رویہ کیا ہو گا؟''

''جو بات ناممکن ہے وہ کیوں سوچی جائے اور اگر خدانخواستہ کوئی بات ہو بھی تو تم ہمیشہ یوں ہی میرے دل کے قریب رہو گی فرح مجھے تمہاری دولت سے نہیں تم سے پیار ہے۔ کاش تم مجھے سمجھ سکتیں۔''

''کیا واقعی آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں ٹھیک ہے؟''

''فرح تم کہنا کیا چاہتی ہو میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا ہے۔''

''بہت سیدھی سی بات کہہ رہی ہوں۔''

''مگر اس کی وجہ؟''

''کیا آپ فاخرہ خاتون کو جانتے ہیں؟''

”فرح نے منصور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اچانک سوال کیا تو منصور کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ انھیں گمان بھی نہ تھا کہ فرح اچانک اتنا اہم سوال کر ڈالے گی۔ اُن لوگوں کا یہ خیال تھا کہ فرح سے شادی طے ہو جائے۔ شادی سے کچھ عرصہ قبل وہ فاخرہ کو طلاق نامہ بھیج دیں گے۔ ان لوگوں کو کچھ خبر بھی نہ ہوگی۔ مگر یہاں تو بات ہی الٹی ہو گئی تھی۔

منصور کو گم صم دیکھ کر فرح نے پھر پوچھا۔

”بتایئے آپ خاموش کیوں ہو گئے۔“

”تم فاخرہ کو کس طرح جانتی ہو؟“

”منصور صاحب مجھے آپ کے تمام حالات کا علم ہو چکا ہے۔ آپ کے گھر والوں نے فاخرہ کو بہتر مالی حالات اور خاندانی اسٹیٹس دیکھ کر فاخرہ سے آپ کا نکاح کیا تھا۔ مگر اب حالات دوسرے ہیں۔ یہ سب جھوٹ ہے کہ انڈیا میں آپ کا بڑا کاروبار تھا۔ آپ وہاں کچھ بھی نہ تھے اور اب یہاں سب کچھ ہو گئے۔ فاخرہ کے حالات خراب ہو گئے تو آپ لوگوں نے اپنا ارادہ بدل دیا...... منصور صاحب، فاخرہ میری دوست کی دوست ہے۔ میں اس سے خود ملی ہوں اور اس نے تمام حالات مجھے بتائے ہیں اب آپ بتایئے اپنی صفائی میں کیا کہنا چاہتے ہیں۔“

منصور دم بخود بیٹھے تھے۔ ان کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا وہ ذہنی طور پر اس اچانک حملے کے لیے تیار نہ تھے۔ پھر بھی سوچ کر بولے۔

”فاخرہ سے نکاح بہت پہلے کی بات ہے۔ اس نکاح میں میری پسند کو دخل نہ تھا۔ وہ امی اور ابو کی پسند تھی انھوں نے جو چاہا وہ کیا لیکن تم سے شادی میری پسند سے ہو رہی ہے۔“

”لیکن فاخرہ کا قصور یہی ہے کہ ان کے مالی حالات وہ نہیں رہے۔“

”فاخرہ نے جو کچھ تمھیں بتایا وہ غلط ہے۔ بات صرف مالی حالات کی نہیں کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جو یقیناً اس نے تم سے چھپائی ہوں گی۔“

”اس نے مجھ سے کچھ بھی نہیں چھپایا۔ اپنی بہن اور بڑے بھائی کے سب حالات بھی بتا دیے لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ان واقعات سے پہلے کیا آپ نے اپنی خالہ سے کوئی تعلق رکھا تھا؟ بتایئے کتنے خط بھیجے تھے خالہ کو؟“

جس دن سے فاخرہ کے والد کی ٹانگیں ٹوٹیں اُس دن سے تم سب کا رویہ تبدیل ہو گیا۔ پھر تم سب پیسے میں کھیلنے لگے۔ تم نے اپنی آنکھوں پر روپے کی عینک چڑھا لی۔ اور فاخرہ کو بھول گئے۔

بتاؤ اس لڑکی کا کیا قصور ہے۔ کس بات کی سزا دے رہے ہو تم لوگ اسے۔''

''میں فاخرہ کو طلاق دے دوں گا تم بے فکر رہو۔'' منصور نے بے دھڑک کہا۔

''بہت خوب۔ آج آپ فاخرہ کو طلاق دے کر مجھ سے نکاح کریں گے۔ کل کو میرے حالات خراب ہو جائیں تو آپ مجھے طلاق دے کر کسی اور سونے کی چڑیا کی تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے۔''

''نہیں فرح نہیں۔ تم مجھے غلط نہ سمجھو۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں فرح۔ میں تمھیں کسی حال میں نہیں چھوڑ سکتا۔ فاخرہ کو تو میں نے بچپن کے بعد سے دیکھا تک نہیں۔''

''یہی تو پوچھ رہی ہوں کہ اس کے بعد پھر کیوں ان لوگوں سے ملنے کی زحمت نہ کی آپ لوگوں نے۔ آپ کی نیت میں کھوٹ تھا نا اس لیے۔''

''بہر حال اب فاخرہ کے لیے میرے دل میں ذرہ برابر بھی گنجائش نہیں...... میں تمھیں نہیں چھوڑ سکتا فرح اب ان باتوں کو بھول جاؤ۔''

''یہ باتیں ایسی نہیں منصور صاحب جنھیں بھول جایا جائے۔ آپ میرا خیال اپنے دل سے نکال دیجیے میں آپ جیسے دھوکے باز انسان سے شادی نہیں کر سکتی۔''

''فرح۔ فرح!''...... منصور پریشان ہو کر چیخ پڑے۔ ''تم کیا کہہ رہی ہو سوچو تو سہی کیا تم منگنی سے انکار کر رہی ہو؟''

''جی ہاں میں آپ سے شادی نہیں کروں گی یہ میں نے طے کر لیا ہے۔''

''اتنے بڑے بڑے فیصلے جذبات میں بہہ کر نہیں کیے جاتے فرح! سوچو تو سہی ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ ہم شادی کریں گے فرح۔ خدا کے واسطے تم انکار نہ کرنا۔''

''میں نے جو فیصلہ کیا ہے وہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ اس میں کسی ترمیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اب رہا محبت کا سوال تو میرے دل میں آپ کے لیے نفرت کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ ابھی میں نے ممی اور ڈیڈی کو کچھ نہیں بتایا ہے مگر آج ہی سب کچھ بتا دوں گی اور جب ڈیڈی کو پتہ چلے گا کہ ان کے ساتھ آپ لوگوں نے اتنا بڑا افراڈ کیا ہے تو ڈیڈی کا رویہ کیا ہوگا۔ یہ آپ خود سوچ سکتے ہیں۔''

''نہیں فرح نہیں تم اس رشتے کو ختم نہ کرو۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے تم سے سچی محبت ہے میں فاخرہ کو طلاق دے کر اس قصے کو ختم کر دوں گا تم میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتیں۔''

''منصور صاحب بہتر ہو گا کہ آپ اس سلسلے میں مزید گفتگو نہ کریں......اپنا فیصلہ میں آپ کو سنا چکی ہوں۔''

یہ کہہ کر فرح کمرے سے نکل گئی۔

منصور بھی کمرے سے نکل کر لاؤنج میں پڑی کرسی پر بیٹھ گئے۔

ان کا سر چکرا رہا تھا۔ یہ کیا ہو گیا؟

وہ تو خوشی خوشی آئے تھے کہ منگنی کی تاریخ طے کی جائے گی مگر یہاں تو سب کچھ اُلٹ ہو گیا تھا۔

ملازم ٹرالی میں چائے اور ناشتے کا سامان ان کے پاس رکھ گیا۔

وہ خاموش بیٹھے رہے۔ فرح ان کے پاس نہیں تھی۔ ملازم فرح کی بھابی کو بلا لایا۔

فرح کی بھابی نے منصور کو چائے بنا کر دی۔ منصور نے مجبوراً پیالی تھام لی۔

ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں کہاں جائیں ان حالات میں اس گھر میں رہنا مناسب نہ تھا۔ سبحانی صاحب کا غصہ بہت تیز تھا۔ منصور کے والد صرف لاہور کے کاروبار میں ان کے تھوڑے سے حصہ دار تھے ورنہ سبحانی صاحب کا کاروبار بہت وسیع تھا اور اگر سبحانی صاحب کو تمام حالات معلوم ہوئے تو نہ جانے وہ غصے میں کیا کر بیٹھیں اس لیے منصور نے یہی مناسب سمجھا کہ رات کو سبحانی صاحب کی آمد سے قبل ہی انھیں یہاں سے چلے جانا چاہیے چنانچہ چائے پی کر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''ارے منصور بیٹھو، جا کہاں رہے ہو؟'' بھابی نے پوچھا۔

''اس وقت مجھے ضروری کام سے جانا ہے کل آؤں گا۔'' منصور نے کہا۔

منصور کی اُتری ہوئی صورت دیکھ کر بھابی سمجھ گئی تھیں کہ فرح سے اُن کا جھگڑا ہوا ہے تاہم وہ معاملے کی نوعیت سمجھنے سے قاصر تھیں۔

منصور چلے گئے۔

ممی بازار سے شاپنگ کر کے واپس آئیں تو منصور جا چکے تھے۔

''ارے منصور کہاں چلے گئے؟'' انھوں نے فرح سے پوچھا۔

''پتہ نہیں ممی۔''

''کچھ بتایا نہیں۔''

''نہیں۔''

''کچھ تو کہہ کر گئے ہوں گے۔''

''ہوا تو کچھ نہیں مگر مجھے یقین ہے کہ اب وہ اس گھر میں دوبارہ نہیں آئیں گے۔''

''کیا کہہ رہی ہو فرح۔ کہیں تم نے اُس سے لڑائی تو نہیں کی۔''

''جی نہیں ممی میں نے کوئی لڑائی نہیں کی صرف اُن کی حقیقت انھیں بتائی تھی۔''

''کیسی حقیقت؟''

''ممی ان لوگوں نے آپ کے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ منصور شادی شدہ ہیں۔''

''فرح تمھیں کیسے پتہ چلا؟''

''منصور کی بیوی نے مجھے خود بتایا۔''

فرح کی زبانی یہ بات سن کر ممی حیران رہ گئیں۔ ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

''فرح تفصیل سے بتاؤ سب کچھ۔ تم نے پہلے ہی مجھے کیوں نہ بتایا۔''

فرح نے تمام تفصیل جو اس نے فخری کی زبانی سنی تھی ممی سے بیان کر دی۔

''اب آپ ہی بتایئے ممی یہ لوگ بھروسے کے قابل ہیں؟''

''ہرگز نہیں۔ مجھے امجد سے یہ اُمید نہ تھی کہ وہ اتنی بڑی بات چھپائیں گے۔''

''اور شکیلہ آنٹی نے بھی کوئی ذکر نہ کیا حالانکہ منصور کی دلہن اُن ہی کی سگی بہن کی بیٹی ہے۔''

''مجھے تو خود حیرت ہو رہی ہے۔ میں ان لوگوں کو ایسا نہیں سمجھتی تھی۔''

''آپ تو اشعر کے گھر والوں کو بھی بہت اچھا سمجھتی تھیں۔'' فرح نے طنزیہ انداز میں کہا تو ممی شرمندہ ہو گئیں۔

''بیٹی مجھے شرمندگی ہے کہ تمھارے ساتھ دو دفعہ ایسا دھوکا ہوا۔ بہر حال اب اس بات کو ختم سمجھو۔ یہی غنیمت ہوا کہ ابھی منگنی کی رسم نہیں ہوئی تھی اور کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے۔''

''پھر بھی قریبی جاننے والوں کو ہر بات کا علم ہے۔''

''جو تقدیم میں ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے بیٹی۔ شکر کرو کہ خدا نے تم کو بچا لیا۔''

''آپ ڈیڈی کو سب کچھ بتا دیجئے گا۔''

''ہاں وہ تو بتانا ہی ہوگا تمھارے ڈیڈی کا غصہ بہت تیز ہے اب امجد صاحب سے تعلقات ختم ہی سمجھو۔''

''وہ آپ کے معاملات میں جو چاہیں کریں۔ تعلقات رکھیں یا ختم کریں مگر میری آپ لوگوں سے ایک ہی التجا ہے ممی۔''

''کہو۔''

''آپ کسی بھی جگہ میری بات اب طے نہ کیجئے گا۔ مجھ میں بار بار زخم کھانے کی طاقت نہیں ہے۔''

یہ کہہ کر فرح اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اور بستر میں گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''فخری تمھارے بھیا ٹھیک کہتے ہیں۔ منصور ایک سراب ہیں۔ اگر تم ان کے پیچھے بھاگتی رہیں تو اپنی منزل کھو دو گی میں نے ان سے ہر ناتہ توڑ لیا ہے۔ اب وہ ہمارے گھر کبھی نہیں آئیں گے مگر تمھارے لیے بھی ان کے دل میں کوئی گنجائش نہیں ہے تم اپنے دل سے اُن کا ہر خیال نکال دو۔ ذہن سے ہر نقش مٹا دو اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔'' وہ فخری کے گھر بیٹھی آہستہ کہہ رہی تھی۔

''میرے ڈیڈی بہت غصہ ور ہیں۔ انھیں جب حالات کا پتہ چلا تو انھوں نے امجد انکل سے تعلقات منقطع کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ امجد انکل نے ڈیڈی کو دھوکا دیا ہے اتنا بڑا دھوکا۔ ڈیڈی یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے۔ فخری میری ممی مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ تم خوش نصیب ہو کہ تمھیں منصور کے متعلق وقت سے پہلے ہی سب کچھ پتہ چل گیا ہاں فخری میں بھی یہی سوچتی ہوں کہ میں خوش نصیب ہوں لیکن اب میرا زیانے پر سے اعتبار اُٹھ گیا ہے۔ میں نے ممی سے التجا کی ہے اب وہ میرا نام کسی کے ساتھ منسوب نہ کریں۔''

فخری چپ چاپ بیٹھی فرح کی گفتگو سن رہی تھی۔

''تمھیں معلوم ہے نا اشعر کا واقعہ۔ ایک بار پہلے بھی میں جذباتی مار کھا چکی ہوں اور اب منصور کی طرف سے یہ انعام ملا۔ فخری اب میں نے طے کر لیا ہے کہ میں پوری دل جمعی کے ساتھ ڈاکٹری پڑھوں گی اور کسی سے کوئی تعلق نہ رکھوں گی مجھے دنیا کے تمام مردوں سے نفرت ہو گئی ہے۔''

''فخری کچھ تو بولو تم اس قدر خاموش کیوں بیٹھی ہو۔ شاید تم ذہنی طور پر منصور سے الگ ہونے کو تیار نہیں۔'' فرح نے کہا۔

''پورے دس سال سے جس شخص کے متعلق سوچتی چلی آئی ہوں اسے ایک لمحے میں ذہن سے نکال پھینکنا اتنا آسان تو نہیں فرح اور پھر میں شرعی و قانونی طور پر منصور کی منکوحہ ہوں۔ انھیں کیسے بھول جاؤں۔''

''لیکن وہ تمھیں بھول چکے ہیں میری دوست۔ وہ کبھی بھی تمھیں اپنا نہ بنائیں گے۔''

''ابھی ہمارے حالات ٹھیک نہیں ہیں ممکن ہے کہ میں اور بھیا کسی مقام پر پہنچ جائیں تو منصور کو اپنا فیصلہ تبدیل کرنا پڑے۔''

''جو لوگ وقت اور حالات بدلنے کے ساتھ ساتھ زندگی کے فیصلے تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ وہ قابل اعتبار نہیں ہوتے۔''

''فی الحال تو میں ڈاکٹر بننا چاہتی ہوں مستقبل میں کیا ہوگا مجھے نہیں معلوم۔ حالات جس رخ بہا لے جائیں گے مجھے جانا ہی ہوگا۔''

''منصور کے متعلق اتنا کچھ جان لینے کے باوجود تم اب بھی منصور سے محبت کرتی ہو۔''

''اپنی چیز خواہ کتنی بھی بری ہو اچھی ہی لگتی ہے فرح۔ میں کوشش کروں گی کہ خود کو بدل سکوں۔''

''میں تمھارے بہتر مستقبل کے لیے ہمیشہ دعا کرتی رہوں گی فخری۔'' فرح نے کہا۔

دونوں سہیلیاں بڑی دیر تک اپنے اور منصور کے متعلق باتیں کرتی رہیں۔ منصور سے جتنی باتیں ہوئی تھیں، فرح نے حرف بہ حرف دہرادی تھیں۔ فخری کو اس بات کی خوشی تھی کہ منصور نے اسے پہچانا نہ تھا مگر ساتھ ہی اس بات کا دکھ تھا کہ منصور کے دل میں فاخرہ خاتون کو دیکھنے، اُس سے ملنے کی کوئی خواہش نہ تھی۔ وہ بہت آسانی سے فاخرہ کو طلاق دینے پر آمادہ تھے...... نہ جانے حالات اُسے کہاں سے کہاں لے جانے والے تھے اُسے کچھ خبر نہ تھی فی الحال تو منصور کی شادی کا خطرہ ٹل گیا تھا اور وہ منصور کی تھی...... فرح کے لیے اُس کے دل میں محبت دوچند ہوگئی تھی۔ کتنی اچھی تھی فرح خوبصورت اور فراخ دل۔ اسے سگی بہن کی طرح چاہتی تھی۔ اسے فرح سے ہمدردی بھی تھی۔ اس نے دوبارہ دھوکا کھایا تھا اس وجہ سے وہ اس حد تک بددل ہوگئی تھی کہ ممی سے اس نے فی الحال شادی نہ کرنے کا وعدہ لے لیا تھا۔

ریحانہ دونوں کے لیے چائے بنا کر لے آئی۔

وہ خاموشی سے چائے پیتی رہیں۔ اتنے میں اصغر علی بھی دفتر سے آگئے۔ فرح کو دیکھ کر اصغر

علی کے چہرے پر پُرسکون سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

اصغر علی کے آ جانے سے ماحول تبدیل ہو گیا۔

ابھی کچھ دیر قبل ان دونوں کے درمیان جو درد انگیز گفتگو ہو رہی تھی وہ رک گئی۔ اب اصغر علی، فرح سے پوچھ رہے تھے۔ ''آپ آئندہ کس لائن میں جائیں گی؟''

''اگر اچھے مارکس آ گئے تو میں بھی فخری کے ساتھ میڈیکل کالج جوائن کر لوں گی۔''

''بہت اچھا خیال ہے۔ خدا کرے آپ دونوں کا داخلہ ساتھ ہی ہو جائے۔ آپ کے ساتھ ہونے سے مجھے بھی فخری کی طرف سے اطمینان رہے گا۔''

''آپ کا رزلٹ کب آ رہا ہے؟'' فرح نے پوچھا۔

''اگلے ہفتے آ رہا ہے۔''

''پھر تو مٹھائی کھانے آنا پڑے گا۔''

''ضرور۔ اگر میری ڈویژن اس قابل ہوئی تو میں آپ کو مٹھائی کھلانے میں فخر محسوس کروں گا۔''

''اپنا رول نمبر دے دیجئے۔''

اصغر علی نے رول نمبر دیا فرح نے اپنی نوٹ بک میں لکھ لیا۔

''اچھا تو پھر آپ کا رزلٹ آئے تو پھر آپ سے پروگرام ڈسکس کیا جائے گا۔''

''کون سا پروگرام؟''

''وہی میتھس میں ایم اے والا۔''

''وہ تو آپ پہلے ہی بتا چکیں۔''

''اس وقت تو صرف تذکرہ ہوا تھا۔ کوئی حتمی فیصلہ تو نہ ہوا تھا۔''

''میں نے آپ کی تجویز پر بہت غور کیا۔ ہر پہلو سے سوچا اور پھر اس نتیجے پر پہنچا کہ واقعی جو کچھ آپ نے کہا تھا وہ درست ہے۔''

''یعنی آپ نے ایل ایل بی کا ارادہ ترک کر دیا ہے؟'' فرح نے خوش ہو کر پوچھا۔

''جی ہاں۔ یہی سمجھئے۔ میں میتھس میں ایم۔ اے کر کے آئندہ تعلیم جاری رکھوں گا۔''

''دراصل مجھے یونیورسٹی پروفیسرز بہت پسند ہیں۔ ایک دم ڈگنیفائڈ اور آئیڈیل سے لگتے ہیں بس اسی وجہ سے میں ہر اچھے اسٹوڈنٹ کو یہی مشورہ دیتی ہوں۔'' فرح نے اپنے دل کی بات

بہت سادگی سے بیان کر دی تھی۔ اصغر علی نے اس کے سادہ سے پُرکشش چہرے کی طرف دیکھا اور چپ چاپ نظریں نیچی کر لیں۔ اچانک ہی انھیں اس کی منصور سے منگنی کا خیال آ گیا تھا۔ ان کا دل پریشان ہو گیا۔ یہ ضروری تو نہ تھا کہ وہ تمام حالات جان لینے پر منصور سے شادی نہ کرتی اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی جاتا تو بھی اس کے لیے منصور جیسے بے شمار دولت مند نوجوان موجود تھے اور وہ خود...... وہ تو کچھ بھی نہ تھے...... نہیں مجھے فرح کے متعلق کچھ نہیں سوچنا چاہیے۔ انھوں نے دل ہی دل میں کہا۔

ریحانہ نے بھیا کے لیے بھی چائے بنا دی تھی جو رکھے رکھے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ فخری کے یاد دلانے پر وہ ایک سانس میں غٹا غٹ چائے پی کر وہاں سے اُٹھ گئے۔

تھوڑی دیر میں فرح کی گاڑی اسے لینے آن پہنچی اور وہ اپنے گھر واپس چلی گئی۔

فرح کو خدا حافظ کر کے جب دونوں بہن بھائی پلٹے تو فخری نے بہت آہستہ سے اپنے چھوٹے بھیا سے ایک جملہ کہا۔ ''فرح نے منصور سے قطع تعلق کر لیا ہے۔''

اصغر علی نے چونک کر فخری کو دیکھا۔ ''فرح نے ابھی بتایا تمھیں؟''

''ہاں وہ یہی بتانے آئی تھی۔ سبحانی صاحب نے خالو جان سے تعلقات منقطع کرنے کا ارادہ کر لیا ہے انھیں وہ بات جان کر بہت غصہ آیا تھا۔''

''فرح کو دکھ نہیں ہوا یہ سب جان کر......؟ اصغر علی نے نہ جانے کیوں یہ سوال کر ہی ڈالا۔

''نہیں...... وہ خوش تھی کہ اُسے وقت سے پہلے سب کچھ پتہ چل گیا۔ بھیا، فرح کہہ رہی تھی کہ تمھارے چھوٹے بھیا ٹھیک کہتے ہیں منصور ایک سراب ہیں بہت بڑا دھوکا، وہ کسی کے لیے مخلص نہیں ہو سکتے۔''

''پھر بھی اُسے دکھ تو ہوا ہوگا اُس کی منگنی ہونے والی تھی۔''

فخری نے اشعر کا واقعہ مختصراً بیان کر کے کہا۔ ''بھیا فرح بہت اچھی لڑکی ہے ایک بار وہ پہلے بھی دھوکا کھا چکی ہے اور یہ دوسری بار ہوا تو اس کا تمام مردوں پر سے اعتبار اُٹھ گیا ہے اُس نے اپنی ممی سے وعدہ لیا ہے کہ اب وہ اسے اطمینان سے پڑھنے دیں گی۔ فی الحال وہ ڈاکٹر بننا چاہتی ہے اس کے بعد ہی کچھ سوچے گی۔''

''ہاں تعلیم تو بہت ضروری ہے اچھا ہے تم دونوں ایک ساتھ پڑھو۔''

اصغر علی کہیں دور کھو گئے تھے۔ انھیں اس وقت ایک طرح کا اطمینان سا ہو گیا تھا۔ اب فرح

کسی سے منسوب نہیں ہوگی ڈاکٹری پڑھے گی اور اس میں پورے پانچ سال کا عرصہ درکار تھا۔ پانچ سال تو بہت ہوتے ہیں اتنے عرصے میں وہ بہت کچھ کر سکتے تھے۔ اگر فرح کے کہنے کے مطابق انھیں ایم اے کر کے یونیورسٹی میں جاب مل گیا تو پھر پی ایچ ڈی کر کے وہ فرح کے آئیڈیل انسان بن سکتے تھے۔ یہ سب کچھ ناممکن تو نہ تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں گم لباس تبدیل کرنے باتھ روم میں چلے گئے۔

اور فخری سوچ رہی تھی۔

فرح کی نسبت منصور سے ٹوٹنے پر بھیا بہت مطمئن نظر آ رہے ہیں شاید اس لیے کہ منصور میرے شوہر ہیں مگر نہیں بھیا کو اس سے کیا غرض وہ تو منصور کو قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔ پھر تو ایک ہی وجہ ہوسکتی ہے کہ منگنی ٹوٹنے پر بھیا مطمئن ہو گئے ہیں۔

کیا بھیا فرح کو پسند کرتے ہیں؟

''کاش فرح میری بھابی بن سکتی۔'' اس نے صدقِ دل سے دعا کی۔ مگر اپنے اور فرح کے حالات پر غور کیا تو اس کے دل کی دعا ہونٹوں پر دم توڑنے لگی۔

اصغر علی نے لباس تبدیل کیا اور باتھ روم سے نکل آئے۔

''وہ تمہاری پرانی دوست منیرہ نہیں آئی بہت دنوں سے۔'' اصغر علی نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ابھی کچھ دن پہلے تو آئی تھی آج کل وہ بہت مصروف ہوگی۔''

''کیوں؟''

''اس کے شوہر آئے ہوئے ہیں آج کل، خوب گھوم پھر رہی ہوگی خرم کے ساتھ۔''

''اچھا یہ تو اچھی خبر سنائی تم نے۔ تم بھی بلا لو ان دونوں کو اپنے گھر چائے پر۔''

''مگر بھیا ابھی ان کی رخصتی کہاں ہوئی ہے۔''

''ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ دونوں گھوم رہے ہوں گے۔''

''وہ بھی صحیح ہے۔ منیرہ کی امی نے اسے ہر طرح کی اجازت دے رکھی ہے ویسے مجھے اس طرح ان دونوں کو تنہا چائے پر بلانا بہت عجیب لگے گا۔''

''اچھا خیر نہ بلاؤ مگر کل مل تو آؤ جا کر۔''

''آپ چلیے تو میں بھی چلوں گی۔''

''ٹھیک ہے میں کسی روز لے چلوں گا تمھیں۔ بری بات ہے منیرہ کے گھر سے تمھارے بچپن کے تعلقات ہیں تمھیں ملنے جانا چاہیے۔''

''دل تو میرا بھی چاہتا ہے کہ میں اس کے دولہا کو دیکھوں مگر جھجک آتی تھی۔''

''میں تمھیں اپنے ساتھ لے چلوں گا۔''

فخری دل ہی دل میں خوش ہوگئی اس کا سچ مچ دل چاہ رہا تھا کہ وہ منیرہ کے خرم کو دیکھے۔ منیرہ نے خرم کی اتنی باتیں کی تھیں کہ اسے اشتیاق پیدا ہوگیا تھا۔ اس وقت اصغر علی نے اس کے دل کی بات کہہ دی ورنہ وہ خود سے کہتے ہوئے جھجک محسوس کرتی تھی۔

''اچھا اب میں ٹیوشن کے لیے جارہا ہوں۔'' اصغر علی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''بھیا اب آپ کیوں ٹیوشن کرتے ہیں۔ اب تو اللہ کے فضل سے آپ کی بہت اچھی تنخواہ ہوگئی ہے۔''

''اب تو صرف ایک ہی ٹیوشن ہے اختر کا، اور وہ بھی اُسی کی بھلائی کے لیے میں Continue کیے ہوئے ہوں بس ایک سال کی بات اور ہے وہ اچھے نمبروں سے انٹر سائنس کر لے تو انجینئرنگ کالج میں چلا جائے گا بے چارا غریب لڑکا ہے مجھے اختر کی بڑی فکر ہے۔''

''آپ تو صرف میتھس پڑھاتے ہوں گے؟''

''ہاں میں میتھس ہی پڑھاتا ہوں اور یہی سبجیکٹ اُسے زیادہ مشکل لگتا ہے۔'' یہ کہہ کر اصغر علی چلے گئے۔

اختر کا گھر قریب ہی تھا اصغر علی اُسے دو برس سے پڑھا رہے تھے اُن کی محنت سے وہ میٹرک میں بہت اچھے نمبروں سے کامیاب ہوا تھا۔ فرسٹ ایئر میں بھی اُس کے کافی اچھے نمبر آئے تھے لیکن کیریئر بنانے کے لیے انٹر سائنس میں بہت اچھے نمبروں کی ضرورت تھی اس وجہ سے اصغر علی نے اختر کا ٹیوشن نہیں چھوڑا تھا۔ اگرچہ اصغر علی کو خود بھی پڑھنے کے لیے وقت درکار تھا اور پیسوں کی بھی کوئی خاص ضرورت نہ تھی مگر اختر نے بہت خوشامد سے انھیں راضی کرلیا تھا۔

اصغر علی ٹیوشن پڑھانے چلے گئے تو فخری اپنی بہن کا ہاتھ بٹانے کے لیے باورچی خانے میں چلی گئی۔

ریحانہ چائے کے برتن دھو رہی تھی۔

''تم رکھ دو ریحانہ میں دھولوں گی۔''

”نہیں آپا آپ بیٹھیے میں دھو رہی ہوں۔“

فخری قریب ہی پڑی پیڑھی پر بہن کے پاس بیٹھ گئی۔ پھر دونوں بہنیں آنے والے دنوں کا پروگرام بنانے لگیں۔

.........✿.........

خرم کا ارادہ تھا کہ وہ پوری چھٹیاں منی پھپھو کے گھر کراچی گزاریں گے مگران کے آنے کے پندرہ دنوں بعد اچانک گھر سے ٹیلیگرام آ گیا خرم کے ابا کی طبیعت خراب ہوگئی تھی اس وجہ سے دونوں بہن بھائیوں کو واپس جانا پڑ گیا۔

یہ پندرہ دن جو خرم نے اپنی سسرال میں گزارے، اُن کے لیے یادگار بن گئے تھے۔ منی پھپھو نے خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی۔ منیرہ کی قربت اور محبت نے انھیں دونوں جہان کی خوشیوں سے روشناس کیا تھا۔ منیرہ کے ساتھ انھوں نے کراچی کا کونہ کونہ چھان مارا تھا۔ تمام دن سیر و تفریح اور باتوں میں گزر جاتا لیکن خرم یہ چاہتے تھے کہ اب فوری طور پر رخصتی ہو جائے۔ خود منیرہ بھی دل سے یہی چاہتی تھی کہ کسی صورت سے خرم کے ساتھ چلی جائے مگر منی بیگم کی سکھائی ہوئی باتوں نے اُس کے ہونٹوں پر مہر لگا رکھی تھی۔ منی بیگم نے اُسے اچھی طرح سکھا پڑھا دیا تھا کہ دیکھو خبردار، ابھی رخصتی کی کوئی بات مت کرنا۔ دو سال کی بات ہے تم بی ایس سی کرلو اور خرم ایم ایس سی کرلیں پھر رخصتی ہو جائے گی اور منیرہ کو ماں کی بات ماننی پڑی تھی۔ خرم نے بہت بار منیرہ پر زور دیا تھا کہ اب وہ کالج وغیرہ چھوڑ کر ان کے ساتھ چلے مگر منیرہ نے اپنی ماں کا پڑھایا ہوا سبق فرفر دہرا دیا تھا۔

”دیکھیے خرم دو ہی سال تو ہیں پھر تو ساری عمر پڑی ہے ساتھ رہنے کو۔ میں پڑھ لوں آپ بھی پڑھ لیجیے اسی میں ہم لوگوں کے لیے بھلائی ہے۔“

اور خرم منیرہ کی دلیلوں کے آگے بے بس ہو گئے تھے۔

پندرہ دن بہت جلد گزر گئے۔ والد کی بیماری کی اطلاع آنے پر دونوں بہن بھائی فوری طور پر واپس چلے گئے۔ جمال صاحب کو معمول ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ اب ان کی طبیعت کافی بہتر تھی۔ سابرہ خاتون میاں کی بیماری اور تنہائی کی وجہ سے پریشان ہوگئی تھیں۔ خرم کے آ جانے سے انھیں اطمینان ہو گیا۔

جمال صاحب نے کراچی کی سب باتیں تفصیل سے پوچھیں اور شاہدہ خوش ہو ہو کر منی پھپھو

کے خاطر مدارات کے قصے سناتی رہی۔

''کچھ پتہ چلا کہ منی کا کب ارادہ ہے رخصتی کا؟'' امی نے شاہدہ سے پوچھا۔

''ان کا خیال ہے کہ منیرہ بی ایس سی کر لے اور بھائی جان ایم ایس سی۔ پھر رخصتی ہو گی۔'' شاہدہ نے بتایا۔

''اور اگر خرم نے ایم ایس سی نہ کیا تو؟'' اماں نے ابرو اٹھا کر سوال کیا۔

''مجھے کیا پتہ۔ آپ ہی لکھ کر پوچھیے۔'' شاہدہ نے کہا۔

''کیوں بھئی تمہارا کیا خیال ہے۔'' جمال صاحب نے کہا۔ ''منی کو اب رخصتی کے لیے لکھ دیا جائے؟''

''ہاں اور کیا۔'' امی نے کہا۔ ''لڑکے والے ہم ہیں، ہمیں ہی لکھنا چاہیے۔ تم لکھو۔ دیکھو منی کیا جواب دیتی ہیں۔''

خرم تو دل سے یہی چاہتے تھے کہ کسی صورت سے رخصتی ہو جائے۔ اس لیے خاموش بیٹھے ماں باپ کی گفتگو سن رہے تھے۔

''کیوں خرم تمہارا کیا خیال ہے تم بھی تو کچھ بولو؟'' ابا نے بیٹے سے پوچھا۔

''مجھے کیا پتہ آپ لوگوں کا جو دل چاہے کیجیے۔'' خرم کسی سوچ میں گم تھے گویا انھیں یقین ہو کہ امی ابا کچھ بھی کر لیں وہ لوگ فی الحال رخصتی نہیں کریں گے۔ منی بیگم اور خود واسطی صاحب نے بھی خرم کو الگ سے اچھی طرح زمانے کی اونچ نیچ سمجھائی تھی اور خرم خاموش سر جھکائے بیٹھے رہے تھے۔ سچ بات تو یہ تھی کہ خرم کا اب مزید پڑھنے کا کوئی ارادہ نہ تھا ان کے پاس کافی جائیداد تھی اپنا ذاتی گھر تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ منیرہ بھی اب تعلیم ختم کر دے اور رخصت ہو کر آ جائے مگر انھوں نے منہ سے کچھ نہ کہا تھا۔

کافی دیر تک گھر والوں میں یہ باتیں ہوتی رہیں کہ اب منیرہ کی رخصتی ہو جانی چاہیے۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ منی بیگم کو فوری طور پر ایک خط روانہ کر دینا چاہیے۔ جمال صاحب کو اپنی بہن کی محبت پر بڑا ناز تھا ان کا خیال تھا کہ جوں ہی منی کو خط لکھیں گے اُدھر سے رضامندی کا خط آ جائے گا اور پھر یہ شادی بھی تو ان ہی لوگوں کی رضامندی پر ہوئی تھی۔ بھلا اُنھیں کیا اعتراض ہوگا۔ یہ جمال صاحب کا خیال تھا۔ وہ پرانے زمانے کے رَوایتی انسان تھے جو صرف محبت اور انسانیت پر یقین رکھتے تھے اور جنھوں نے بہن کی خوشی پر صرف اس لیے بیٹی کا رشتہ کر دیا تھا تاکہ سگے اور سوتیلے کا

فرق مٹ سکے اور وہ محبت جس کے لیے وہ تمام عمر ترستے رہے، اب بڑھاپے میں ہی سہی، انھیں حاصل ہو جائے۔ چنانچہ اُسی محبت کا سہارا لے کر انھوں نے ایک خط منی بیگم کو لکھ ڈالا جس میں اپنی طبیعت کی خرابی کے ساتھ مغیرہ کی رخصتی پر زور دیا گیا تھا۔

منی بیگم نے بھائی کے خط کا جواب انتہائی محبت سے دیا مگر خط کے مضمون سے صاف ظاہر تھا کہ ابھی وہ بیٹی کی رخصتی پر راضی نہیں ہیں گوکہ الفاظ بہت شیریں تھے مگر مطلب قطعی واضح تھا۔

انھوں نے لکھا تھا۔ ''منیرہ تو آپ کی ہی بیٹی ہے بھائی جان آپ جب چاہیے ہاتھ پکڑ کر لے جایئے بلکہ مجھ سے پوچھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ خرم خود آئے تھے ماشاء اللہ دونوں ساتھ ساتھ خوش خوش گھومتے رہے چاہتے تو ساتھ ہی لے جاتے مگر پیارے بھائی جان ابھی یہ دونوں بچے ہیں، ناسمجھ ہیں اگر دونوں پڑھ لیں تو انہی کے حق میں بہتر ہوگا دو برس کچھ نہیں ہوتے منیرہ بی ایس سی کر لے گی آپ خرم کو ایم ایس کروا دیں پھر انشاء اللہ منیرہ کی رخصتی ہو جائے گی۔''

جمال صاحب بہت نرم دل تھے بڑی جلدی میٹھی باتوں میں آ جاتے تھے۔

منی بیگم کا خط پڑھ کر انھوں نے بیوی سے کہا۔

''منی کا کہنا بھی ایک طرح سے ٹھیک ہے آخر حرج ہی کیا ہے کہ دونوں پڑھ لیں۔''

''مگر خرم کہتے ہیں کہ اب وہ مزید نہیں پڑھیں گے۔'' صابرہ بیگم نے چھالیہ کترتے ہوئے کہا۔

''خیر نہ بھی پڑھیں۔'' جمال صاحب نے کہا۔ ''لڑکی تو پڑھ لے گی۔ کم از کم گریجویٹ ہو جائے گی۔''

''مگر منی بیگم یہ چاہتی ہیں کہ خرم آگے پڑھیں۔'' صابرہ بیگم نے کہا۔

''یہ تو صرف ان کی ایک خواہش ہے کتنی محبت سے بے چاری نے خط لکھا ہے۔'' جمال صاحب بولے۔

''یہ خواہش نہیں شرط ہے۔'' صابرہ بیگم نے کہا۔ ''تم آج کی بات یاد رکھنا۔''

''تم ہمیشہ ہمارے گھر والوں کو غلط پہلو سے دیکھتی ہو۔''

''سچ بات کڑوی لگتی ہے۔ میں نے آج تک کوئی بات جھوٹ نہیں کہی۔''

''یعنی تمہارا مطلب یہ ہے کہ اگر خرم نے ایم ایس سی نہ کیا تو منی منیرہ کی رخصتی نہیں کریں گی واہ واسبحان اللہ۔''

''میں نے یہ کب کہا کہ وہ رخصتی نہیں کریں گی مگر یہ بھی سچ ہے کہ خرم اپنی من مانی نہیں کر سکتے انھیں منی بیگم کے اشاروں پر چلنا ہوگا۔''

''خرم ان کے داماد ہیں وہ لوگ ان کی بھلائی کے لیے ہی سوچیں گے اُن کے اشاروں پر چلنے سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

''میری کوئی مراد نہیں، آ گے جو کچھ ہوگا وہ تم خود دیکھ لینا تم جانو تمہاری بہن جانیں۔''

یہ کہہ کر صابرہ بیگم اپنی چھالیہ سروتہ لے کر وہاں سے اُٹھ گئیں۔

کچھ دن اسی طرح گزر گئے۔ منیرہ سے الگ رہنا خرم کو ناممکن سا لگنے لگا۔ انھوں نے ایک خط اسی سلسلے میں منیرہ کو لکھا...... اپنے دلی جذبات اور کیفیات سب لکھ ڈالیں۔

منیرہ نے وہ خط ماں کے کہنے پر انھیں دکھلا دیا۔

یہ منی بیگم کی عادت تھی، جو خط بھی خرم، منیرہ کو لکھتے وہ مانگ کر ضرور پڑھتی تھیں اور منیرہ کو سکھاتی تھیں کہ جواب میں یہ لکھو۔ منیرہ نے اپنی معصومیت میں یہ بات خرم کو بتلا دی تھی۔ خرم کو بہت برا لگا تھا مگر اب وہ بہت محتاط ہو گئے تھے۔ خط ایسا ہوتا کہ منی بیگم بھی پڑھ سکتی تھیں۔

مگر اس بار وہ خود پر قابو نہ رکھ سکے۔

وہ منیرہ کے بغیر ادھورے تھے۔

منی بیگم نے خط پڑھا اور خرم کے خیالات معلوم کر کے دل ہی دل میں بہت خوش ہوئیں۔ انھیں خوشی تھی کہ ان کی بیٹی کو اتنا چاہنے والا شوہر مل گیا مگر فی الحال وہ رخصتی کے حق میں نہ تھیں۔

خرم کا خط پڑھ کر منیرہ ڈانوا ڈول ہو گئی مگر منی بیگم نے سمجھا بجھا کر ایک مناسب خط منیرہ سے لکھوا دیا جس میں آ گے پڑھنے کی شدید خواہش اور مستقبل بنانے کا تذکرہ تھا۔ منیرہ نے خرم پر بھی زور دیا تھا کہ وہ اسکول کی نوکری چھوڑ کر یونیورسٹی میں نام لکھوالیں۔

منیرہ کا خط پڑھ کر خرم کو سخت مایوسی ہوئی ان کا خیال تھا منیرہ ان کے جذبات کا احترام کرے گی مگر اُدھر سے وہی نصیحت آمیز روکھا پھیکا خط آ گیا۔ خرم کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی کچھ دنوں کے بعد منی پھپھو کا ایک خط خرم کے نام آیا۔ جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ تم کراچی آ جاؤ ہمارے گھر رہو اور دو سال میں ایم ایس سی مکمل کر لو۔ ہم تمہارا خرچ اٹھائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

خرم کو یہ خط پڑھ کر بہت ہی غصہ آیا تھا۔

''اس کا مطلب ہے منی پھپھو مجھے گھر داماد بنانا چاہتی ہیں اور میں ان کے پیسے سے کیوں

ایم ایس سی کروں۔ کیا میرے پاس فیس نہیں ہے۔"

خرم کو بھی ضد چڑھ گئی۔ انھوں نے ایم ایس سی نہ کرنے کا فیصلہ کرلیا مگر منی پھپھو کو کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ منیرہ کو خط لکھ دیا کہ تم اطمینان سے بی ایس سی کرلو واقعی دو برس کا عرصہ زیادہ نہیں ہوتا۔ میں اتنا عرصہ اور انتظار کرلوں گا۔

کچھ دنوں بعد منیرہ کا رزلٹ نکل آیا اس کی انٹر سائنس میں سیکنڈ ڈویژن آئی تھی اور اب وہ اُسی کالج میں بی ایس سی کر رہی تھی اسے خوشی تھی کہ اس نے اپنی محبت اور حکمت عملی سے خرم کو اپنی منشاء کے مطابق ڈھال لیا تھا۔

منیرہ اور فخری کا ساتھ اب چھوٹ گیا تھا۔ فخری نے انٹر سائنس میں بہت اعلیٰ نمبروں سے فرسٹ ڈویژن لی تھی اور وہ میڈیکل کالج چلی گئی تھی۔ اس کی دوست فرح کی بھی فرسٹ ڈویژن تھی اور وہ بھی فخری کے ساتھ میڈیکل میں تھی۔

منیرہ کی پرانی دوست وکی اور امی اب بھی اس کے ساتھ تھیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سی نئی دوستیں تھیں جو منیرہ کی خوش اخلاقی اور خوبصورتی سے متاثر تھیں اب بھی اپنی دوستوں کے درمیان بیٹھ کر منیرہ، خرم کی باتیں کیا کرتی تھی اور اس کی سہیلیاں دلچسپی سے سنا کرتی تھیں اس نے اپنی شادی کی بہت سی تصویریں اپنی سب سہیلیوں کو دکھائی تھیں۔

فخری سے ملے ہوئے کافی دن گزر گئے تھے۔ ایک بار چھٹیوں میں جب خرم موجود تھے، فخری اپنے بھائی کو لے کر آئی تھی اور کچھ دیر بیٹھ کر چلی گئی تھی۔ اس کے بعد رزلٹ نکلنے کے بعد کالج میں فخری سے ملاقات ہوئی تھی لیکن اس کے بعد فخری نہ مل سکی۔ فخری میڈیکل کالج میں مصروف ہوگئی تھی۔ اس وجہ سے اب اس کا واسطہ منیرہ سے نہیں تھا۔ شروع شروع میں منیرہ کو محسوس ہوتا کہ فخری کے بغیر کالج میں اس کا وجود بہت اکیلا اور نامکمل سا ہے مگر بہت جلد وہ اس کی غیر موجودگی کی عادی ہوگئی اور اپنی نئی دوستوں میں گم ہوگئی۔ یہ منیرہ کی فطرت تھی وہ زندگی کے اندر رونما ہونے والی تبدیلیوں کو شدت سے محسوس کرتی تھی اور پھر بہت جلد اس کی عادی ہو جاتی تھی۔ فطری طور پر وہ جدت پسند تھی۔ شوقین تھی اور اپنی انفرادیت قائم رکھنے کی خواہاں۔

اسے ہر وہ چیز پُرکشش معلوم ہوتی تھی جو نئی ہو۔ جدید ہو اور جو عام ڈگر سے ہٹ کر ہو۔ سہیلیاں بنانے میں وہ بہت جدت پسند تھی۔ ہر ایسی لڑکی سے اس کی دوستی تھی جو اوروں سے کچھ مختلف ہوتی۔ سب سے زیادہ پرانی دوستی فخری ہی سے تھی وہ بھی اس لیے کہ فخری ذہین تھی۔

خوبصورت ذہن رکھتی تھی اور اُس کی سوچ بہت پریکٹیکل تھی۔ مگر اب وہ ساتھ بھی چھوٹ گیا تھا جس کا اثر چند دنوں کے بعد زائل ہو گیا تھا۔ کالج میں آنے والی لڑکیوں سے وہ طرح طرح کے فیشن سیکھا کرتی تھی اور بہت جلد اپنا بھی لیتی تھی۔ منی بیگم ہر معاملے میں اس کی معاون اور مددگار رہیں۔ جوں جوں منیرہ بڑی ہو رہی تھی اس پر اپنے ابو کا اثر کم ہو رہا تھا اور ماں کی دی ہوئی تربیت حاوی ہوتی جا رہی تھی یا یوں کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ جوں جوں وقت گزر رہا تھا منی بیگم اپنے میاں پر حاوی ہوتی جا رہی تھیں۔ واسطی صاحب کے صرف اصول باقی رہ گئے تھے اب عمل مفقود ہو گیا تھا۔ وہ بیوی کے ذہن سے سوچتے تھے اور بیوی کی زبان سے بولتے تھے۔ یہ سب کچھ رفتہ رفتہ بہت برسوں میں ہو پایا تھا۔

اُدھر پھول بیگم اور منی بیگم میں برابر خط و کتابت جاری تھی۔ پھول بیگم کے خط پر خط آ رہے تھے کہ جب تک خرم پڑھ لکھ کر قابل نہ بن جائیں ہرگز لڑکی کو رخصت نہ کرنا...... منی بیگم کے دل میں اپنی بڑی بہن کی بہت اہمیت اور قدر تھی وہ پورے طور پر بہن کے مشوروں پر عمل کیا کرتی تھیں۔

پھول بیگم کو یہ غصہ تھا کہ خرم نے ان کی بیٹی ناہید کو ٹھکرا دیا تھا محض اس لیے کہ ناہید آزاد خیال تھی گو کہ اس میں بے شمار اچھی صفات موجود تھیں۔ چنانچہ انھوں نے دل ہی دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ خواہ کچھ ہو جائے وہ منیرہ کو خرم کے ساتھ رخصت نہ ہونے دیں گی۔ اگر منیرہ کی رخصتی ہو جاتی تو اس میں پھول بیگم اور ناہید کی کھلی توہین تھی۔ ادھر ناہید اور نوشین اپنی تمام خوبصورتی اور دولت کے باوجود ہنوز بن بیاہی بیٹھی تھیں۔ ناہید کی دوبارہ منگنی ہو کر ٹوٹ چکی تھی اور پھول بیگم ایک اچھے داماد کے حصول کے لیے چاروں طرف ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھیں۔ مگر رشتے زور لگانے سے نہیں قسمت سے ملا کرتے ہیں۔ منی بیگم کو بہن کے ارادوں کی کچھ خبر نہ تھی۔ وہ آنکھ بند کر کے ان کے اشاروں پر چل رہی تھیں۔ پھول بیگم کے میاں کا ٹرانسفر اب کوئٹہ سے لاہور ہو چکا تھا اور انھوں نے بہت تاکید سے سب لوگوں کو اپنے گھر چھٹیاں گزارنے بلایا تھا۔ منی بیگم نے آئندہ چھٹیوں میں آنے کا وعدہ کر لیا تھا۔

......✿......

فخری کے گھریلو حالات بہت حد تک بدل گئے تھے۔ اصغر علی کی بی۔اے میں فرسٹ ڈویژن آئی تھی۔اور کمپنی میں اُس کا عہدہ بڑھ گیا تھا۔اب وہ فرح کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن تھا۔اور پرائیویٹ طور پر ایم اے کی تیاری کر رہا تھا۔اس کے کالج کے زمانے کے اُستاد ڈاکٹر ابراہیم اُس سے بہت متاثر تھے اور وہ اُس کی ہر ممکن مدد کیا کرتے تھے اُسے جب کبھی بھی کوئی دقت ہوتی وہ ڈاکٹر صاحب کے پاس پہنچ جاتا تھا اور وہ اُس کے پرابلم حل کر دیا کرتے تھے۔فخری بھی پروگرام کے مطابق میڈیکل کالج پہنچ چکی تھی اور اُس کی مخلص دوست فرح اُس کے ساتھ تھی۔زندگی ایک نئی ڈگر پر رواں دواں ہوگئی تھی۔جب سے ان لوگوں کے حالات خراب ہوئے تھے ان لوگوں نے پورے خاندان سے ناطہ توڑ لیا تھا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ خاندان والے خود ہی الگ ہو گئے تھے۔پھر ان لوگوں نے گھر بدل لیا تو اور بھی سب سے الگ ہو گئے پھر بھی سال چھ مہینے میں ایک بار مسرت بھابی سے ملنے یہ لوگ ضرور جاتے تھے۔مسرت بھابی نے اسکول میں نام لکھوالیا تھا۔اور وہ نئے سرے سے پڑھائی کر رہی تھیں۔چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ تھا۔انہیں اپنے پاؤں پر خود کھڑے ہونا تھا۔اُن کی خوش اخلاقی میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔بچے اور نانی اور ماموں کے گھر مطمئن تھے۔مسرت بھابی کو دیکھ کر فخری کو تعجب ہوتا کس عزم اور حوصلے کی عورت ہیں کہ اتنا بڑا پہاڑ سر پر ٹوٹا مگر اُن کی مسکراہٹ قائم رہی۔مسرت بھابی جیسے عظیم لوگ دنیا میں کم ہی پیدا ہوتے ہیں...... وہ اکثر سوچا کرتی۔فرح اور فخری کی دوستی اور زیادہ مستحکم ہوگئی تھی۔ایک دوسرے کے گھروں میں کبھی کبھار کا آنا جانا بدستور تھا...... فرح کی خوشی تھی کہ اصغر علی نے اس کے بتائے ہوئے راستے کا انتخاب کیا تھا۔اصغر علی کی فرسٹ ڈویژن آنے کی سب سے زیادہ خوشی شاید فرح ہی کو ہوئی تھی۔وہ ایک نیک دل لڑکی تھی فخری سے محبت کرتی تھی ان لوگوں کے حالات سے متاثر تھی چاہتی تھی کہ تینوں بھائی بہن ترقی کر کے معاشرے میں باعزت مقام حاصل کرلیں۔ چنانچہ اکثر و بیشتر وہ فخری سے چھوٹے بھیا اور اُن کی بڑھائی کی خیریت معلوم کرتی رہتی تھی۔

فرح کے گھر منصور کا رابطہ ختم ہو گیا تھا۔ فرح کے والد سبحانی صاحب نے منصور کے والد کو اپنے کاروبار سے الگ کر دیا تھا۔ اور اب وہ دونوں باپ بیٹے اپنا علیحدہ کاروبار چلا رہے تھے۔

جب سے فرح اور منصور کی منگنی ٹوٹی تھی ان لڑکیوں کے درمیان کبھی منصور کا ذکر نہ آیا تھا۔ یہ لوگ فضول باتوں سے اجتناب کرتی تھیں۔ فرح اور فخری دونوں ہی اپنی پڑھائی کو اولیت دیتی تھیں۔

میڈیکل کالج میں آنے کے بعد فخری نے اپنی پڑھائی کو ہمیشہ سے زیادہ تر کر دیا تھا اُن کی یہ کوشش تھی ہر ٹیسٹ اور ہر امتحان میں اول آئے چنانچہ چند مہینے گزرنے کے بعد ہی وہ تمام اساتذہ کی نظروں میں آ گئی۔

ذہین طلبا ہر سال آتے ہیں مگر فخری جیسے طالب علم خال خال پیدا ہوتے ہیں۔ یہ تمام اساتذہ کا متفقہ فیصلہ تھا۔

صرف پڑھائی ہی میں نہیں وہ اپنے کردار اور گفتار میں بھی سب سے منفرد اور سب سے بلند تھی۔ اس کے چہرے پر پاکیزگی کا نور تھا۔ طبیعت میں ایک خاص قسم کا ٹھہراؤ تھا۔

لوگ اس شخصیت سے رعب کھاتے تھے۔ کالج کے بدتمیز لڑکے بھی جب فخری کے پاس سے گزرتے تو اُس کی تعظیم میں خاموش ہو جایا کرتے تھے۔ اس سے غیر ضروری بات کرتے لوگ جھجکتے تھے۔ اس کے سامنے اونچی آواز میں بات کرنا بھی لوگوں کے نزدیک ایک نامناسب فعل تھا۔

اُس کے نورانی چہرے پر بڑی بڑی آنکھیں تھیں۔ شفاف، چمکدار اور بار حیا سے بوجھل بوجھل نافی آنکھیں۔ ان آنکھوں کے اندر جھانکنے کی کسی کے اندر جرأت نہ تھی۔ اور جو کوئی ان آنکھوں میں جھانک سکتا تو یقیناً سچائی کے اس سمندر کو پالیتا جو اُس کے روئیں روئیں اور نس نس میں آتی جاتی سانس کے ساتھ بحر ٹھاٹیں مار رہا تھا۔

مگر اس سچائی کو دیکھنے کے لیے کسی معتبر آنکھ کی ضرورت تھی۔

اور وہ آنکھ موجود تھی۔

جس نے اُسے دیکھا تھا اور پرکھا تھا اور اُس کی سچائی کو پالیا تھا۔

مگر فخری بے خبر تھی۔

ڈاکٹر صفدر نے تو اُسی روز سیپ کے اندر بند اس موتی کو پرکھ کر الگ کر لیا تھا جس روز وہ

داخلے کے لیے انٹرویو دینے گئی تھی۔

ڈاکٹر صفدر انٹرویو بورڈ میں موجود تھے۔

فخری کو داخلہ مل گیا تھا۔

ڈاکٹر صفدر شعوری طور پر فخری کے نزدیک آ رہے تھے۔ کوئی پرابلم ہو، کوئی مسئلہ ہو، فخری کے لیے ڈاکٹر کی خدمات حاضر تھیں۔

ڈاکٹر صفدر بیچلر تھے ان کے متعلق عجیب و غریب باتیں مشہور تھیں۔

''سنکے ہوئے ہیں''

''پڑھ پڑھ کے دماغ چل گیا ہے۔''

''مغرور ہیں۔''

''کوئی لڑکی نگاہ میں آتی ہی نہیں۔''

''تمام عمر کنوارا رہنے کا تہیہ کر رکھا ہے۔''

''شاید ماضی میں کوئی ٹریجڈی ہو چکی ہے بے چارے کے ساتھ تب ہی یہ حال ہے۔''

غرض یہ کہ جتنے منہ اتنی باتیں۔

اور یہ درست بھی تھا۔

ڈاکٹر صفدر ملک ملک گھومے تھے۔ نگر نگر کی خاک چھانی تھی انہوں نے۔ مگر پھر بھی وہ تنہا تھے۔ بوڑھی ماں کہہ کہہ کر ہار چکی تھیں۔ ''بیٹا شادی کر لو۔ گھر بسا لو۔'' مگر صفدر کی پسند پر کوئی لڑکی پوری نہ اُترتی تھی۔ خاندان میں بھی ایک سے ایک اچھی لڑکی موجود تھی۔ پڑھی لکھی۔ خوبصورت، دولت مند، مگر صفدر کو تو کوئی آسمانی شے درکار تھی۔

ماں جی جس لڑکی کے لیے بات کرتیں، صفدر ہنس کر، مسکرا کر منع کر دیتے۔

ماں جی جوان اکلوتے بیٹے کو اکیلا دیکھتیں تو ایک ہوک سی اٹھتی مگر بے بس تھیں، زبردستی کیسے نکاح پڑھوا دیتیں

میڈیکل کالج میں پڑھاتے ہوئے ڈاکٹر صفدر کو دس سال ہو چکے تھے۔ ماں جی اُن کی طرف سے نا اُمید ہو چکی تھیں۔ وہ تو کئی بار یہاں تک کہہ چکی تھیں۔ ''کوئی لڑکی اپنے کالج میں پسند کر کے بیاہ لاؤ۔'' مگر صفدر ہنس کر چپ ہو جاتے۔

اُن کے ساتھی شادی کر کے کئی کئی بچوں کے باپ بن چکے تھے مگر صفدر خاموش تھے۔

نہ جانے کیا بات تھی کوئی لڑکی اُن کی ذہن میں سمائی نہ تھی۔

اُن کے ذہن میں اپنے لئے جس لڑکی کا تصور تھا وہ کبھی اُن سے ٹکرائی نہ تھی۔ نتیجے میں لوگ اُنہیں مغرور، پاگل، خبطی سب ہی کچھ کہتے تھے۔

ڈاکٹر صفدر کو نہ حسن کی تلاش تھی نہ دولت کی۔ بس ایک چیز جسے وہ ملکوں ملکوں ڈھونڈھ آئے تھے اور نہ مل سکی تھی اور وہ تھی سچ کی تلاش۔

اور فخری سے مل کر اس کے ساتھ چند لمحے گزار کر انہوں نے سچ کو پالیا تھا جو وہ برسوں سے نہ پا سکے تھے۔

اور پھر ایک دن انہوں نے فخری کو کاریڈور میں کھڑے پوچھا تھا۔

''آپ زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت کس چیز کو دیتی ہیں؟''

''مجھے سچائی پر یقین ہے اور میں اسی کو اہمیت دیتی ہوں سر! لیکن آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''آپ فری ہو تو آیئے میرے روم میں۔'' ڈاکٹر نے اُس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا ''میرے پاس ایک بہت اچھی سی کتاب ہے پچھلے سال امریکہ گیا تھا تو لایا تھا۔ آپ کے لیے یقیناً بہت کارآمد ثابت ہوگی۔''

''جی ہاں میں فری ہوں چلیئے۔'' فخری ڈاکٹر صفدر کے ساتھ چلنے لگی۔

''تشریف رکھئے مس فخری۔'' ڈاکٹر نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔

وہ بیٹھ گئی۔

''کہاں ہے وہ کتاب؟''

''ابھی دیتا ہوں۔''

ڈاکٹر نے اپنی الماری سے ایک کتاب نکال کر اُسے دی۔ ''یہ دیکھیئے ہے ناکام کی کتاب۔''

فخری نے الٹ پلٹ کر دیکھا ''لیکن سر آپ کی ضرورت ہوگی آپ رکھئے اسے۔''

''جب مجھے ضرورت ہوگی میں آپ سے مانگ لوں گا۔ آپ لے جایئے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''بہت بہت شکریہ سر۔ اچھا اب میں چلتی ہوں۔''

''پہلے پانچ منٹ رک کر اس فلسفے کا مطلب بھی سمجھاتی جایئے جو ابھی آپ بیان کر رہی تھیں۔''

''کون سا فلسفہ سر؟'' فخری نے حیرت سے پوچھا۔

''سچائی کا فلسفہ!'' ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''سچائی کوئی فلسفہ نہیں حقیقت ہے سر!'' فخری نے اعتماد سے کہا۔

''ایسی حقیقت جو ناپید ہے؟''

''نہیں آپ اسے ناپید نہیں کہہ سکتے کم یاب کہہ لیجئے۔''

''مس فخری میں نے پورے دس سال ڈھونڈا ہے اس حقیقت کو۔ ملکوں ملکوں تلاش کیا ہے سچ کو مگر ناکام رہا۔ اور اب سے کچھ عرصہ پیشتر میں سمجھتا تھا کہ سچائی ناپید ہے مگر اب وہی بات سوچتا ہوں جو آپ نے کہی ہے۔''

''اب کیا خاص بات ہوگئی۔''

''آپ سے ملنے کے بعد مجھے اپنا خیال تبدیل کرنا پڑا۔'' ڈاکٹر صفدر جھوٹ بولنے کے عادی نہ تھے۔

اُن کی صاف اور کھری بات نے فخری کو پریشان کردیا۔ یہ ڈاکٹر نے اُس سے کیا کہہ دیا؟ دس سال تک وہ جو چیز نا پا سکے مجھ میں انہیں کیسے نظر آ گئی؟

کاش ڈاکٹر کو پتہ ہوتا کہ میں منصور کی امانت ہوں! اُس نے بے بسی سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا اور بولی۔

''اب میں چلوں سر۔ اجازت ہے نا۔''

ڈاکٹر نے اُس کے چہرے کو بدلتے ہوئے۔ رنگ دیکھے پھر آہستہ سے بولے۔'' جی ہاں جایئے، آپ نے میری بات کا برا تو نہیں مانا۔'' وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھنے کی جرأت نہ کرسکے۔

''مجھے برا ماننے کا کیا حق ہے بھلا۔ خدا حافظ'' وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

پھر ڈاکٹر صفدر کو شب و روز فخری کے خیالوں میں بسر ہونے لگے۔ فخری جانتی تھی کہ ڈاکٹر اُسے پسند کرتے ہیں مگر اس بات کا تاثر اُس نے کبھی نہ دیا۔ ڈاکٹر نے بھی زبان سے کچھ نہ کہا تھا مگر سچے جذبے پوشیدہ نہیں رہتے۔ اسی لیے فخری سب کچھ سمجھتی تھی مگر اس کے علاوہ کسی کے ذہن میں اس کا گمان بھی نہ تھا کہاں ڈاکٹر صفدر اور کہاں فخری۔ عمروں کا بھی ان کے درمیان ایک طویل فرق تھا۔ اور پھر ان جیسے انسان کی فطرت سے کوئی ناواقف تھا جو کوئی بات سوچتا۔

ڈاکٹر صفدر نے دل میں طے کرلیا تھا کہ وہ فخری کو اپنی زندگی کا ہمسفر بنائیں گے مگر وہ اس

لڑکی کے متعلق کچھ بھی نہ جانتے تھے۔

پھر ایک دن ڈاکٹر صفدر نے فخری کو بلوا بھیجا۔

وہ بے جھجک اُن کے کمرے میں پہنچ گئی۔

''جی فرمایئے سر!''

''آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں اگر آپ مائنڈ نہ کریں۔''

''جی میں بھلا کیا مائنڈ کروں گی سر، آپ پوچھئے۔''

''میں آپ کے متعلق جاننا چاہتا ہوں۔''

''تو کیا آپ مجھے نہیں جانتے سر؟ فخری نے تعجب سے پوچھا۔

ڈاکٹر لاجواب ہو گئے۔

''آپ کو تو جانتا ہوں بہت اچھی طرح سے بلکہ آپ کے علاوہ دنیا میں کسی اور کو جانتا ہی نہیں۔مگر آپ سے متعلق لوگوں کو جاننا چاہتا ہوں۔''

''کہیں ایسا نہ ہو آپ اُن لوگوں کے متعلق سن کر بہت زیادہ مایوس ہو جائیں۔''

''نہیں یقین کیجیے مس فخری ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔''

''بہتر یہی ہے سر کہ آپ مجھ سے کچھ نہ پوچھیں کیونکہ بعض اوقات اندازے بڑے غلط ثابت ہوتے ہیں۔''

''میں نے کوئی اندازہ نہیں لگایا اس لئے غلط یا صحیح ثابت ہونے کا سوال ہی نہیں ہے۔''

فخری خاموش ہو گئی۔ وہ جھوٹ بولنے کی عادی نہ تھی۔ اُس نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔

پھر بولی۔

''اب تو نہ بابا زندہ ہیں نہ امی۔ بڑے بھیا اور بڑی آپا بدنامی اور رسوائی کا داغ دے کر اپنی راہ ہو لئے اب میں ہوں، میری چھوٹی بہن اور چھوٹے بھیا۔ ہم نے وہ محلّہ چھوڑ دیا ہے اب کرائے کے ایک چھوٹے سے مکان میں وقت گزار رہے ہیں۔''

''آپ کے بھیا کا کیا ارادہ ہے؟''

''وہ میتھس میں پرائیویٹ ایم اے کر رہے ہیں سال کے بعد کسی کالج یا یونیورسٹی میں جاب دیکھیں گے۔ سر اُن کی شروع سے ہر کلاس میں فرسٹ ڈویژن ہے۔''

''پھر تو جاب مل جانے کے کافی امکانات ہیں۔ میتھس کے لیکچرر کی کافی ڈیمانڈ ہے۔''

فخری نے سب باتیں بتا دیں تھیں مگر وہ اپنے متعلق کچھ نہ بتا سکی تھی۔ نہ جانے کیوں وہ اتنا بڑا سچ بولنے کی خود میں ہمت نہ کر سکی...... وہ نہیں چاہتی تھی کہ اُس کے اور منصور کے بارے میں کسی کو علم ہو اسی لیے وہ جان بوجھ کر اس ذکر کو ٹال گئی تھی۔

فخری کی روئیداد سن کر تھوڑی دیر کو ڈاکٹر صفدر خاموش ہو گئے تھے۔ فخری نے اُن کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کو بہت دکھ ہوا ہو گا یہ واقعات سن کر۔''

''ہاں دکھ تو ضرور ہوا مگر اسی انداز میں جس انداز میں آپ کو ہوا ہو گا۔''

''تو ہمیں بھی بڑے بھیا اور بڑی آپا کے حوالے سے جانچتے ہیں۔''

''آپ یقین کیجئے میں اور لوگوں سے بہت مختلف ہوں۔''

فخری نے بے یقینی سے ڈاکٹر صفدر کی طرف دیکھا۔

اُن کی نگاہوں میں سچائی تھی۔ ایک لحہ کو دونوں کی نگاہیں آپس میں ملیں اور جھک گئیں۔

فخری فوراً ہی وہاں سے اُٹھ کر چلی آئی۔

اُسے ڈر تھا اگر تھوڑی دیر وہ وہاں اور بیٹھی رہ گئی تو یقیناً پگھل جائے گی یا فنا ہو جائے گی۔

کچھ تو ضرور ہو گا۔

کیا واقعی ڈاکٹر صفدر جیسا انسان دنیا میں ہو سکتا ہے۔ اُسے تعجب تھا۔ اتنی بہت سی باتیں سننے کے بعد بھی اُن کے رویے میں رتی برابر فرق نہ آیا تھا۔

مگر وہ فخری کی نجی واردات سے ناواقف تھے۔

وہ منصور کی منکوحہ تھی۔

وہ اب بھی منصور سے محبت کرتی تھی۔

یہ سچ تھا کہ ڈاکٹر صفدر سے وہ مرعوب تھی۔ اُن کی محبت کو جانتی بھی تھی مگر اُس کے اپنے دل میں ڈاکٹر کے لیے ایسا کوئی جذبہ نہ تھا۔

اُس نے بچپن سے منصور کو چاہا تھا اور منصور کو دیکھنے اور اُن سے ملنے کے بعد اُس کی محبت میں شدت پیدا ہو گئی تھی حالانکہ وہ جانتی تھی کہ منصور کے دل میں فاخرہ خاتون کے لیے کوئی جذبہ نہیں مگر وہ اپنے دل کو کیا کرتی۔ منصور کا دمکتا ہوا چہرہ۔ خم کھائے ہوئے خوبصورت بال۔ چوڑی پیشانی اور مسکراتے لب۔ یہ سب چیزیں اُس کی اپنی ملکیت تھیں۔ منصور میرا ہے۔ صرف میرا۔

اُسے مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔

ایک دن منصور ضرور لوٹ کر آئے گا۔ وہ یقین سے سوچتی۔ منصور کے تصور سے اُس کا دل دھڑک اُٹھتا۔ اس کا جی چاہتا تھا ایک بار وہ منصور سے پھر ملے۔ کسی بھی بہانے۔ اجنبی بن کر سہی۔ مگر وہ ملنا چاہتی تھی۔ یہ تصور ہی تصور میں اُس نے منصور سے ڈھیروں باتیں کی تھیں مگر اب منصور سے ملنا ناممکن ہی تھا۔ فرح کے گھر سے منصور کا رابطہ ختم ہو چکا تھا۔ اب فرح سے بھی اس موضوع پر بات کرنا فضول تھا۔

مگر ایک دن بہت اہی اتفاقیہ طور پر اُسے منصور مل گئے۔

وہ کالج سے نکل کر بس اسٹاپ کی طرف جا رہی تھی۔

منصور اپنی گاڑی میں سوار تھے۔

انہوں نے فخری کو دیکھ کر گاڑی اُس کے قریب لا کر روک دی۔

فخری نے چونک کر گاڑی کی طرف دیکھا۔

اگر کسی اور کی گاڑی رُکی ہوتی تو وہ بے پروائی سے گردن جھٹک کر گزرتی چلی جاتی۔

مگر یہاں گاڑی روک کر اُترنے والا منصور تھا۔

وہ ٹھٹھک گئی۔

رُک گئی۔

''مس فخری۔'' منصور نے احترام سے پکارا۔

لمبا چوڑا اسمارٹ بہترین سوٹ پہنے اُس کا اپنا منصور آنکھوں کی راہ دل میں اُترتا چلا جا رہا تھا۔

''جی فرمایئے۔'' وہ حیران تھی۔

''مس فخری مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔ اگر آپ وقت دے سکیں۔'' وہ بہت اخلاق اور تمیز سے بات کر رہے تھے۔

فخری سوچ میں پڑ گئی۔

بھلا ایسی کون سی ضروری باتیں ہو سکتی ہیں جو منصور مجھ سے کرنا چاہتے ہیں۔

''جی کیا وہ باتیں بہت ضروری ہیں۔''

''جی ہاں بہت ضروری...... پلیز آپ مجھے وقت دیں۔''

''مگر کس جگہ ملیں گے آپ؟'' وہ پریشان ہو گئی۔

''جہاں آپ کہیں۔''

''میں تو کہیں نہیں جا سکتی۔ آپ کالج آ جائیے گا کل۔''

''کل آپ کس وقت آف ہوں گی۔''

''دو بجے کلاسز ختم ہوں گی کل پریکٹیکل نہیں ہے میرا۔'' اُس نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔

''اچھا تو آپ میرا انتظار کیجئے میں سوا دو بجے آؤں گا۔''

وہ گاڑی میں بیٹھ کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

فخری سن دماغ لئے کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

منصور نے اُسے یہ نہیں کہا تھا آیئے بیٹھیے میں آپ کو چھوڑ آؤں اور وہ اس بات سے بہت خوش ہوئی تھی۔

منصور اچھے آدمی ہیں۔ کاش چھوٹی خالہ اور خالو جان نے انہیں خراب نہ کیا ہوتا۔

وہ اپنے دل کو تسلی دیتی گھر پہنچ گئی۔

ساری رات منصور کے متعلق سوچتے سوچتے وہ پاگل ہوتی رہی۔

اُس کا دل چاہتا تھا کہ وہ منصور کو حقیقت بتا دے۔ اس سے کہہ دے منصور۔ میں ہی ہوں تمہاری فاخرہ...... بولو کیا میں اتنی ہی قابل نفرت ہوں؟ کیا خرابی ہے مجھ میں...... مگر وہ ایسا کہنے کی ہمت نہیں پاتی تھی۔ منصور کو اپنی بیوی سے کوئی دلچسپی نہ تھی کہیں ایسا نہ ہو حقیقت جان کر منصور اُس سے بالکل ہی کنارہ کش ہو جائیں۔ منصور کی آنکھوں میں اس نے اپنے لئے عزت اور احترام کی جھلک دیکھی تھی۔

کہیں یہ احترام حقارت میں تبدیل نہ ہو جائے۔

وہ اسی لمحہ سے ڈرتی تھی۔

پھر تن تنہا اتنا بڑا معرکہ سر کرنے کا حوصلہ اُس کے اندر نہ تھا۔

بھلا چھوٹے بھیا کیا کہتے؟

وہ آپ منصور سے اپنی شناخت کروانے پہنچ گئی۔

خدا معلوم منصور کو مجھ سے کیا کام ہے۔

کہیں وہ یہ راز جان تو نہیں گئے کہ میں ہی اُن کی فاخرہ ہوں۔

شاید ایسا ہی ہو۔

مگر نہیں۔

اگر یہ بات ہوتی تو اُن کے چہرے سے کچھ تو ظاہر ہوتا۔

اُس نے ہر ہر زاویے سے سوچا مگر اُس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ ان دنوں سال کے سالانہ امتحانات قریب تھے۔ پڑھائی شدت سے ہو رہی تھی۔ اکثر ساری ساری رات پڑھتے گزر جاتی تھی مگر آج کی رات اُس نے منصور کے متعلق سوچنے میں گزار دی تھی۔

صبح سو کر اٹھی تو آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔

''اتنا نہ جاگا کرو فخری۔'' چھوٹے بھیا نے کہا۔ ''دیکھو تو پڑھ پڑھ کر کیا حال کر لیا ہے۔''

''میں زیادہ تو نہیں پڑھتی چھوٹے بھیا۔''

''تمہاری آنکھیں گلابی ہو رہی ہیں۔''

''رات کو نیند نہیں آئی اس وجہ سے سر میں درد ہے اور آنکھیں بھاری ہو رہی ہیں۔''

''تو کالج مت جاؤ۔'' آج آرام کرو۔''

''نہیں بھیا کالج جانا بہت ضروری ہے۔''

ریحانہ نے ناشتہ تیار کیا۔ تینوں نے ناشتہ کیا پھر تیار ہو کر اپنی اپنی جگہوں پر روانہ ہو گئے۔

آج ڈاکٹر صفدر کی کلاس میں وہ ذہنی طور پر حاضر نہ تھی۔ ڈاکٹر نے فوراً ہی محسوس کر لیا تھا۔

انہوں نے ایک سوال کیا وہ بھی وہ صحیح طور پر نہ بتا سکی۔

وہ دوبارہ لیکچر دہرانے لگے۔

مگر فخری کا دماغ کہیں اور تھا۔

انہوں نے پڑھانے کے بعد دوبارہ پوچھا۔

وہ اب بھی غیر حاضر تھی۔

ڈاکٹر صفدر نے غور سے اُس کے چہرے کو دیکھا۔

''اگر آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی تو آپ کو گھر بیٹھ کر آرام کرنا چاہیے تھا۔''

فخری خاموش کھڑی رہی۔

کلاس ختم ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر صفدر کلاس سے چلے گئے لیکن فوراً ہی اُس کا بلاوا آن پہنچا۔

وہ بجھے دل سے اُن کے کمرے میں پہنچ گئی۔

آج اُس کا دل کسی سے بات کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ منصور سے ملاقات کا ہول اُس پر بری طرح سوار تھا۔

''تشریف رکھیے۔'' انہوں نے فخری سے کہا۔

وہ بیٹھ گئی۔

''اب بتائیے کیا اُفتاد پڑی آپ پر۔''

''جی کچھ بھی نہیں۔''

''مجھ سے جھوٹ بولیں گی؟''

''کل رات بھر نیند نہیں آئی اس وجہ سے سر میں درد ہے اور آنکھیں بھاری ہو رہی ہیں لیکن کالج ناغہ نہیں کرنا چاہتی تھی اس وجہ سے چلی آئی۔''

''کوئی بہت اہم مسئلہ تھا جسے سوچتے سوچتے رات گزار دی۔''

''جی ہاں، یہی سمجھ لیں۔''

''کس قسم کا مسئلہ تھا۔''

''پرائیویٹ مسئلہ تھا۔ خالص ذاتی۔''

اُس نے اس انداز سے کہا گویا اس وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں بتائے گی چنانچہ ڈاکٹر صفدر خاموش ہو گئے۔

پھر وہ اُٹھ کر باہر آ گئی۔

''ڈاکٹر صفدر تم مجھے سچائی کا مینار سمجھتے ہو مگر جس روز تمہیں پتہ چلے گا کہ میں نے تم سے اپنی زندگی کا اہم ترین سچ چھپایا ہے تب تمہارا وہ مینار گر کر چکنا چور ہو جائے گا......''

اُس نے اپنے دل میں کہا اور دھیمے قدموں سے چلتی ہوئی لیب میں بیٹھ گئی۔

گھڑی دو بجا رہی تھی۔ سب لڑکے لڑکیاں اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔

وہ لیب میں بیٹھی رہ گئی۔

آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ لیب خالی ہو چکی تھی صرف لیب بوائے صفائی میں مصروف تھا۔ تب ہی منصور آن پہنچے۔ اُس نے انہیں لیب ہی میں ملنے کو کہا تھا۔

''ہلو مس فخری۔''

''ہلو۔'' وہ خوش دلی سے بولی۔ ''آیئے بیٹھتے ہیں میں آپ ہی کا انتظار کر رہی تھی۔''

''میں جان بوجھ کر تھوڑا سا لیٹ ہو گیا تا کہ سب لوگ چلے جائیں۔''

''جی ہاں اب تو سب ہی جا چکے ہیں دراصل امتحانات قریب ہیں لوگ فوراً گھروں کو بھاگتے ہیں تا کہ پڑھائی کر سکیں۔''

''آج آپ کا وقت ضائع ہوا۔''

''جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں آپ کو جو بات کرنی ہے کر لیجئے۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا میں بات کہاں سے شروع کروں۔'' منصور نے جھجکتے ہوئے کہا۔

''آپ کہیے۔ میں سب کچھ سن لوں گی۔''

''لیکن وعدہ کیجئے کہ اس بات کو آپ اپنے تک محدود رکھیں گی۔''

''آپ میری طرف سے بالکل مطمئن رہیں۔''

''دراصل میں آپ کی دوست فرح کے سلسلے میں آپ سے ملنا چاہتا تھا۔''

فخری کا دل بجھ گیا۔

وہ تو بڑی بڑی اُمیدیں لئے منصور کے انتظار میں آس لگائے بیٹھی تھی مگر منصور کے ایک جملے نے اُسے آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں میں لا پھینکا۔

''کہئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں؟''

''آپ فرح کی دوست ہیں میں نے سوچا غالباً آپ کو تمام حالات کا علم ہوگا کیا آپ ہم لوگوں کے بارے میں جانتی ہیں؟''

''آپ بتا دیجئے مجھے کچھ زیادہ نہیں معلوم۔''

''دراصل میں اور فرح ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ عنقریب میری فرح سے منگنی اور پھر شادی ہونے والی تھی مگر عین وقت پر فرح کے گھر والے بدگمان ہو گئے اور ہمارے تعلقات منقطع ہو گئے۔''

''جی ہاں وہ تفصیل تو مجھے معلوم ہے۔ فرح نے بتایا تھا کہ آپ شادی شدہ ہیں۔''

''میں شادی شدہ نہیں صرف نکاح ہوا فخری۔ وہ بہت بچپن کی بات ہے مجھے تو اس لڑکی کی شکل تک یاد نہیں۔ امی نے اپنی خوشی سے اپنی بھانجی سے میرا نکاح پڑھوا دیا تھا۔ مجھے اس نکاح سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''میں فرح کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کراچی آیا تو سوچا کسی صورت میں فرح سے مل لوں۔ مگر اُس سے ملنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ پھر مجھے پتہ تھا کہ آپ اور وہ ایک ساتھ پڑھتی ہیں۔ یہ بھی اتفاق ہے کہ آپ مجھے راستے میں نظر آ گئیں۔ اس لئے آپ سے اپنے دل کی بات کہہ رہا ہوں۔''

''میں کیا کر سکتی ہوں؟''

''آپ فرح کے دل سے بدگمانی دور کر دیجئے پلیز۔ آپ اُس کی دوست ہیں یقین کیجئے میں فرح کے علاوہ کسی کے متعلق نہیں سوچ سکتا۔

''لیکن آپ کی منکوحہ؟''

''میری امی نے اُسے میری بیوی بنایا تھا وہی اُس کے متعلق فیصلہ کریں گی مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔''

''سنا ہے اُن لوگوں کے مالی حالات خراب ہو جانے کی وجہ سے آپ لوگوں نے اپنا رویہ تبدیل کر لیا؟''

''مس فخری میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ ہر انسان کو اپنا سٹیٹس عزیز ہوتا ہے۔ اپنے سے کم تر لڑکی کے ساتھ کوئی بھی شادی کرنا پسند نہیں کرے گا پھر مجھ میں کون سا عیب ہے جو میں جان بوجھ کر گڑھے میں گرا لوں اپنے آپ کو۔ آپ کو پتہ نہیں اس لڑکی کے گھر والوں نے کیا کیا گل کھلائے ہیں اگر پتہ ہوتا تو شاید آپ مجھ سے اس طرح بات نہ کرتیں۔''

''مجھے سب کچھ معلوم ہے پھر بھی اُن کے بھائی بہنوں کی سزا وہ لڑکی کیوں بھگتے؟''

''لیکن میں نے کیا قصور کیا ہے کہ میں اپنا مستقبل خطرے میں ڈالوں۔ بدنامی اور رسوائی کو گلے کا ہار بنا لوں۔ پھر پسند بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے...... میں فرح کو پسند کرتا ہوں مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ فرح مجھ سے محبت کرتی ہے اگر یہ درمیان کی غلط فہمی کسی صورت میں دور ہو جاتی تو بات بن سکتی تھی؟''

''پہلے فرح آپ سے محبت کرتی تھی مگر جب سے اُسے یہ بات پتہ چلی ہے وہ آپ کا ذکر تک سننا پسند نہیں کرتی۔''

''میں ایک بار فرح سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''آپ کا ملنا فضول ہی ہوگا۔ وہ آپ کی کوئی بات نہیں مانے گی۔''

''آپ اُس سے کہہ کر تو دیکھیں۔'' منصور کے لہجے میں التجا تھی۔

فخری کے لیے یہ بڑی آزمائش کا مقام تھا۔

''ٹھیک ہے میں فرح سے بات کروں گی۔''

''آپ کے پاس کب آؤں؟''

''آپ پرسوں مل لیجئے گا۔''

''اچھا بہت بہت شکریہ۔'' منصور اُٹھ کھڑے ہوئے۔

فخری کا جی چاہا وہ منصور کا ہاتھ پکڑ کر روک لے۔ اُن کے دل سے فرح کی چاہت نکال کر اپنا پیار بھر دے اور پھر اُن کی بانہوں میں سما جائے۔

ہائے یہ پاگل دل

کیا چاہتا ہے اور کیا ہو جاتا ہے!

ہم انسان کتنے بے بس ہوتے ہیں۔

اپنے جذبات کو کچلنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

کبھی دل کے ہاتھوں بے بس ہو جاتے ہیں۔ جذبات کے ہاتھوں کھلونا بن جاتے ہیں اور کبھی حالات ہمیں خاموش کر دیتے ہیں۔

فخری کا بھی یہی حال تھا۔

وہ جانتی تھی کہ منصور کے دل میں اُس کے لیے کوئی جذبہ نہیں۔

مگر منصور اُس کا تھا۔

یہ حقیقت اپنی جگہ پر اٹل تھی۔

منصور کو چھو لینے کی خواہش اُس کے اندر شدت اختیار کر گئی۔

منصور کی نفرت جانتے ہوئے بھی اُس کے دل میں منصور کے لیے نفرت پیدا نہ ہو سکی۔ دراصل وہ اس سارے معاملے میں منصور کو قصوروار نہیں سمجھتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ چھوٹی خالہ اور خالو جان نے بیٹے کو بھڑکا کر اُس کے خلاف کر دیا ہے۔ اگر چھوٹی خالہ چاہتیں تو کب کی وہ رخصت ہو کر منصور کے گھر جا چکی ہوتی۔ بس یہی ایک خیال تھا جو وہ منصور سے نفرت نہیں کر پائی تھی۔

اُس نے منصور سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ فرح سے بات کرے گی۔

مگر وہ کیا کہے گی؟

دراصل اس طرح وہ منصور سے دوسری ملاقات کا بہانہ تلاش کر رہی تھی۔

فرح کے سلسلے ہی میں سہی۔ منصور اُس سے ملنے آئیں گے۔

وہ کچھ وقت اُس کے ساتھ گزار سکے گی۔

منصور نے اس سے تقریباً آدھا گھنٹہ باتیں کیں اور وہ منصور کی آواز کے زیر و بم میں کھوئی رہی تھی۔

اُسے خبر بھی نہ ہوئی ڈاکٹر صفدر دو بار لیب کے باہر چکر لگا چکے تھے۔ دونوں بار انہوں نے فخری کو نوجوان کے ساتھ محویت کے عالم میں باتیں کرتے پایا تھا۔

پھر وہ چلے گئے تھے۔

منصور بھی چلے گئے تھے۔

دوسرے روز فخری نے فرح سے بہت رک رک کر کہا۔

''فرح کیا ایسا ممکن نہیں تم منصور کے معاملے میں اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرو۔''

''فرح نے اُسے چونک کر دیکھا۔

''اتنے عرصے بعد یہ اچانک تمہیں کیا ہوا فخری؟''

''فرح، منصور تم سے سچ مچ محبت کرتے ہیں وہ کسی اور کے متعلق نہیں سوچ سکتے۔''

وہ نظریں ملائے بغیر جلدی جلدی کہہ رہی تھی۔

''فخری تم سچ سچ بتاؤ تمہیں کیا ہوا ہے؟'' فرح اُس کے لہجے سے پریشان ہو گئی تھی۔

''کل مجھ سے منصور ملنے آئے تھے۔''

''کہاں؟''

''یہاں لیب میں۔''

''کیا انہیں پتہ چل گیا کہ تم ہی فاخرہ ہو؟''

''نہیں......وہ یہ نہیں جانتے۔ وہ مجھ سے تمہاری دوست کی حیثیت سے ملنے آئے تھے تا کہ میں اُن کے معاملے میں تم سے سفارش کر دوں۔''

''اس لئے تم اُن کی سفارش کر رہی ہو۔''

''ہاں میں نے اُن سے وعدہ کیا تھا کہ میں فرح سے بات کروں گی۔''

''مجھ میں اور منصور میں یہی فرق ہے کہ میرے فیصلے بار بار تبدیل نہیں ہوتے فخری۔ کیا تم نے اپنے چھوٹے بھیا کی بات کو بھلا دیا؟''

''نہیں مجھے یاد ہے۔''

''پھر سراب کے پیچھے کیوں بھاگ رہی ہو؟''

''میں کہاں بھاگ رہی ہوں میں تو تم سے اُن کی سفارش کر رہی ہوں۔''

''فخری تم اس بات کا اعتراف کیوں نہیں کر لیتیں کہ تم منصور سے محبت کرتی ہو اور مجھ سے سفارش کرنے کے بہانے تم منصور سے رابطہ پیدا کرنا چاہتی ہو۔ ساتھ ہی ساتھ اپنی شخصیت کو چھپاتے ہوئے تم خوفزدہ ہو کہ کہیں اصلیت جان کر منصور تم سے کنارہ کش نہ ہو جائیں اور تمہارا عارضی ساتھ بھی نہ چھوٹ جائے۔''

''فرح کہہ رہی تھی اور فخری شرمندگی سے سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔

''بولو میں نے ٹھیک کہا ہے نا!''

فخری خاموش رہی۔

''فخری خدا کے واسطے منصور کا خیال دل سے نکال دو۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے اور جہاں تک میرا سوال ہے میں تو کب کی انہیں بھول چکی۔ اب کی منصور تم سے ملیں تو تم انہیں صاف بتا دینا کہ فرح کے دل میں منصور کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ آئندہ وہ اس معاملے میں کبھی کچھ نہ سوچیں۔''

''ٹھیک ہے میں کہہ دوں گی۔''

''اس کے بعد تم کیا کرو گی؟''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں۔''

''تم منصور کو بتا دو تم ہی فاخرہ خاتون ہو یا تم کہو تو میں منصور کو سب کچھ بتا دوں۔''

فخری خوف زدہ ہو گئی۔

''نہیں فرح نہیں۔ اُن سے کچھ نہ کہنا۔ مجھے اُن کے لیے اجنبی ہی رہنے دو۔ وہ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔''

یہ کہہ کر فخری رونے لگی۔

اُس کی آنکھوں سے آنسو پھسل پھسل کر گرنے لگے۔

''پاگل لڑکی وہ تم سے نفرت کرتے ہیں پھر بھی تم اس سے محبت کر رہی ہو۔''

''میں اپنے آپ کو سمجھاتے تھک چکی ہوں فرح۔''

''آخر تم چاہتی کیا ہو؟''

''میں چاہتی ہوں منصور پوری دنیا میں صرف مجھے چاہیں اور ہم دونوں آکاش کی وسعتوں میں گم ہو جائیں کہیں دور چلے جائیں۔ جہاں رکاوٹیں نہ ہوں مشکلات نہ ہوں صرف میں ہوں اور منصور......''

وہ اپنے دل میں سوچ رہی تھی مگر اُس نے اپنے منہ سے کچھ نہ کہا۔ فرح اُس کے دل کی بات سمجھتی تھی۔

''جو تم چاہتی ہو وہ ناممکن ہے میری بہن اسی لئے تم سے کہتی ہوں کہ سراب کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دو۔''

''ٹھیک ہے میں کوشش کروں گی آئندہ اس قسم کی کوئی بات نہ سوچوں۔''

''منصور کو تم نے وقت دیا ہو گا۔''

''ہاں، وہ کل آئیں گے۔''

''پاگل لڑکی تم نے پہلے ہی دن کیوں نہ منع کر دیا تھا کیا تمہیں میرے اوپر بھروسہ نہ تھا۔ تم میری دوست ہی نہیں بہت پیاری سی بہن بھی ہو فخری کیا تم یہ سمجھتی ہو میں اپنی بہن کا گھر اُجاڑ کر اپنی مانگ میں افشاں سجاؤں گی؟ فخری ایسا کبھی ہو ہی نہیں سکتا بس اس کے بعد تم مجھ سے منصور کا کوئی ذکر نہ کرنا۔''

''ٹھیک ہے میں اُن سے کہہ دوں گی۔''

''منصور کا کالج کے اندر بھی بار بار آنا درست نہیں فخری اس طرح تمہاری شہرت پر خراب اثر پڑ سکتا ہے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو۔ یہ بات میں نے بھی سوچی تھی۔''

پھر وہ دونوں اپنی پڑھائی کی باتیں کرنے لگیں۔

امتحانات شروع ہونے میں صرف پندرہ دن باقی تھے۔ وہ دونوں باتیں کرتی لائبریری میں چلی گئیں۔

اُس نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ آج وہ منصور سے آخری بار ملے گی۔ فرح ٹھیک کہتی ہے اس طرح کالج کے اندر ایک اجنبی سے بار بار ملنا مناسب نہیں۔

منصور اپنے وقت مقررہ پر آن پہنچے۔

وہ گیٹ کے قریب ہی کھڑی تھی۔

''میں نے فرح سے بات کی تھی وہ آپ سے ملنے کو تیار نہیں نہ ہی آپ کے سلسلے میں کوئی بات سننا پسند کرتی ہے......'' فخری نے انہیں دیکھتے ہی جلدی جلدی کہا۔

''آپ کچھ تو تفصیل بتایئے آپ نے کیا بات کی اور انہوں نے کیا جواب دیا۔''

''دیکھئے مسٹر یہاں کالج کے اندر اسطرح میں کسی اجنبی سے بات کرنا مناسب نہیں سمجھتی۔ جو بات تھی وہ میں نے آپ کو بتا دی اب آپ اور کیا چاہتے ہیں؟''

''پلیز آپ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکتی ہیں۔'' منصور کے لہجے میں التجا تھی۔

فخری کا وجود پگھلنے لگا۔

وہ تمام وعدے جو اُس نے اپنی ذات سے کئے تھے ایک ایک کر کے ٹوٹنے لگے۔

وہ کچھ وقت منصور کے ساتھ گزار سکتی تھی۔

پھر کیا خبر وقت لوٹ کر آئے کہ نہ آئے۔

وہ منصور کو بھی دیکھ سکے گی کہ نہیں کون جانے۔

''دیکھئے کالج کے اندر اس وقت بہت لوگ ہیں آپ سے میرا ملنا مناسب نہیں۔'' اُس نے رسانیت سے کہا۔

''تو آیئے سامنے کیفے میں چلتے ہیں۔'' منصور نے کہا۔

''کیفے میں؟''

''یہ سامنے ہی تو ہے۔ دو قدم کے فاصلے پر۔ ایک کپ چائے کے ساتھ باتیں ہوں گی۔ پھر آپ واپس آجایئے گا۔''

''لیکن......''

''اب آیئے بھی پلیز......''

منصور میں مقناطیسی کشش تھی۔ وہ کھنچتی چلی گئی۔

بعض اوقات انسان وہ کچھ کر گزرتا ہے جو عام حالات میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہی حال

اس وقت فخری کا تھا کبھی وہ اس بات کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی کہ وہ کسی کیفے میں ایک اجنبی کے ساتھ بیٹھ کر بات کرے مگر منصور اجنبی نہیں تھا۔

وہ فخری کا شوہر تھا۔

بس یہی ایک بات اُسے تسلی دینے کے لیے کافی تھی۔

اس کا ضمیر مطمئن تھا۔

اس کا دل منصور کی محبت میں دھڑک رہا تھا۔

اس طرح وہ چند لمحے منصور کے ساتھ گزار سکتی تھی۔

چند یادگار لمحات

وہ خود منصور کے لیے اجنبی سہی مگر وہ تو انہیں جانتی تھی۔

''چلئے آپ کیا سوچ رہی ہیں کیا میں بہت برا آدمی ہوں؟''

''جی نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' وہ گھبرا کر بولی۔

''چلئے۔''

وہ منصور کے ساتھ ساتھ قدم ملاتی سامنے کے کیفے میں جا پہنچی۔

کیبن نما فیملی روم بنے ہوئے تھے۔

منصور اور فخری ایک اجنبی کی حیثیت سے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

فخری کے دل کی دھڑکن بہت بے قابو تھی۔

منصور نے چائے کے ساتھ ساتھ کچھ لوازمات کا آرڈر دے دیا۔ وہ خاموش بیٹھی رہی۔

اُس نے تکلفاً بھی کسی چیز کو منع نہیں کیا۔

ذرا سی دیر میں میز انواع واقسام کی چیزوں سے بھر گئی۔

''اب آپ بتائیے کہ آپ نے فرح سے کیا بات کی تھی؟'' منصور نے اُس کے گھبرائے ہوئے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اور فخری بوکھلا گئی۔ سب کچھ بھول گئی۔

اُس نے فرح سے کیا کہا تھا اُس نے کیا جواب دیا تھا اُسے کچھ یاد نہ تھا وہ تو صرف اتنا جانتی تھی کہ اُس کا محبوب اُس کا شوہر اُس کی نظروں کے سامنے تھا۔

''جی۔ میں نے فرح سے بات کی تھی۔'' وہ گھبرا کر بولی۔

''شاید آپ اس جگہ آنے پر پریشان ہیں۔'' منصور نے مسکرا کر کہا ''یقین کیجئے اس میں کوئی حرج نہیں آخر آپ کس بات سے خوف زدہ ہیں؟''

''جی نہیں میں خوف زدہ تو نہیں ہوں دراصل یہ پہلا اتفاق ہے کہ میں اس طرح آئی ہوں۔''

''ہاں تو پھر بتایئے نا!......سب کچھ آپ نے فرح سے کیا کہا تھا؟''

پھر وہ سوچ سوچ کر بتاتی رہی۔ جو کچھ اُس کی سمجھ میں آیا کہتی رہی۔ جو فرح نے کہا تھا یا جو نہیں کہا تھا......اُس نے سب کچھ کہہ ڈالا۔

''تو اس کا مطلب ہے فرح مجھ سے بہت زیادہ بدگمان ہے۔'' منصور نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

''بس اُس نے فیصلہ کر لیا ہے اور مجھ سے وعدہ بھی لیا ہے کہ آئندہ میں اُس سے آپ کی کوئی بات نہ کروں۔''

''کیا ایسا ممکن نہیں کہ میں ایک بار فرح سے مل لوں۔''

''فرح آپ سے نہیں ملے گی۔'' فخری نے کہا ''ویسے آپ کریں گے بھی کیا مل کر۔''

''اگر فرح اقرار کر لے تو میں اسی وقت فاخرہ کو طلاق نامہ بھیجنے کو تیار ہوں۔''

فخری کا چہرہ زرد ہو گیا۔

''نہیں......آپ ایسا نہ کیجئے گا۔'' اُس نے منہ سے اچانک نکلا۔'' آپ نے طلاق دے بھی دی تو فرح آپ سے شادی نہیں کرے گی۔''

''لیکن کیوں؟''

''اُس نے کہا کہ میرے فیصلے بار بار تبدیل نہیں ہوتے''

''ٹھیک ہے۔ میں بھی اپنے فیصلے بدلنے کا عادی نہیں ہوں۔ میں نے طے کر لیا ہے وہ بے وقوف لڑکی جسے میرے ماں باپ نے میرے نکاح میں باندھ دیا ہے کبھی میری دلہن بن کر میرے گھر نہیں آئے گی۔''

فخری کا دل مردہ ہو گیا تھا۔

''آپ نے اب تک اپنی بیوی کو آزاد کیوں نہ کیا؟'' اُس نے ڈرتے ڈرتے یہ سوال کر ہی ڈالا۔

''امی کو اپنی مرحومہ بہن کی بیٹی سے تھوڑی سی ہمدردی ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ ابھی طلاق بھیجنے

کا کوئی فائدہ نہیں پہلے میری شادی کہیں طے ہو جائے پھر وہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ دراصل طلاق کے سلسلے میں کچھ دوسرے مسائل بھی ہیں۔''

وہ یوں فخری سے اپنے دل کی باتیں کہہ رہے تھے گویا وہی اُن کی ہمراز ہو۔

''کس قسم کے مسائل؟''

''مہر وغیرہ کے۔''

فخری خاموش ہوگئی۔

فخری کو معلوم تھا کہ اُس کی امی نے اُس کا مہر ایک لاکھ روپے کا بندھوایا تھا اور یہ رقم خاصی بڑی تھی۔

(اچھا تو یہ بات ہے منصور محمود ایک لاکھ کی رقم تمہارے ارادوں میں حائل ہے ورنہ تم کب کے چار حرف لکھ کے بھیج چکے ہوتے)

''ویسے ہوسکتا ہے منصور صاحب آپ کی بیوی آپ سے بہت زیادہ محبت کرتی ہو کبھی اس بارے میں آپ نے نہیں سوچا؟'' فخری نے اپنے دل کی دھڑکن قابو میں کرتے ہوئے سوال کیا۔

''اول تو ایسا ممکن ہی نہیں اگر ایسا ہے بھی تو میں اُسے بے وقوف کہوں گا۔''

''کیا محبت کرنا بے وقوفی ہوتی ہے؟ فخری نے معصومیت سے سوال کیا۔

''فخری کی اس بات پر منصور کو ہنسی آ گئی۔

''آپ بہت بھولی بہت نیک ہیں مس فخری۔ یک طرفہ محبت بے وقوفی ہی ہوتی ہے۔ میرے دل میں تو اس کا رتی برابر بھی خیال نہیں۔''

منصور کا جواب سن کر مزید کچھ کہنے کا فخری کو حوصلہ نہ ہوا۔

کیبن میں بیٹھے ہوئے انہیں خاصی دیر ہوگئی تھی اُس نے گھڑی دیکھی۔ منصور بھی اب اٹھنا ہی چاہ رہے تھے۔

''چلئے پھر چلتے ہیں میں نے خواہ مخواہ آپ کو زحمت دی۔''

''اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟'' وہ چلتے چلتے پوچھ ہی بیٹھی۔

''میں کل لاہور جا رہا ہوں اس کے بعد کچھ کرنے کے لیے انگلینڈ چلا جاؤں گا۔''

''اب تو شاید ہی آپ سے ملاقات ہو۔'' فخری کے منہ سے نکل گیا۔

''ہاں واقعی شاید ہی آپ سے ملنا ہو۔ ویسے میں آپ کو یاد رکھوں گا مس فخری آپ بہت

اچھی لڑکی ہیں۔ میں دل سے آپ کی قدر کرتا ہوں۔ شاید آپ یقین نہ کریں اپنی زندگی میں بے شمار لڑکیوں سے ملا ہوں پاکستان میں اور باہر بھی مگر میں نے آپ جیسی کوئی لڑکی نہیں دیکھی......''

وہ ڈوبتے دل سے سب کچھ سنتی رہی۔

''آپ کو دیکھ کر اور مل کر صرف آپ کی عزت ہی کی جاسکتی ہے'' وہ بہت احترام سے بات کر رہے تھے۔

پھر وہ دونوں کیفے سے نکل آئے۔

سامنے کی میز پر ڈاکٹر صفدر بیٹھے چائے پی رہے تھے اُنہوں نے فخری کو اُس اجنبی کے ساتھ کیبن سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔ فخری نے اُنہیں نہیں دیکھا تھا۔

وہ تیز تیز قدموں سے کیفے سے باہر آ گئی۔

دونوں نے ایک دوسرے کو خدا حافظ کہا۔

فخری کالج گیٹ کے اندر داخل ہوگئی اور منصور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

.........❁.........

وہ اپنے خوبصورت بیڈ روم میں تنہا لیٹے چھت کو گھور رہے تھے۔ کمرے کی ہر چیز ہمیشہ کی طرح نفیس اور پرسکون تھی۔

نہ کوئی ہلچل۔

نہ ارتعاش۔

مگر دل کی دنیا میں تو ایک تلاطم برپا تھا۔

کچھ کھو دینے کا احساس بے حد شدید تھا۔

''فاخرہ خاتون فخری میں نے تمہیں سچائی کا مینار سمجھا تھا مگر تم ایک عام سی لڑکی نکلیں۔'' ڈاکٹر صفدر اپنے آپ سے کہہ رہے تھے۔ ''دس سال تک میں نے نگر نگر تمہیں تلاش کیا قریہ قریہ ڈھونڈا اور جب تم ملیں تو میں نے یہ جانا کہ میری تلاش اور جستجو مکمل ہوگئی۔ تم نے مجھے اپنے گھر والوں کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ میں نے ان باتوں کو کوئی اہمیت نہ دی۔ تم بہر حال ایک ارضی ہستی تھیں تمہاری سچائی نے مجھے خرید لیا تھا مگر فاخرہ خاتون تم نے مجھ سے اپنی زندگی کی سب سے اہم بات چھپائی ایسا کیوں ہوا؟ کاش تم نے مجھے یہ بھی بتا دیا ہوتا کہ تم ذہنی اور روحانی طور کسی اور کی ہو۔ اگر میں نے تمہیں اپنی آنکھوں سے اس نوجوان کے ساتھ نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی یقین نہ کرتا۔ فاخرہ

خاتون اب اس حقیقت کو کون بے نقاب کرے گا کہ وہ نوجوان کون تھا تم سے اس کا کیا رشتہ تھا؟

میں جانتا ہوں اگر میں تم سے سوال کروں تو تم سب کچھ سچ سچ بتا دو گی مگر میں سوال نہیں کروں گا اس لئے کہ میں تمہیں کوئی دکھ دینا نہیں چاہتا جس بات کو تم نے مجھ سے چھپایا ہے میں اُسے ہمیشہ مخفی رکھوں گا تم سے بھی اور اپنے آپ سے بھی۔''

''وہ بے چینی سے اپنی انگلیاں مروڑ رہے تھے۔

''میں نے اپنی تمام تر شدتوں سے تمہیں چاہا ہے فخری۔ شاید تمہیں علم نہ ہو۔ اور یہ میں کیسے باور کرلوں کہ تمہیں میرے جذبوں کا علم نہیں......تم سب کچھ جانتی ہو فخری سب کچھ مگر تم نے مجھے اندھیرے میں کیوں رکھا؟

اپنی زندگی کا راز مجھ سے کیوں چھپایا؟

مگر نہیں......میرا شکوہ قطعی بے جا ہے۔

تم میرے جذبات سمجھتی تھیں مگر تم نے کبھی میری حوصلہ افزائی نہ کی۔

اپنے کسی انداز سے تم نے پسندیدگی کا اظہار نہ کیا۔

تم میری عزت کرتی ہو۔ بالکل اُسی طرح جس طرح دوسرے طالب علم۔

مگر میں نے تو تمہیں اپنی زندگی کا حاصل سمجھ لیا تھا فخری۔

تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کا پروگرام مکمل کر چکا تھا۔

تمہیں حاصل کرنا مشکل تو نہ تھا

مگر اب۔ یوں لگتا ہے جیسے تم ناقابل تسخیر ہو گئی ہو۔

تمہارے وجود سے میری زندگی کے اندھیرے روشن ہو گئے تھے۔

اب کون تاریکیوں کے پردے خاک کرے گا فخری۔

فخری۔ فخری۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میرا وجود بکھر رہا ہے۔ میں ٹوٹ رہا ہوں فخری مجھے بڑھ کر تھام لو۔''

ڈاکٹر صفدر کی آنکھوں میں شبنمی قطرے پھسل پڑے۔

کتنے ہی دن بے چینی کی نظر ہو گئے۔

وہ فخری سے ملے نہیں۔ نہ ہی اُس سے کوئی بات کی۔

امتحان میں چند روز باقی تھے وہ کوئی بات کر کے اُسے پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے۔

اور فخری..... ڈاکٹر صفدر کے ابنارمل رویے کو محسوس کر رہی تھی۔ مگر وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ پھر امتحانات شروع ہو گئے۔ وہ سب مصروف ہو گئے۔

پورا مہینہ امتحانوں کی نذر ہو گیا۔ اب کالج بند ہونے جا رہا تھا۔ آج آخری دن تھا۔ فخری نے سوچا وہ ڈاکٹر صفدر سے چند ضروری کتابیں لے آئے۔ وہ تو اس لین دین کی عادی ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر صفدر نے اُس کے لیے ہر سہولت مہیا کر رکھی تھی۔

کتابوں کے لیے وہ بے دھڑک ڈاکٹر صفدر کے کمرے میں جا پہنچی۔

''تشریف رکھیے۔'' ڈاکٹر صفدر نے اُسے خشک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ بیٹھ گئی۔

ڈاکٹر خاموش رہے۔

''چند کتابوں کی ضرورت تھی اگر آپ کے پاس ہوں تو لے جاؤں۔''

''لے جائیے گا۔'' وہ قلم سے کاغذ پر بے معنی لکیریں بناتے ہوئے بولے۔

''تو پھر دے دیجیے سر۔''

وہ اپنی کرسی پر اُسی طرح بیٹھے رہے۔ ہلے تک نہیں۔

فخری نے انہیں غور سے دیکھا۔

''یا اللہ انہیں کیا ہو گیا اچھے بھلے موڈی انسان ہیں۔'' اُس نے دل میں سوچا۔

''آپ کیا سوچ رہے ہیں سر؟''

''جو آپ سوچ رہی ہیں۔'' انہوں نے برجستہ کہا۔

فخری گھبرا گئی۔

''میں تو کچھ نہیں سوچ رہی البتہ یہ خیال تھا کہ آپ کا موڈ کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔''

''آپ نے ٹھیک سمجھا۔ مگر بہت دیر سے۔''

''مگر بات کیا ہے مجھے تو کچھ خبر نہیں۔''

''فخری میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔''

فخری ڈر گئی۔

یا اللہ اب یہ خدا جانے کون سی بات کر بیٹھیں۔

''پوچھیے سر۔''

''میں تو بہت پہلے پوچھنا چاہ رہا تھا مگر آپ کے امتحانات کی وجہ سے آپ سے بات نہ کی۔''

''ایسی کیا خاص بات تھی؟'' فخری سچ مچ پریشان ہوگئی۔

ڈاکٹر صفدر نے یہ سوچا تھا کہ وہ اجنبی کے بارے میں کوئی سوال نہ کریں گے مگر اسوقت وہ اپنے آپ سے کیے ہوئے وعدے بھول گئے۔ فخری کو سامنے دیکھ کر وہ یہ جان لینے کے لیے بے چین ہو گئے کہ اجنبی کون تھا چنانچہ وہ بات پوچھنے کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کر رہے تھے۔

''ممکن ہے آپ کے لیے وہ بات خاص نہ ہو مگر میرے لیے بہت اہم ہے۔''

''پلیز ڈاکٹر صاحب آپ جلدی سے بتا دیجئے ورنہ مجھے کچھ ہو جائے گا۔''

''امتحانوں سے قبل میں نے ایک نوجوان کو لیب میں آپ کے ساتھ دیکھا تھا۔ اور پھر اس کے بعد کیفے میں مجھے نہیں معلوم کہ آپ یہ بات مجھے بتانا پسند کریں گی کہ نہیں۔''

فخری کے چہرے پر گھبراہٹ کے کوئی آثار نہ تھے جیسا کہ ڈاکٹر صاحب کو توقع تھی۔

''لیکن آپ اس نوجوان کے متعلق جان کر کیا کریں گے؟'' فخری نے اطمینان سے کہا۔

''وہ کون ہے کیا مجھے یہ جاننے کا ذرا بھی حق نہیں فخری؟''

''اُس کا نام منصور ہے۔''

''تم سے اُس کا کیا رشتہ ہے؟''

''دراصل میں جھوٹ نہیں بول سکتی سر۔ اور سچ بولنے کا خود میں حوصلہ نہیں پاتی اسی لیے اس سلسلے میں خاموش تھی۔''

''مگر اب تو تمہیں بتانا ہی ہوگا۔''

''مجھے ڈر ہے کہ آپ اتنے سنگین سچ کو برداشت نہ کر پائیں گے۔''

''تم کہہ ڈالو۔ مجھ میں بہت حوصلہ ہے۔''

''اس وقت نہیں سر۔ پھر کبھی سہی۔ آپ نہیں سمجھتے۔ میرے دل میں آپ کا کتنا خیال ہے آپ یقین کیجئے ڈاکٹر صفدر میں آپ کو ضرور بتاؤں گی ..... مگر آج نہیں۔''

''میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ پھر الماری سے کتابیں نکال کر فخری کے سامنے ڈھیر کر دیں۔

فخری نے چپ چاپ کتابیں اُٹھائیں اور کمرے سے نکل گئی۔

وہ ڈاکٹر کو اصل بات بتا دینا چاہتی تھی۔ مگر اُسے یہ وقت ان باتوں کے لیے موزوں نظر نہ

آیا۔ وہ بتائے گی ضرور مگر کسی مناسب وقت میں۔ ڈاکٹر صفدر کو دھوکے میں رکھنا فضول تھا۔ اچھا ہی ہے جو یہ آخری بات بھی انہیں پتہ چل جائے۔

وہ جانتی تھی کہ ڈاکٹر اس سے محبت کرتے ہیں مگر وہ خود اپنے دل میں اُن کے لیے کسی ایسے جذبے کو جگہ نہ دے سکی۔ وہ تو منصور سے محبت کرتی تھی۔ جب تک وہ منصور کے نکاح میں تھی کسی اور کے متعلق سوچنا بھی اُس کے لیے گناہ تھا۔

آخری ملاقات میں جو الفاظ منصور نے اُس کے لیے کہے تھے وہ اُس کے دل پر نقش ہو گئے تھے۔ منصور اُس کی عزت کرتے تھے بہت زیادہ...... کاش انہیں پتہ ہوتا کہ وہ کون تھی؟

منصور سے آخری ملاقات کے بعد اُس نے بار بار یہ بات سوچی تھی کہ اگر اُس نے اُسی لمحہ انہیں حقیقت سے آگاہ کر دیا ہوتا تو منصور کا رویہ کیا ہوتا۔ ممکن ہے وہ ساری دنیا بھول کر فخری کا ہاتھ تھام لیتے یا پھر نہ جانے وہ اُس کے ساتھ کیا تضحیک آمیز سلوک کرتے۔

وہ جتنا سوچتی تھی اتنا ہی پریشان ہوتی تھی۔ کوئی ایسا انسان بھی تو نہ تھا جس سے وہ اپنے دل کی بات کہہ سکتی۔ فرح کے متعلق جو بات منصور سے ہوئی تھی وہ اُس نے مختصر طور پر فرح کو بتا دی تھی۔ مگر کیفے میں جانے والی بات وہ فرح سے چھپا گئی تھی۔ پتہ نہیں کیوں وہ اتنی بزدل ہو گئی تھی۔

فرح نے منصور کے متعلق پھر کوئی بات نہ کی تھی اور فخری اپنے پراگندہ ذہن کے ساتھ بھری دنیا میں اکیلی تھی۔

اس کا دل چاہتا تھا کہ چھوٹے بھیا ایک بار پھر چھوٹی خالہ کو لکھیں انہیں بتائیں کہ فاخرہ ڈاکٹری پڑھ رہی ہے۔ ممکن ہے چھوٹی خالہ کا ارادہ تبدیل ہو جائے مگر وہ یہ بات خود سے نہیں کہہ سکتی تھی۔

اور اصغر علی تو ایک بار لکھ کر اور ٹکا سا جواب سن کر ایسے دل برداشتہ ہوئے تھے کہ دوبارہ کچھ لکھنے کا حوصلہ ہی نہ پاتے تھے۔ اس کے بعد منصور اور فرح کے تازہ واقعات نے انہیں اور بھی بددل کر دیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ چھوٹی خالہ کے گھر والے اپنا ارادہ بدل چکے ہیں۔ کچھ لکھنے کا مطلب یہی تھا کہ جواب میں طلاق نامہ آ جاتا اور اصغر علی فی الحال اتنی بڑی آزمائش سے گزرنے کو تیار نہ تھے۔ وہ جانتے تھے فخری کے اوپر اس واقعہ کا بہت اثر ہوگا۔ ابھی وہ اتنی بڑی نہیں تھی جو اپنے معاملات کو بہتر طور پر سمجھ سکتی۔ ممکن ہے منصور کی طرف سے طلاق نامے کی صورت میں اُس کی پڑھائی پر کوئی خراب اثر پڑے۔ پھر جب تک وہ لوگ خود خاموش تھے انہیں کریدنے کی کیا ضرورت تھی۔

اصغر علی جانتے تھے کہ جب فخری ڈاکٹر بن جائے گی تو اپنے لئے بہتر طور پر سوچ سکے گی۔

اس وقت اُس کی عمر اور خیالات میں پختگی ہوگی ابھی یہ معاملہ اُٹھانا قطعی قبل از وقت تھا۔

امتحان ختم ہونے کے کچھ ہی دنوں بعد دردانہ کی موت کی اطلاع ملی۔ بڑی آپا نے مرتے وقت اصغر علی کے نام ایک خط لکھا تھا جو مسرت بھابی کے ذریعے اُن تک پہنچا تھا۔

انہوں نے لکھا تھا۔

''اصغر علی تمہاری آپا نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ شادی کر لینا کیا اتنا ہی برا فعل ہے کہ تم سب نے مجھ سے ناطہ توڑ لیا۔ ٹھیک ہے اب تم لوگوں کو مجھ سے کوئی شکوہ نہ رہے گا۔ میں چند روز کی مہمان ہوں۔ موت کو بہت قریب سے دیکھ سکتی ہوں۔ میرے پھیپھڑے بے کار ہو چکے ہیں۔ سانس بہت مشکل ہے آتی ہے شمشیر خاں کی پہلی بیوی بھی ٹی بی کی مریضہ تھی۔ دو سال ہوئے خون تھوک تھوک ختم ہوگئی۔ اب میری باری ہے۔ میں اپنی زندگی کے دکھ تم لوگوں کو بتا کر دکھی کرنا نہیں چاہتی۔ اگر تم لوگ مجھے دیکھو تو پہچان نہ سکو۔ بہر حال اب سفر آخر ہے بس ایک ہی فکر ہے۔ دُرّی کی فکر۔ شمشیر خاں سے دُرّی کا کوئی رشتہ نہیں ہوگا۔ میری موت کے بعد اپنی بھانجی کو اپنے گھر میں جگہ دے دینا۔ اصغر علی دُرّی بے قصور ہے اُسے پناہ ضروری دینا۔ اگر کوئی قصور تھا تو میرا...... میری زندگی کے ساتھ میری خطائیں بھی فنا ہو جائیں گی۔ میرا جو کچھ قصور تھا وہ یہ کہ میں نے ایک دوسری عورت کا حق چھینا تھا۔ مجھے اپنے کیے کی سزا مل چکی ہے آج ایک دوسری عورت نے میرا حق چھین لیا ہے اب میں ایک فالتو پرزے کی مانند ایک کوٹھڑی میں پڑی اپنی زندگی کے دن پورے کر رہی ہوں اور شمشیر خاں اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ تفریح کرتا پھرتا ہے...... پیارے بھیا! بہن بہت دُکھی ہے۔ اُسے معاف کر دینا اور دُرّی کو اپنے گھر رکھ لینا۔''

بڑی آپا کا آخری خط پڑھ کر فخری بہت روئی تھی۔ اصغر علی نے بہت ضبط کیا پھر بھی آنکھوں سے آنسو پھسل پڑے۔ ریحانہ تو اس قدر رو رہی تھی کہ چپ کرانا دشوار ہوگیا تھا۔

بڑی آپا کا یہ خط اُن کی موت کے بعد انہیں ملا تھا۔

دُرّی اب فخری کے گھر آ گئی تھی۔

شمشیر خاں خود پہنچا کر گیا تھا۔

دُرّی اب سات سال کی سمجھ دار لڑکی تھی۔ نہ ماں زندہ تھی، نہ باپ، اُس کے چہرے پر ایسی یاسیت برستی کہ اصغر علی اور فخری دونوں ہی بے چین ہو جاتے۔

بڑی آپا کی موت کا صدمہ بہت شدید تھا۔

دُرّی کو دیکھ دیکھ کر یہ دکھ اور شدت اختیار کر جاتا۔

بے چاری کم نصیب بچی!

دُرّی بہت سہمی سہمی سی رہتی تھی۔

اصغر علی، فخری اور ریحانہ تینوں ہی نے اُسے ہر طرح سے بہلانے کی کوشش کی تھی۔ اور اب کچھ دن گزر جانے کے بعد وہ کچھ بہتر ہو گئی تھی۔ دُرّی کے سب دادھیال والے ہندوستان میں تھے۔ اب اصغر علی کے اوپر دُرّی کی بھی ذمہ داری تھی۔

بڑی آپا کا صدمہ ابھی تازہ ہی تھا کہ اصغر علی کے پریولیس کے امتحانات شروع ہو گئے۔

انہی دنوں ایک روز فرح آ پہنچی۔

دُرّی کے متعلق سب کچھ جان کر فرح کو بہت دکھ ہوا۔

بڑی آپا کے غم میں وہ ان سب کے ساتھ برابر کی شریک تھی۔

باتوں باتوں میں منیرہ کا ذکر نکل آیا۔

تمہاری اولڈ فرینڈ کے کیا حال ہیں؟'' فرح نے ہنس کر پوچھا۔

''پتہ نہیں میں تو پورے سال وہاں نہ جا سکی۔ نہ ہی منیرہ آئی، کچھ خبر نہیں کس حال میں ہے۔'' فخری نے کہا۔

''کسی روز چلیں اس کے گھر، تمہیں تو گھر معلوم ہے نا!'' فرح نے تجویز پیش کی۔

''اگر تم ساتھ چلو تو میں چلنے کو تیار ہوں۔'' فخری نے کہا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں، میں تو آجکل فری ہی ہوں تھوڑا سا چینج ہو جائے گا۔'' فرح نے کہا۔

دونوں سہیلیاں کچھ دیر تک باتیں کرتی رہیں اتنے عرصے میں اصغر علی باہر سے آ گئے۔

فرح کو دیکھ کر اُن کا چہرہ کھل اُٹھا۔

''آیئے بھائی جان فرح آپ کو پوچھ رہی تھی۔''

اصغر علی قریب بچھی کرسی پر بیٹھ گئے۔

''آپ کے امتحانات ہو رہے ہیں آج کل فخری بتا رہی تھی۔'' فرح نے کہا۔

''جی ہاں آج کل امتحانات میں مصروف ہوں کمپنی سے چھٹی لے رکھی ہے۔''

''خدا کرے آپ کی فرسٹ کلاس آ جائے۔'' فرح نے کہا۔ ''میتھس کی بے حد ڈیمانڈ ہے۔ آپ کو فوراً جاب مل جائے گا۔''

''اچھا جاب بھی قسمت ہی سے ملتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ فرسٹ ڈویژن لینے سے میں یونیورسٹی میں جگہ پاسکوں۔''

''مجھے یقین ہے آپ اپنی کوشش میں ضرور کامیاب ہوں گے۔'' فرح نے کہا۔

فخری چائے بنانے چلی گئی تھی۔

''آپ کے اسی یقین کے سہارے میں اتنی دور تک چلا آیا ہوں۔'' اصغر علی نے نظریں جھکا کر کہا۔

فرح نے اصغر علی کی طرف دیکھا۔

اونچے قد اور مناسب خدوخال کا یہ شریف اور ذہین نوجوان اُسے تمام دولت مند نوجوانوں سے مختلف لگا جو اس کے گھر آتے جاتے تھے جن کے پاس لمبی لمبی کاریں تھیں اور جو پرآسائش زندگی گزارنے کے عادی تھے اور جو اوپر سے بڑے پالشڈ اور وِل بیہیوڈ(WELL BEHAVED) نظر آتے تھے مگر اندر سے کھوکھلے اور کم ظرف تھے۔

اُس کے دل میں اصغر علی کی قدر بڑھ گئی۔

''آپ جیسے نوجوان ہماری قوم کے لیے باعث فخر ہیں۔ اصغر صاحب آپ نے جس ہمت اور استقلال سے حالات کا مقابلہ کیا وہ قابل تحسین ہے میں آپ کی دل سے قدر کرتی ہوں۔'' فرح نے انتہائی کھلے دل سے اعتراف کیا۔

''مجھ جیسے نوجوانوں کی تم قدر کرسکتی ہو فرح بیگم مگر اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتیں۔''

اصغر علی نے اپنے دل سے کہا مگر بظاہر خاموش رہے۔

فخری چائے کی ٹرے لے کر کمرے میں آگئی۔

اصغر علی کچھ دیر قبل دُرّی کے خیال سے کیک خرید کر لائے تھے۔ انہوں نے کیک پلیٹ میں لا کر رکھا پھر دُرّی کو آواز دینے لگے۔ ''دُرّی۔ دُرّی۔''

دُرّی ماموں کی لائی ہوئی گڑیا سے کھیل رہی تھی۔ بھاگ کر آئی۔ ''جی ماموں بھیا۔''

''یہ دیکھو میں تمہارے لئے کتنا اچھا کیک لایا ہوں ذرا کاٹو تو سہی۔''

دُرّی نے ڈرتے ڈرتے چھری پکڑی۔ اصغر علی نے اُس کی مدد کی۔

فخری نے کیک کے ٹکڑے کئے۔ ریحانہ بھی آگئی تھی۔ اس وقت سب خوش تھے۔ ذرا سی خوشی پا کر دُرّی کا چہرہ بشاش ہو گیا۔

فرح کو یہ سب کچھ بہت اچھا لگا۔

''کتنے اچھے ہیں یہ سب لوگ آپس میں کتنی محبت کرتے ہیں۔''

''اُس نے اپنے دل میں سوچا اور چائے کے گھونٹ آہستہ آہستہ حلق سے اُتارنے لگی۔

ذراسی دیر میں فرح نے دُرّی سے دوستی کرلی۔

کچھ دیر بعد فرح کا ڈرائیور آ گیا۔فرح اُٹھ کھڑی ہوئی۔ چلتے چلتے اُس نے دُرّی سے وعدہ کیا کہ وہ کسی روز دُرّی کو سیر کرانے لے جائے گی۔ دُرّی، فرح کی گاڑی کو جاتے دیکھتی رہی۔

کچھ دن کے وقفے سے فرح اور فخری نے منیرہ کے گھر دھاوا بول دیا۔منیرہ ان دونوں کی غیر متوقع آمد سے بہت خوش ہوئی۔ خصوصاً فخری کو دیکھ کر اُسکا دل مسرور ہو گیا۔ایک مدت بعد وہ دونوں آپس میں ملی تھیں۔

''بڑی بے مروت ہو فخری اتنے دن ہو گئے تمہیں میرا خیال نہ آیا۔''منیرہ نے شکوہ کیا۔

''اور تمہارا اپنے متعلق کیا خیال ہے''فخری نے کہا۔

''کافی عرصہ پہلے میں ہی آ گئی تھی تمہارے گھر، پھر تم نہیں آئیں تو میں کیا کرتی جاکر''

''دراصل چھوٹے بھیا آج کل بہت مصروف رہتے ہیں انہیں فرصت ہی نہیں ملتی ورنہ یقین کرو منیرہ اب تک میں آ چکی ہوتی۔آج بھی سمجھو فرح لے کر آئی ہے ورنہ اکیلے کیسے آتی۔''

''واقعی، میں فرح کی احسان مند ہوں۔''منیرہ نے کہا۔''تمہارے بھیا تو غالباً سروس کر رہے ہیں۔''

''سروس سے زیادہ اپنی پڑھائی پر توجہ دے رہے ہیں۔آج کل ایم اے پریویس کے امتحانات ہو رہے۔۔ایک پیپر باقی ہے۔فخری نے بتایا۔

بھئی تم بہت محنتی ہو اور سناؤ اپنے میڈیکل کالج والوں کے حال اور حوالم۔''منیرہ نے ہنس کر پوچھا۔

''میڈیکل کالج کے کیا کوئی خاص احوال ہوتے ہیں۔میں کیا سناؤں۔''فخری نے کہا۔

''بھئی کوئی افیئر وغیرہ......اتنے بہت سے اسمارٹ لڑکے پڑھتے ہیں تمہارے ساتھ اور پھر قابل قابل اساتذہ۔''

منیرہ کی یہ بات فخری اور فرح دونوں ہی کو بری لگی مگر انہوں نے ظاہر نہ کیا۔

فرح نے بات تبدیل کرنے کی غرض سے پوچھا۔

''تمہاری رخصتی کا کیا پروگرام ہے؟''

''فی الحال تو کوئی نہیں۔'' منیرہ نے بتایا۔''خرم کے گھر والے تو بہت زور دے رہے تھے مگر امی نے منع کر دیا۔''

''کیوں؟''

''امی کا خیال ہے میں اور خرم تعلیم مکمل کر لیں پھر رخصتی ہو گی۔''

''اور تمہارا کیا خیال ہے؟'' فخری نے پوچھا۔

''میرا بھی وہی خیال ہے جو امی کا ہے۔''

''خرم کیا کہتے ہیں؟'' فخری نے پوچھا۔

''خرم رخصتی چاہتے ہیں۔ مگر میں نے انہیں منا لیا ہے۔ فخری ڈیئر وہ بہت سوئیٹ آدمی ہے میری کسی بات پر انکار نہیں کرتے۔''

''تو اس کا مطلب ہے ایک سال بعد جب تم بی ایس سی کر لو گی پھر رخصتی ہو گی۔''

''ہاں شاید!''...... منیرہ نے یوں کہا جیسے اس بات میں شبہ ہو۔

منیرہ کے گھر یہ لوگ بہت تھوڑی دیر بیٹھیں فرح کو جلدی تھی اس لیے فخری نے آئندہ آنے کا وعدہ کیا اور رخصت ہو گئیں۔

واپسی میں فخری سوچ رہی تھی کہ منیرہ پہلے سے بہت تبدیل ہو گئی ہے۔ اُس کے بات کرنے کا انداز بھی بدل گیا ہے منیرہ وہ نہیں تھی اس بات کا فخری کو بہت دکھ ہوا۔

''کیا سوچ رہی ہو فخری؟'' فرح نے اُسے سوچ میں ڈوبا دیکھ کے سوال کیا۔

''کچھ نہیں۔''

''تم منیرہ کے متعلق سوچ رہی ہو۔''

''ہاں فرح وہ بہت بدل گئی ہے دیکھا نہیں کیسے عجیب انداز میں بات کر رہی تھی۔''

''ہاں مجھے احساس تھا اسی لیے میں وہاں سے جلد اُٹھ گئی۔''

''آج پہلی بار مجھے اس کے پاس بیٹھ کر بوریت کا احساس ہوا۔'' فخری نے کہا۔

فرح نے فخری کو اس کے گھر ڈراپ کیا اور آئندہ ملنے کا وعدہ کر کے اپنے گھر روانہ ہو گئی۔

چھٹیاں ختم ہوگئی تھیں اور میڈیکل کالج کھل گیا۔ پہلے سال کے تقریباً سب ہی اسٹوڈنٹس پاس ہو کر دوسرے سال میں پہنچ گئے تھے۔ وہی گہما گہمی تھی اور وہی رونق۔ تھیوری کلاسز شروع ہو چکی تھی ابھی پریکٹیکل شروع نہیں ہوئے تھے۔

ڈاکٹر صفدر اب بھی فخری کی کلاسز لیتے تھے مگر اُن کے دل میں فخری کی طرف سے جو پھانس چبھ چکی تھی وہ بدستور موجود تھی۔

سالانہ امتحان میں فخری کے پورے کلاس میں سب سے زیادہ نمبر تھے مگر ڈاکٹر صفدر نے اُسے بلا کر مبارکباد نہ دی تھی۔ جبکہ تمام طالب علم اور اساتذہ اُسے مبارکباد دے چکے تھے......

ڈاکٹر صفدر کی جانب سے اس قدر سرد رویہ نے فخری کو افسردہ کر دیا تھا مگر وہ اپنے دلی جذبات کو چھپائے مسکرا مسکرا کر سب سے ملتی رہی اور ڈاکٹر صفدر نے یہ جانا کہ فخری کو اُن کی ناراضگی کا رَتی برابر فرق نہیں پڑا ہے۔ تنکا تنکا جمع کر کے انہوں نے جو آشیانہ بنایا تھا وہ بکھر گیا تھا۔

اُن کی برسوں کی تلاش بے نتیجہ ثابت ہوگئی تھی۔

فخری اُن کی دسترس سے دور تھی۔

کاش فخری نے مجھے سب کچھ پہلے ہی بتا دیا ہوتا۔

ڈاکٹر صفدر پہلے سے بھی زیادہ سنجیدہ رہنے لگے تھے۔

لوگوں کو اُن کی سنجیدگی سے وحشت ہوتی تھی۔ عام لوگ انہیں بور اور کتابوں کا کیڑا وغیرہ کہا کرتے تھے۔ اُن کی طبیعت کے حسن سے کوئی بھی واقف نہ تھا۔

مگر فخری انہیں سمجھتی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ ڈاکٹر صفدر کے اندر چھپا ہوا انسان بہت اعلیٰ ارفع ہے۔

مگر وہ مجبور تھی ڈاکٹر کو کوئی تسلی نہ دے سکتی تھی۔ وہ تو منصور کی پابند تھی۔ اُس کا ذہن صرف منصور کے لیے سوچتا تھا حالانکہ وہ جانتی تھی کہ سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہے مگر منصور کے چند

جملوں نے اُسے اُمید کی کرن دکھائی تھی۔ وہ چند جملے جو انہوں نے فخری کی تعریف میں کہے تھے اور وہ اسی کرن کا سہارا لے کر بھاگ رہی تھی۔ آگے۔ اور آگے۔

پریکٹیکل شروع ہونے میں ابھی کچھ دن تھے تب ہی سب لڑکیوں نے پکنک منانے کا پروگرام بنایا۔ جو کثرت رائے سے منظور کرلیا گیا۔ اب اساتذہ سے اجازت اور اُن کا تعاون درکار تھا۔

یہ مرحلہ بھی بخیر وخوبی حل ہو گیا۔ گرمیوں کے دن تھے سب نے سمندر کے اندر جانے کا پروگرام بنایا۔ پکنک کا پروگرام طے ہوتے ہی زور شور سے تیاریاں شروع ہو گئیں۔ لڑکے اور لڑکیاں سب ہی بہت پرجوش تھے چند جونیئر اساتذہ جو اسٹوڈنٹس سے بہت فری تھے۔ اُن کے ساتھ مل کر پروگرام بنا رہے تھے۔

کسی نے کہا ریکارڈ پلیئر ساتھ جانا چاہیے کسی نے ٹیپ ریکارڈر کا مشورہ دیا۔ کوئی کہہ رہا تھا صبح سویرے روانہ ہو جانا چاہیے تو کوئی کھانوں کی فہرست مرتب کر رہا تھا۔

کھانے کا اہتمام لڑکیوں نے اپنے ذمے لے لیا تھا۔

فخری اور فرح بھی خوشی خوشی پکنک پر جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ سب ہی کو اس آؤٹنگ کی بہت زیادہ خوشی تھی۔

خدا خدا کر کے وہ دن آ گیا۔

پکنک پر جانے والے لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب تھی۔ کافی اساتذہ بھی ساتھ تھے۔ زیادہ تر جونیئر اسٹاف تھا مگر ڈاکٹر صفدر کو سینئر اسٹاف ممبر کی جگہ ساتھ کر دیا گیا تھا۔

سمندر کے کنارے دور دور تک لڑکے اور لڑکیاں مختلف ٹولیوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ اسٹاف ممبرز علیحدہ ریت پر بیٹھے محو گفتگو تھے۔ صبح کا سہانا وقت اور ٹھاٹھیں مارتا سمندر۔ ہلکے ہلکے بادلوں سے ڈھکا آسمان۔ یہ سب چیزیں انسان کو رومینٹک بنا دینے کے لیے کافی تھیں۔ کچھ لڑکیاں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے سمندر کے پانی میں کھڑی تھیں۔ فخری کو ہمیشہ سے پانی سے خوف آتا تھا اس لیے وہ فرح اور چند دوسری لڑکیوں کے ساتھ دور ریت پر بیٹھی تماشا دیکھ رہی تھی۔

آج فخری نے گہرا نارنجی شلوار سوٹ پہنا تھا۔ بالوں کی دو موٹی موٹی چوٹیاں سامنے کی طرف جھول رہی تھیں۔ وہ روزانہ سے کہیں زیادہ جاذب نظر معلوم ہو رہی تھی۔

دور بیٹھے ہوئے ڈاکٹر صفدر کی نظریں فخری کا طواف کر رہی تھیں مگر انہوں نے اپنی آنکھوں پر

سیاہ چشمہ لگا رکھا تھا اس وجہ سے اُن کی چوری گرفت میں نہ آسکتی تھی۔

فخری کے گروپ میں بھی موضوع سخن ڈاکٹر صفدر ہی تھے۔

''حد سے زیادہ ریزور انسان ہیں۔'' ایک لڑکی نے کہا'' بھلا انہیں پکنک میں کیا مزہ آرہا ہوگا۔''

''کیا مجال ہے کسی سے ہنس کر بول تولیں۔'' دوسری نے کہا'' ایک فخری کی ذہانت کی وجہ سے اُن پر تھوڑا سا مہربان تھے مگر اب اس طرف سے بھی گم صم ہو گئے ہیں۔''

لفظ گم صم پر ایک قہقہہ پڑا۔

فخری خاموش بیٹھی مسکراتی رہی۔

''واقعی ان دنوں بہت بجھے بجھے نظر آتے ہیں۔'' یہ ثریا کی آواز تھی۔

''تمہیں کیوں اس قدر ہمدردی ہو رہی ہے ان سے؟'' فرح نے کہا۔

''ترس آتا ہے بے چارے پر، شادی کریں بال بچے ہوں تو اُن کا بھی دل بہلے۔'' ثریا نے کہا۔

''تم مشورے دے کر دیکھو شاید مان جائیں۔'' فرح نے کہا۔

''اے لو بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کو میں ہی رہ گئی ہوں۔'' ثریا نے کہا تو سب لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

''تم کیوں خاموش بیٹھی ہو فخری، کچھ تم بھی کہو۔'' ایک لڑکی نے کہا۔

''کیا کہوں تم لوگوں کی باتیں سن رہی ہوں۔''

''پھر بھی کوئی کمنٹ۔ کوئی جملہ۔ کچھ تو رائے دو اپنی۔''

''میں جو رائے دوں گی۔ وہ تم سب کو پسند نہیں آئے گی۔''

''آجائے گی پسند۔'' ثریا نے کہا۔'' آج موسم بہت دلفریب ہے اور سماں بھی دل پسند۔ پھر کسی چیز کے ناپسند ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''تم سب کے کمنٹ سن کر میں اکثر ایک بات سوچتی ہوں کہ جو شخص ہماری دسترس سے دور ہوتا ہے اُسے ہم بور منطقی اور مغرور قسم کے الفاظ سے نوازتے ہیں اس طرح اپنے کسی پوشیدہ جذبے کو تسکین مہیا کرتے ہیں...... یہی حال ڈاکٹر صفدر کا ہے ہم سب جانتے ہیں کہ وہ ایک قابل ڈاکٹر ہیں۔ بہترین لیکچر دیتے ہیں۔ اعلیٰ خصلت رکھتے ہیں۔ فضول باتوں سے پرہیز کرتے ہیں۔

دوسروں کی عزت کرتے ہیں اس لیے دوسرے بھی اُن کی عزت کرنے پر مجبور ہیں۔ وہ عام لوگوں سے مختلف ہیں انہوں نے اپنا ایک معیار مقرر کر لیا ہے۔ اور وہ اس معیار سے نیچے آنا نہیں چاہتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہماری دسترس سے دور ہیں۔ اور یہ بات بہت سے لوگوں کو شاک پہنچاتی ہے نتیجہ میں لوگ انہیں منطقی اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں۔ حالانکہ سب دل میں جانتے ہیں کہ اُن کا مقام کیا ہے۔''

فخری کہہ رہی تھی اور لڑکیاں خاموشی سے سن رہی تھیں۔

''ڈاکٹر صفدر بیچلر ہیں اس کے باوجود مخالف جنس کو اہمیت نہیں دیتے اس لیے لڑکیاں اُن سے کبیدہ رہتی ہیں۔ میں یہ بات اپنے منہ سے کہنا نہیں چاہ رہی تھی لیکن ثریا کے مجبور کرنے پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا پڑا۔''

فخری کی باتوں میں سچائی تھی۔ لڑکیاں اس کے خیالات کی قدر کرتی تھیں۔ اس وقت ڈاکٹر صفدر کے متعلق اُس نے جو کچھ کہا تھا وہ حرف بہ حرف درست تھا اس لیے کوئی اس ضمن میں کچھ نہ بول سکا۔

پھر بات کا موضوع تبدیل ہو گیا۔ آہستہ آہستہ لڑکیاں اُٹھ کر دوسری طرف چلی گئیں صرف فخری اور فرح بیٹھی رہ گئیں۔

فخری کو ٹھنڈی ٹھنڈی ریت بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وہ اپنے پاؤں کے اردگرد ریت جمع کر کے چھوٹا سا گھر بنا رہی تھیں جو پاؤں ہٹانے سے ٹوٹ جاتا تھا۔

خاصی دیر سے یہی عمل جاری تھا۔

اچانک ڈاکٹر انور، ڈاکٹر صفدر کو لئے ہوئے ادھر آ نکلے۔

ڈاکٹر انور جونیئر اسٹاف میں سے تھے اور اسٹوڈنٹس سے بہت بے تکلف تھے۔

''بہت دیر سے میں فخری کو ریت کا گھر بناتے دیکھ رہا تھا سوچا کہ وجہ دریافت کر آؤں۔'' ڈاکٹر انور نے ہنس کر کہا۔

''بہت سے کام بغیر کسی وجہ کے بھی انجام دیئے جاتے ہیں۔'' فخری نے سر اونچا کر کے اوپر دیکھا۔ ڈاکٹر صفدر اُسے ہی دیکھ رہے تھے۔

فخری نے گردن نیچی کر لی۔

ڈاکٹر انور اور ڈاکٹر صفدر قریب ہی بیٹھ گئے۔

''آپ جیسی پریکٹیکل لڑکیاں کوئی کام بغیر کسی وجہ کے نہیں کیا کرتیں!'' ڈاکٹر انور نے کہا۔

فخری مسکرانے لگی۔ ''دراصل ہم جو بہت پریکٹیکل اور مضبوط نظر آتے ہیں۔ اندر سے بے حد کمزور اور پھسپھسے ہوتے ہیں اور اپنی اس کمزوری کو چھپانے کے لیے بعض اوقات بے مقصد کام کر جاتے ہیں۔''

''آپ اس وقت ڈاکٹری کی کم فلسفے کی طالب علم زیادہ نظر آ رہی ہیں۔''

''دراصل ہر انسان ادھورا ہوتا ہے۔ وہ اپنی ذات کی تکمیل کرنا چاہتا ہے اور جب وہ ایسا کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ تو خوبصورت خواب دیکھتا ہے ہواؤں میں اڑتا ہے تصوراتی پروازیں کرتا ہے اور ریت کے محل تعمیر کرتا ہے۔''

''تو کیا ایسا کرنے سے اُس کی ذات کا ادھورا پن دور ہو جاتا ہے؟'' ڈاکٹر انور نے دلچسپی سے پوچھا۔

''نہیں۔ انسان کی ذات تو ہمیشہ ادھوری رہتی ہے اُس کی تکمیل اتنی آسان نہیں۔ یہ جو حرکات ہیں وہ ایک طرح کا ردعمل ہیں جو انسان بے بسی کے عالم میں کرتا ہے۔''

''تو سپر مین (Super Man) بن جائے گا۔'' فخری نے اُس کی سیاہ آنکھوں میں براہِ راست دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''ایک نارمل انسان کو سپر مین کہہ رہی ہیں آپ۔ میں تو سرے سے انسان کی ذات کو ادھورا سمجھتا ہی نہیں۔ ہر انسان مکمل ہے۔ ہاں مختلف انسانوں کی تکمیل مختلف انداز میں ہوتی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ انسان اپنی ذات کا عکس کسی دوسرے میں دیکھنا چاہتا ہے۔ کوئی دوسرا فرد۔ کوئی دوسرا رفیق...... جو اُس کی ذات میں گم ہو جائے اور اُس کی حقیقت کو پہچان لے۔''

فخری نے ڈاکٹر صفدر کی بات بہت غور سے سنی پھر ہنسنے لگی۔

''یہی بات تو میں نے بھی کہی ہے صرف الفاظ کا فرق ہے شاید آپ نے میری بات پر غور نہیں کیا۔ میں نے بھی یہی کہا تھا کہ انسان اپنی ذات سے ادھورا ہے۔ وہ اپنی تکمیل چاہتا ہے اور اس کی تکمیل اسی صورت سے ممکن ہے کہ اُسے کوئی دوسرا فرد۔ کوئی رفیق مل جائے جو اُس کی ذات میں گم ہو کر اُس کی شخصیت کی تکمیل کر دے۔''

''اور اگر ایسا انسان میسر نہ آ سکے تو''۔ ڈاکٹر صفدر نے پہلی بار زبان کھولی۔ وہ بہت غور سے فخری کی باتیں سن رہے تھے۔

''توریت کے محل تعمیر کرے۔'' فخری نے برجستہ کہا۔

ڈاکٹر انور اور فرح دونوں ہنسنے لگے مگر ڈاکٹر صفدر کو ہنسی نہیں آئی وہ کسی سوچ میں گم ہو گئے تھے۔

اچانک فرح کو ثریا نے پکار لیا۔ وہ فرح کا ریکارڈ پلیئر نکلوا رہی تھی۔ فرح اُٹھ کر چلی گئی۔ ڈاکٹر انور پہلے ہی جانا چاہ رہے تھے وہ بھی چلے گئے۔

اب ڈاکٹر صفدر اور فخری تنہا رہ گئے۔

اُن کے آس پاس کوئی نہ تھا۔

لڑکے اور لڑکیاں سب سمندر کے پانی میں گھسے ہوئے تھے۔ کچھ دوست ہاتھ میں ہاتھ ڈالے دور نکل گئے تھے۔ آسمان پر بادل گہرے ہو گئے تھے۔

ٹھنڈی ہوا کے جھونکے دل کو سروز بخش رہے تھے۔ سامنے ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا اور وہ دونوں خاموش بیٹھے تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے فخری بہت بول رہی تھی مگر اب سب کے چلے جانے سے اُس کی زبان کو بریک لگ گیا تھا۔

ڈاکٹر صفدر نے اُس کے سراپا کو سرسری نگاہوں سے دیکھا پھر بولے۔'' آپ اُدھر کیوں نہ گئیں۔ سب سے الگ بیٹھنا آپ کو اچھا لگتا ہے؟''

''میں پانی میں جانا نہیں چاہتی اس لئے ادھر بیٹھی تھی۔ کوئی پروگرام ہو گا تو چلی جاؤں گی۔''

''فخری!''...... ڈاکٹر صفدر نے ریت میں ہاتھ پھنساتے ہوئے آہستہ سے پکارا۔

وہ اُن کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''تم نے جو کچھ ابھی کہا تھا وہ حرف بہ حرف صحیح ہے فخری۔ ہم اپنے ذات سے ادھورے ہیں اور اس کی تکمیل چاہتے ہیں۔ مگر ہمیں وہ فرد، وہ ساتھی نہیں ملتا جو ہماری ذات میں گم ہو کر ہماری تکمیل کر دے۔ ایسا کیوں ہے فخری؟''

''یہ سوال تو میں نے بھی بارہا سوچا ہے مجھے خود اس کا جواب نہیں معلوم!'' فخری نے اُن کی جانب دیکھے بغیر جواب دیا۔

''فخری اگر تم چاہو تو ہمیں سُپر مین بننے سے بچا سکتی ہو۔'' اُنہوں نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔

فخری نے اُن کی جانب دیکھا۔ اُن کی آنکھوں میں بہت سے سوال مچل رہے تھے جن کا

جواب دینا فخری کے بس میں نہ تھا۔

''میں بہت بے بس ہوں ڈاکٹر صاحب، آپ نے مجھے اتنا بااختیار کیوں سمجھ لیا ہے۔'' وہ بغیر کسی جذباتی تاثر کے اُن سے مخاطب تھی۔

''آؤ فخری اُدھر چلتے ہیں۔ ہٹ کی طرف۔ دیکھو اُس طرف آسمان کتنا سیاہ ہو رہا ہے۔''

''چلئے!'' وہ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ہٹ کے دوسری طرف پہنچ گئے۔

واقعی اس طرف آسمان سیاہ ہو رہا تھا اور موسم خطرناک حد تک حسین لگ رہا تھا۔

''آپ تو مجھ سے ناراض تھے شاید!''...... وہ مسکراتے ہوئے اُن سے پوچھ بیٹھی۔

''یہ اندازہ کیسے ہوا تمہیں؟''

''آپ نے میرے فرسٹ آنے کی مبارکباد بھی نہیں دی۔''

ڈاکٹر صفدر سنجیدہ ہو گئے۔ ''دراصل اُس روز کیفے میں تمہیں ایک اجنبی کے ساتھ دیکھ کر مجھے شدید ذہنی صدمہ پہنچا تھا۔ اور سچ پوچھو تو مجھے اب بھی یقین نہیں ہے۔''

''لیکن وہ اجنبی ہوتے ہوئے بھی مجھ سے بہت قریب ہے۔'' فخری نے ایک پتھر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر صفدر دوسرے پتھر پر بیٹھ گئے۔ ''منصور سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟''

اُنہوں نے یہ سوال کر لینا بے حد ضروری سمجھا اس لئے بے دھڑک پوچھ بیٹھے۔

''وہ میرے شوہر ہیں!'' فخری نے بہت صفائی سے کہا اور ڈاکٹر کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگی۔

ڈاکٹر صفدر کو اس جواب کی قطعی اُمید نہ تھی۔ وہ ایک لمحہ کے لئے ساکت ہو گئے۔

''آپ شادی شدہ ہیں؟''

''جی ہاں!''

''آپ نے کبھی نہیں بتایا۔''

''ڈاکٹر صفدر بہت پریشان ہو گئے تھے۔

''میری کہانی بہت پیچیدہ ہے اسی لئے سنانے سے گریز کیا تھا'' فخری نے کہا۔ ''آپ کو تعجب ہوگا بلکہ آپ شاید یقین بھی نہ کریں کہ منصور کو یہ معلوم نہیں ہے کہ میں اُن کی بیوی ہوں۔''

''آپ کیا کہہ رہی ہیں فخری۔ خدا کے لیے جو بات ہے صاف صاف بتا دیجئے ورنہ میں بہت زیادہ پریشان ہو جاؤں گا۔''

اور پھر فخری نے آہستہ آہستہ سب روداد کہہ سنائی...... مختصر طور پر اپنے نکاح اور پھر چھوٹی خالہ کی بے گانگی اور پھر منصور سے اتفاقیہ ملاقات کا احوال بنا ڈالا۔ فخری نے جان بوجھ کر فرح کا نام چھپا ڈالا تھا اُس نے یہی کہا تھا کہ منصور میری دوست کے چکر میں مجھ سے ملنے آئے تھے وہ مجھ سے نہیں میری دوست سے محبت کرتے ہیں۔

''اور آپ......؟'' ڈاکٹر نے پُر اُمید نگاہوں سے فخری کی طرف دیکھ کر سوال کیا۔

''میں نے بچپن سے لے کر اب تک صرف اور صرف منصور کے بارے میں سوچا ہے اس لئے میں انہیں اپنے ذہن سے نکالنے پر قادر نہیں۔''

''لیکن اس کا انجام کیا ہو گا؟''

''میں نے ابھی سوچا نہیں۔''

''آپ سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہیں فخری جو شخص حالات بدلنے کے ساتھ اپنے خیالات تبدیل کر دے وہ بھروسے کے قابل نہیں ہوتا۔''

فخری نے چونک کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ کم و بیش یہی الفاظ اصغر علی نے اُس سے کہے تھے۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟''

''یہی بات چھوٹے بھیا نے بھی کہی تھی مجھ سے۔''

''کیا کہا تھا اُنہوں نے؟''

''کہ منصور ایک سراب ہیں اگر تم سراب کے پیچھے دوڑو گی تو اپنی راہ سے بھٹک جاؤ گی۔''

''تمہارے بھیا بالکل درست کہتے ہیں۔''

''مگر میرے پاس سوچ کی کمی ہے مجھے نہیں معلوم مجھے کیسا کرنا چاہئے۔''

''فخری تمہیں حقیقت پر نظر رکھنا چاہیے۔ اگر تم میں جرأت ہوتو تم منصور کو صاف صاف بتا دیتیں اور پھر اُن کا ردعمل دیکھتیں لیکن تمہیں ڈر تھا کہ وہ تمہیں مسترد نہ کر دیں اس وجہ سے تم نے حقیقت چھپانے میں بہتری سمجھی۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میں بہت بزدل تھی۔ حقیقت بتانے سے خوف آتا تھا مجھے۔''

''اب کب آئیں گے منصور؟''

''فی الحال تو وہ انگلینڈ جا رہے ہیں لیکن اس کے بعد بھی میرے پاس آنے کا اُن کے پاس کوئی جواز نہیں۔''

ڈاکٹر صفدر خاموش ہو گئے۔ فخری کو وہ ہٹ کے اُس طرف جس طرف بادل بہت گھرے تھے اس وجہ سے لائے تھے کہ بہت ساری باتیں کریں گے مگر فخری کی حقیقت جان لینے کے بعد اُن کے پاس بات کرنے کے لیے کوئی موضوع نہ تھا۔

فخری کسی اور کی تھی۔ انہیں فخری کے متعلق سوچنے کا کوئی حق نہ تھا۔ چنانچہ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''آیئے چلتے ہیں۔ ممکن ہے لوگ ہمیں ڈھونڈ رہے ہوں۔''

''آپ جایئے سر۔ میں تھوڑی دیر میں آ جاؤں گی۔''

ڈاکٹر صفدر آہستہ قدموں سے واپس پلٹ آئے۔ فخری نے اُن کے ساتھ جانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

تیز ہوا چلتی رہی اور فخری تنہا پتھر پر سوچوں کے بھنور میں گھری خاموش بیٹھی رہ گئی۔

ڈاکٹر صفدر اور منصور

دو متضاد شخصیتیں تھیں۔

ایک شخص بہترین صفات کا حامل تھا اور فخری سے محبت کرتا تھا۔ اور دوسرا...... اُس کا شوہر جس سے وہ بچپن سے محبت کرتی آئی تھی۔ مگر جو اس کے وجود سے بے خبر تھا۔

ڈاکٹر صفدر ایک حقیقت تھے۔

اور منصور......

اس کا خوبصورت خیال......

اس کا دل چاہا اس موسم میں کسی طرف سے انتہائی اتفاقیہ طور پر منصور نکل آئیں وہ اُن سے باتیں کرے اُن کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر دور بہت دور نکل جائے۔ مگر ایسا کب ممکن تھا۔

ڈاکٹر صفدر اور منصور دونوں کی صورتیں باری باری اس کے ذہن میں بنتی اور مٹتی رہیں اور خاموش بیٹھی انگلی سے ریت کو کریدتی رہی۔

بہت دیر گزر گئی۔

فرح کو اس کی فکر ہو گئی تھی۔

یا اللہ فخری کہاں گم ہو گئی۔

فرح چند دوسری لڑکیوں کو لئے ادھر ادھر ڈھونڈنے نکل کھڑی ہوئی۔

بالآخر اُن لوگوں نے اُسے دیکھ لیا۔

وہ سر جھکائے دنیا و مافیہا سے بے خبر بالکل اکیلی بیٹھی تھی۔

''فخری''......فرح نے پکارا۔

فخری نے چونک کر اُن کی طرف دیکھا۔

''کیا کر رہی ہو ادھر اکیلی۔'' ثریا نے کہا۔ ''ہم لوگ کتنی دیر سے تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔''

''تم لوگ سمندر میں غوطے لگا رہی تھیں، میں ادھر آ گئی۔'' فخری نے کہا۔ ''یہاں مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔''

''اچھا چلو زیادہ فلسفی بننے کی ضرورت نہیں۔'' فرح نے کہا۔ ''اب کھانا لگنے والا ہے تمہیں ڈھونڈنے میں اتنی دیر گزر گئی۔''

فخری خاموشی سے ان سب کے پیچھے چل دی۔

دُرّی اب سمجھدار ہو چکی تھی اور اس قابل تھی کہ کسی اسکول میں اُسے داخل کر دیا جائے مگر وہ پڑھنے میں بہت کمزور تھی۔ فخری نے اپنی محنت سے چند ماہ کے اندر الف بے اور اے بی سی ڈی وغیرہ سیکھا دی تھی۔ اب اس کا اسکول جانا بے حد ضروری تھا۔

اصغر علی کو بھی دُرّی کی پڑھائی کی فکر تھی۔

''دُرّی کو کسی اسکول میں داخل کرا دینا چاہئے۔'' ایک دن فخری نے اصغر علی سے کہا۔

''ہاں ضروری ہے۔ مجھے خود اُس کی بہت فکر ہے۔''

''مگر کہاں داخل کریں۔ آپ معلوم کیجئے قریب میں کوئی اسکول ہو تو آنے جانے میں سہولت رہے گی۔''

''مین روڈ سے جب میں اپنے گھر کی طرف مڑتا ہوں تو وہاں ایک اسکول کا بورڈ نظر آتا ہے۔ پرائمری سکول ہے۔ تم جا کر دیکھو کس قسم کا اسکول ہے اور کیسا ماحول ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو وہاں دُرّی کو داخل کر دو۔''

''بھیا میں نے تو کوئی بورڈ نہیں دیکھا۔''

''تم نے غور نہیں کیا ہوگا۔ وہ کوئی بڑی عمارت نہیں ہے۔ کسی نے اپنے گھر میں اسکول کھولا ہے غالباً نیا ہی ہے تم جا کر معلوم کرو۔''

''ٹھیک ہے میں کل صبح ہی دُرّی کو لے کر چلی جاؤں گی۔''

''کالج نہیں جانا ہے کل؟''

''کل دیر سے چلی جاؤں گی مگر یہ کام بہت ضروری ہے دُرّی بے چاری گھر میں اکیلی بہت بور ہوتی ہے اگر خالہ جی کا سہارا نہ ہوتا تو ہمیں کتنی مصیبت ہوتی۔''

''واقعی خالہ جی نے ہمارا بہت ساتھ دیا ہے...... وہ انسان نہیں فرشتہ ہیں۔''

''آپ مجھے فیس کے پیسے دے دیجئے گا اگر داخلہ ہوا تو کل ہی کرادوں گی۔''

''ٹھیک ہے روپے لے جانا۔''

''اس کے بعد فخری بہت دیر تک دُرّی سے اس کے اسکول کے متعلق باتیں کرتی رہی۔

دُرّی اسکول کے تصور سے بہت خوش تھی۔ اُسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ وہ بھی تمام دوسرے بچوں کی طرح بستہ گلے میں لٹکا کر اسکول جائے گی۔

تمام رات دُرّی کو اسکول کے خواب نظر آتے رہے۔ وہ صبح اندھیرے سے ہی جاگ گئی۔

فخری ابھی سو رہی تھی۔

خالہ آپا...... خالہ آپا اُٹھیئے، مجھے اسکول جانا ہے۔''

فخری آنکھیں ملتی اُٹھ بیٹھی۔

''ارے اتنی صبح؟ دُرّی ابھی تو بہت اندھیرا ہے تمہاری مس سو رہی ہوں گی۔''

''ہمیں تیار بھی تو ہونا ہوگا۔''

فخری کو اس کی معصومیت اور شوق پر ہنسی آگئی۔

''اچھی بات ہے تم اُٹھ گئی ہو تو ہم بھی اُٹھ جاتے ہیں۔''

دُرّی سے وقت کاٹے نہ کٹتا تھا۔

جس وقت فخری دُرّی کا ہاتھ پکڑ کر سکول کے لئے نکلی دُرّی کا دل خوشی سے بلیوں اچھل رہا تھا۔

اسکول زیادہ دور نہیں تھا۔

تھوڑی دور چل کر سڑک پار کر کے وہ لوگ اسکول کے پاس پہنچ گئیں۔

اصغر علی نے ٹھیک کہا تھا۔ پرائمری سکول کا بورڈ لگا ہوا تھا۔

فخری نے گھنٹی بجادی۔

ایک آیا نے دروازہ کھولا۔

''بچی کا داخلہ کروانا ہے۔'' فخری نے بتایا۔

''آیئے جی آپ اندر بیٹھ جایئے۔'' آیا نے کہا۔

فخری اور دُرّی اندر چلی گئیں۔

چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں چند کرسیاں پڑی تھیں۔ فخری انتظار کی کیفیت میں بیٹھی تھی۔ دُرّی بالکل خاموشی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ اس کے تصور میں اسکول کا جو نقشہ تھا وہ دُھندلا پڑ گیا تھا۔

ذرا سی دیر میں اسکول کی ہیڈ مسٹریس اندر سے نکلیں تو فخری دیکھتی کی دیکھتی رہ گئیں۔

''ثریا باجی آپ۔'' فخری نے انہیں غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ارے فخری یہ تم ہو۔''

اتنے برسوں بعد ثریا جبیں کو دیکھ کر فخری کو بے حد خوشی ہوئی تھی۔

ثریا جبیں بھی فخری کو بھولی نہ تھیں۔ فخری ایسی لڑکی نہ تھی جسے آسانی سے بھلایا جا سکے۔

فخری کو اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی پہلے والی ثریا جبیں ہیں۔

اس وقت انہوں نے انتہائی نفاست سے بالوں کا جوڑا بنایا ہوا تھا اور جارجٹ کی ساری پہن رکھی تھی ہلکا ہلکا میک اپ کیا ہوا تھا۔ وہ بہت باوقار اور اسمارٹ لگ رہی تھیں۔

''یہ اسکول آپ کا ہے ثریا باجی؟'' فخری نے پوچھا۔

''ہاں بہن یہ میں نے اسکول کھولا ہے۔ تمہیں کسی کا داخلہ کروانا ہے۔''

''یہ میری بھانجی ہے دُرّی۔ اسے لے کر آئی تھی۔''

''کون سی کلاس میں داخل کرواؤ گی۔''

''پہلی کلاس میں ڈالنے کا ارادہ ہے ابھی اس کو کچھ زیادہ نہیں آتا ہے۔ لیکن اسکول میں باقاعدہ پڑھنے لگے تو میں گھر میں بھی کمی پوری کرادوں گی۔''

''ٹھیک ہے داخلہ مل جائے گا۔'' ثریا جبیں نے کہا۔ ''آؤ تمہیں اسکول دکھادوں۔''

فخری اور دُرّی، ثریا جبیں کے پیچھے پیچھے چلی گئیں۔

اندر دو کمرے اور ایک برآمدہ تھا جس میں بلیک بورڈ لگے ہوئے تھے اور کرسیاں بھی بچھی ہوئی تھیں۔

"یہ ہے ہمارا چھوٹا سا اسکول۔" ثریا جبیں نے کہا۔" دو اُستانیاں پڑھانے آتی ہیں پچاس کے قریب بچے ہیں۔ یہاں چھوٹی کلاس تک پڑھائی ہوتی ہے۔ ابھی صبح کے آٹھ بجے ہیں۔ اسکول ساڑھے آٹھ بجے لگتا ہے ابھی تھوڑی دیر میں بچے آجائیں گے تو اسکول لگ جائے گا۔"

"کتنا عرصہ ہو گیا ثریا باجی اس اسکول کو؟"

"ابھی ایک ہی سال ہوا ہے مگر اللہ کا فضل ہے بہت اچھا چل گیا ہے۔"

"بس تو پھر آپ ڈرّی کو داخل کرلیں۔ مجھے بھی یہاں بھیج کر اطمینان رہے گا۔"

ثریا جبیں ان دونوں کو گھر کے اُس طرف لے گئیں جہاں اُس کے رہنے کے لیے دو کمرے بنے ہوئے تھے۔ ایک ڈرائنگ روم دوسرا بیڈ روم۔

ڈرائنگ روم بہت نفاست اور سلیقے سے سجا ہوا تھا ہر چیز بہت سادہ اور صاف ستھری تھی۔

"تم اب کیا پڑھ رہی ہو؟" ثریا جبیں نے پوچھا۔

"میں میڈیکل کالج میں پڑھ رہی ہوں۔ میرا دوسرا سال ہے۔"

"ماشاءاللہ ڈاکٹر بن جاؤ گی۔ خوب ملک و قوم کی خدمت کرنا۔"

"انشاءاللہ۔"

"ثریا جبیں کو دیکھ کر اب فخری اُن کی موجودہ زندگی کے بارے میں کچھ زیادہ نہ سوچ پائی تھی۔

آخر اُس نے پوچھ ہی لیا۔

"آپ بہت بدل گئی ہیں ثریا باجی۔ پہلی نظر میں تو میں آپ کو پہچان نہ سکی۔"

"ہاں وقت بدل جائے تو انسان بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس وقت کی ثریا جبیں اور مجھ میں بہت فرق ہے۔"

"آپ اپنے متعلق کچھ بتائیے آپ کے شوہر کیا کرتے ہیں۔ زہرہ باجی، آپ کے امی ابا سب کی خیریت بتائیے۔" فخری نے ایک ہی سانس میں سب کچھ پوچھ ڈالا۔

"زہرہ ٹھیک ہے۔ بچوں کی ایک فوج ہے ماشاءاللہ اپنے گھر میں خوش و خرم ہے۔ ابا نے تو جب اپنی دوسری شادی کرلی تھی۔ میری اماں بے چاری بہت تکلیف میں تھیں۔ پورے گھر میں

اُس عورت کا قبضہ تھا میں اپنی اماں کو اپنے ساتھ لے آئی ہوں۔ اور میری اپنی زندگی بھی بدل گئی ہے۔ تمہیں پتہ ہوگا میری شادی کہاں ہوئی تھی۔''

''جی ہاں وہ غالباً آپ کے رشتے کے چچا تھے۔''

''ابا نے زبردستی میری شادی جمن صاحب سے کردی تھی مگر وہ زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکی۔ میں نے اُن سے طلاق لے لی۔ اب میری شادی اچھی جگہ ہوگئی ہے۔ میرے میاں ایک اخبار میں کام کرتے ہیں۔ مجھ پر کوئی پابندی نہیں ہے میں بھی آزادی کا سانس لیتی ہوں۔ اسکول کھولنے کی تجویز بھی انہی کی تھی۔ اللہ کے فضل سے تجویز کامیاب رہی۔ اماں بھی ہم لوگوں کے ساتھ مطمئن زندگی گزار رہی ہیں۔ میں بھی ایک بچے کی ماں بن چکی ہوں۔''

ثریا جبیں بہت خوشی خوشی بے تکلفی کے ساتھ اپنی روئیداد سنا رہی تھیں۔

''آپ کی امی کہاں ہیں۔''

''آج کل اپنی بہن کے گھر گئی ہوئی ہیں۔ دوبارہ تم آنا تو اُن سے ملنا۔''

''آپ کا بچہ کہاں ہے؟''

''بیڈروم میں سو رہا ہے۔''

''آپ کے پہلے تو غالباً کوئی بچہ نہ تھا۔'' فخری نے یونہی پوچھ لیا۔

''اگر جمن صاحب کے ساتھ رہتی تو تمام عمر بچے سے محروم رہتی...... خیر چھوڑو ان باتوں کو' تم ابھی بچی ہو تم سے کیسی باتیں کرنے بیٹھ گئی۔''

''میں اب بڑی ہوگئی ہوں ثریا باجی۔''

''میں تم کو بڑا نہیں سمجھوں گی۔ اچھا یہ بتاؤ تمہاری دوست منیرہ کا کیا حال ہے مدت ہوگئی اس سے ملے۔''

''ٹھیک ٹھاک ہے۔ اس کا تو نکاح ہوگیا تھا کئی سال ہوئے۔''

''ہاں وہ تو سنا تھا۔ رخصتی نہیں ہوئی ابھی تک غالباً پڑھ رہی ہوگی۔''

''جی ہاں وہ بی ایس سی کر رہی ہے۔ مجھ سے ملنا کبھی کبھاری ہوتا ہے جب سے میں میڈیکل کالج گئی ہوں۔ ہمارا ساتھ چھوٹ گیا ہے۔''

''منیرہ نے تو بہت پہلے ہمارے گھر آنا چھوڑ دیا تھا۔''

''اچھا مجھے خبر نہیں ویسے وہ آپ لوگوں کو ہمیشہ یاد کرتی ہے۔''

اتنے میں اسکول کے بچے آنا شروع ہو گئے۔ استانیاں بھی آ گئیں۔ فخری اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا اب میں چلتی ہوں۔ پھر کبھی آؤں گی۔ دُرّی کی کتابوں اور یونیفارم وغیرہ کے لیے آپ بتا دیجیے تو پھر وہ ایک روز میں یہ آنے لگے گی۔''

ثریا جبیں نے دُرّی کے لیے مناسب ہدایات دیں پھر فخری' دُرّی کو لے کر گھر واپس آ گئی۔

واسطی صاحب کا ٹرانسفر اندرون سندھ ہو گیا تھا۔ اس لیے ان کی فیملی کراچی سے شفٹ ہو گئی۔ منیرہ کا چونکہ کالج کا آخری سال تھا۔ اس وجہ سے اسے ہوسٹل میں رہنا پڑا۔ بی ایس سی کا امتحان دے کر وہ بھی کراچی سے ماں باپ کے گھر چلی گئی۔ تھرڈ ائیر کے بعد چھٹیوں میں وہ پھول خالہ کے گھر لاہور نہ جا سکی تھی۔ کیونکہ ان دنوں واسطی صاحب کا مکان بن رہا تھا۔ خرم بھی کراچی نہ آ سکے تھے۔ البتہ دونوں گھرانوں میں خط و کتابت جاری تھی خرم اور منیرہ ایک دوسرے کو پابندی سے خط لکھا کرتے تھے۔

بی ایس سی کے امتحانوں سے فارغ ہو کر منیرہ نے لاہور جانے کا پروگرام بنایا۔ پھول خالہ کے خط پر خط آ رہے تھے۔

اس بار ناہید اور نوشین نے بھی پرزور انداز میں لکھا تھا۔ چونکہ خرم کا کراچی آنے کا پروگرام نہ تھا۔ اس وجہ سے لاہور نہ جانے کا کوئی سوال نہ تھا۔ چنانچہ منیرہ اور منی بیگم لاہور پہنچ گئیں۔

پھول بیگم نے بہن اور بھانجی کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ناہید اور نوشین ہمیشہ کی طرح بہت محبت اور خلوص سے پیش آئیں اور منیرہ کو یہاں آ کر عجیب طرح کا سکون کا احساس ہوا۔

پھول بیگم پہلے سے پروگرام بنائے بیٹھی تھیں کہ بہن آئے تو وہ منیرہ اور خرم کے متعلق تفصیل سے بات کریں۔ چنانچہ ایک روز موقع دیکھ کر پھول بیگم نے اپنی بہن سے کہا۔

''تم نے منیرہ کے متعلق کیا سوچا ہے؟''

''تمہارا داماد تو آگے پڑھنے کے حق میں نہیں اور منیرہ ایم ایس سی کرنا چاہتی ہے ایسی صورت میں ان دونوں کا جوڑ کس طرح مناسب رہے گا۔''

''لیکن منیرہ کو اب آگے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے میرے خیال میں تو اب منیرہ کی رخصتی ہونی چاہیے!'' منی بیگم نے کہا۔

''تم بھی کمال کرتی ہو منی۔ خرم کی نالائقی کی وجہ سے منیرہ کو کیوں آگے پڑھنے سے روکا

جائے۔“

”لیکن نکاح کو اب چار سال ہو چکے ہیں آپا۔ رخصتی میں مزید دیر کرنا مناسب نہیں ہے۔“

”تو تم جاہل لڑکے سے بیاہ دو گی اپنی لڑکی۔“

”آپا آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ خرم کوئی غیر ہے‘ بھائی جان کا بیٹا اور پھر گریجویٹ ہے کوئی جاہل تو نہیں ہم لوگوں نے اپنی مرضی اور پسند سے منیرہ کی شادی کی۔ اب ہم اس قسم کی باتیں کریں یہ کہاں کا انصاف ہے۔“

”لیکن منیرہ بہر حال ایم ایس سی کرے گی اور یہیں رہ کر۔ لاہور میں۔ میں نے خود منیرہ سے بات کی ہے وہ ابھی رخصتی پر راضی نہیں ہے وہ بھی یہی چاہتی ہے کہ خرم ملازمت چھوڑ کر ایم ایس سی میں ناکہ لکھوا لیں۔ آخر خرم کو ضد کیا ہے جو انہوں نے نہ پڑھنے کی قسم کھا رکھی ہے!“ پھول بیگم کے لہجے میں غصہ تھا۔

”چاہتی تو میں بھی یہی تھی کہ خرم آگے پڑھ لیتے مگر وہ راضی نہیں ہیں تو ان کی مرضی ...... کسی سے زبردستی تو نہیں کی جاسکتی!“ ...... منی بیگم نے کہا۔

”خیر خرم پڑھیں یا نہ پڑھیں وہ تمام عمر بھاڑ ہی جھونکتے رہیں۔ منیرہ ضرور آگے پڑھے گی۔ یہ بات طے ہے۔“ پھول بیگم نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

”لیکن منیرہ کے ابو رخصتی کے حق میں ہیں۔“

”وہ سدا کے احمق انسان ہیں۔ وہی لکیر کے فقیر۔ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ ان کی وہی شیروانی چھوٹے پائنچوں کا پاجامہ اور پرانے خیالات ...... منی تم تو عقل مند ہو۔ زمانے کا اونچ نیچ سمجھتی ہو۔ پتہ نہیں تمہارے دماغ میں کیا سمائی تھی جو ہیرا لڑکی کا نکاح نکمے خرم سے کر آئیں۔ ڈھائی سو روپلی مہینے کا اسکول ماسٹر اور کہاں منیرہ جیسی پڑھی لکھی خوبصورت لڑکی ...... کوئی جوڑ بھی ہوا آخر۔ اور پھر بھائی کے دقیانوسی خیالات۔ اللہ ہی حافظ ہے منیرہ کا ......“

”مگر جس وقت نکاح ہوا تھا اس وقت منیرہ نے دسویں کا امتحان دیا تھا۔“ منی بیگم نے ڈرتے ڈرتے ہوئے کہا۔

”کچھ بھی ہو اب حالات دوسرے ہیں۔ خرم یا تو آگے پڑھیں یا منیرہ سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔“

”آپا آپ اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کہہ رہی ہیں۔ شادی کوئی بچوں کا کھیل ہے۔ منیرہ

اور خرم کی شادی ہو چکی۔ اب کے بھائی جان لکھیں گے تو میں رخصتی کی تاریخ دے دوں گی۔ یہی منیرہ کے ابو کا فیصلہ ہے۔''

''منی ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ تم پاگل ہو گئی ہو۔ تمہارے میاں کی تو عقل ماری گئی ہے۔ ہرگز ہرگز ابھی رخصتی کی تاریخ مت دینا۔ اس طرح خرم اور منیرہ دونوں کی زندگی بے کار ہو جائے گی۔ ٹھیک ہے خرم آگے نہ پڑھیں کم از کم منیرہ کو تو تم لوگ پڑھنے دو۔ رخصتی بعد میں دیکھی جائے گی۔''

''خیر اس بات کو بعد میں سوچیں گے۔ جو منیرہ اور سب کی رائے ہو گی وہی ہو گا۔'' منی بیگم نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی۔ پھول بیگم دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھیں۔ انہوں نے طے کر لیا تھا خواہ کچھ بھی ہو جائے وہ منیرہ اور خرم کی شادی تڑوا کر رہیں گی۔

انہیں اپنے اثر و رسوخ اور چرب زبانی پر پورا پورا بھروسہ تھا۔

مشرف ہمیشہ سے سیدھے شریف آدمی تھے۔ انہیں ڈھب پر لانا پھول بیگم کے نزدیک قطعی مشکل نہ تھا۔ اب رہیں منی بیگم انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر اور بڑی بہن کا رعب جما کر کام نکالا جا سکتا ہے۔

اپنے بھائی جان کی طبیعت سے پھول بیگم اچھی طرح واقف تھیں۔ وہ بہت زیادہ محبت کرنے والے انسان تھے۔ لیکن اگر کبھی غصہ آ جاتا تو پھر کسی کی نہیں سنتے تھے۔ منیرہ اور خرم کا رشتہ تڑوانے کی سب سے آسان ترکیب یہی تھی کہ بھائی جان کو کسی طور غصہ دلوا دیا جاتا۔ منیرہ اور منی بیگم کی طرف سے ان کا دل پھیر دیا جاتا۔ پھول بیگم کے پاس یہ ہتھیار موجود تھا مگر انہوں نے اس ہتھیار کو آئندہ کے لیے اٹھا رکھا تھا۔ فی الحال وہ دوسری طرح سے راہ ہموار کر رہی تھیں۔ انہیں سب سے زیادہ جلن اس بات کی تھی کہ خرم نے ناہید کو رد کر دیا تھا۔ انہوں نے صاف صاف اپنے گھر میں کہہ دیا تھا۔ خرم کا نکاح منیرہ سے تڑوا کر نہ رہوں تو میرا نام بھی پھول بیگم نہیں۔''

چنانچہ منیرہ کے آتے ہی انہوں نے منیرہ کے کان بھرنے شروع کر دیئے تھے۔ منیرہ کو ویسے بھی پڑھنے کا شوق تھا۔ ادھر ناہید، نوشین اور پھول بیگم نے اتنا زور دیا اور اتنے سبز باغ دکھائے کہ لاہور رہ کر ایم ایس سی کرنے کی خواہش اس کے دل میں جڑ پکڑ گئی۔

پھول بیگم کے گھر کا ماحول بہت آزاد تھا۔ اور منیرہ فطری طور پر آزادی کی دلدادہ تھی۔ اپنے ابو کی وجہ سے اس نے اب تک بہت محتاط زندگی گزاری تھی۔ پھول بیگم کے گھر رہ کر اسے وہ زندگی میسر آ سکتی تھی جس کی وہ اندر سے دلدادہ تھی چنانچہ اس نے فوراً ہی خالہ کی تجویز پر ہامی بھر لی تھی۔

اور پھول بیگم اپنی مہم کو کامیاب ہوتا دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھیں۔

منی بیگم جب لاہور آئی تھیں ان کا دل عجیب سے وسوسے میں مبتلا ہو گیا تھا۔ کبھی تو بھائی کی محبت عود کر آتی اور خرم کا خوبصورت چہرہ نگاہوں میں گھومتا تو ان کا دل چاہتا وہ فوری طور پر بھائی کی بات مان کر منیرہ کو رخصت کر دیں۔ مگر پھر بہن کی باتوں کا خیال آتا تو ان کا دماغ الجھ جاتا۔ شاید پھول بیگم ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ خرم کو آگے ضرور پڑھنا چاہیے۔ جب منیرہ آگے پڑھ رہی تھی تو خرم کو کیا اعتراض تھا۔

منی بیگم کے جانے کے بعد پھول بیگم کی مہم تیز ہو گئی۔ اس مہم میں ان کے میاں قمر الحسن برابر کے شریک تھے مگر انہیں یہ خبر نہ تھی کہ ان کی بیوی یہ سب کچھ جان بوجھ کر کر رہی ہیں اور نہ ہی پھول بیگم نے میاں پر کچھ ظاہر کیا تھا بلکہ وہ یہی ظاہر کرتی تھیں کہ جو کچھ کر رہی ہیں منیرہ کی فلاح میں کر رہی ہیں۔

جب گھر کے تمام افراد اور منیرہ ساتھ بیٹھتے تو جان بوجھ کر خرم کا ذکر نکال لیا جاتا پھر مختلف انداز میں خرم کے اوپر کیچڑ اچھالی جاتی ...... اسے تضحیک کا نشانہ بنایا جاتا اور منیرہ اندر ہی اندر احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتی۔

ایک دن ایسے ہی سب بیٹھے تھے کہ پھول بیگم نے کہا ''منیرہ تمہارے گریجویٹ میاں کا کوئی خط آیا کہ نہیں۔''

''جی یہاں تو نہیں آیا۔ اب میں لکھوں گی انہیں تو جواب دیں گے۔''

''کوئی ضرورت نہیں خط لکھنے کی' انہیں پتہ تو ہے کہ تم یہاں ہو۔ خود ہی خط لکھیں گے!'' پھول بیگم نے کہا۔

منیرہ خاموش ہو گئی۔ کچھ بھی ہو لوگ ہزار باتیں بنائیں منیرہ کو خرم سے محبت تھی۔ وہ ہر روز خرم کو یاد کرتی تھی اور ان کے خط کی منتظر بھی رہتی تھی۔

''تمہارے وہ رنگروٹ پھر کراچی نہیں گئے۔'' ناہید نے ہنس کر منیرہ کو چھیڑا۔

منیرہ کو ناہید کا یہ انداز برا لگا مگر گھر کے دوسرے افراد زور زور سے قہقہے لگانے لگے۔

''بھئی عجیب آدمی ہے وہ بھی۔'' قمر الحسن نے کہا۔ ''بالکل ٹھس انسان کسی بات کا اثر ہی نہیں ہوتا۔''

''یہ تو منیرہ اور ان کے گھر والوں کی کمزوری ہے۔'' پھول بیگم نے کہا۔ ''یہ لوگ سختی سے خط

لکھیں پھر دیکھیں خرم کیسے نہیں مانیں گے۔''

منیرہ کو دل ہی دل میں افسوس ہونے لگا۔خرم کے آگے نہ پڑھنے کی وجہ سے اسے بلا وجہ سب کے سامنے شرمندہ ہونا پڑ رہا تھا۔مگر وہ منہ سے کچھ نہ بولی۔

منیرہ کے بال لمبے اور گھنے تھے ادھر ناہید اور نوشین کے بال کٹے ہوئے تھے۔منیرہ کی لمبی چوٹی دیکھ دیکھ کر ان کے دل میں ہوک اٹھتی تھی۔پھر یہ بھی معلوم تھا کہ فیشن سے کتراتے ہیں۔ چنانچہ منیرہ کو فیشن ایبل بنانے کی سوچی سمجھی اسکیم پر عمل کیا جانے لگا۔

اس کا برقع تو اسی دن اتر گیا تھا جس دن اس نے لاہور' خالہ کے گھر قدم رکھا تھا۔یہاں پر مکس گیدرنگ ہوتی تھی ہر جگہ آنا جانا تھا لہٰذا برقعے کا سوال ہی نہ تھا۔اب بال کٹنے کی باری آئی۔

پہلے تو منیرہ کو خوف سا آیا پھر اپنے بڑے بال کٹنے کا دکھ بھی تھا۔اس نے انکار کر دیا۔

''نہیں ناہید باجی' میں بال نہیں کٹواؤں گی خرم کیا کہیں گے۔''

''لاحول ولاقوۃ۔وہ بے وقوف انسان بھلا کیا کہے گا۔تم خرم کا نام ہر بات میں مت لیا کرو منیرہ۔وہ کیا جانے آج کل کی تہذیب۔''

اتنے میں پھول بیگم بھی آ گئیں۔''سن رہی ہیں می یہ منیرہ بال اس وجہ سے نہیں کٹواتیں کہ انہیں ڈر ہے کہ ان کے شوہر نامدار ان سے ناراض ہو جائیں گے۔''

''لعنت ہے ایسے شوہر پر جو بات بات میں بیوی پر ناراض ہو!''...... پھول بیگم نے بے پروائی سے کہا۔

''انہوں نے کچھ نہیں کہا۔''منیرہ نے کہا۔''میں خود ہی سوچ رہی تھی کہ یہ اچھا نہیں ہوگا۔''

''ٹھیک ہے ناہید' رہنے دو ان کے گریجویٹ شوہر ان سے ناراض ہو جائیں گے!'' پھول بیگم نے طنزیہ کہا۔

منیرہ بے چاری دل ہی دل میں شرمندہ ہو گئی۔

کچھ روز اسی کشمکش میں گزر گئے...... بالآخر منیرہ کو ہار ماننا ہی پڑی...... ناہید نے بیوٹی پارلر لے جا کر اس کے خوبصورت بال کٹوا دیئے...... اس کے لباس میں بھی تبدیلی آ گئی تھی۔اب وہ چست لباس پہنتی تھی اور دوپٹہ رسی کی صورت میں گلے میں لٹکا رہتا تھا۔اس کا دل اندر ہی اندر خوف کھاتا تھا کہ خرم کو یہ باتیں ناپسند ہیں۔مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔مگر وہ اس ماحول کے سحر میں پھنس کر رہ گئی تھی اسی وجہ سے وہی کرتی تھی جو وہ لوگ چاہتے تھے۔

منیرہ نے خرم کو لکھ بھیجا تھا کہ میرا ارادہ لاہور رہ کر ایم ایس سی کرنے کا ہے آپ بھی ایم ایس سی میں نام لکھوالیں۔

مگر خرم اب بہت زیادہ ناراض ہو چکے تھے رخصتی کے انتظار میں پورے چار سال گزر چکے تھے انہوں نے بھی غصے میں لکھ دیا۔

''تم چاہے ایم ایس سی کرو یا پی ایچ ڈی۔ میں تم لوگوں کی مرضی پر نہیں چلوں گا۔''

خرم کو یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ منیرہ نے برقع اتار دیا ہے اور بال کٹوا لیے ہیں۔ یہ بات پھول بیگم نے اپنے خط میں بہت خوبصورتی سے لکھ بھیجی تھی تا کہ خرم کا دل منیرہ کی طرف سے برا ہو سکے...... ان کے خط کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ خرم نے منیرہ کو سخت قسم کا خط بھیجا۔ انہوں نے لکھا تھا۔

''تم نے میری اجازت کے بغیر برقع کیوں اتارا تمہیں بال کٹوانے کی اجازت کس نے دی۔ میں نے تم سے اس لیے شادی کی کہ تم پردہ دار تھیں اور شریف لڑکیوں کی طرح رہتی تھیں۔ مگر سنا ہے تم نے اپنے طور طریقے بدل دیئے ہیں۔''

خرم نے اور بھی بہت کچھ لکھا تھا۔ منیرہ خط پڑھ کر خوب روئی۔ ناہید نے خط چھین کر پڑھ لیا۔ ماں سے ایک کی اٹھارہ لگائیں۔ پھول بیگم کو بہانہ ہاتھ آ گیا۔ ایک لمبا چوڑا خط خرم کے خلاف منی بیگم کو لکھ مارا۔ اس کے علاوہ بھائی جان کو بھی صاف صاف لکھ دیا۔

''خرم فرسودہ خیالات کے ہیں۔ منیرہ گھر رہ کر ایم ایس سی ضرور کرے گی۔ خرم کو بھی سسرال والوں کی بات مان لینی چاہیے۔''

جمال صاحب غصہ ور انسان تھے۔ ان کے جو جی میں آیا انہوں نے پھول بیگم کو لکھ مارا۔ غرض یہ کہ چاروں طرف سے خطوط چلے اور آپس کے دل میلے ہو گئے۔

منیرہ کا نتیجہ نکل آیا۔ اس کی سیکنڈ ڈویژن تھی۔ فوری طور پر پھول بیگم نے یونیورسٹی میں داخلہ دلوا دیا۔ اور خرم کو داخلے کی اطلاع بھجوا دی۔

خرم نے اس سلسلے میں خاموشی اختیار کر لی۔ منیرہ کی روش سے انہیں صدمہ پہنچا تھا مگر منیرہ سے بے پناہ محبت کرتے تھے پھر یہ بھی سمجھتے تھے کہ یہ سب کچھ کیا دھرا پھول پھپھو کا تھا۔ اگر وہ چاہتیں تو بہت پہلے ان دونوں کی رخصتی ہو چکی ہوتی۔ لیکن انہوں نے دونوں گھرانوں میں اپنی حکمت عملی سے رنجش ڈلوا دی تھی۔ منی بیگم بھی کانوں کچی عورت تھیں۔

ان کی عقل پر پردے پڑ گئے تھے۔ پھول بیگم نے خرم کو ان کی نظروں سے گرا دیا تھا۔ خرم کو

جاہل کہنے والی پھول بیگم کو اپنی......خوبصورت بیٹی کے لیے کوئی قابل لڑکا نہ مل سکا تھا۔ کچھ دن قبل ناہید کی منگنی بی اے پاس معمولی سے لڑکے جاوید سے ہوگئی تھی۔ ناہید خوبصورت تھی پڑھی لکھی تھی اور اچھی سیرت کی لڑکی تھی۔ پھر بھی شادی کے معاملے میں وہ بہت کم نصیب تھی۔ دو بار اس کی اونچے گھرانوں میں نسبت ہوئی مگر ٹوٹ گئی تھی اس لیے اس نے کسی معمولی شریف نوجوان کا سہارا لینے کے لیے سوچ لیا تھا۔ خرم بھی اس کو رد کر چکے تھے۔ جاوید سے ان لوگوں کی دور کی رشتے داری تھی۔ جاوید بہت ہی معمولی صورت کا گریجویٹ لڑکا تھا۔ جس کے پاس نہ دولت تھی نہ صورت شکل۔ نہ ہی کوئی اونچا عہدہ......مگر ناہید نے اسے جان بوجھ کر پسند کر لیا تھا۔ شاید وہ اپنے آپ سے انتقام لینا چاہتی تھی۔ اس نے گھر میں اعلان کر دیا کہ اگر وہ شادی کرے گی تو جاوید سے ورنہ کسی سے بھی نہیں۔

پھول بیگم نے جب یہ سنا کہ ناہید، جاوید کو پسند کر چکی ہے تو انہوں نے قیامت برپا کر دی یہ ان کے لیے انتہائی شرم کی بات تھی کہ ان کا داماد اتنا معمولی ہو۔

مگر ناہید کی ضد اور دھمکی کے سامنے بے بس ہوگئیں۔ چنانچہ جاوید اور ناہید کی بات طے ہوگئی۔ کچھ دنوں بعد دونوں کا نکاح خاموشی سے ہوگیا۔

جب تک نکاح نہیں ہوا تھا جاوید بہت مسکین اور فرمانبردار بنا ہوا تھا۔ نکاح ہوتے ہی مرد بن گیا اور بغیر کسی تقریب کے رخصت کروا کر اپنے فلیٹ میں لے گیا۔ پھول بیگم اور قمر الحسن دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

ناہید اور جاوید اپنے چھوٹے سے گھر میں خوش تھے۔ وہ ایک اچھا شوہر تھا اور ناہید ایک گھر گرہست بیوی۔

وہ گھر کا سب کام کرتی تھی اور رات دن شوہر کی خدمت کرتی تھی۔

پھول بیگم اپنے ملنے والوں میں اس کی شادی کے لیے یوں کہا کرتی تھیں۔

''بھئی میں نے ناہید کے لیے کچھ نہیں دیکھا۔ گھر کا لڑکا تھا میں نے خاموشی سے نکاح کر دیا۔ مردوں کی صورت شکل کون دیکھتا ہے اور دولت کا کیا ہے آنی جانی چیز ہے......اب رہی تعلیم تو جاوید گریجویٹ ہے۔ اچھی جگہ ملازم ہے۔ بہت جلد ترقی کر جائے گا وغیرہ وغیرہ......''

وہ لوگوں کو یہی تاثر دیتی تھیں کہ ناہید کی یہ شادی ان کی عین مرضی و منشاء کے مطابق ہوئی ہے۔ حالانکہ دل ہی دل میں وہ اس کی شادی کے بہت خلاف تھیں مگر ہونے والی بات ہو چکی تھی

اس لیے اپنی چرب زبانی سے لوگوں کو مطمئن کرتی رہتی تھیں۔

لیکن خرم کے سلسلے میں ان کا وہی رویہ تھا اور منی بیگم نے کبھی یہ نہ سوچا تھا کہ آپا نے اپنے داماد کے لیے تو کچھ بھی نہ دیکھا اور خرم میں ہزار عیب نکالے جاتے ہیں۔ حالانکہ ناہید' منیرہ سے بہت بہتر تھی۔ یہ بات وہ بھی دل میں جانتی تھیں...... جاوید اور خرم کا اگر مقابلہ کیا جائے تو یقیناً خرم' جاوید سے بہتر تھا۔ مگر کانوں کے کچے یہ لوگ یہ سب باتیں نہیں سوچتے اور وہی سوچنے اور کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جو دوسرے وقتاً فوقتاً ان کے کانوں میں اُنڈیلتے رہتے ہیں۔

یہی حال منی بیگم کا تھا۔

بہت بار انہیں ناہید اور جاوید کا خیال آیا مگر وہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکیں۔

پھول بیگم نے اپنی چرب زبانی سے جاوید کو بہت اعلیٰ بنا دیا تھا۔ اور خرم کو اتنا ذلیل کر دیا تھا کہ منی بیگم اپنے فیصلے پر پچھتانے لگی تھیں۔

منیرہ اور خرم میں بھی اب خط و کتابت برائے نام تھی۔ ایک بار منیرہ نے سب کے بہکانے پر لکھ بھیجا تھا کہ: کہ آپ کو آگے ضرور پڑھنا چاہیے۔ آپ کی ڈھائی سو روپلی تنخواہ میں آج کل کچھ نہیں ہو سکتا۔ آپ ہمارے گھر آ جایئے۔ ہمارے گھر رہ کر بھی آگے پڑھ سکتے ہیں'۔

خرم نے غصے میں آ کر لکھ بھیجا تھا۔

''میں تمہارے گھر کبھی نہیں آؤں گا۔ ہر صورت میں تم ہی کو میرے گھر آنا ہو گا۔ اور ڈھائی سو کیا اگر میں سو روپے کماؤں تو بھی تمہیں اسی میں گزر کرنا ہو گا۔''

اس کے بعد سے منیرہ نے کوئی خط نہ بھیجا تھا اور نہ ہی پھر خرم نے کچھ لکھا۔

پھول بیگم کی خط و کتابت بہن اور بہنوئی سے برابر جاری تھی۔

ناہید تو اب اپنے گھر کی تھی۔ نوشین اور پھول بیگم نے منیرہ کو تمام فیشن سکھا دیئے تھے۔

جب سے منیرہ نے یونیورسٹی میں قدم رکھا تھا۔ اس کی زندگی یکسر بدل گئی تھی۔ اس نے اب تک ہمیشہ برقع میں رہ کر لڑکیوں کے ساتھ پڑھا تھا۔ یونیورسٹی پہنچی تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ یہاں زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ رواں دواں تھی۔ لڑکے اور لڑکیاں آزادی کے ساتھ گھوما کرتے تھے۔ ہر طرف جدید فیشن کا شو تھا۔ خوبصورت لباس' بالوں کے جدید اسٹائل اور زندگی سے بھرپور قہقہے عام تھے۔

ایک سے ایک اسمارٹ لڑکے' آزاد خیال' بے باک' ذہین' دولت مند۔

منیرہ حیرت سے اپنے چاروں طرف دیکھا کرتی۔ اکثر لڑکے اپنی لمبی لمبی کاروں میں یونیورسٹی آیا کرتے تھے۔ بہترین سوٹ پہنے، سگریٹ کے کش اڑاتے، ہنستے مسکراتے یہ لڑکے منیرہ کو بہت اچھے معلوم ہوتے۔

یہی حال بہت سی لڑکیوں کا تھا۔ سب ہی اسمارٹ اور آزاد خیال تھیں۔ یہاں آ کر اسے احساس ہوا کہ پھول خالہ نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا اچھا ہی کیا۔ اب وہ بھی دیکھنے میں کسی سے کم تر نہ تھی۔ وہ بھی فیشن ایبل لباس پہنتی تھی۔ اور اس کے بال بھی خوبصورت انداز میں کٹے ہوئے تھے۔ طبیعت میں ایک جھجک اب بھی موجود تھی جو رفتہ رفتہ اپنی کوششوں سے وہ دور کر رہی تھی۔

تقریباً دو ماہ تو منیرہ کی بوکھلاہٹ ہی میں گزر گئے۔ کبھی وہ باوقار اور قابل اساتذہ کو دیکھتی تو کبھی ہنستے مسکراتے اسمارٹ طالب علموں کو۔ سب اسے زندگی کا نیا پیغام دیتے محسوس ہوتے تھے۔

وہ انتہائی غیر محسوس طریقے سے ان سب لوگوں کا مقابلہ خرم سے کرتی تو اس کی طبیعت مکدر ہو جاتی۔

کہاں یہ زندگی یہ زندہ دلی اور کہاں ڈیرہ غازی خاں میں رہنے والا ایک اسکول ماسٹر اور اس کے فرسودہ خیالات۔

پھول خالہ بالکل ٹھیک کہتی ہیں۔ میرا گزارا خرم جیسے دقیانوسی انسان سے نہیں ہوسکتا...... اب یہ بات وہ اکثر سوچنے لگی تھی۔

اس نے مدت سے خرم کو کوئی خط نہ لکھا تھا اور نہ ہی ادھر سے خط آیا تھا۔ لیکن اسے خرم کے خط کا انتظار نہ تھا وہ اپنی نئی دنیا میں مگن ہوگئی تھی۔

کبھی کبھی وہ اپنی پچھلی زندگی کے متعلق سوچتی تو وہ سب کچھ ایک بھیانک خواب کی مانند نظر آتا۔ پھول خالہ نے اسے کتنی خوبصورت زندگی سے روشناس کرایا تھا۔ یہاں لڑکیاں بہت فخریہ انداز میں اپنے بوائے فرینڈز کا ذکر کرتی تھیں اور اس وقت اور شدید احساس کمتری کا شکار ہو جاتی۔ کیونکہ وہ خرم کی پابند تھی۔ اس کی شادی ہو چکی تھی اور وہ کسی کو کھلے دل سے اپنا دوست نہیں بنا سکتی تھی۔ اگرچہ یونیورسٹی میں اس نے یہ بات کسی کو نہیں بتائی تھی۔ پھر بھی دل میں تو تھی۔ اس کے تابناک مستقبل کے لیے خرم ایک بڑی رکاوٹ ثابت ہو رہے تھے۔

پھول خالہ کی مہم بدستور جاری تھی۔ مگر اب انہیں زیادہ کہنے سننے کی ضرورت نہ تھی۔ منیرہ ان

کی امیدوں سے بڑھ کر ان کی وفادار ثابت ہو رہی تھی۔ اور اب خرم سے تعلقات بہت کشیدہ تھے۔

نوشین کو میوزک سے بہت دلچسپی تھی۔ وہ بی اے کر کے تعلیم چھوڑ چکی تھی اور باقاعدہ میوزک سیکھنے جایا کرتی تھی۔ نوشین کی دیکھا دیکھی منیرہ کو بھی شوق ہوا مگر یونیورسٹی مصروفیات کی وجہ سے یہ شوق نہیں پورا کر سکتی تھی۔ چنانچہ اس نے نوشین سے طے کر لیا تھا کہ جب بھی چھٹیاں ہوا کریں گی وہ میوزک کلاسز اٹینڈ کرنے جایا کرے گی۔ جب بھی وہ گزرے ہوئے ایام پر نظر دوڑاتی تو ماضی کے دھندلکوں میں کہیں سے ایک روشن روشن چہرہ اچانک نمودار ہو جاتا جو اس سے کہتا۔

''اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پسند کر کے جو چیز حاصل کی جاتی ہے پھر وقت گزرنے کے ساتھ جب پسند بدل جاتی ہے وہ چیز بھی نظروں سے اتر جاتی ہے......''

تو وہ بہت پریشان ہو جاتی...... یہ چہرہ...... یہ آواز فخری کی تھی جس نے بہت پہلے جب وہ خرم سے نکاح کر کے آئی تھی۔ اس قسم کی باتیں کی تھیں...... اس نے کہا تھا کہ ممکن ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خیالات میں تبدیلی آ جائے اور تب اس نے فخری کی بات کا بہت برا مانا تھا مگر فخری بہت دور اندیش تھی۔

بڑے پتے کی باتیں کرتی تھی۔

کبھی کبھی اسے فخری بہت زیادہ یاد آتی تھی۔

فخری سے ملے ہوئے ایک مدت گزر گئی تھی۔ دونوں سہیلیوں میں کوئی رابطہ نہ تھا۔ تھرڈ ائیر کے بعد سے اس کی ملاقات فخری سے نہ ہوئی تھی۔ اس کے بعد منیرہ کے والد کا ٹرانسفر ہونا، پھر منیرہ کا ہوسٹل میں رہنا اور اس کے فوراً بعد ہی لاہور چلے آنا...... ان تمام واقعات کے پس منظر میں فخری کہیں گم ہو گئی تھی۔ منیرہ کو اس کے متعلق کوئی علم نہ تھا۔ وہ کس حال میں ہے۔ نہ ہی ان دونوں کے پاس ایک دوسرے کا پتہ تھا۔ منیرہ نے کبھی فخری کا پوسٹل ایڈریس نہ لیا تھا۔ ویسے بھی فخری ایک بھولی بسری کہانی بن چکی تھی۔ اس وجہ سے منیرہ کو کچھ زیادہ اس کی چاہ بھی نہ تھی۔ وہ تو کبھی کبھار ماضی کی باتیں دل پر نشتر چبھوتیں تو خود بخود فخری کا خیال آ جاتا۔

کسی زمانے میں اسے فخری بہت زیادہ پسند ہوا کرتی تھی اور ایک دن بھی فخری کے بغیر گزارنا اس کے لیے دشوار ہوتا تھا مگر اب...... حالات اور وقت کتنے بدل گئے تھے۔ اب تو فخری کا محض خیال باقی رہ گیا تھا اور نہ اس سے ملنے کی کوئی خواہش اس کے دل میں موجود نہ تھی۔

منیرہ کو تو یہ بھی یاد نہ تھا کہ کبھی اس نے فخری کو اپنی دوست اور بہن بھی کہا تھا۔ اب تو صرف

ایک بازگشت تھی جو کبھی کبھی ذہن کے پردے پر ابھر آیا کرتی تھی۔

منیرہ کی بہت سی نئی سہیلیاں بن گئی تھیں یہ تو اس کی پہلے بھی فطرت تھی۔ کالج کے زمانے میں اس کی بے شمار سہیلیاں تھیں۔ جب تک کراچی رہی وہ فخری سے تھوڑی بہت دوستی نبھاتی رہی مگر اب تعلق ٹوٹ چکا تھا...... یونیورسٹی میں اس کی بہت سی لڑکیوں اور لڑکوں سے دوستی ہو گئی تھی۔ خالہ کے گھر کا ماحول آزاد تھا اس کے اوپر کسی قسم کی روک ٹوک یا پابندی نہ تھی۔ لڑکے لڑکیاں آزادی سے اس کے گھر آتے جاتے تھے اور وہ خود بھی سب کے گھر بے تکلف جایا کرتی تھی۔

پھول خالہ منیرہ سے بہت خوش تھیں' ان کا کہنا تھا کہ منیرہ کے اندر بے پناہ صلاحیتیں ہیں۔ اس نے بہت جلد اپنے آپ کو ان کے ماحول میں فٹ کر لیا تھا۔ منیرہ اپنی تعلیمی مصروفیات کی کہانی اکثر و بیشتر ماں باپ کو لکھ بھیجا کرتی تھی اور ماں باپ بھی اس بات سے خوش تھے کہ ان کی بیٹی خالہ کے گھر خوش ہے اور اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہے۔

اصغر علی نے ایم اے میں تیسری پوزیشن لی تھی اور نتیجہ آنے سے قبل ہی اسے ایک پرائیوٹ کالج میں لکچرر شپ مل گئی تھی اگرچہ کمپنی میں اس کی تنخواہ بڑھ چکی تھی مگر پھر بھی اصغر علی نے وہ سروس چھوڑ کر کالج جوائن کر لیا...... اصغر علی کو تعلیمی کیریر بنانا تھا۔ اس کے سامنے اب ایک واضح مقصد حیات تھا۔ فرح کے بتائے ہوں راستے پر وہ بڑی کامیابی کے ساتھ منزل بہ منزل گامزن تھا۔ وہ کوشش میں تھا کہ یونیورسٹی میں جاب مل جائے مگر فوری طور پر کامیابی نہ ہوئی تھی۔

فخری بھی اب میڈیکل کے تیسرے سال میں تھی اور ریحانہ نویں کلاس میں آ گئی تھی۔ دُرّی بھی ثریا جبیں کے اسکول میں پڑھ رہی تھی اور وہاں بہت خوش تھی۔

فخری کے گھریلو حالات اب بہت بہتر تھے۔ وہ بظاہر بہت مطمئن رہتی تھی۔ مگر اندرونی طور پر حد سے زیادہ مضطرب رہتی۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا منصور کی محبت اس کے دل میں گہری ہوتی جا رہی تھی۔

منصور سے اپنی آخری ملاقات وہ بھولی نہ تھی۔ ان کے وہ الفاظ جو انہوں نے اس کے لیے کہے تھے اسے زبانی یاد تھے۔ انہوں نے کہا تھا۔ ''میں آپ کو یاد رکھوں گا آپ بہت اچھی لڑکی ہیں میں دل سے آپ کی قدر کرتا ہوں۔ شاید آپ یقین نہ کریں اپنی زندگی میں بے شمار لڑکیوں سے ملا ہوں پاکستان میں اور باہر بھی مگر میں نے آپ جیسی کوئی لڑکی نہیں دیکھی۔''

یہ وہ الفاظ تھے جو وہ ان گنت بار دہرا چکی تھی۔ اسے رہ رہ کر اپنے اوپر غصہ آتا تھا۔ جس

وقت منصور نے یہ الفاظ کہے تھے کاش اس نے خود کو منصور پر ظاہر کر دیا ہوتا انہیں بتا دیا ہوتا میں آپ ہی کی فاخرہ ہوں۔ اگر وہ انہیں سب کچھ بتا دیتی تو کیا ان کے دل سے وہ اس قدر پسندیدگی اور احترام کے جذبات ختم ہو جاتے؟ نہیں شاید ایسا نہ ہوتا۔

وہ جس قدر سوچتی تھی اتنا ہی پچھتاتی تھی۔

مگر اب پچھتاوا بے سود تھا۔ اب وقت گزر چکا تھا۔ منصور سے ملاقات کی کوئی امید نہ تھی مگر وہ بہت کوشش کے باوجود منصور کو اپنے دل سے نہ نکال سکی۔

منصور کا خوبصورت چہرہ اور دل موہ لینے والی مسکراہٹ اس کے صبر کا امتحان لے رہے تھے۔ اور وہ بے بس تھی۔ اپنے دل کی بات کس سے کہتی؟

کس کو اپنا ہمراز بناتی؟

وہ اصغر علی سے بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر بھائی کے سامنے زبان کھولتے ہچکچاتی تھی مگر اب اس کی بے تابیاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ اسے ڈر تھا کہیں ایسا نہ ہو منصور اس کے وجود سے بے خبر رہ کر کسی اور جگہ آشیانہ بنا لیں۔ چنانچہ اس نے فرح کو ہمراز بنانا ضروری خیال کیا۔ ”فرح میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔“

”کہو میں سننے کو تیار ہوں۔“

”فرح پلیز وعدہ کرو تم میری بات کو غور سے سن کر میری مدد کرو گی۔“

”فخری مجھ سے بات کرتے ہوئے تمہیں کسی وعدے کی ضرورت پیش نہیں آنی چاہیے میں تمہاری دوست ہی نہیں بہن بھی ہوں۔“

”فرح میں چاہتی ہوں کہ تم میرے سلسلے میں چھوٹے بھیا سے بات کرو۔“

”کس سلسلے میں؟“

”منصور کے سلسلے میں۔“

”فخری جو کچھ تمہارے دل میں ہے کھل کر بتا دو تمہاری طرف سے ہر بات کرنے کو تیار ہوں۔“

”فرح میں چاہتی ہوں کہ منصور کو اس بات کا علم ہو جائے کہ ان کی فاخرہ میڈیکل کالج میں پڑھ رہی ہے اور چھوٹے بھیا اب لیکچرر بن چکے ہیں ممکن ہے ہم لوگوں کے حالات سن کر چھوٹی خالہ کو پرانی بات یاد آ جائے اور منصور بھی اپنے دل سے فاخرہ کی نفرت نکال سکیں۔“

”مجھے اندازہ تھا کہ تم منصور کو بھولی نہیں ہو۔“ فرح نے کہا۔ ”ویسے تمہارا خیال بھی درست ہی ہے اگر منصور کے گھر والوں کو لکھ کر صاف صاف بتا دیا جائے تو کوئی واضح صورت سامنے آ سکتی ہے۔“

”لیکن یہ بات میں بھیا سے کیسے کہہ سکتی ہوں۔“

”میں کرلوں گی بات‘ تم اس کی فکر نہ کرو۔“ فرح نے کہا۔

”مگر مجھے ان لوگوں کی طرف سے کسی مثبت رویے کی امید نہیں۔“

”لیکن تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو فرح۔ آخران لوگوں نے اب تک یہ بندھن ختم کیوں نہ کیا کوئی وجہ تو ہو گی۔“

”کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہو گی۔ میں کیا سمجھ سکتی ہوں مگر مجھے ڈر ہے فخری کہ تمہارے چھوٹے بھیا کا خط ان لوگوں کے لیے یہ بندھن توڑنے کا بہانہ نہ بن جائے۔“

”نہیں فرح ایسا مت کہو۔ اگر ایسا ہوا تو میرے لیے بہت برا ہو گا۔“

فخری ایک دم پریشان ہو گئی۔

”فخری تمہیں ہر قسم کے حالات کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ویسے میں تمہارے بھیا سے اس سلسلے میں بات کرنے کو تیار ہوں۔“

”پھر کب کرو گی بات؟“

”دو ایک روز میں تمہارے گھر آؤں گی وہیں بات ہو جائے گی یا پھر تمہارے بھیا کو ٹیلی فون کر کے اپنے گھر بلا لوں گی۔“

”ہاں یہ دوسری صورت ٹھیک ہے۔ میرے گھر میں میرے سامنے کیسے بات ہو سکے گی۔“

”پاگل ہو تم تو‘ ایسی کون سی لمبی چوڑی بات ہے ہر جگہ کی جا سکتی ہے میرے گھر میں بھی اور تمہارے گھر میں بھی۔“

”نہیں۔ تم بھیا کو اپنے گھر بلا لینا۔“

”اچھا بابا ایسا ہی کروں گی۔“ فرح نے کہا۔ ”اب چلو ڈاکٹر صفدر کے پاس۔ انہوں نے کچھ کتابیں دی تھیں وہ واپس کرنی ہیں اور دوسری کتابیں لینی ہیں۔“

ڈاکٹر صفدر کے نام پر فخری چونک سی گئی۔

کتنی مدت ہو گئی تھی ان دونوں نے آپس میں کوئی خاص بات نہ کی تھی۔ جس روز سے انہیں

پتہ چلا تھا کہ فخری شادی شدہ ہے اور منصور سے محبت کرتی ہے۔ انہوں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ اپنے کسی انداز سے انہوں نے فخری کے لیے وارفتگی کا اظہار نہ کیا تھا مگر ان کی خاموشی زبان بن گئی تھی۔ ان کی غیر معمولی سنجیدگی اور گمبھیرتا نے انہیں کچھ سے کچھ بنا دیا تھا۔ وہ پہلے سے بہت زیادہ تبدیل ہو گئے تھے۔ فخری سے اب بھی بات کرتے تھے مگر بہت محتاط انداز میں۔ اور وہ ان کے اس حد تک محتاط رویے سے سہمی سہمی سی رہا کرتی تھی۔ ان کی زبان خاموش تھی مگر آنکھیں ہر وقت سوال کرتی تھیں۔

فخری ان کی آنکھوں کی زبان سمجھتی تھی۔

ان کی بلندی کی دل سے قائل تھی۔

ان کی محبت پر دل سے یقین رکھتی تھی۔

مگر وہ ڈاکٹر صفدر کو اپنی رفاقت دینے سے قاصر تھی۔ اس کا ذہن اسیر تھا۔

وہ مجبور تھی۔

وہ منصور کے علاوہ کسی اور کے متعلق سوچ ہی نہ سکتی تھی۔

فرح نے ڈاکٹر صفدر کے پاس چلنے کو کہا تو وہ چونک سی گئی۔

''کیوں کیا سوچنے لگیں؟ چلو گی نہیں۔''

''چلو چلتے ہیں۔'' فخری نے کہا۔

دونوں ڈاکٹر صفدر کے کمرے کی طرف روانہ ہو گئیں۔

اصغر علی تھرڈ ائیر کی کلاس لے کر نکلے ہی تھے کہ چپراسی نے آ کر کہا۔

''سر آپ کا ٹیلی فون آیا ہے۔''

''میرا فون؟''

''جی ہاں۔''

اصغر علی کو تعجب ہوا بھلا اس وقت ان کا ٹیلی فون کہاں سے آ سکتا ہے۔

''ہیلو اصغر علی اسپیکنگ۔''

''اسلام و علیکم اصغر صاحب۔ میں فرح بول رہی ہوں۔''

فرح کی آواز سن کر اصغر علی کا دل دھڑک اٹھا۔

''اچھا مس فرح۔ کہیے مزاج بخیر۔ کیسے تکلیف کی؟''

''مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی اگر کچھ دیر کے لیے کالج سے واپسی پر میرے گھر آ سکیں تو......''

''آج آپ کالج نہیں گئیں؟''

''گئی تھی۔ ابھی آئی ہوں۔ آتے ہی اس لیے فون کیا کہ کہیں آپ گھر واپس نہ چلے جائیں۔''

''کوئی بہت ضروری بات ہے؟''

''جی ہاں ضروری ہی سمجھیے۔ پھر آ رہے ہیں نا؟''

''جی ہاں ضرور آؤں گا انشاء اللہ۔''

''کس وقت؟''

''شام کو پانچ بجے کے قریب آؤں گا۔''

''میں آپ کا انتظار کروں گی۔''

''خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔''

اصغر علی نے ٹیلی فون رکھ دیا۔ ان کا دل انجانی مسرت سے دھڑک رہا تھا۔ آج فرح نے انہیں فون کیا تھا۔ فرح جسے وہ چپ چاپ پسند کرتے آئے تھے۔ ایسی پسند جس کی نوعیت کا انہیں خود بھی علم نہ تھا۔ وہ فرح کی عزت کرتے تھے۔ بہت زیادہ۔

اس سے زیادہ انہوں نے اور کچھ نہ سوچا تھا۔

سوچ ہی نہ سکتے تھے۔

اور آج فرح نے انہیں اپنے گھر بلایا تھا۔

یہ ان کی خوش نصیبی تھی۔

اس وقت کالج میں ان کا کوئی پیریڈ نہ تھا۔ ابھی دن کا ایک بجا تھا۔ وہ گھر چلے گئے۔ شام کو بھائی کو تیار ہوتا دیکھ کر فخری نے پوچھا۔ ''کہاں جا رہے ہیں بھیا۔''

''ایک دوست کے گھر جا رہا ہوں۔ ایک دو گھنٹہ میں واپس آ جاؤں گا۔''

اصغر علی نے جان بوجھ کر فرح کا نام نہ لیا دراصل وہ پہلے بات کی نوعیت جاننا چاہ رہے تھے ورنہ فخری سے کوئی بات چھپانے کا سوال ہی نہ تھا۔

اچھی طرح ڈریس اپ ہونے کے بعد اصغر علی، فرح کے گھر جا پہنچے۔ اس وقت گھڑی ٹھیک پانچ بجا رہی تھی۔

فرح ان کی منتظر تھی۔

فرح نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔

کچھ رسمی سی بات چیت کے بعد اصغر علی نے پوچھا۔ ''آپ کو کوئی ضروری بات کرنی تھی شاید؟''

فرح سنجیدہ ہو گئی پھر بولی۔ ''دراصل میں فخری اور منصور کے متعلق آپ سے بات کرنا چاہتی تھی۔''

اصغر علی سوالیہ نظروں سے فرح کی طرف دیکھنے لگے۔

''اصغر صاحب آپ سے کوئی بات پوشیدہ رکھنا مناسب نہیں۔ ویسے آپ خود بھی جانتے ہوں گے فخری، منصور کو اب بھی پسند کرتی ہے اور وہ ایسا کرنے میں حق بجانب بھی ہے۔ ظاہر ہے

بچپن سے وہ دونوں نکاح کے بندھن میں بندھے ہوئے ہیں۔ لیکن اس بات کو اب بہت مدت گزر گئی ہے۔ میرا خیال ہے اس واقعہ کا کوئی اینڈ پوائنٹ (End Point) ضرور ہونا چاہیے۔''

''آپ سے فخری نے کہا ہوگا؟''

''جی ہاں فخری کی یہی مرضی ہے کہ ان لوگوں کو بتا دیا جائے کہ تعلیم ختم کر کے کالج میں پڑھا رہے ہیں اور فخری میڈیکل کر رہی ہے اور پھر رخصتی کے بارے میں ان لوگوں کا خیال معلوم کیا جائے۔''

اصغر علی کچھ دیر کے لیے سوچ میں ڈوبے رہے پھر بولے ''مس فرح کیا آپ سمجھتی ہیں کہ ان لوگوں کو ان باتوں کا علم نہ ہوگا؟ اگر ہم لوگوں سے متعلق ہر بری بات ان تک پہنچ سکتی ہے تو یہ بات انہیں اچھی طرح معلوم ہوگی کہ ہمارے موجودہ حالات کیا ہیں؟''

''جی ہاں آپ بھی ٹھیک ہی کہتے ہیں انہیں یقیناً سب کچھ معلوم ہوگا۔''

''پھر بھی وہ لوگ خاموش ہیں۔'' اصغر علی نے کہا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ وہ فخری کے متعلق سوچنا ہی نہیں چاہتے۔''

''پھر بھی لکھ کر پوچھ لینے میں کیا حرج ہے۔''

''میں فخری کا بھائی ہوں فرح' اپنی طرف سے الٹی پیش کش کس طرح کر سکتا ہوں اور اگر انہوں نے کوئی الٹا سیدھا جواب دے دیا تو......؟''

''لیکن فخری کو مطمئن کرنا بھی ضروری ہے آخر اس طرح کب تک وہ درمیان میں لٹکی رہے گی۔''

''مجھے اندازہ ہے کہ فخری منصور سے علیحدہ ہونا نہیں چاہتی اس کے دل کی بات میں سمجھتا ہوں۔ مگر مجھے ڈر ہے کہ میرا خط ملتے ہی وہ لوگ اس معاملے کو ختم نہ کر دیں۔ اور اس بات کا اثر فخری کے اوپر شدید بھی ہو سکتا ہے میں چاہتا تھا کہ جب فخری پڑھ رہی ہے ہمیں اپنی جانب سے خاموش رہنا چاہیے؟''

''اس کے بعد کیا ہوگا؟''

''جب فخری ڈاکٹر بن جائے گی اور عملی زندگی میں داخل ہو جائے گی تو پھر وہ خود مختار ہوگی جو دل چاہے کرے۔ منصور سے ایسے ہی بات ہو سکتی ہے جب فخری اس پوزیشن میں ہو کہ اس کی رُخصتی کی جا سکے ڈاکٹر بن جانے کے بعد اپنے متعلق بہتر طور پر سوچ سکے گی۔''

"لیکن ڈاکٹر بننے میں ابھی ایک زمانہ پڑا ہے یہ مدت بہت زیادہ ہے اس دوران بھی تو منصور کہیں اور شادی کر کے یہ رشتہ ختم کر سکتے ہیں۔"

"اگر وہ رشتہ ختم ہی کرنا چاہتے ہیں تو انہیں ایسا کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ ایسا ہی کریں گے۔ جب تک منصور بھائی کی کہیں شادی نہیں ہو جاتی' وہ لوگ خاموش ہیں جوں ہی کہیں بات طے ہوگی وہ ادھر جواب دے دیں گے۔ اگر منصور بھائی کی شادی......" اچانک اصغر علی رک گئے۔

"ہاں ہاں کہیے آپ کیا کہہ رہے تھے؟" فرح نے کہا۔

"مگر منصور بھائی کی شادی آپ سے ہوگئی ہوتی تو ظاہر ہے فخری کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا ہوتا یہ محض اتفاق ہے کہ وہ بات ختم ہوگئی اور فخری امید و بیم کی کیفیت میں لٹکی ہوئی ہے لیکن منصور بھائی کے گھر والے کسی اور جگہ لڑکی تلاش کر رہے ہوں گے۔"

اصغر علی نے یہ باتیں نگاہیں نیچی کر کے کہیں۔

فرح خاموشی سے سنتی رہی۔ اس کے دل میں اب منصور کا ذرا سا بھی خیال نہ تھا۔

"خدا کو میری بہتری منظور تھی اسی لیے مجھے بروقت حالات کا پتہ چل گیا ورنہ جانے میرا کیا حشر ہوتا۔" فرح نے آہستہ سے کہا۔

"فخری کو بہت سمجھا چکا ہوں مگر نہ جانے اس کے دماغ سے منصور کا خیال کیوں نہیں نکلتا۔" اصغر علی نے کہا۔

"فخری بہت جذباتی لڑکی ہے اس نے اس بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے۔"

"آپ بھی تو اسے سمجھا سکتی ہیں۔"

"جب تک وہ منصور کے نکاح میں ہے اس سے کوئی بات کرنا فضول ہے۔" فرح نے کہا۔

"آپ کا کیا خیال ہے مجھے اس سلسلے میں خط لکھنا چاہیے؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں آپ خود بہتر طور پر سوچ سکتے ہیں۔"

"نہیں آپ کی رائے بہت مناسب ہوتی ہے۔ میرے سلسلے میں آپ نے جو کچھ مشورہ دیا تھا وہ بہت مناسب تھا۔ دیکھئے آج میں باعزت طور پر کالج میں پڑھا رہا ہوں۔"

"خدا کرے یونیورسٹی میں جاب مل جائے۔" فرح نے کہا۔

"کوشش جاری ہے۔ امید ہے چھ ماہ میں وہاں جگہ خالی ہوگی تب شاید میرا اپائنٹمنٹ

ہو جائے بس آپ دعا کرتی رہیے۔"

"میں تو ہر نماز کے بعد آپ کے لیے دعا کرتی ہوں۔" فرح کے منہ سے دل کی بات نکل گئی۔

اصغر علی مسکرانے لگے۔ "آپ ہی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے جو آج میں اس پوزیشن میں ہوں۔"

"یہ سب آپ کی کوششوں اور ذہانت کا ثمرہ ہے جو آپ کو مل رہا ہے۔"

"نہیں فرح میں دعاؤں پر بہت زیادہ یقین رکھتا ہوں۔ اگر کسی کی پرخلوص دعائیں شامل ہوں تو انسان بڑی جلدی مقصد کے حصول میں کامیاب ہو جاتا ہے۔"

"اگر ایسا ہے تو یقین کیجیے میری پرخلوص دعائیں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہیں گی۔"

"اور میں ہمیشہ آپ کی دعاؤں کا شکر گزار رہوں گا۔"

آج پہلا موقع تھا جو دونوں نے محتاط انداز میں ایک دوسرے کے لیے تعریفی جملے کہے تھے۔ اصغر علی تو ہمیشہ سے فرح کو پسند کرتے تھے مگر فرح کے دل میں کیا تھا۔ یہ جاننا بہت دشوار تھا تاہم اصغر علی کو اتنا اندازہ تھا کہ فرح انہیں ناپسند نہیں کرتی بلکہ ان کی بہت زیادہ عزت کرتی ہے۔

تھوڑی دیر میں چائے اور مختلف لوازمات آ گئے۔ فرح کی امی بھی آ گئیں۔ وہ اصغر علی سے اچھی طرح واقف تھیں۔ فرح کی زبانی انہیں ان لوگوں کے سب حالات معلوم تھے۔ وہ اصغر علی جیسے شریف اور ذہین نوجوان کی دل سے...... قدر کرتی تھیں۔ بہت دیر تک وہ اصغر علی سے باتیں کرتی رہیں اور اصرار کر کے بہت کچھ کھلاتی رہیں۔ اصغر علی کو یہاں آئے ایک گھنٹے سے زیادہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے گھڑی دیکھی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"پھر آپ نے فخری کے معاملے میں کیا سوچا؟" فرح نے انہیں رخصت کرتے ہوئے آخری سوال کیا۔

"آپ مطمئن رہیے میں اس سلسلے میں سوچ سمجھ کر کوئی نہ کوئی مناسب قدم جلدی ہی اٹھاؤں گا۔"

"اچھا خدا حافظ!" فرح نے کہا۔

"خدا حافظ!" اصغر علی نے اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ اور ذرا سی دیر میں...... گیٹ سے نکل کر فرح کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

منصور کو لندن سے واپس آئے ہوئے ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ ملنے ملانے والوں کا متواتر سلسلہ چل رہا تھا۔ کبھی منصور کے دوست آ جاتے کبھی خود منصور کہیں نکل جاتے۔ اس وقت بھی منصور کہیں جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ شکیلہ بیگم نے بیٹے کا پکار کر کہا۔ ''منصور اس وقت کہاں جا رہے ہو؟''

''امی میں اپنے دوست وقار کے گھر جا رہا ہوں اس نے مجھے فون کر کے بلایا ہے۔''

''بیٹا تمہیں آئے ہوئے اتنے دن ہو گئے اب تک تم اپنے انکل اور پھول آنٹی کے گھر ملنے نہیں گئے۔ نوشین کا دو بار فون آ چکا ہے وہ تمہیں پوچھ رہی تھیں۔''

''امی مجھے بالکل خیال نہیں رہا۔ میں آج ہی وقت نکال کر ان لوگوں سے ملنے جاؤں گا۔'' منصور نے کہا۔ ''ناہید کی تو شادی ہو گئی تھی وہ اپنے گھر میں ہوں گی۔ امی، جاوید بھائی کیسے ہیں تو پوچھنا ہی بھول گیا۔''

''ارے تمہیں اپنے دوستوں کے سوا کچھ یاد بھی ہے۔'' امی نے کہا۔ ''ناہید اپنے گھر میں ہے۔ جاوید لڑکا تو اچھا ہے مگر ناہید کے جوڑ کا نہیں۔ تم خود مل لینا۔''

''ارے تو کیا ناہید خوش ہیں نا؟''

''خوش کیوں نہ ہوتی خود اپنی پسند سے شادی کی ہے۔''

''پھر کیا ہے امی جب دونوں خوش ہیں تو ٹھیک ہے۔''

''ہاں مگر لڑکی اور لڑکے کا کچھ تو جوڑ ہونا ہی چاہیے۔ جاوید لاکھ اچھا سہی نہ صورت شکل، نہ کوئی اعلیٰ ڈگری، نہ اونچا عہدہ نہ دھن دولت، نہ جانے ناہید کو کیا نظر آیا اس لڑکے میں جو پھول بیگم نے چٹ منگنی پٹ بیاہ کر دیا لڑکی کا۔''

''ٹھیک ہے دولہا میاں تمام عمر پاؤں دھو دھو کر پئیں گے ناہید کے۔ اتنی خوبصورت بیوی قسمت والوں کو ملتی ہے۔'' منصور نے ہنس کر کہا۔

''اے ہاں سب ہی قسمت والے ہیں۔'' امی نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا ''ایک تم ہی ہو بدھو کے اگر تم یہاں ہوتے تو پھول بیگم کی دونوں لڑکیوں سے کسی ایک سے تو تمہاری شادی ہو ہی سکتی تھی۔ ناہید کی شادی ہو گئی اور نوشین کی بھی بات طے سمجھو پچھلے ہفتے فون پر بات ہوئی تھی۔'' پھول بیگم بتا رہی تھیں۔

''افوہ امی اس میں اتنے افسوس کی کیا بات ہے۔ کیا لڑکیوں کی کمی ہے دنیا میں۔ ناہید یا

نوشین نہ سہی کوئی اور سہی۔ ویسے میں تو ان سے دو ایک بار ملا تھا پھر میں لندن چلا گیا۔ مجھے تو اس طرف کا خیال بھی نہ تھا۔''

''تم تو اب تک فرح کے خیال میں بیٹھے ہو گے بیوقوف کہیں گے۔''

''امی آپ سے یہ کس نے کہہ دیا۔ میں فرح کو بھول بھی چکا۔''

''پھر کیا سوچا ہے اپنے متعلق؟''

''امی اتنی جلدی کیا ہے سوچ لیں گے۔''

''آج کل تمہاری پھول آنٹی کے گھر ان کی بہن کی لڑکی منیرہ آئی ہوئی ہے کراچی سے یہیں رہ کر ایم ایس سی کر رہی ہے۔ مجھے تو بہت پسند آئی تم بھی دیکھ لو اگر تمہیں پسند ہو تو یہاں بات طے کی جا سکتی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو یہ لڑکی بھی ہاتھ سے نکل جائے۔''

''امی پلیز اس وقت تو میں اپنے دوست کے گھر جا رہا ہوں واپسی میں اگر وقت ملا تو دیکھا جائے گا۔''

''منصور تم اس معاملے کو سنجیدگی سے لو آخر تمہیں گھر بسانا ہے کہ نہیں۔'' امی نے ڈانٹ کر کہا۔

''میرا گھر تو بسا بسایا ہے۔'' منصور نے ہنس کر کہا۔ ''آپ نے اپنی بہن کی بیٹی باندھی تو ہے مجھ سے، پھر لے آیئے رخصت کر کے۔''

''وہ وقت اور تھا۔ اور اب حالات دوسرے ہیں۔ کبھی اپنے ابا کے سامنے مذاق میں بھی مت کہہ دینا۔ وہ بہت سخت برا مان جائیں گے۔''

''میرے خیال میں اس نکاح میں ابا کی مرضی کو زیادہ دخل تھا۔''

''خیر چھوڑو اب کیا گڑے مردے اکھیڑنے بیٹھ گئے اس وقت فاخرہ بے چاری کا کیا ذکر۔ تمہارے باپ کبھی یہ برداشت نہ کریں گے۔''

''تو پھر یہ قصہ ختم کیوں نہیں کر دیتے آپ لوگ، میں بھی تنگ آ گیا ہوں روز روز کے قصوں سے۔''

''منصور یہ کام اتنا آسان نہیں۔'' ماں نے کہا۔ ''تمہارے ابا کہتے ہیں اگر تم نے طلاق دی تو تمہیں فاخرہ کا مہر ادا کرنا ہو گا۔ ابرار بھائی مرحوم نے لڑکی کا مہر پورے ایک لاکھ بندھوایا تھا۔ یہ کوئی معمولی رقم نہیں۔''

''تو پھر آپ کیا کریں گی؟'' منصور نے الجھ کر کہا۔

''دراصل تمہارے ابا یہ چاہتے ہیں کہ وہ لوگ عاجز آ کر خود ہی خلع لے لیں۔ اس طرح مہر معاف ہو جائے گا۔''

''خیر آپ لوگ جو چاہے کریں میں تو جا رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر منصور گاڑی میں بیٹھ کر اپنے دوست کے گھر روانہ ہو گئے۔ دوپہر کا کھانا دوست کے گھر تھا۔ شام تک منصور، وقار کے گھر رہے پھر انہیں پھول آنٹی کے گھر جانے کا خیال آیا تو اٹھ کھڑے ہوئے۔

''ابھی بیٹھو یار اتنی جلدی کیا ہے۔'' وقار نے کہا۔

''نہیں دوست مجھے ایک جگہ ملنے جانا ہے۔''

''کس کے گھر؟''

''قمر الحسن مجسٹریٹ ہیں۔ ابھی کچھ ہی عرصہ قبل کوئٹہ سے تبدیل ہو کر آئے ہیں۔ میری امی کی اور ان کی بیوی کی ایک تقریب میں ملاقات ہوئی تب سے دونوں میں دوستی ہو گئی۔ بس وہیں جانے کا پروگرام ہے۔''

''وہاں جانے کے لیے بہت بے چین نظر آ رہے ہو کیا بات ہے کسی خوبصورت لڑکی وڑکی کا چکر تو نہیں۔''

''نہیں یار امی نے بہت تاکید سے کہا تھا اس لیے جانا ضروری ہے۔ ان کی دو ہی لڑکیاں ہیں بڑی کی شادی ہو چکی اور چھوٹی کی طے ہو چکی ہے۔''

''افسوس صد افسوس۔'' وقار نے کہا۔ ''خیر جاؤ شاید کوئی دوسری سبیل پیدا ہو جائے۔''

دونوں دوستوں نے ہنستے ہوئے ہاتھ ملایا۔ منصور پھول آنٹی کے گھر روانہ ہو گئے۔

جوں ہی منصور کی گاڑی قمر الحسن کے گھر پہنچی، چوکیدار نے جلدی سے گیٹ کھولا۔ منصور گاڑی کا دروازہ بند کر کے چوکیدار سے بولے۔ ''اندر میرے آنے کی اطلاع کر دو۔''

''جی اس وقت تو صاحب، بیگم صاحبہ اور نوشین بی بی ایک جگہ گئے ہوئے ہیں۔''

''گھر میں کوئی نہیں ہے؟''

''منیرہ بی بی ہیں۔''

''کون منیرہ؟''

''کراچی سے آئی ہوئی ہیں۔ یہیں رہتی ہیں انہیں اطلاع کیے دیتا ہوں آپ ڈرائنگ روم

میں بیٹھئے۔''

منصور کی امی نے منیرہ کے متعلق پہلے ہی بتا دیا تھا۔اچانک منیرہ کی موجودگی کا سن کر اس سے مل لینے کا اشتیاق ہوا۔منصور ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے اور ملازم منیرہ کو اطلاع دینے چلا گیا۔

''بی بی منصور صاحب آئے ہیں۔ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے آپ مل لیجیے۔''

''یہ کون صاحب ہیں؟''

''بیگم صاحبہ کی دوست کے بیٹے ہیں بہت دن بعد آئے ہیں۔''

''اچھا تم جاؤ میں ابھی چلی جاؤں گی۔''

ملازم چلا گیا۔

منیرہ اب اس زندگی کی عادی ہو چکی تھی۔مختلف قسم کے لوگوں سے ملنا جلنا کوئی نئی بات نہ تھی۔پھول خالہ کے بے شمار ملنے والے تھے اکثر یہی ہوتا تھا کہ پھول خالہ وغیرہ کہیں نہ کہیں گئی ہوتی تھیں۔تو وہ ان کے پیچھے ان کے مہمانوں کی خاطر و مدارات کرتی تھی۔منیرہ اپنی ایم ایس سی کی پڑھائی کی وجہ سے کم ہی کہیں جاتی تھیں۔

منصور کی آمد کا سن کر اس نے آئینے میں اپنا سراپا دیکھا' بال درست کیے۔ہلکی لپ اسٹک ہونٹوں پر پھیری اور آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئی۔

منصور انگریزی میگزین دیکھ رہے تھے۔

''السلام وعلیکم!'' منیرہ نے کہا۔

''وعلیکم السلام!'' منصور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''معاف کیجیے گا اس وقت گھر کے سارے افراد ایک فنکشن میں گئے ہوئے ہیں۔آپ غالباً پھول خالہ کی دوست کے بیٹے ہیں۔''

''کیا آپ اپنے آپ کو گھر کے افراد میں شمار نہیں کرتیں؟'' منصور نے مسکراتے ہوئے کہا۔''آپ کا نام منیرہ ہے نا۔آپ کراچی سے آئی ہوئی ہیں۔پھول آنٹی کی بہن کی بیٹی ہیں۔یونیورسٹی میں ایم ایس سی کر رہی ہیں...... ہیں نا؟''

منصور نے ایک سانس میں پوری کہانی دہرادی۔

منیرہ حیران رہ گئی۔

''لیکن آپ کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟''

"جادو جانتا ہوں بس ایک منٹ میں آپ کو دیکھتے ہی سب کچھ سمجھ گیا۔"

"لیکن مجھے تو ایسا کوئی جادو نہیں آتا جو میں آپ کے متعلق کچھ جان سکوں۔ آپ کا نام اس لیے معلوم ہو گیا کہ ابھی خان نے بتایا تھا ورنہ میں کچھ بھی نہیں جانتی۔"

"میری امی اور آپ کی خالہ دوست ہیں۔ میں اپنی امی کا بیٹا ہوں نام تو آپ کو معلوم ہی ہے۔" منصور نے اسی انداز میں کہا۔

"اس کے علاوہ بھی اگر کچھ بتا دیں تو بہتر ہے۔" منیرہ نے منصور کے خوبصورت چہرے کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں ایک چھوٹی بہن ہے جس کی شادی ہو چکی ہے۔ والد صاحب تجارت کرتے ہیں میں بھی ان کا ہاتھ بٹاتا ہوں۔ زیادہ تر باہر کے ممالک میں رہتا ہوں۔ ابھی پچھلے ہفتے لندن سے واپس آیا ہوں۔"

"بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" منیرہ نے کہا۔ "آپ کافی دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"آپ بھی کچھ دلچسپ نہیں معلوم ہو رہی ہیں مگر میں آپ کی تعریف نہیں کروں گا۔"

منیرہ ہنسنے لگی۔

منصور نے منیرہ کو دیکھا۔

چست لباس، بوائے کٹ بال، گلے میں رسی کی طرح بل کھاتا دوپٹہ اور چہرے پر ہلکا ہلکا میک اپ، وہ خاصی ماڈرن نظر آ رہی تھی۔

تھوڑی دیر میں وہ دونوں آپس میں بے تکلف ہو گئے۔ باتوں باتوں میں منیرہ نے منصور کی تعلیم کے بارے میں پوچھا تو منصور نے بتایا کہ انہوں نے انگریزی ادب میں ایم اے کیا تھا۔ اس کے بعد تجارت شروع کر دی۔ منیرہ کے اوپر پہلی ہی ملاقات میں بے تحاشا رعب پڑ گیا۔

ایم اے پاس لڑکا۔ خوبصورت، دولت مند اور پھر ملکوں ملکوں پھرنے والا۔

اس نے اچانک ہی دل میں عجیب سا کرب محسوس کیا۔ منیرہ کو ہمیشہ سے تمنا تھی کہ وہ اپنے ملک سے باہر جائے امریکہ یا لندن میں رہائش اختیار کرے مگر قسمت نے اسے خرم سے باندھ دیا تھا۔ جو اس کے خیالات سے بالکل الٹ تھے۔ وہ ایک روایتی سے مشرقی انسان تھے۔ پرانی قدروں پر یقین رکھتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ منیرہ کو اپنی حماقت پر غصہ آتا تھا۔ جو وہ

اپنی نا تجربہ کاری میں کر بیٹھی تھی۔

منصور تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ منیرہ کے پاس بیٹھے پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''اب کب آئیں گے۔ آپ؟'' منیرہ نے پوچھا گویا وہ ان کی بہت پرانی ملاقاتی ہو۔

''جب تک لاہور میں ہوں آتا ہی رہوں گا۔ آپ بھی کبھی آیئے گا پھول آنٹی کے ساتھ۔''

''جی ہاں ضرور آؤں گی!'' منیرہ نے خوش دلی سے کہا۔ ''اپنی امی کو سلام کہیے گا۔ غالباً مجھے خیال پڑتا ہے' میں آپ کی امی سے مل چکی ہوں۔ دو تین ماہ ہوئے ملے ہوئے۔ وہ اور آپ کے ابو آئے تھے۔''

''جی ہاں آپ کا خیال سو فیصد درست ہے میری امی آپ سے مل چکی ہیں انہوں نے آپ کے متعلق مجھے بتایا تھا۔''

''اچھا تو یہ تھی آپ کے جادو کی اصلیت۔''

منیرہ اور منصور کا قہقہہ ایک ساتھ نکل گیا۔

منصور نے خدا حافظ کہتے ہوئے ہاتھ بڑھایا۔

منیرہ نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ منصور نے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے ایک بار پھر خدا حافظ کہا۔ وہ گیٹ تک منصور کو چھوڑنے آئی۔

جب واپس لوٹی تو منصور کی دل آویز شخصیت اس کے حواسوں پر چھائی ہوئی تھی۔ منصور کے مضبوط ہاتھوں کا لمس اس کے تن بدن میں بجلی بن کر دوڑ رہا تھا وہ گم صم سی ہو کر صوفے میں دھنس گئی۔

کاش وہ منصور جیسے انسان کی شریک سفر ہوتی۔

اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر سوچا۔

خرم کا وجود اسے کانٹے کی طرح چبھتا ہوا محسوس ہوا۔

جاہل گنوار دقیانوسی انسان...... اس نے جل کر اپنے آپ سے کہا۔ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے یہ حضرت اب تک برقع اور چوٹی کے حصار میں مقید ہیں۔

اس وقت خرم کے تصور کے ساتھ اس کے دل میں شدید قسم کی حقارت کا احساس بیدار ہوا۔

پھر وہ منصور کے متعلق سوچنے بیٹھ گئی۔

رات کو جب پھول خالہ وغیرہ پارٹی سے واپس آئیں تو اس نے بتایا کہ منصور آئے تھے۔

منصور کا نام سن کر پھول بیگم کھل اٹھیں۔ اگرچہ وہ پچھلے برس منصور سے صرف دو بار ہی ملی تھیں۔ مگر انہیں منصور بہت پسند آئے تھے۔ منصور کے انگلینڈ جانے کے بعد دونوں گھرانوں میں کافی تعلقات ہو گئے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ منصور انگلینڈ سے واپس آ چکے ہیں وہ فون پر اپنی دوست شکیلہ سے خیریت بھی دریافت کر چکی تھیں چنانچہ انہوں نے منیرہ سے پوچھا۔ ''تم تو جانتی نہیں ہو منصور کو۔ تم شکیلہ آنٹی سے ملی ہو ایک بار' یہ انہی کے بیٹے ہیں۔''

جی میں سمجھ گئی تھی۔ منصور صاحب نے اپنا مکمل تعارف خود ہی کروا دیا تھا۔ اور وہ میرے متعلق پہلے سے جانتے تھے ان کی امی نے ان سے تذکرہ کیا تھا۔''

''کتنی دیر بیٹھے منصور۔''

''تم نے کچھ باتیں کیں کہ نہیں۔''

''میں بھلا کہاں خاموش رہنے والی ہوں پھول خالہ ویسے وہ خود بھی بہت باتونی اور دلچسپ انسان ہیں ان کے پاس بیٹھ کر ذرا بھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوا۔''

''خیر یہ اچھا ہی ہوا کہ تم منصور سے مل لیں۔'' پھول بیگم نے کہا۔ ''میں نے بہت دنوں سے سوچ رکھا ہے کہ تمہاری اور منصور کی جوڑی بہت اچھی رہے گی۔''

پھول بیگم کی یہ بات سن کر منیرہ کا دل دھڑک اٹھا۔ ''خالہ جی آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ میری تو شادی ہو چکی ہے۔''

''صرف نکاح ہی تو ہوا ہے۔ کاغذ کا پرزہ ہے منٹ بھر میں نکاح توڑا جا سکتا ہے۔ اگر خرم نے اپنے کو درست کر لیا ہوتا تو اس کی نوبت ہی نہ آتی لیکن اب تو تمہیں اپنے متعلق کچھ سوچنا ہی پڑے گا۔

منیرہ کا دل و دماغ پریشان ہو گیا۔ یہ صحیح تھا کہ خرم کے متعلق اس نے سوچنا چھوڑ دیا تھا مگر وہ اتنی بڑی بات نہیں سوچ سکتی تھی پھول خالہ نے کتنی آسانی سے علیحدگی کی بات کر دی تھی۔ اس کو آپ ہی آپ خوف سا آنے لگا۔

''ابھی میں اپنے متعلق کچھ نہیں سوچنا چاہتی۔ فی الحال تو میں ایم ایس سی کر رہی ہوں۔'' منیرہ نے کہا۔

''ٹھیک ہے تم اطمینان سے ایم ایس سی کرو۔ میں نے تو ایک بات کہی تھی۔'' یہ کہہ کر پھول خالہ نے بات ختم کر دی۔

پھر دوسری باتیں ہونے لگیں۔ اتنے میں ملازم نے کھانا لگنے کی اطلاع دی۔ منیرہ نے بے دلی سے کھانا کھایا اور پڑھنے کے خیال سے جلد ہی بیڈ روم میں چلی گئی۔ مگر کتاب کھولتے ہوئے آج اس کا دماغ حاضر نہ تھا۔ کبھی وہ خرم کے ساتھ گزارے ہوئے دن یاد کرتی۔ خرم کی چاہت' اپنی محبت اور کبھی وہ واقعات دہراتی جو نکاح سے اب تک پیش آ چکے تھے۔ خرم نے منیرہ کے گھر والوں کی بات نہ ماننے کی جیسے قسم کھا رکھی تھی۔ پھر بڑے ماموں اور خرم کے اکثر خفگی کے خطوط وغیرہ جس کے باعث آپس میں رنجش سی پڑ گئی تھی۔ اور کبھی وہ اپنی موجودہ زندگی کو دیکھتی تو خرم اسے ایک حقیر تنکے کی مانند نظر آتے۔

یہ لباس' یہ تراش' یہ انگریزی طرز معاشرت' ہزار قسم کے لوگوں سے ملنا ملانا۔ آزادی اور خودمختاری...... اور کہاں ڈیرہ غازی خاں کے اسکول میں پڑھانے والا ایک معمولی انسان' پرانے طرز والے بڑے ماموں اور بے ڈھنگی محبت جتانے والی بڑی ممانی...... نہیں یہ سب کچھ اب منیرہ کے لیے ممکن نہ تھا۔ وہ اس ماحول میں خرم کے ساتھ فٹ نہیں ہو سکتی تھی۔ لاہور آ کر اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ دنیا اس کی نگاہوں میں روشن ہو چکی تھی۔ وہ اب دوبارہ خود کو تاریکی میں دھکیلنے کو تیار نہ تھی۔

پھول خالہ ٹھیک ہی کہتی ہیں۔

اگر خرم نے خود کو بدل لیا ہوتا تو شاید حالات یہ رخ اختیار نہ کرتے۔

اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

اور تب ہی منصور کا ہنستا مسکراتا زندگی سے بھرپور سراپا اس کی نظروں میں پھر پھر کر اسے پریشان کرنے لگا۔ کتنی اچھی انگریزی بولتے ہیں منصور' اس نے دل ہی دل میں مرعوب ہو کر سوچا' انگریزی ادب میں ایم اے کیا ہے کوئی معمولی بات تو نہیں'

اس نے کتاب میز پر رکھ دی اور منصور کا تصور کر کے چپ چاپ آنکھیں موند لیں۔

پورے آٹھ دن سے ڈاکٹر صفدر کالج نہیں آئے تھے۔ ان کی طبیعت خراب تھی۔ بخار تھا کہ اترنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ کالج کے نزدیک ہی ان کا گھر تھا۔ تقریباً سب ہی اسٹوڈنٹ ان کی عیادت کو جا چکے تھے۔ مگر فخری اس معاملے میں خاموش تھی۔ ایک استاد کی حیثیت سے وہ ان کی خیریت کے لیے پریشان ضرور تھی۔ مگر ڈاکٹر کے لیے کسی خصوصی توجہ کا اظہار کر کے وہ اپنے آپ

سے شرمندہ ہونا نہ چاہتی تھی۔

ڈاکٹر صفدر کا محتاط رویہ اور بولتی نگاہیں اسے ہمیشہ خوف زدہ کر دیتی تھیں۔ وہ منصور کی شریک حیات تھی اور اس ایک حقیقت نے ان دونوں کے درمیان صدیوں کے فاصلے کھڑے کر دیئے تھے۔ اس نے جب کبھی اپنے دل کو ٹٹولا منصور کے تصور اور ان کی محبت کے سوا اسے کچھ بھی نہ ملا۔ اور اب تو اصغر علی نے اس سلسلے میں چھوٹی خالہ کو خط لکھا تھا اور وہ ان دنوں شدت سے چھوٹی خالہ کے خط کا انتظار کیا کرتی تھی۔ اسے یقین تھا چھوٹی خالہ اتنی کٹھور نہیں ہو سکتیں۔ ان دنوں اس کے تصور کی اڑان بہت اونچی تھی۔ وہ خیالوں ہی خیالوں میں منصور کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے فضاؤں میں اڑ رہی تھی۔ وہ ڈاکٹر صفدر کی مزاج پرسی کو نہ جا سکی۔

تب ایک دن فرح نے اسے پکڑ لیا۔

''فخری میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

''کہو۔ میں سن رہی ہوں۔''

''یوں نہیں تم میرے گھر چلو۔ شام کو میں تمہیں چھوڑ آؤں گی۔''

''ایسی کون سی خاص بات ہے؟'' فخری نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''کوئی خاص بات نہیں ہے قطعی عام سی بات ہے مگر میں آج تمہیں اپنے گھر لے آؤں گی۔''

''بھیا سے تمہاری بات ہوئی تعجب ہے انہوں نے تو کوئی تذکرہ نہ کیا۔''

''اس میں تذکرہ کرنے کی بات ہی نہ تھی۔''

''ٹھیک ہے چلوں گی۔ ابھی تو کلاس باقی ہے۔'' فخری نے کہا۔ ''چلو کلاس میں چلتے ہیں۔''

''چلو ابھی پیریڈ شروع ہونے میں کچھ دیر ہے۔''

دونوں کلاس روم میں بیٹھ گئیں۔

ذرا دیر بعد لیکچر شروع ہو گیا۔ اس وقت فخری کا دماغ فرح کی باتوں میں اٹکا ہوا تھا۔ فرح' چھوٹے بھیا سے اکثر رابطہ رکھتی تھی۔ فون پر بھی اور گھر پر بھی یہ بات فرح کے لیے اہم نہ سہی اصغر علی کے لیے ضرور اہم تھی۔ فخری کو اس بات کا شدت سے احساس تھا...... وہ چھوٹے بھیا کے دل کا حال کچھ کچھ سمجھتی تھی۔ مگر اس معاملے میں کچھ بول بھی نہ سکتی تھی۔ فرح اور چھوٹے بھیا کے درمیان

بہت بڑی دیواریں حائل تھیں اور پھر فرح کے دل کا حال کون جان سکتا تھا۔

وہ مستقل فرح اور اصغر علی کے متعلق سوچتی رہی۔ اسے اپنے متعلق تو گمان نہ تھا۔ کوئی خیال نہ تھا وہ یہ بھی بھول گئی کہ فرح آج کس خاص بات کے لیے اسے اپنے گھر لے جا رہی تھی۔

فرح کی گاڑی وقت مقررہ پر آ گئی۔ دونوں سہیلیاں خاموشی سے پیچھے کی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ ذرا سی دیر میں فرح کا گھر آ گیا۔

فرح کی امی فخری کو دیکھ کر بہت خوش ہو جایا کرتی تھیں۔ چند منٹ فرح کی امی سے بات چیت کرنے کے بعد فخری، فرح کے ساتھ اس کے بیڈروم میں چلی گئی۔

''لیجیے جناب میں آ گئی اب فرمائیے آپ کو کیا خاص بات کرنی تھی۔'' اس وقت فخری کا موڈ ٹھیک ٹھاک تھا۔

''کوئی خاص بات نہیں بس تمہیں اپنے گھر لانا چاہ رہی تھی۔ لے آئی۔'' فرح نے ہنس کر کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی۔ کالج میں تو بڑی بقراط بن کر بات کر رہی تھیں۔''

''بھئی مجھے تو اس وقت بہت سخت بھوک لگ رہی ہے۔'' فرح نے کہا۔ ''پہلے کچھ پیٹ میں پڑ جائے تو منہ سے کچھ آواز بھی نکلے گی۔''

''بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔'' فخری نے کہا۔

''بس ابھی کھانا آتا ہے پانچ منٹ صبر کرو۔''

ذرا سی دیر میں ملازم ٹرالی میں کھانا لگا کر لے آیا۔ دونوں نے خاموشی سے کھانا کھایا۔

اب فرصت ہی فرصت تھی...... اور فخری سے بات کرنے کے لیے فرح اپنے آپ کو تیار کر رہی تھی۔

فرح کو سوچ میں غرق دیکھ کر فخری بور ہو گئی۔

''اب سوچ بھی چکو۔ اور جو کچھ کہنا چاہ رہی ہو کہہ ڈالو۔''

''میں ڈاکٹر صفدر کے متعلق سوچ رہی تھی۔''

''خیریت؟ تم ان کے بارے میں کیا سوچنے لگیں؟'' فخری نے دھڑکتے دل سے سوال کیا۔

''میں ان کی بیماری کے متعلق سوچ رہی تھی۔''

''ابھی تم مکمل ڈاکٹر نہیں بنی ہو۔ ان کی بیماری کے متعلق سوچ کر کیا کرو گی؟''

''فخری ایک بات بتاؤ۔'' فرح نے اس کے مذاق کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''پوچھو۔''

''تم ڈاکٹر صفدر کو دیکھنے کیوں نہ گئیں؟''

''میرا دل نہ چاہا۔''

''یہی تو پوچھ رہی ہوں کہ تمہارا دل کیوں نہ چاہا؟''

''میرا جانا کیا بہت ضروری تھا؟ تم نے پوچھ تو لیا تھا جا کر میری طرف سے بھی۔''

''ہاں تمہارا جانا بہت ضروری تھا۔''

''مگر کیوں؟''

''کیا وہ تمہارے استاد نہیں ہیں؟''

''ہیں تو کیا ہوا...... یہی بات کہنے کے لیے تم مجھے اتنی دور سے لے کر آئی ہو۔''

''فخری میں تم سے سنجیدگی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''میں بھی سنجیدہ ہوں فرح۔'' فخری نے کہا۔ ''ڈاکٹر صفدر بیمار ہیں' میرا دیکھنے جانا کوئی ضروری نہ تھا۔''

''لیکن کل میں تمہیں اپنے ساتھ ان کے گھر لے جاؤں گی۔''

''نہیں تم ایسا نہیں کرو گی۔ فخری تم وہاں جانا چاہتی ہو اور ضرور جاؤ گی۔''

فخری نے حیرت سے فرح کو دیکھا۔

''فرح تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟''

''وہی جو تمہارے دل میں ہے۔''

''یقین کرو میرے دل میں کچھ نہیں ہے۔''

''فخری بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو زبان سے نہ بھی کہی جائیں تو بھی آسانی سے سمجھ لی جاتی ہیں۔ تم نے اگرچہ مجھ سے کبھی کچھ نہ کہا حالانکہ میرا تمہارا بہت پرانا ساتھ ہے مگر میں ان تمام جذبوں کی تفصیل جانتی ہوں جو ڈاکٹر صفدر کے دل میں تمہارے لیے موجزن ہیں۔''

''فرح تم سے کس نے کہا یہ سب کچھ؟'' فخری پریشان ہو گئی۔

''کسی نے نہیں میری دوست۔'' فرح نے فخری کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ میں

تمہاری دوست ہوں۔ ہر وقت تمہارے قریب رہتی ہوں پھر اس شخص سے کیسے ناواقف رہ سکتی ہوں جو تم سے قریب ہو۔"

"لیکن میں اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں۔" فخری نے بے بسی سے کہا۔

"ڈاکٹر صفدر تمہارے منتظر ہیں فخری مجھے تنہا دیکھ کر ان کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی تھی۔ تم کو ان کے گھر جانا ہوگا۔"

"مجھے ڈاکٹر کی نگاہوں سے خوف آتا ہے فرح۔ میں اسی لیے وہاں جانے سے گریز کر رہی تھی۔"

"تم حقیقت سے نظریں نہیں چرا سکتیں فخری۔ ڈاکٹر پورے تین سال سے تم سے محبت کر رہا ہے۔ سچی اور پاک محبت اور تمہیں اس کے جذبوں کا ساتھ دینا ہوگا۔"

"لیکن میں نے کبھی ڈاکٹر کے متعلق نہیں سوچا بلکہ میں نے انہیں اپنے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا یہ بھی کہ میری شادی منصور سے ہو چکی ہے۔"

"اور تم نے یہ بھی ضرور بتایا ہوگا کہ وہ تمہیں اپنانے کو تیار نہیں۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو فرح۔ منصور نے تو شاید کچھ بھی نہیں کہا۔"

"فخری میں نے تم سے بہت پہلے کہا تھا اور اصغر علی نے بھی کہ منصور کے متعلق سوچنا چھوڑ دو۔ وہ شخص کبھی تمہارا نہیں بن سکتا مگر تم سائے کے پیچھے بھاگتی رہیں۔ تمہارے کہنے پر میں نے اصغر علی صاحب سے بات کی تھی اور پھر انہوں نے مجبور ہو کر تمہاری چھوٹی خالہ کو خط بھی لکھا تھا۔"

"ہاں مجھے معلوم ہے مگر ابھی تک ان کا جواب نہیں آیا۔"

"ان کا جواب آ چکا ہے۔"

"کیا لکھا ہے انہوں نے؟" فخری نے بے تابی سے پوچھا۔

"تمہاری خالہ کے بجائے خالو نے خط کا جواب دیا ہے۔ یہ لو میرے پاس رکھا ہے اتفاق سے۔ میں اصغر علی کو واپس کرنا بھول گئی تھی۔ تم بھی پڑھ لو۔" فرح نے سرہانے سے خط نکال کر دیتے ہوئے کہا۔

فخری نے کانپتے ہاتھوں سے خط کھولا۔ خالو جان نے نجانے کیا کچھ لکھا تھا۔ اس کی نظریں تین لائنوں پر اٹکی ہوئی تھیں۔

"فاخرہ، ڈاکٹر کیا سرجن بھی بن جائے تو بھی وہ اکبر علی اور دردانہ خاتون کی بہن ہی رہے

گی۔ہم لوگ منصور کی شادی جلد کرنے والے ہیں۔تم لوگ چاہو تو خلع لے سکتے ہو۔''

اور پھر اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

خط اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر گر گیا۔

آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔فرح نے اسے کچھ بھی نہ کہا۔فخری روتی رہی۔

ذلت اور کمتری کا احساس بہت شدید تھا۔

دل بھر کر بھڑاس نکال چکی تو فخری سمندر کی طرح خاموش ہوگئی جس کی تہہ میں بے شمار طوفان مچلتے ہوتے ہیں۔

''فخری یہی بات کہنے میں تمہیں اپنے ساتھ لائی تھی۔تمہارے بھیا میں اتنا حوصلہ نہ تھا کہ وہ تم سے بات کرتے۔''

''خالو جان نے ٹھیک ہی لکھا ہے شاید میں کچھ بھی بن جاؤں مگر اکبر علی اور دردانہ خاتون کی بہن ہی رہوں گی۔''

فخری نے آہستہ سے کہا بڑے بھیا وطن چھوڑ چکے۔ بڑی آپا دنیا ہی چھوڑ چکیں مگر ان کے لگائے ہوئے داغ ہمیشہ میری پیشانی کو داغ دار کرتے رہیں گے۔''

''فخری تم برا نہ ماننا۔یہ تمہارے خالو کی نیچ سوچ ہے وہ تمہیں چھوڑنے کا بہانہ تلاش کر رہے تھے جو انہیں آسانی سے ہاتھ آ گیا۔مگر تم رنج کیوں کرتی ہو فخری۔تمہارے سامنے دنیا کی مسرتیں دامن پھیلائے کھڑی ہیں اور تم دامن جھٹک رہی ہو منصور ایک سراب تھے تم نے اپنے آپ کو ان کے ساتھ مقید کر لیا۔اور ڈاکٹر صفدر ایک حقیقت ہیں مگر تم جان بوجھ کر انجان بنی ہوئی ہو۔ایسا کیوں ہے فخری۔تمہیں اس سوال کا جواب دینا ہوگا۔''

''میں اب تک خود کو فریب دے رہی تھی فرح! مگر مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ تقدیر خود مجھے فریب دے گی۔''

''اب اس بات کو بھول جاؤ۔کاش تم منصور سے نہ ملی ہوتیں۔''

''ہاں۔کاش میں منصور سے نہ ملی ہوتی۔'' اس نے پر خیال انداز میں کہا۔اس کی آنکھوں سے شبنمی قطرے ایک بار پھر پھسل پڑے۔

''کل میرے ساتھ ڈاکٹر صفدر کے گھر چلنا۔'' فرح نے کہا۔''بے چارے ملازم کے ساتھ اکیلے رہتے ہیں۔ان کی والدہ اپنے گاؤں میں ہیں۔''

''میں وہاں جا کر کیا کروں گی فرح میرا ذہن پریشان ہے یقین کرو مجھے وہاں جا کر کوئی خوشی نہیں ہوگی۔''

''مجھے معلوم ہے مگر دوسرے کی خوشی کی خاطر چلی جانا۔''

''اگر خالو جان کو یہ رشتہ منظور نہیں تھا تو پہلے ہی یہ قصہ ختم ہو سکتا تھا آخر انہوں نے اتنی دیر کیوں لگائی اور اب خلع کے لیے کیوں لکھا ہے؟''

''تا کہ وہ مہر دینے سے بچ جائیں میں نے اصغر علی سے پوچھا تھا تمہارا مہر ایک لاکھ روپے ہے۔''

''میں ان کا روپیہ لے کر کیا کروں گی فرح انہیں جو کچھ کرنا ہے کر لیں۔'' فخری کا چہرہ بہت اداس تھا۔

''یہ تو تم کہہ رہی ہو مگر انہوں نے یقیناً یہی سوچا ہوگا۔''

''تو کیا ہم عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے فرح! نہیں مجھے خلع نہیں لینی۔ ان کا جو دل چاہے کریں میں اب اس معاملے میں سوچ کر اپنا دماغ خراب نہیں کروں گی۔''

''تم کچھ مت سوچو میری دوست۔ تمہارے بھیا موجود ہیں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔''

فخری کا چہرہ اچانک بجھ سا گیا تھا۔ وہ جب آئی تھی تو بہت خوش اور ہشاش تھی مگر اب برسوں کی بیمار معلوم...... ہو رہی تھی۔

شام ہوئی تو فرح اسے اس کے گھر چھوڑ آئی۔

رات کا کھانا کھا کر جب وہ اپنے کمرے میں جانے لگی تو اصغر علی نے اسے روک کر بس ایک جملہ کہا۔

''فخری تم کسی قسم کی کوئی فکر نہ کرنا میں نے تمہاری تسلی کے لیے چھوٹی خالہ کو خط لکھا تھا ورنہ مجھے ان لوگوں سے کبھی بھی کوئی اچھی امید نہ تھی۔''

اور فخری کی تمام رات سوتے جاگتے گزر گئی۔

دوسری صبح معمول کے مطابق وہ کالج پہنچی۔

چھٹی کے بعد فرح اسے لے کر ڈاکٹر صفدر کے گھر جا پہنچی۔

فخری نے کچھ نہ کہا وہ جانتی تھی فرح سے بحث کرنا فضول ہے۔

فرح نے گھنٹی بجائی۔ ملازم نکل کر آیا۔

فرح نے خیریت پوچھی پھر ملازم سے کہا۔ ''تم فخری بی بی کو اپنے ساتھ لے جاؤ یہ ڈاکٹر صاحب کو دیکھنے آئی ہیں۔''

''آیئے بی بی۔''

فرح بنا کچھ کہے واپس چلی گئی۔

فخری ملازم کے سامنے کچھ بھی نہ بول سکی۔ ملازم اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ بادل ناخواستہ وہ اس کے ساتھ ہولی۔

''یہ ہے صاحب کا کمرہ آپ چلی جایئے۔'' ملازم کمرہ دکھا کر دوسری جانب غائب ہو گیا۔

فخری تذبذب کے عالم میں دروازے پر کھڑی تھی۔ اندر جانے کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔

اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔

ڈاکٹر صاحب آنکھیں موندے بیڈ پر لیٹے تھے۔ سینے تک سبز چادر پڑی تھی۔ شاید سو گئے تھے۔ کمرے کا ماحول بے حد پرسکون تھا۔ ہر چیز ساکت تھی۔ فخری کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ بے آواز قدم اٹھاتی بیڈ کے پاس پہنچ گئی۔ ڈاکٹر صفدر...... کی آنکھوں سے شبنمی قطرے آہستہ آہستہ ٹپک رہے تھے۔ فخری بے قرار ہو گئی۔

اس کے ذہن میں اس وقت صرف دو باتیں تھیں۔

خالو جان کا وہ خط جو انہوں نے خلع کے سلسلے میں لکھا تھا۔ اور ڈاکٹر صفدر کی وہ خاموش محبت جو وہ پورے تین برسوں سے نگاہوں کی زبانی پہنچاتے رہے تھے۔

وہ سراب کو بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی۔

حقیقت اس کے سامنے تھی۔

اس کے پاس اس وقت رومال نہیں تھا جو وہ ڈاکٹر کے آنسو خشک کر سکتی۔

اس نے اپنا گلابی آنچل تھاما اور آہستہ سے ان کے بہتے ہوئے آنسو جذب کر لیے۔

ڈاکٹر نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔

سامنے فخری کھڑی تھی۔

انہوں نے پلکیں جھپکائے بغیر فخری کو دیکھا۔

پورے آٹھ دن سے ان کی نظریں اسے ڈھونڈ رہی تھیں مگر ناکام ہو جاتی تھیں۔

اور آج۔

وہ کسی خوبصورت خواب کی مانندان کے پاس کھڑی تھی۔

''کیسی ہے آپ کی طبیعت؟'' فخری نے پوچھا۔

''تم پہلے کیوں نہ آئی تھی؟''

''اب تو چلی آئی ہوں۔''

''بیٹھ جاؤ فخری۔''

فخری ان کے قریب پلنگ پر ٹک گئی۔

''مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گی۔''

''اب کب تک ٹھیک ہونے کا ارادہ ہے؟'' فخری نے ان کے اترے ہوئے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''جب تم کہو گی ٹھیک ہو جاؤں گا۔''

''تو پھر جلدی سے ٹھیک ہو جائیے۔''

''شاید تم بھی ان دنوں ٹھیک نہیں ہو تمہارا چہرہ پھیکا پڑ گیا ہے۔''

''نہیں آپ کو شبہ ہوا ہے میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

ڈاکٹر نے ذرا سی دیر کو آنکھیں بند کر لیں جیسے وہ ان لمحات کو ذہن میں مقید کر لینا چاہتے ہیں۔ سچ بات تو یہ ہے کہ انہیں فخری کے آنے کی امید نہ تھی اور اب جو وہ آ ہی گئی تھی تو وہ ان لمحوں کو ضائع کرنا نہ چاہتے تھے۔ فخری کے آنے کی خوشی بہت زیادہ تھی وہ اس وقت یہ بھی بھول گئے تھے کہ فخری' منصور کی امانت تھی اور ان کے لیے شجر ممنوعہ تھی اور جس کے لیے اپنی تمام تر چاہتوں کے باوجود انہوں نے اپنی زبان پر تالے ڈال لیے تھے۔

مگر بعض اوقات انسان جذباتیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ سنجیدہ سے سنجیدہ انسان کبھی کبھی دل کے ہاتھوں بے بس ہو جاتا ہے۔ وہ بھی سب کچھ بھول کر فخری کے وجود میں کھو گئے تھے۔

انہوں نے آنکھیں موند لی تھیں۔

فخری ان کے کمزور مگر باوقار چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔

''آپ کو نیند آ رہی ہے شاید!'' فخری نے آہستہ سے کہا۔

انہوں نے اپنا بھاری ہاتھ فخری کے نرم ہاتھ پر رکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ''نہیں

میں جاگ رہا ہوں۔''

ڈاکٹر کے گرم گرم ہاتھ کے لمس نے فخری کے بدن میں بجلی دوڑا دی۔

وہ ساکت رہ گئی۔

اس نے اپنا ہاتھ ہٹا لینا چاہا لیکن یوں لگتا تھا جیسے اس کا ہاتھ بے جان ہو گیا ہو۔ وہ کوشش کے باوجود اپنا ہاتھ ہلا بھی نہ سکی۔

ڈاکٹر کے ہاتھ کی گرفت بہت مضبوط تھی۔

بجلی کی لہریں اس کے تن بدن میں دوڑتی رہیں اور وہ ساکت بیٹھی رہی۔

بے شمار کیفیات اس کے اوپر آئیں اور گزر گئیں۔

وہ منہ سے کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

احساسات کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔

لمحے سرکتے رہے۔

وہ بے جان بت کی طرح بیٹھی رہی۔

پھر اچانک جیسے ڈاکٹر کو ہوش آ گیا۔

یہ انہیں کیا ہو گیا تھا؟

فخری ان کی محبت ضرور تھی مگر منصور کی امانت تھی۔

انہوں نے خود ہی ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔

پھر اضطرابی کیفیت میں بولے۔

''فخری آپ چلی جائیے۔ آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔''

فخری نے انہیں چونک کر دیکھا۔

احساس شکست سے تو وہ پہلے ہی چور تھی۔ یہ نیا حملہ بہت شدید تھا۔

''میں کب آ رہی تھی مجھے فرح زبردستی چھوڑ گئی تھی۔''

ڈاکٹر نے اس کی آواز یوں سنی جیسے بہت دور سے آ رہی ہو۔

''مجھے معاف کر دیجیے گا فخری میں بیمار ہوں آپ یقیناً مائنڈ نہیں کریں گی۔''

فخری اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں جا رہی ہوں مجھے پہلے ہی جانا چاہیے۔ واقعی میں نے یہاں آ کر غلطی کی۔''

''منصور سے ملاقات ہوئی آپ کی۔'' ڈاکٹر نے ایک زمانے کے بعد یہ ذکر چھیڑا۔

''جی نہیں۔''

''کوئی خط؟''

''خالو جان کا پرسوں خط آیا تھا۔''

ڈاکٹر کا چہرہ تاریک ہو گیا۔

فخری ان کی کیفیت سمجھ نہ سکی۔

خالو جان کے خط سے تلخی دوبارہ عود کر آئی۔ وہ ڈاکٹر کو سب کچھ بتا کر اپنی نگاہوں میں ذلیل ہونا نہ چاہتی تھی۔ کچھ دیر پہلے کی جذباتی کیفیت لمحہ بھر میں زائل ہو گئی۔

''میں جا رہی ہوں خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔''

ڈاکٹر نے دوبارہ آنکھیں موند لیں۔

فخری دروازہ کھول کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

منیرہ اور منصور بہت جلد ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔

پھول بیگم نے شروع ہی میں منیرہ کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ دیکھو خبردار منصور کو ہاتھ سے نہ جانے دینا۔ اس سے بہتر لڑکا تمہیں نہیں مل سکتا۔ جس طرح ممکن ہو لڑکے کو اپنی مٹھی میں لینے کی کوشش کرنا۔ یہاں شادی ہو گئی تو تمام عمر عیش کرو گی۔''

اور منیرہ نے پھول بیگم کی بات کو گرہ میں باندھ لیا تھا۔

پھول بیگم نے اپنی طرف سے منیرہ کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی۔ منصور کے ساتھ وہ تمام دن لاہور میں گھومتی پھرتی تھی۔ کوئی پارک' کوئی باغ' کوئی پکنک اسپاٹ ایسا نہ تھا جہاں یہ دونوں گھومنے نہ گئے ہوں۔ لڑکے کو اپنی طرف مائل کرنے کے بہت سے گر پھول بیگم نے سکھائے تھے کچھ وہ خود سیکھ گئی تھی۔

اور یہ تو پھول بیگم کی پرانی روش تھی۔ خاندان میں جہاں کہیں کسی لڑکی کی شادی کا مسئلہ ہوتا پھول بیگم گھر والوں کو یہی مشورہ دیتیں کہ کوئی اچھا لڑکا نظر آئے اسے اپنے پھندے میں لے لو۔ لڑکی کو اس کی خدمت پر مامور کر دو ہر طرح سے آؤ بھگت کرو۔ اور اس طرح وہ کئی لڑکیوں کا مسئلہ

حل کروا چکی تھیں۔

خود اپنی لڑکیوں کے لیے بھی انہوں نے آزمودہ حربے استعمال کیے تھے مگر اتفاق یہ کہ ناہید کے معاملے میں وہ بری طرح مات کھا گئی تھیں۔ دوبارہ انہوں نے خوبصورت امیر کبیر لڑکے پھانسے، ناہید سے منگنی بھی ہوئی پھر کسی نہ کسی وجہ سے ٹوٹ گئی آخر ناہید نے خود ہی ایک معمولی لڑکے کو پسند کر کے شادی کر لی۔ یوں یہ قصہ تمام ہوا۔ مگر نوشین کی قسمت اچھی تھی۔ اس کے لیے پھول بیگم کو کسی آزمائش سے نہ گزرنا پڑا۔ نوشین کے لیے خود ہی حماد کے گھر والوں نے رشتہ دیا۔ حماد انجینئر تھا اور اچھے اطوار کا لڑکا تھا یوں نوشین کی شادی بھی طے ہو گئی۔

مگر اب منیرہ کا مسئلہ پھول بیگم کے سامنے تھا اور وہ اپنے بنائے ہوئے پلان کے مطابق خرم سے اس کا نکاح تڑوا کر کسی اونچی جگہ منیرہ کو بیاہنا چاہ رہی تھیں لیکن اس کام کے لیے بڑے جوڑ توڑ اور تحمل کی ضرورت تھی۔ لڑکی چونکہ پہلے سے اپنے ماموں زاد بھائی کے نکاح میں تھی۔ اس لیے خود لڑکے اور لڑکی کا ایک دوسرے کے لیے مائل ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ منیرہ کو منصور کے ساتھ گھومنے پھرنے کی کھلی آزادی تھی۔

پھول بیگم نے اپنے تمام ملنے والوں میں اور منصور کے گھر والوں کو بھی بتلا رکھا تھا کہ منیرہ کا نکاح بہت کم سنی میں خاندان میں ہو گیا تھا لیکن چونکہ لڑکا بہت نکھٹو اور نالائق نکل گیا اس وجہ سے منیرہ کی اس جگہ رخصتی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

منصور کے نکاح کی خبر منیرہ کے گھر والوں کو نہ تھی البتہ منیرہ کے یکساں حالات سن کر منصور کے گھر والوں کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ پھول بیگم، منیرہ کا رشتہ منصور سے کر دیں گی۔ پھر وقت آنے پر منصور کے متعلق جو ایک چھوٹی سی بات ہے۔ وہ بھی بتا دی جائے گی۔

دن پر دن گزرتے رہے۔

منیرہ اور منصور ایک دوسرے کی ذات میں جذب ہو گئے۔

منیرہ کے لیے خرم ایک بھولا بسرا خواب بن چکے تھے۔ اب جب کبھی وہ خرم کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات کا خیال کرتی تو اسے اپنی حماقت پر ہنسی آتی۔

''میں بھی کتنی بے وقوف تھی ان دنوں خرم کو آئیڈیل سمجھ کر ان کی محبت میں آہیں بھرا کرتی تھی۔'' وہ اپنے آپ سے کہتی اور ایسے وقت میں اسے فخری کا خیال ضرور آ جاتا تھا۔

فخری جو کچھ کہتی تھی درست کہتی تھی خدا معلوم اب وہ کہاں ہوگی۔

نئی زندگی اور نئے ماحول نے اس کے دل سے ہر پرانی یاد نکال پھینکی تھی۔ وہ تو خرم تک کو بھول چکی تھی۔

پھر فخری کس گنتی میں تھی۔

منیرہ نے باتوں باتوں میں منصور پر ظاہر کر دیا تھا کہ اسے بیرونی ممالک جانے اور گھومنے کا شوق ہے تب سے منصور نے اسے باہر کے خواب دکھانے شروع کر دیئے تھے اور منیرہ کے لیے ایک ایک پل گزارنا قیامت ہو رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ جلد از جلد خرم سے چھٹکارا ہو جائے اور منصور کے ساتھ شادی کر کے امریکہ یا لندن سدھارے۔

دن گزرتے رہے یہاں تک کہ منیرہ اپنے ایم ایس سی کے امتحان سے بھی فارغ ہو گئی اس دوران منیرہ اور منصور کی شادی طے ہو چکی تھی۔ اب مسئلہ صرف طلاق لینے کا تھا۔ پھول بیگم تمام حالات سے منی بیگم کو ہمیشہ مطلع کرتی رہتی تھیں۔

اب طلاق کے لیے بھی پھول بیگم ہی نے خط کا مسودہ بنا کر منی بیگم کو روانہ کیا جو منی بیگم نے نقل کر کے بھائی جان کو روانہ کر دیا۔

خط میں منی بیگم نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ منیرہ کو فوری طور پر طلاق دے دی جائے۔ یہ فیصلہ خود لڑکی کی مرضی سے کیا گیا ہے اور اس میں کسی قسم کی ترمیم کی گنجائش نہیں ہے۔

منی بیگم کا خط جمال صاحب کو ملا تو وہ خاموش رہ گئے۔ حالات تو خراب ہی تھے مگر انہیں یہ امید نہ تھی۔ منی بیگم ان سے اس طرح صاف صاف طلاق کے لیے لکھیں گی۔ خرم نے بھی خط پڑھا۔ منہ سے ایک لفظ نہ بولے۔

صابرہ خاتون سے صبر نہ ہوا آخر بول ہی پڑیں۔ "یہ سب کیا دھرا تمہاری پھول بیگم کا ہے نہ لڑکی ان کے گھر رہنے جاتی نہ طلاق کی نوبت آتی۔"

"اب کسی کو الزام دینے سے کچھ حاصل نہیں۔" جمال صاحب نے کہا۔ "تقدیر کے لکھے کو نہیں مٹایا جا سکتا۔ دراصل ساری غلطی میری ہے۔ میں نے اپنی دادی مرحومہ کی وصیت کو ٹھکرایا تھا اور ان کے منع کرنے کے باوجود اس خاندان میں شادی کی اسی کا نتیجہ بھگت رہا ہوں۔"

جمال صاحب کا کہنا بھی ایک طرح سے درست تھا۔ جمال صاحب جب سال کے تھے تب ہی ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ان کی پرورش دادی کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ انہوں نے جمال صاحب کی ایک شریف گھرانے میں شادی بھی کر دی تھی۔ سوتیلی ماں کا خراب سلوک

دیکھ کرانہوں نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ خبردار اپنی کسی اولاد کی شادی اپنی سوتیلی ماں کے خاندان میں مت کرنا۔

پھر برس بیت گئے۔ جمال صاحب نے دادی کی وصیت کو بھلا دیا۔ اور محبت کے ترسے ہوئے جمال صاحب نے بہن کی محبت میں آ کر ان کی لڑکی کو اپنی بہو بنا لیا۔

لیکن نتیجہ کیا نکلا؟

آج انہیں رہ رہ کر پچھتاوا ہو رہا تھا۔ نہ وہ خاندان کے معاملے میں پڑتے نہ یہ دن دیکھنا نصیب ہوتا۔

بہرحال اب تو معاملہ بہت بڑھ گیا تھا۔ طلاق دینے کا تو سوال ہی نہ تھا۔ جمال صاحب نے مشورہ دیا کہ خرم خود فوری طور پر پہنچ جائیں اور خود منیرہ سے بات کریں۔ ان دنوں منیرہ گھر گئی ہوئی تھی۔ منیرہ ان کی بیوی تھی وہ خود براہ راست بات کر کے معاملات طے کر سکتے تھے۔ اس طرح یہ بھی امکان تھا کہ دور بیٹھ کر جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں وہ خرم کے جانے اور بات کرنے سے دور ہو جائیں۔

خرم کے پاس اس کے سوا کوئی حل نہ تھا۔

چنانچہ دوسرے ہی دن وہ سندھ روانہ ہو گئے۔

خرم کے اچانک پہنچ جانے کی یہاں کسی کو امید نہ تھی۔ منی بیگم نے خرم کا استقبال بہت رکھائی سے کیا۔ واسطی صاحب نے تو صاف کہہ دیا کہ وہ کسی معاملے میں بولنا ہی نہیں چاہتے۔

منی بیگم بھی ہتھے سے اکھڑی ہوئی تھیں وہ خرم کی کوئی بات سننے کی روادار نہ تھیں۔ منیرہ پردے میں تھی۔ خرم نے کہا کہ میں منیرہ سے خود بات کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کیا چاہتی ہے۔

منیرہ دوسرے کمرے میں کھڑی خرم کی آواز سن رہی تھی اور غصے سے لال پیلی ہو رہی تھی خرم کی آواز سن کر وہ اچانک سامنے آ گئی اور بولی۔ ''میں صرف طلاق چاہتی ہوں طلاق۔ آخر آپ کو اپنے متعلق اتنی خوش فہمی کیوں ہے۔ میں آپ جیسے فرسودہ خیالات رکھنے والے جاہل آدمی کے ساتھ گزارا نہیں کر سکتی۔'' یہ کہہ کر منیرہ دوسرے کمرے میں واپس چلی گئی۔

خرم گردن جھکائے بیٹھے رہے۔

انہیں منیرہ سے ایسے جواب کی امید نہ تھی۔ لیکن منیرہ کا حلیہ دیکھا تو پھر اس کی بات پر تعجب باقی نہیں رہا۔ اس نے انتہائی کھلے گلے کا چست لباس پہن رکھا تھا بال لڑکوں کی طرح کٹے ہوئے

تھے۔دوپٹے سے بھی بے نیاز تھی۔باقاعدہ میک اپ کیا ہوا تھا۔

اب پھوپھی کے گھر رکنا فضول تھا۔خرم وہاں سے اٹھ کر اپنے ایک دوست کے گھر چلے گئے اس کے بعد ڈیرہ غازی خاں واپس آ گئے۔

ان کے آنے کے بعد منی بیگم کا ایک خط پہنچا جس میں فوری طور پر طلاق کا مطالبہ تھا مگر جمال صاحب نے لکھ دیا۔"ہم لوگ رخصتی چاہتے ہیں ہمارا کوئی ارادہ طلاق دینے کا نہیں ہے۔"

بھائی کا جواب پڑھ کر منی بیگم نے عدالت میں خلع کی درخواست دے دی اور ساتھ ہی مہر کا دعویٰ بھی کیا حالانکہ خلع کے ساتھ مہر لینے کا جواز ہی نہ تھا۔

بہر حال ایک بار پھر خرم کو حیدر آباد آنا پڑا۔عدالت میں خرم اور منیرہ ایک دوسرے کے روبرو حاضر ہوئے۔خرم نے رخصتی کا مطالبہ کیا جبکہ منیرہ طلاق چاہتی تھی۔چنانچہ مہر معاف کر کے خلع دلوادی گئی۔

یوں یہ قصہ تمام ہوا۔

جس روز منیرہ کی خلع ہوئی اس نے خوشی میں سرخ لباس پہنا اور اپنی دوستوں میں گھومنے پھرنے نکل آئی۔

....

جن دنوں منیرہ اور منصور کی بات طے ہوئی تھی، منصور کے گھر والوں نے منصور کے نکاح کی بات بھی بتادی تھی۔چنانچہ قمر الحسن مجسٹریٹ نے یہی مشورہ دیا تھا کہ فوری طور پر طلاق نامہ بھیج دیا جائے لیکن یہاں معاملہ الٹا تھا۔کہ اگر طلاق دی تو مہر ادا کرنا پڑے گا اور لڑکی والے خلع لینے کو تیار نہ تھے۔اب طلاق کے سوا اور کوئی صورت نہ تھی۔قمر الحسن مجسٹریٹ نے کہا کہ چونکہ رخصتی نہیں ہوئی تھی اس وجہ سے آدھا مہر واجب ہوگا یعنی پچاس ہزار روپے۔مگر امجد صاحب کو یہ رقم بھی دینا گوارا نہ تھی لیکن مجبوری تھی۔بغیر طلاق دیئے منیرہ کے گھر والے شادی پر آمادہ نہ تھے۔چنانچہ قمر الحسن مجسٹریٹ، پھول بیگم، منصور اور ان کے ماں باپ کے مشورے پر فاخرہ خاتون کو طلاق نامہ روانہ کر دیا گیا۔

قمر الحسن کا خیال تھا کہ ضروری نہیں کہ لڑکی والے مہر کا مطالبہ کریں۔جب کریں گے تب دیکھی جائے گی۔ان کا خیال درست نکلا۔طلاق دینے کے کافی عرصے بعد بھی فاخرہ خاتون کی طرف سے مہر کا مطالبہ نہ ہوا تو منصور کے گھر والے مطمئن ہو گئے۔

جوں ہی منیرہ طلاق لے کر لاہور واپس آئی۔ دونوں کی شادی کی تیاریاں زور شور سے شروع ہوگئیں۔

منیرہ اور منصور دونوں ہی خوش تھے۔

نئی زندگی کا آغاز ہونے والا تھا۔ دونوں اپنی شادی کے سلسلے میں خریداری کرنے نکلے ہوئے تھے۔اب تھک کر ایک کیفے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

منیرہ کو یہ بات معلوم تھی کہ منصور کی بیوی فاخرہ خاتون اس کی دوست فخری ہی ہے لیکن اس نے منصور سے کبھی کوئی تذکرہ نہ کیا تھا۔ یہ ذکر فضول تھا۔ جب منصور کو فاخرہ سے کوئی رغبت نہ تھی کوئی تعلق نہ تھا تو وہ کون ہوتی تھی فاخرہ کی فکر کرنے والی۔ اور اب فاخرہ کی دوستی گزرے ہوئے ایام کی تہوں میں دفن ہو چکی تھی۔ یہ بھی ممکن نہ تھا کہ زندگی میں دوبارہ کبھی فخری کا ساتھ رہے۔ پھر منصور اس کی پسند تھے اور وہ منصور کی پسند تھی اس لیے یہ بات اس کے نزدیک نظر انداز کیے جانے کے قابل تھی اس لیے اس نے منصور سے اس ضمن میں کوئی بات نہ کی تھی مگر اب فاخرہ کی طلاق ہو چکی تھی اس لیے تذکرہ کرنے میں اس نے کوئی حرج نہ سمجھا۔

آپ کی فاخرہ خاتون غالباً میری کلاس فیلو ہوا کرتی تھی اور دوست بھی تھی۔"

"اچھا تمہیں کیسے پتہ چلا؟"

"اس کے بڑے بھائی اور بہن کا قصہ سن کر اندازہ ہوا...... آپ اس کے بھائیوں کے نام بتائیے۔"

"اکبر علی اور اصغر علی دو بھائی ہیں اس کے۔"

"ہاں وہی لڑکی تھی مگر مجھے تعجب ہے اس نے تو کبھی بھی یہ تذکرہ نہ کیا کہ وہ شادی شدہ تھی اگرچہ مجھ سے خاصی دوستی تھی۔"

"بھئی اسے مجھ سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔" منصور نے کہا۔" جب نا سمجھ تھی نکاح ہو گیا تھا نہ کبھی دیکھا نہ سمجھا۔

میں تو ایسی شادی کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا کہ لڑکے لڑکی نے ایک دوسرے کو سمجھا نہ ہو اور نہ ہی کبھی دیکھا ہو۔"

"واقعی یہی بات ہوگی ورنہ کبھی تو آپ کا تذکرہ کرتی۔" منیرہ نے کہا۔

"کیسی تھی تمہاری دوست؟" منصور نے دلچسپی سے پوچھا۔

''اب کیوں پوچھ رہے ہیں۔اب تو وہ قصہ ختم ہو چکا۔''

''یوں ہی پوچھ رہا ہوں کیسی تھی وہ۔''

منیرہ کی نظروں کے سامنے فخری کا باوقار سراپا گھوم گیا۔اس کے نورانی چہرے پر ذہانت سے بھرپور آنکھیں چمکا کرتی تھیں۔وہ عظمت کا مینار تھی۔سچائی کی رہبر تھی۔خوبصورت نہ سہی، مگر دلکش شخصیت کی مالک ایک مخلص لڑکی تھی مگر اس وقت منصور کے سامنے فخری کی تعریف کر کے وہ کسی آزمائش میں پڑنا نہ چاہتی تھی۔چنانچہ اس نے منصور کو چڑانے کے لیے کہا۔

''بس تھی یونہی سی۔میرے سامنے تو پانی بھرتی تھی۔''

''ظاہر ہے تمہارے سامنے تو بڑے بڑے پانی بھرتے ہیں۔فاخرہ بے چاری کیا چیز تھی۔''

منصور نے اس کے بالوں کی لٹ کھینچ کر کہا۔

''بالکل بونگی لڑکی تھی۔پرانے زمانے کی تھی بے چاری سر سے دوپٹہ اوڑھے۔اللہ اللہ کرتی تھی۔'' منیرہ نے اس انداز میں کہا کہ منصور کو ہنسی آ گئی۔

دونوں ہنستے ہوئے کیفے سے نکلے۔اور سامان سے لدے پھندے پھول بیگم کے گھر پہنچے۔

پھول بیگم ان دونوں کو دیکھ دیکھ کر نہال ہوتی تھیں۔

شادی کے دن قریب آ گئے تو سندھ سے منیرہ کے گھر والے بھی آ گئے۔

منیرہ اور منصور کی شادی بہت دھوم سے منائی گئی۔منیرہ رخصت ہو کر منصور کے گھر چلی گئی۔

اور منی بیگم بمعہ میاں و بچوں سندھ واپس چلی گئی۔

......❖......

منصورؔ کی شادی میں ان کی بہن سارہ اور بہنوئی مبارک علی کراچی سے آئے ہوئے تھے۔ مبارک علی ایک ہفتہ رک کر واپس چلے گئے۔لیکن سارہ کو سب نے کہہ سن کر روک لیا۔

شکیلہ بیگم یوں بھی سارہ کو کچھ دن اپنے پاس روکنا چاہ رہی تھیں کیونکہ ان دنوں سارہ کا پاؤں بھاری تھا اور اس کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ ویسے بھی چونکہ منصور اکلوتے بھائی تھے اس لیے سارہ خود بھی مزید رکنا چاہ رہی تھی۔

شادی کے دوسرے تیسرے دن ہی سے منیرہ اپنی نند سے بے تکلف ہوگئی۔ ہر وقت کی ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاڑ...... اس نے تو مبارک علی تک کو نہ چھوڑا۔ مبارک علی فطرتاً خاموش طبیعت اور سنجیدہ انسان تھے۔ بے جا ہنسی مذاق اور بے تکی باتوں کو ناپسند کرتے تھے۔ مگر منیرہ نے ان کی ناپسندیدگی کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ اور ہر قسم کے مذاق کا انہیں نشانہ بناتی رہی۔ اپنی خالہ کے گھر رہ کر اس نے یہی کچھ سیکھا تھا۔ غیر مردوں سے ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاڑ اور پھر ہنسی کے فوارے چھوڑنا۔

لیکن منیرہ کی یہ روش سارہ اور مبارک علی کو پسند نہ آئی مگر نیا نیا معاملہ تھا۔ منہ سے کچھ کہہ نہ سکے یوں بھی منیرہ رشتے میں بڑی بھابی تھی۔ سارہ کو تو بہر حال خاموش ہی رہنا تھا۔ مبارک علی چلے گئے تو سارہ نے سکون کا سانس لیا۔ وہ اپنے میاں کے مزاج سے واقف تھی۔ ایک بار کسی کے متعلق کوئی رائے قائم کر لیتے تو پھر بدلتے نہ تھے اور سارہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی اکلوتی بھابی کے متعلق مبارک علی کوئی غلط رائے قائم کریں۔

مگر کچھ دن منیرہ کے ساتھ گزار کر سارہ کو احساس ہوگیا کہ منیرہ کا مزاج بہت مختلف قسم کا ہے۔ حد سے زیادہ بے باکی فیشن اور بے حیائی کے مظاہرے ایک نئی نویلی دلہن پر زیب نہ دیتے تھے۔ منیرہ نے چند روز بھی شرم نہ کی تھی۔ ساس اور سسر کے سامنے منصور سے بے تکلفی سے باتیں کرتی تھی۔ شکیلہ بیگم بھی دل میں محسوس کرتیں مگر منہ سے کچھ نہ کہتیں...... منصور منیرہ کی قربت پا کر مسرور تھے' ان باتوں پر غور نہ کرتے تھے۔

وہ دونوں سارا سارا دن گھومتے پھرتے۔ دوستوں کے گھر دعوتیں اٹینڈ کرتے۔ اسی طرح شادی کو ایک ماہ گزر گیا۔ منیرہ اور منصور آپس میں خوش تھے۔ کبھی کبھی منصور از راہ مذاق خرم کی کوئی بات کرتے تو منیرہ منہ بنا کر کہتی۔

''میں تو بہت چھوٹی تھی اس وقت' مجھے تو ٹھیک سے پتہ بھی نہیں۔''

اور منصور مسکرا کر اسے بانہوں میں جکڑ لیتے۔

سارہ کے لیے مبارک علی کے دو خط آ چکے تھے۔ انہیں بیوی کے بغیر ایک پل چین نہ تھا۔ اور اب ایک ماہ سے کچھ زیادہ ہو گیا تھا اس لیے سارہ کی واپسی ضروری تھی۔

سارہ کی موجودہ حالت کے پیش نظر اکیلے سفر کرنا مناسب نہ تھا اس وجہ سے منصور نے فیصلہ کیا کہ وہ خود سارہ کو کراچی چھوڑ آئیں گے۔ چنانچہ فوری طور پر انہوں نے تیز گام میں دو سیٹیں ریزرو کروائیں۔

منیرہ کو ان لوگوں کے پروگرام کی کچھ اطلاع نہ تھی جس وقت منصور سیٹیں ریزرو کروا کے آئے اس وقت منیرہ کو پتہ چلا۔

''واہ آپ نے صرف دو سیٹیں کیوں ریزرو کرائیں میں بھی چلتی آپ کے ساتھ کراچی گھوم آتی۔''

''کراچی بھی کوئی گھومنے کی جگہ ہے۔'' منصور نے کہا۔ ''اور پھر تم کراچی کی رہنے والی ہو...... میں تو سارہ کو پہنچا کر فوراً لوٹ آؤں گا۔''

منیرہ کو منصور سے چند روز کی جدائی بھی گوارا نہ تھی وہ منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

''کم از کم چار پانچ دن تو لگ ہی جائیں گے آپ کو۔ اتنے دن تک میں کیا کروں گی۔''

''اپنی خالہ کے گھر چلی جانا۔''

''وہاں جا کر کیا کروں گی۔''

''جو پہلے کرتی تھیں۔''

''پہلے تو آپ کا انتظار کیا کرتی تھی!''...... منیرہ نے اک ادا سے کہا۔

''اب بھی میرا انتظار کرنا۔ میں انشاء اللہ جلد سے جلد واپس آؤں گا۔''

''نہیں میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ آپ جائیے۔ میں اسی گھر میں بیٹھ کر آپ کی راہ دیکھوں گی۔''

''جیسی تمہاری مرضی کے تابع ہیں!''......منصور نے اسے بانہوں میں جکڑ لیا۔

دو روز بعد منصور اور سارہ کراچی کے لیے روانہ ہو گئے' منیرہ نے چھلکتی آنکھوں سے منصور کو خدا حافظ کہا۔

......❁......

فرسٹ کلاس کے کمپارٹمنٹ میں منصور اور سارہ کے علاوہ ایک فیملی اور سفر کر رہی تھی۔ چھوٹا سا پورشن تھا جس میں آمنے سامنے کی سیٹوں پر یہ دونوں خاندان بیٹھے تھے۔

ریل روانہ ہوئی تو منصور نے سامنے بیٹھے ہوئے صاحب سے بات چیت شروع کر دی۔

ان صاحب کا نام عابد علی تھا۔ وہ آرمی میں کیپٹن تھے اور کراچی میں مقیم تھے۔ دونوں میاں بیوی اپنے چند ماہ کے بچے کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ بچہ اس قدر خوبصورت اور تندرست تھا کہ سارہ آپ ہی آپ اس بچے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ بچہ بھی ہمک ہمک کر سارہ کے پاس آنے لگا...... بہت جلد سارہ اور کیپٹن کی بیوی میں دوستی ہو گئی...... کراچی تک کا سفر لمبا تھا۔ ان دونوں خاندانوں میں ہر طرح کی باتیں شروع ہو گئیں۔ سارہ نے غور کیا کہ کیپٹن کی بیوی کچھ پریشان سی معلوم ہو رہی تھیں تاہم انہوں نے اس ضمن میں کچھ بھی نہ کہا تھا۔

باتوں باتوں میں سارہ نے خاتون سے کہا۔

''بہن آپ کا نام کیا ہے اتنی دیر سے ہم باتیں کر رہے ہیں ہمیں ایک دوسرے کا نام بھی معلوم نہیں پہلے میں اپنا نام بتا دوں مجھے سارہ کہتے ہیں۔''

''میرا نام شاہدہ ہے۔'' شاہدہ نے مسکرا کر کہا ''واقعی میں نام پوچھنا اور بتانا بھول گئی تھی۔''

''آپ لوگ کراچی میں رہتے ہیں؟''

''جی ہاں ہم کراچی میں رہتے ہیں۔''

''معاف کیجیے گا شاہدہ بہن آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں بات کیا ہے؟''

''بات کوئی ایسی خاص نہیں۔'' شاہدہ نے کہا۔ ''دراصل میرے بھائی جان کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ اس وجہ سے میں چند روز کے لیے کراچی سے انہیں دیکھنے آ گئی تھی اب واپس اپنے گھر جا رہی ہوں۔''

''کیا ہوا تھا آپ کے بھائی کو؟'' سارہ نے پوچھا۔

''بس ذہنی صدمہ تھا۔'' شاہدہ نے کہا۔ ''ویسے اب اللہ کے فضل سے ٹھیک ہیں۔''

''کیا بات تھی بہن۔ اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو بتا دیں۔ اس طرح آپ کے دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا اور وقت بھی کٹ جائے گا۔''

''نہیں بتانے میں تو کوئی حرج نہیں۔ بڑی عام سی بات ہے مگر حساس لوگ اس قسم کے واقعات کا کچھ زیادہ ہی اثر لیتے ہیں خصوصاً انسان کا اس میں کچھ قصور نہ ہو۔''

اب منصور بھی ان دونوں کی باتیں دلچسپی سے سن رہے تھے کیپٹن اخبار پڑھ رہے تھے۔

''دراصل میرے صرف ایک ہی بڑے بھائی ہیں جن کی شادی کچھ سال قبل میری پھوپھی زاد بہن سے ہوئی تھی۔ مزے کی بات یہ کہ بھائی جان کی مرضی نہ تھی مگر لڑکی اور پھوپھی کا جھکاؤ دیکھتے ہوئے بھائی جان راضی ہو گئے۔ یوں دونوں کا نکاح ہو گیا۔

جس وقت نکاح ہوا تھا منیرہ دسویں کا امتحان دے کر آئی تھی اور برقع پہنتی تھی۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ منیرہ نے اپنا رنگ بدل لیا۔ کالج پہنچی اور پھر لاہور۔ اس نے برقع اتار کر پھینک دیا۔ لمبے لمبے بال کٹوا لیے اور میوزک کلاسز میں داخلہ لے لیا۔ ہر وہ فیشن اپنایا جس سے میرے بھائی جان کو الجھن ہوتی تھی۔ اس کے بعد منیرہ نے بھائی جان کا خیال دل سے نکال دیا اور طلاق لے لی۔ اب سنا ہے کہ کہیں شادی ہونے والی ہے یا شاید ہو بھی گئی ہو...... میرے بھائی جان بہت حساس اور شریف انسان ہیں ان کے اوپر اس واقعہ کا اتنا اثر ہوا کہ وہ بیمار پڑ گئے۔ بس اسی سلسلے میں ہم لوگ ڈیرہ غازی خاں گئے تھے۔ اس کے بعد میں اپنی نند کے گھر لاہور چند روز رہی۔ اب کراچی جا رہی ہوں۔''

شاہدہ جتنی دیر یہ باتیں بتاتی رہی منصور اور سارہ سانس روکے روداد سنتے رہے۔ تاہم سارہ نے اپنے چہرے سے کچھ ظاہر نہ ہونے دیا۔ دونوں بھائی بہنوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر سارہ نے پوچھا۔

''صورت شکل کیسی ہے آپ کے بھائی کی؟''

''صورت شکل بہت اچھی ہے، بہت اسمارٹ بس اب میں اپنے منہ کیا تعریف کروں۔ اچھا یوں کرتی ہوں۔ میں آپ لوگوں کو ان کی شادی کا البم دکھائے دیتی ہوں اسے دیکھ کر ہی آپ اندازہ کر سکتی ہیں کہ میرے بھائی جان کیسے ہیں۔''

''کیا آپ شادی کا البم اب تک اپنے ساتھ رکھے ہوئے ہیں۔''

''شادی کے دو البم تھے ایک منیرہ نے اپنے پاس رکھا تھا دوسرا بھائی جان کے پاس تھا۔ میں

ڈیرہ گئی تو بھائی جان کا البم اٹھا کر لے آئی سوچتی ہوں ان تصویروں کو ضائع کر دوں۔''

اس کے بعد شاہدہ نے اپنا چھوٹا اٹیچی کیس کھولا اور البم نکال کر سارہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے بھائی جان کو بھی دکھا دوں۔'' سارہ نے البم کھولے بغیر پوچھا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں اس میں چھپانے کی کیا بات ہے اب یہ تصویریں ویسے بھی بے کار ہوگئی ہیں۔''

کیپٹن عابد علی نے اخبار الگ رکھ دیا تھا وہ بھی ان لوگوں کی باتوں میں شریک ہو گئے تھے۔

''اماں یار تم اب تک اس ذکر کو لیے بیٹھی ہو۔'' کیپٹن نے بیوی سے کہا۔''مارو گولی اس واقعہ کو اور لگا دو تصویروں کو آگ۔ خرم بھی احمق ہیں اسی لیے گیا تھا خرم کو ڈانٹ ڈپٹ کر آیا ہوں۔ خرم کے لیے بھلا لڑکیوں کی کیا کمی ہے میرے اپنے خاندان میں اچھی سے اچھی لڑکیاں موجود ہیں فوراً شادی کروا دوں گا۔''

اتنی دیر میں سارہ البم کھول چکی تھی۔

منصور اور سارہ البم دیکھنے لگے۔

خرم اور منیرہ کی بے شمار تصویریں تھیں باقاعدہ دلہن بنے ہوئے نکاح کی اور اس کے بعد بہت سی تصویریں۔ منصور نے غور سے خرم کو دیکھا پھر دل ہی دل میں کہا۔''منیرہ تو خرم کی بہت برائی کرتی تھی حالانکہ یہ تو بہت اچھا نوجوان ہے۔''

''آپ کے بھائی تو بہت اچھے ہیں۔'' سارہ نے کہا ''تعجب ہے کہ اس لڑکی نے کیوں رخصتی سے انکار کیا۔''

''رخصتی سے انکار کی صرف ایک ہی وجہ تھی کہ وہ مغربی ماحول اپنانا چاہتی تھیں اور ہمارے گھر وہی پرانا ماحول ہے۔ وہ فیشن ایبل بن گئی تھیں۔ پھر ایم ایس سی کر لیا تھا۔ ہمارے بھائی جان اتفاق سے صرف گریجویٹ ہیں بس یہی بات انہیں ناپسند ہوگئی۔''

شاہدہ کی باتیں منصور اور سارہ کے دل کو لگ رہی تھیں۔ اب منصور کو احساس ہوا کہ واقعی منیرہ حد سے زیادہ آزاد تھی۔ اور سارہ تو دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھی مگر منہ سے کچھ کہہ نہ سکتی تھی۔

اور منصور دل ہی دل میں سوچ رہے تھے کہ منیرہ تو کہتی تھی اس کی شادی بہت بچپن میں ہوئی

تھی اور یہی بات مجسٹریٹ صاحب کے گھر سے بتائی گئی تھی۔ مگر ان تصویروں سے تو یہ ظاہر نہ ہوتا تھا۔ یہ بات ان کے دل کو کچو کے لگا رہی تھی اور اسی وقت سارہ نے شاہدہ سے کہا۔

''شادی کے وقت خاصی سمجھدار تھیں آپ کی بھاوج۔''

''جی ہاں میٹرک کا امتحان دے کر آئی تھیں سولہ سال کی ہو چکی تھیں!''......شاہدہ نے کہا۔

''اور پھر اس کے بعد جب انہوں نے ایف ایس سی کا امتحان دیا تھا تب تو ظاہر ہے بڑی ہو گئی تھیں اس وقت میں اور خرم بھائی ان کے گھر کراچی گئے تھے۔ کافی دن وہاں رہے دونوں ہر وقت گھومتے پھرتے تھے اور اس وقت تک منیرہ بہت خوش تھیں۔''

''اچھا آپ کے بھائی وہاں جا کر رہے بھی تھے؟'' سارہ نے پوچھا

''اور کیا دونوں سارا سارا دن گھومتے رہتے تھے۔ لاہور جا کر منیرہ بیگم کے پر نکل آئے۔''

شاہدہ کی بات سن کر منصور کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

سارہ نے بھائی کی طرف دیکھا۔

ان کے چہرے پر غم و غصے اور احساس محرومی کے واضح نشانات تھے۔

شاہدہ البم واپس رکھ چکی تھی۔ اس نے کہا۔

''خواہ مخواہ میں نے اپنے بھائی کی داستان سنا کر آپ لوگوں کو بور کیا۔''

''نہیں جی ایسی کیا بات ہے دیکھئے باتوں میں پتہ بھی نہ چلا ہم لاہور کو کافی پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔'' سارہ نے کہا۔

''دراصل میرے اوپر اس واقعہ کا بہت اثر تھا۔ اس لیے آپ کے پوچھنے پر سب کچھ سنانے بیٹھ گئی ورنہ آج کل دنیا میں ایسے واقعات عام ہیں۔''

''ہاں آپ ٹھیک کہتی ہیں ہر قسم کے لوگوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔'' سارہ نے کہا۔

''آپ کچھ دیر کو لیٹ جائیے۔ سارہ بہن آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' شاہدہ نے کہا۔

''ہاں ہاں شاہدہ تم لیٹ جاؤ تکلف مت کرو۔'' منصور نے کہا۔

سارہ واقعی بیٹھے بیٹھے تھک گئی تھی اس لیے کمر کے پیچھے تکیہ لگا کر لیٹ گئی اور آنکھیں موند لیں۔

شاہدہ کے بچے نے دودھ کے لیے رونا شروع کر دیا۔ شاہدہ نے فیڈر بنا کر فیڈر اور بچہ کیپٹن کو......تھما دیا۔ ''لیجیے سنبھالیے تھوڑی دیر اپنے بیٹے کو میں بہت تھک گئی ہوں۔''

''بھئی یہ عورتوں والے کام ہم فوجی نہیں کر سکتے۔'' کیپٹن نے ہنس کر کہا۔

''فوجی ہر کام کرنا جانتے ہیں' پلیز عابد آپ فیڈر دے دیجیے منے کو' میں بھی تھوڑی دیر کمر ٹکا لوں۔''

کیپٹن عابد علی کو اس قسم کا تجربہ نہ تھا بہر حال منے میاں کو سیٹ پر لٹا کر کسی نہ کسی طرح فیڈر منہ میں لگا دی۔ منے میاں غٹا غٹ دودھ پینے لگے۔ عابد علی کو اس وقت یہ سب کچھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے فیڈر خالی ہوگئی اور منے میاں بے خبر سو گئے۔

اب دونوں حضرات نے بھی اوپر کی سیٹ سنبھالی اور چاروں مسافر تھک کر آنکھیں موند کر لیٹ گئے۔

لاہور سے کراچی تک کا سفر دونوں گھرانوں نے بہت اچھی طرح گزارا۔ ساتھ ہی کھانا اور ناشتہ بھی ہوا۔ کراچی آیا تو وہ لوگ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

منصور اور سارہ نے ان لوگوں پر ظاہر نہ کیا تھا کہ منیرہ سے ان کی کیا رشتہ داری ہے۔

فخری کا اب فائنل ائیر تھا۔ منصور سے علیحدگی ہوئے چار ماہ گزر چکے تھے۔ اس صدمے نے اسے نیم جان کر دیا تھا۔ اصغر علی اور فرح علیحدہ علیحدہ اپنے طور پر سمجھا سمجھا کر تھک چکے تھے۔ مگر فخری کی چپ کی مہر نہ ٹوٹ سکی۔ نہ جانے کیوں آخر وقت تک اسے امید تھی کہ کوئی معجزہ اسے منصور کے مقابل لا کھڑا کرے گا۔ وہ اور منصور کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ لیکن یہ اس کی بھول تھی۔

تقدیر کا لکھا پورا ہو کر رہا۔

اچانک ہی پہلے خالو جان کا خط آیا کہ یہ لوگ خلع لے لیں مگر ادھر سے خاموشی رہی تو پھر منصور کی طرف سے طلاق نامہ آ گیا۔ ان دنوں فخری کے فورتھ ائیر کے امتحانات ہو رہے تھے۔ اس اچانک صدمے نے اس کی امتحان میں پوزیشن بھی خراب کر دی تھی ورنہ اب تک وہ تمام امتحانوں میں نمایاں کامیابی حاصل کرتی آئی تھی۔ اس کے گھریلو حالات یکسر بدل چکے تھے۔

اصغر علی کو یونیورسٹی میں جاب مل گئی تھی اور کیمپس میں رہنے کے لیے ایک بنگلہ۔ اب فخری فیملی کیمپس شفٹ ہوگئی تھی۔ مگر فخری وہ نہ رہی تھی۔

اس کی دنیا بدل گئی تھی۔

زندگی ویران ہوگئی تھی۔

منصور کا ہر تصور اب اس کے لیے بے معنی ہو گیا تھا۔

کبھی کبھی وہ سوچتی منصور کی بیوی کیسی ہوگی۔ شاید بہت خوبصورت دولت مند اور شرمیلی سی۔ وہ میری عزت کرتے تھے شاید میری سادگی کی وجہ سے یقیناً ان کی بیوی بہت سادہ اور اچھے مزاج کی ہوگی۔ اسی قسم کی باتیں وہ اکثر سوچا کرتی تھی مگر منہ سے کچھ نہ کہتی۔

پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ فوری صدمہ کا اثر کم ہونے لگا۔ اور جب اس نے ٹھنڈے دل سے اپنے متعلق سوچا تو اس کی بے رنگ زندگی میں صرف ایک ہی رنگ باقی تھا۔

ڈاکٹر صفدر کی چاہت کا رنگ۔

وہ چاہت جو کبھی اظہار نہ بن پائی تھی۔

مگر اب وہ چاہت بھی فخری کے لیے روگ بن گئی تھی۔

ڈاکٹر صفدر بہت پہلے لیبیا جا چکے تھے۔

فخری کی طرف سے مایوس ہو کر وہ ملک چھوڑ چکے تھے۔

اب ڈاکٹر صفدر یہاں نہیں تھے صرف چند لمحات تھے...... وہ لمحات جو فخری نے ان کے ساتھ گزارے تھے۔

اور جب کبھی وہ ڈاکٹر صفدر کے متعلق سوچتی اس کی نگاہوں میں ان کی بیماری کا منظر گھوم جاتا جب وہ فرح کے مجبور کرنے پر ان کے گھر گئی تھی۔

زندگی میں پہلی اور آخری بار......

اس وقت ڈاکٹر کو بیمار اور تنہا دیکھ کر وہ بہت زیادہ جذباتی ہوگئی تھی۔

ڈاکٹر کے گرم گرم ہاتھوں کا لمس اسے آج بھی یاد تھا۔ بعض لمحے اتنے جاندار ہوتے ہیں کہ ان کی یاد کے سہارے تمام عمر گزاری جا سکتی ہے۔

فخری کے لیے وہ لمحے تمام عمر پر بھاری تھے۔

اسے اکثر خواب میں یہی دکھائی دیتا کہ وہ ڈاکٹر کے قریب بیٹھی ہے ڈاکٹر آنکھیں موندے لیٹے ہیں اور وہ کہتی ہے ''آپ کو نیند آ رہی ہے شاید۔''

اور وہ اپنا گرم اور بھاری ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیتے ہیں پھر کہتے ہیں ''میں جاگ رہا ہوں۔'' وہ خواب سے جاگ جاتی۔ صفدر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے مگر احساس باقی

رہتا۔

اس کے تن بدن میں آج بھی وہی بجلی کی لہریں دوڑ رہی تھیں جو اس روز صفدر کے لمس سے پیدا ہوئی تھیں۔

مگر وہ سب کچھ ایک خواب بن گیا تھا۔

اور خواب تو اب بھی وہ دیکھ رہی تھی۔

ڈاکٹر صفدر نے اچانک اسے چلے جانے کے لیے کہا تھا۔

اور وہ چلی آئی تھی۔

پھر چند ہی روز بعد اس نے سنا کہ ڈاکٹر باہر جا رہے ہیں۔ وہ کوشش کے باوجود ان سے کوئی بات نہ کر سکتی تھی اور خود انہوں نے بھی تو اسے بلا کر کوئی بات نہ کی تھی حالانکہ اس سے قبل کئی بار وہ اسے بلاتے ہی تھے مگر اب انہیں کیا ہو گیا تھا۔

اسے وہ دن اچھی طرح یاد تھا جب ڈاکٹر صفدر کو الوداعی پارٹی دی جا رہی تھی۔

سب ہی کو ان کے جانے کا دکھ تھا مگر وہ اپنے جذبات کا صحیح طور پر محاسبہ نہ کر پائی تھی۔

شاید اس وقت اسے دکھ نہ تھا۔

وہ منصور کے تصور سے خود کو آزاد کرنا چاہتی تھی۔

حالانکہ خالو جان کا دل توڑ دینے والا خط آ چکا تھا مگر وہ کسی معجزے کی منتظر تھی۔ اس کا دل کہتا تھا کہ منصور کسی دن اس سے ملنے آئیں گے ایک اجنبی کی حیثیت سے اور تب وہ ان کو بتا دے گی۔

”میں ہی آپ کی فاخرہ خاتون ہوں۔“

اور وہ سب کچھ بھلا کر اسے اپنی باہوں میں سمیٹ لیں گے۔

مگر انسانی دل کبھی کبھی بہت انہونی باتیں بھی کہہ جاتا ہے۔

وہ اپنے آپ کو فریب دیتی رہی۔

منصور کی محبت کا خول چڑھائے وہ ڈاکٹر صفدر سے بہت دور ہو گئی۔

الوداعی پارٹی کے دن ڈاکٹر سے اس کی رسمی سی بات چیت ہوئی تھی۔ انہوں نے کہا تھا۔

”فخری میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں یہ ملک چھوڑ دوں حالانکہ میری ماں کو اس بات کا بہت دکھ ہے مگر مجبوراً میں ایسا کر رہا ہوں۔ دراصل اپنے آپ کو اذیت دینا بہت مشکل کام ہے اسی لیے میں یہاں سے جا رہا ہوں۔“

اور جواب میں فخری خاموش رہی تھی۔

وہ کیا کہتی؟

کس لیے کہتی؟

وہ منصور کے نکاح میں تھی۔ منصور سے ملاپ کی امید ابھی باقی تھی۔

ڈاکٹر صفدر سے کچھ کہنا فضول تھا۔

وہ کسی کو فریب دینا نہ چاہتی تھی۔

یہ اور بات تھی کہ خود اس نے بہت سے فریب کھائے تھے۔

مگر وقت گزرنے کے ساتھ جب اچانک منصور نے علیحدگی کا پروانہ روانہ کر دیا تو وہ خواب غفلت سے بیدار ہو گئی۔ اس نے منصور کو دل میں بسا کر بہت بڑی غلطی کی تھی۔ مگر یہ بیداری بہت بعد از وقت تھی۔

اس کا چاہنے والا بہت دور جا چکا تھا اور ان سے اس کا تعلق نہ تھا کوئی رابطہ نہ تھا۔ ہاں ایک احساس تھا وہ چند لمحات جن کی یاد اس کے لیے سہارا بنی ہوئی تھی۔

مگر اس کے دلی جذبات سے کوئی بھی واقف نہ تھا۔

فرح کو بھی حقیقت کا علم نہ تھا۔

وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ ایک زمانے میں ڈاکٹر صفدر اسے پسند کرتے تھے مگر فخری کو ان سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ پھر وہ یہاں سے چلے گئے اور کہانی ختم ہو گئی۔

لیکن کہانی تو اب شروع ہوئی تھی۔

عجیب سی بات ہے انسان دل ہی دل میں بڑی بڑی کہانیوں کو جنم دیتا ہے جن کا نہ کوئی آغاز ہوتا ہے اور نہ انجام۔ ایسی ہی ایک کہانی فخری کے ذہن میں جنم لے رہی تھی جس کا آغاز اسے یاد نہ تھا اور جس کے انجام کی اسے خبر نہ تھی۔ بہر حال اس کی زندگی ایک ڈھرے پر لگی ہوئی تھی۔

اس کی زندگی کے سامنے ایک ہی مقصد تھا۔

ڈاکٹر بننا اور پھر ملک و قوم کی خدمت کرنا۔

انہیں دنوں ریحانہ کا میٹرک کا رزلٹ نکل آیا تھا وہ اچھے نمبروں سے پاس ہو گئی تھی۔ اختر کے گھر والوں نے اختر کے لیے مانگ لیا تھا۔

اصغر علی کے اس گھرانے سے بہت اچھے تعلقات تھے۔

اختر کو بی ایس سی کر کے میڈیکل ری پریزینٹیٹیو کی جگہ مل گئی تھی۔ وہ شریف لڑکا تھا۔ اور ریحانہ کے لیے ہر طرح سے موزوں تھا۔ اصغر علی نے اسے کئی سال ٹیوشن دیا تھا وہ اختر کی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھے۔ چنانچہ اختر کی والدہ نے جب ریحانہ کے لیے کہا تو اصغر علی نے فوراً منظور کر لیا۔

اور اب کچھ ہی دنوں بعد ریحانہ کی شادی ہونے والی تھی اس سلسلے میں یہ لوگ مناسب انتظامات کر رہے تھے۔

فرح ہر کام میں برابر کی شریک تھی۔

ریحانہ کی شادی کے سلسلے میں فخری کا دل بھی کچھ بہل گیا تھا۔ وہ فرح کے ساتھ خریداری کیا کرتی تھی۔ اور جب کبھی اصغر علی فرح کو اس طرح کام کاج میں مصروف دیکھتے تو ان کے دل میں انہونی خواہشات جنم لینے لگتیں۔

کاش فرح ہمیشہ کے لیے اس گھر میں آ جائے...... اور اسی طرح چھوٹے چھوٹے کاموں میں سب کا ہاتھ بٹائے۔

مگر وہ بات سوچ کر ہی خوف زدہ ہو جاتے۔ بھلا فرح کو کیا معلوم میں کتنی عجیب عجیب سی باتیں سوچنے لگا ہوں۔ اور اگر اسے میرے خیالات کا علم ہو جائے تو وہ نہ جانے مجھے کتنا گھٹیا انسان تصور کرے۔ فرح ان کی عزت کرتی تھی۔ بہت زیادہ۔ اس سے زیادہ اور کوئی بات نہ تھی۔ کم از کم اصغر علی نے اور کچھ محسوس نہ کیا تھا۔ مگر وہ خود اپنے آپ کو سوچنے سے نہ روک سکتے تھے۔

فرح کے کہنے کے مطابق وہ فرح کی آئیڈیل زندگی اپنا چکے تھے۔ فرح کو یونیورسٹی پروفیسرز پسند تھے۔ ڈگنیفائڈ اور سنجیدہ سے۔ اور اصغر علی اس مقصد کے حصول میں کامیاب ہو چکے تھے۔ انہیں تو باہر جانے کا چانس بھی مل رہا تھا مگر انہوں نے فخری، ریحانہ اور دُرّی کی خاطر جانے سے انکار کر دیا تھا۔ گھر میں صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں تھیں کوئی مرد نہ تھا وہ کس طرح سب کو چھوڑ کر جا سکتے تھے۔

خدا خدا کر کے ریحانہ کی شادی کا دن آن پہنچا۔ شادی میں بہت ہی مختصر سے لوگ مدعو تھے۔ فخری اور فرح نے مل کر چائے پارٹی کا بہت عمدہ انتظام کیا تھا۔ کچھ کیمپس کی خواتین بھی مدد کے لیے شامل ہو گئی تھیں۔

فرح صبح ہی سے فخری کے گھر آ گئی تھی اور مختلف کاموں میں مصروف تھی۔ تمام انتظامات

سے فارغ ہو کر فرح تیار ہونے چلی گئی۔ ہمیشہ فرح بہت سادہ لباس پہنا کرتی تھی مگر آج شادی کا موقع تھا اس نے فیروزی غرارہ سوٹ پہنا اور اوپر سے فیروزے ہی کا سیٹ پہنا۔

فرح نے فخری کم کمرہ اندر سے بند کیا ہوا تھا اور تیاری ہو رہی تھی۔ باہر سے مسلسل کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ فرح نے جلدی جلدی بال برابر کیے اور بھاری دوپٹہ سر پر اوڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

دروازے پر اصغر علی کھڑے تھے۔

''ارے یہ آپ ہیں میں تو پہچان بھی نہ سکا!''......اصغر علی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

اس وقت فرح کو پہلی بار اصغر علی کے سامنے شرم سی محسوس ہوئی۔ وہ دروازہ رو کے کھڑے تھے اور وہ باہر نکلنا چاہ رہی تھی۔

اصغر علی پرشوق نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ اور وہ سراسیمہ کھڑی تھی۔

''اچھا مجھے راستہ تو دیجیے!'' اس نے بہ مشکل کہا۔

اصغر علی آہستہ سے پیچھے ہٹ گئے اور وہ جھپاک سے باہر نکل گئی۔

اصغر علی سحر زدہ سے رہ گئے۔

فرح کو دیکھ کر فخری نے بھی ڈھیروں تعریف کی۔

ریحانہ اپنے کمرے میں سمٹی سمٹائی بیٹھی تھی۔ محلہ کی چند لڑکیاں ڈھولک پیٹ پیٹ کرالٹے سیدھے گانے گا رہی تھیں۔

تھوڑی دیر میں لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے۔ پھر بارات آ گئی۔

''بارات آ گئی۔'' کا شور اٹھا۔

ریحانہ کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ کم عمری اور ناتجربہ کاری کی عمر۔ شادی کی خوشی اور کچھ خوف عجیب سے ملے جلے تاثرات تھے۔ اس نے اختر کو کئی بار دیکھا تھا۔ اور جب سے اس کی شادی کی بات اختر سے ہوئی تھی دل ہی دل میں اختر کو چاہنے لگی تھی۔ بہت ہی سادگی سے اختر حسین اور ریحانہ خاتون کا نکاح ہو گیا۔

توقع کے خلاف اختر کی طرف سے بھاری بری آئی تھی اور ریحانہ خاتون دلہن بن کر بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

بعد مغرب ریحانہ کو رخصت کر دیا گیا۔ رخصت کرتے وقت فخری بہن کو لپٹا کر بہت روئی۔

اصغر علی کا دل بھی اندر سے رو رہا تھا مگر وہ مرد تھے اپنے جذبات پر قابو رکھنا جانتے تھے۔ بھائی بہن کی محبت سے جدا ہو کر ریحانہ اختر کے ساتھ سسرال سدھار گئی۔ رفتہ رفتہ سب اپنے گھروں کو چلے گئے اب گھر میں صرف اصغر علی، فخری، فرح اور دُرّی تھے۔ ریحانہ کے چلے جانے سے گھر ویران سا لگ رہا تھا۔

اصغر علی ایک کرسی پر خاموش بیٹھے تھے ان کا چہرہ بہت فکر مند اور پریشان لگ رہا تھا۔ بھائی کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے فخری نے بہت جلد اپنے آپ کو نارمل کر لیا۔

''فرح تم چھوٹے بھیا سے باتیں کرو میں تازہ چائے بنا کر لاتی ہوں......'' فخری نے چپکے سے فرح کے کان میں کہا اور اٹھ گئی۔ فرح تھوڑی سی دیر کو نروس ہو گئی اس کی سمجھ میں نہ آیا وہ اس چھ فٹ کے آدمی کو کن الفاظ میں تسلی دے۔

''آپ کیا سوچ رہے ہیں اصغر صاحب؟'' اس نے ان کے فکر مند چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''انہی لڑکیوں کے متعلق سوچ رہا تھا۔ آج ریحانہ چلی گئی۔ کچھ دنوں بعد فخری بھی چلی جائے گی۔ یہ لڑکیاں تو آنگن چڑیاں ہوتی ہیں جدھر اڑاؤ پھر سے اڑ جاتی ہیں۔'' اصغر علی کا لہجہ بہت جذباتی ہو رہا تھا۔

''اس میں اس قدر فکر مند ہونے کی کیا بات ہے اصغر صاحب' یہ تو زمانے کی ریت ہے لوگ اس دن کی تمنا کرتے ہیں آپ کو خوش ہونا چاہیے کہ ریحانہ ایک شریف اور نیک گھرانے میں گئی۔''

''آج مجھے اپنے بابا اور امی بہت یاد آ رہے ہیں۔'' اصغر علی نے دل کی بات فرح کے سامنے بیان کر دی۔ ورنہ فخری کے ساتھ انہوں نے ایسی کوئی بات نہ کہی تھی' مبادا فخری کے اوپر اثر ہو...... یہ بات کہتے ہوئے وہ آبدیدہ ہو گئے تھے۔

''یہ تو قدرتی بات ہے ایسے موقعوں پر ماں باپ کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔'' فرح نے کہا۔ ''مگر تقدیر کے ہاتھوں انسان بے بس ہوتا ہے۔ آپ کے بابا اور امی کو خدا نے جلدی بلا لیا یہی اس کی مرضی تھی۔ ہم انسان سوائے شکر کے اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔''

''آپ ٹھیک کہتی ہیں خدا کی یہی مرضی تھی۔''

''آپ نے اپنے باہر جانے کے متعلق کیا سوچا؟'' فرح نے موضوع بدلنے کی خاطر پوچھا۔

''جب تک فخری کے مستقبل کا کوئی مناسب فیصلہ نہیں ہو جاتا میں باہر جانے کے متعلق سوچوں گا بھی نہیں۔''

''بالکل یہی بات میں کہنے والی تھی!'' فرح نے کہا ''فخری بے چاری کے ساتھ بہت زبردست ٹریجڈی ہو چکی ہے خدا کرے فخری کو زندگی میں ایک اچھا ساتھی مل جائے۔''

''میں ہر نماز کے بعد دعائیں کرتی ہوں۔''

''خدا کرے آپ کی دعائیں قبول ہوں۔'' فرح نے کہا۔

''آمین!'' فخری نے فرح کی بات سن کر باآواز بلند کہا تو فرح اور اصغر علی کا ایک ساتھ قہقہہ نکل گیا۔ فخری چائے کی ٹرے لے کر آ رہی تھی اس نے اصغر علی کی بات نہیں سنی تھی صرف فرح کی بات سن کر ''آمین'' کہہ دیا تھا۔

ان دونوں کو ہنستا دیکھ کر فخری سراسیمہ ہو گئی۔ ''ایسی کیا بات ہو گئی۔'' فخری نے فرح سے کہا۔ ''تم بھیا سے کہہ رہی تھیں کہ خدا کرے آپ کی دعائیں قبول ہوں میں نے آمین کہہ دیا۔''

''اور یہ بھی تو پوچھو کہ تمہارے بھیا کیا کہہ رہے تھے۔''

''خیر کچھ بھی کہہ رہے ہوں میں کیوں پوچھوں۔'' فخری نے بات ٹال دی اور چائے کی پیالیوں میں چائے انڈیلنے لگی۔

اس وقت فضا خوشگوار ہو گئی۔ فخری' فرح اور اصغر علی تینوں ہنسی خوشی چائے پی رہے تھے۔ فرح رات کے گیارہ بجے تک ان کے گھر رہی اس کے بعد فرح کے بھائی اسے لینے آ گئے اور فرح ان سب سے رخصت ہو کر اپنے گھر روانہ ہو گئی۔

منصور، سارہ کو کراچی پہنچا کر جلد ہی واپس ہو گئے۔ جب سے ٹرین میں انہوں نے منیرہ کے متعلق باتیں سنی تھیں ان کا دل بجھ گیا تھا۔ ان کی نگاہوں کے سامنے خرم اور منیرہ کی شادی کی رنگین تصویریں رقص کر رہی تھیں۔ شاہدہ کے کہے ہوئے۔ یہ الفاظ کہ دونوں سارا سارا دن گھومتے رہتے تھے۔ ان کے ذہن پر ہتھوڑے برسا رہے تھے۔ یہ درست تھا کہ منیرہ اس وقت خرم کی بیوی تھی مگر پھر بھی منصور کو یہ سن کر بہت زیادہ دکھ ہوا تھا۔ منیرہ نے ان سے غلط بیانی سے کام لیا تھا اور منیرہ کے گھر والوں نے بھی یہی کہا تھا کہ منیرہ کا بہت بچپن میں نکاح ہو گیا تھا۔ مگر حقیقت اس کے برخلاف تھی۔ اس نے اپنی پسند سے خرم سے شادی کی تھی' خرم کے ساتھ گھومتی پھرتی رہی اور جب

منصور کو دیکھا تو خرم کو بھول کر منصور کی ہو بیٹھی۔ اتنے سال کی رفاقت کے بعد چپ چاپ طلاق لے لی۔ منیرہ کی طرف سے منصور کا دل خراب ہو گیا تھا۔

اگرچہ کم و بیش یہی حالات منصور کے ساتھ بھی تھے مگر منصور کا نکاح اس وقت ہوا تھا جب فاخرہ خاتون صرف آٹھ برس کی معصوم بچی تھی اس کے بعد نہ انہوں نے کبھی فاخرہ کو دیکھا نہ ملے۔ نہ ہی کبھی فاخرہ کے لیے کوئی ذہنی یا جذباتی لگاؤ محسوس کیا۔ وہ اپنی پسند سے شادی کرنا چاہتے تھے چنانچہ فاخرہ کو چھوڑ کر منیرہ سے شادی کر بیٹھے۔

اس نے ان کے ساتھ دھوکا کیا تھا۔ جس طرح آج وہ ان کے ساتھ محبت کا کھیل کھیل رہی ہے ایک بار خرم کے ساتھ بھی کھیلا ہوگا۔ ایسی ہی پیار بھری باتیں کی ہوں گی۔ اسی طرح خرم کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر سیر و تفریح کی ہوگی۔ خرم کی تصویر انہوں نے دیکھی خرم کسی لحاظ سے منصور سے کم نہ تھے۔ خوبصورت تندرست اور کم عمر۔ کیا کمی تھی خرم میں جو منیرہ نے انہیں یوں ٹھکرا دیا......؟

شاہدہ کہہ رہی تھیں کہ منیرہ آزاد ماحول کو پسند کرتی ہے جبکہ ان کے گھر کا ماحول مشرقی تھا۔ اس وجہ سے منیرہ نے شوہر کو چھوڑ دیا۔

کیا اتنی سی بات کے پیچھے کوئی شوہر کو چھوڑ دیتا ہے؟

منصور کے سامنے منیرہ کا بے باک سراپا گھوم رہا تھا اور وہ سوچ رہے تھے۔

شاہدہ بالکل صحیح کہہ رہی تھیں۔ منیرہ بہت آزاد ہے۔ بے باک ہے۔ اس کے اندر ذرا بھی جھجک نہیں ہے۔ خرم باحیا انسان تھے۔ انہوں نے ان باتوں کو ناپسند کیا مگر میں بھی اتنا گیا گزرا نہیں ہوں۔

میں منیرہ کو اتنی آزادی نہیں دوں گا۔ منیرہ کو اپنی عزت اور حیا کا پاس کرنا ہوگا۔

ریل تیزی سے لاہور کی طرف رواں دواں تھی اور منصور کا دماغ مسلسل منیرہ کے گرد گھوم رہا تھا۔ جس وقت وہ گھر پہنچے منیرہ اپنی خالہ کے گھر گئی ہوئی تھی۔

منصور کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر ماں کو فکر ہوئی۔ ”کیا بات ہے منصور تم بہت خاموش نظر آ رہے ہو۔“

”امی میں بہت تھک گیا ہوں ابھی غسل کروں گا تو طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔“

”منیرہ کو فون کر دو۔ تمہارے آنے کی اطلاع تو تھی نہیں بے چاری کو۔“

''نہیں امی فون کرنے کی ضرورت نہیں میں اس وقت آرام کروں گا۔''

یہ کہہ کر منصور غسل خانے میں غسل لینے چلے گئے۔

شکیلہ بیگم ہکا بکا سی بیٹے کی صورت دیکھتی رہ گئیں۔

رات گئے جب منیرہ خالہ کے گھر سے واپس لوٹی تو بیڈروم میں منصور کو لیٹے ہوئے پایا۔

''ہائے منصور تم آ گئے۔'' وہ والہانہ انداز سے آگے بڑھی اور منصور کے سینے پر سر رکھ دیا۔

منیرہ کے جسم سے تیز خوشبو اڑ رہی تھی جو اس وقت نہ معلوم کیوں منصور کو ناگوار محسوس ہوئی۔

اس وقت اس نے ایک بالشت کا بلاؤز پہن رکھا تھا۔ گلا بھی بہت کھلا ہوا تھا۔ تیز میک اپ اور بھاری زیور...... وہ پوری طرح سجی ہوئی تھی۔

منیرہ کی وارفتگی کے جواب میں منصور نے کسی گرمجوشی کا مظاہرہ نہ کیا۔ بس تنقیدی نگاہوں سے اسے دیکھتے رہے۔

''اس طرح کیا دیکھ رہے ہو منصور کیا نظر لگا دینے کا ارادہ ہے۔ اور ہاں تم نے آتے ہی مجھے فون کیوں نہ کیا؟''

''کیا فرق پڑتا ہے فون کرنے نہ کرنے سے۔ تم آ تو گئیں نا۔ میں تو اس وقت تمہارے لباس کو دیکھ رہا تھا۔''

''بہت خوبصورت ہے نا!''...... منیرہ نے خوش ہو کر کہا۔

''ہاں مگر لباس خوبصورتی کے لیے نہیں، جسم ڈھانکنے کے لیے پہنایا جاتا ہے۔'' منصور کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

''لیکن اس لباس میں کیا خرابی ہے؟'' منیرہ کو منصور کی بات سن کر تعجب سا ہوا۔

''اپنا بلاؤز دیکھو۔ میرے خیال میں اس تکلف کی بھی کیا ضرورت تھی۔ تمہارا جسم ہر طرف سے کھلا ہوا ہے۔''

''یہ آج آپ کیسی باتیں کرنے لگے ہیں۔''

''غلط ہیں یہ باتیں؟''

''پتہ نہیں آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ اچھے بھلے کراچی گئے تھے۔ آئے تو مزاج ہی نہیں ملتا پتہ نہیں کس بات پر خفا ہیں۔''

منیرہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پھر وہ رومال آنکھوں پر رکھ کر رونے لگی۔

پاکستان ورچوئل لائبریری

مگراس وقت منصور بہت خفا تھے۔ان کے دل میں لاوا سا پک رہا تھا۔انہوں نے کہا۔

''رونے دھونے سے حقیقت نہیں بدلا کرتی۔تم آئندہ ایسا لباس نہیں پہنو گی۔''

''آپ کہتے ہیں تو میں ابھی کپڑے بدل لوں گی مگر آپ ناراض کیوں ہو رہے ہیں۔''

یہ کہہ کر منیرہ آنسو پونچھتی ہوئی غسل خانے میں چلی گئی۔تھوڑی دیر میں منیرہ سادہ شلوار سوٹ پہن کر آ گئی۔مگر بہت خاموش تھی۔منصور کا دل پسیج گیا۔انہوں نے ہاتھ بڑھا کر منیرہ کو قریب کر لیا اور منیرہ منصور سے لپٹ کر ایک بار پھر آنسو بہانے لگی۔

....

جو لڑکیاں معمول شکل وصورت رکھنے کے باوجود اپنے اعلیٰ کردار پاکیزگی اور رکھ رکھاؤ سے مرد کے دل میں اپنا مقام بناتی ہیں وہ بیوی بننے کے بعد بھی تمام عمر شوہر کے دل پر حکومت کرتی ہیں۔شوہر کے دل میں ان کی عزت ہوتی ہے' وقعت ہوتی ہے۔عزت کے بغیر محبت قطعی بے بنیاد ہوتی ہے۔ جب تک ہمارے دل میں کسی انسان کی عزت نہیں ہوگی ہم اس سے حقیقی محبت نہیں کر سکتے۔یہی مقولہ لڑکی اور لڑکے کے درمیان ہونے والی محبت پر بھی فٹ آتا ہے......اور جو لڑکی محض اپنے حسن' جوانی اور بے باکی کی بنیاد پر کسی لڑکے کو اپنی طرف مائل کرتی ہے وہ بیوی بن جانے کے بعد اپنی ان صلاحیتوں کی قدر کھو دیتی ہے۔اس کا حسن اس کی جوانی شوہر کی ملکیت بن جاتے ہیں۔اس میں کوئی......بیان نہیں ہوتا۔محبت کا نشہ کچھ عرصہ میں ہرن ہو جاتا ہے پھر مرد ایک روایتی شوہر بن کر اپنی بیوی میں وہی خوبیاں تلاش کرتا ہے جو اس کے دل کی نہیں' ضمیر کی آواز ہوتی ہیں۔

یہی قصہ منیرہ کے ساتھ بھی ہوا۔منیرہ نے اپنی شوخی بے باکی اور جسمانی دلکشی سے منصور کو اپنی طرف مائل کر لیا تھا۔کچھ تو منیرہ کی بے پناہ وابستگی' کچھ منصور کا اپنا جھکاؤ اور کچھ دونوں خاندانوں کی مشترکہ خواہش تھی کہ منصور نے منیرہ سے شادی کر لی تھی۔ وہ عارضی طور پر اس میں کشش محسوس کرنے لگے تھے مگر جوں جوں وقت گزر رہا تھا منصور کے دل سے اس کی قدر کم ہوتی جا رہی تھی۔جب سے خرم کی بہن کی زبانی منیرہ کے متعلق تفصیلات معلوم ہوئی تھیں' وہ بہت بددل ہو گئے تھے۔مگر انہوں نے اس ضمن میں اپنی زبان سے کچھ بھی نہ کہا تھا۔مگر منیرہ کے لیے وہ وارفتگی نہ رہی تھی یہ بات منیرہ محسوس کرتی تھی۔

منیرہ کی نئی عادات پختہ ہو گئی تھیں۔غیر مردوں سے بے تکلفی سے ملنا۔نت نئے فیشن کرنا

اور ہر وقت سجے بنے رہنا اس کی عادات میں شامل تھیں۔ منصور نے جس روز منیرہ کو اس کے لباس پر ٹوکا اس کے بعد سے انہوں نے اسے کچھ بھی نہ کہا تھا۔ کچھ دن منیرہ ذرا سی سہمی ہوئی رہی مگر جب منصور کی کی طرف سے خاموشی دیکھی تو اسی پرانی روش پر لوٹ آئی۔ اس کے تمام ہی بلاؤز بہت چھوٹے سائز کے تھے اور یہ اونچے طبقے کا فیشن تھا۔ منیرہ ساریاں پہننا کیسے چھوڑ دیتی؟

اس کی اکثر قمیصیں سلیولیس تھیں اور چنے ہوئے دوپٹے گلے میں جھولتے رہتے۔ ان دنوں بہت زیادہ ٹائٹ کپڑے پہننے کا فیشن تھا۔ اور منیرہ نے یہ فیشن پوری طرح اپنایا ہوا تھا۔

منصور اپنے دل میں اس بات کو ناپسندیدہ محسوس کرتے تھے۔ مگر منہ سے کچھ نہ کہنے کی جیسے انہوں نے قسم کھا رکھی تھی۔ شاید وہ یہ دیکھنا چاہ رہے تھے کہ منیرہ کس حد تک ان کی شرافت سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے۔

رفتہ رفتہ شادی کو چھ ماہ کا عرصہ بیت گیا۔ انہی دنوں میجر نعیم کا تبادلہ لاہور ہو گیا۔ منی بیگم کا ایک تاکیدی خط منیرہ کے نام آیا تھا کہ اپنے نعیم ماموں سے تعلقات برقرار رکھنا اور برابر آتی جاتی رہنا۔ کچھ ہدایات منصور کو بھی دی گئی تھیں۔

منصور اب تک میجر نعیم سے ملے نہ تھے۔ شادی کے بعد ایک بار منیرہ اپنے ماں باپ کے گھر جا چکی تھی۔ منصور بھی ساتھ گئے تھے چونکہ میجر نعیم کی پوسٹنگ کراچی میں تھی اور منیرہ کا میکہ حیدرآباد میں تھا اس وجہ سے میجر نعیم سے ملاقات نہ ہو سکی تھی۔

مگر اب میجر نعیم لاہور آ گئے تھے اور منی بیگم کے گھرانے سے ان کے پرانے تعلقات تھے جس کا تذکرہ منیرہ بارہا کر چکی تھی بلکہ منصور نے میجر نعیم کا ذکر منیرہ سے اتنی بار سنا تھا کہ اب وہ ان کے لیے اجنبی نہ رہے تھے۔

منی بیگم کی ہدایت کے مطابق میجر نعیم کے گھر کا پتہ لے کر منصور اور منیرہ ان کے گھر گئے۔

منیرہ شادی کے بعد ان سے پہلی مرتبہ ملنے جا رہی تھی اس وجہ سے اس نے بہت عمدہ لباس پہنا تھا۔ زیور پہننے کی وہ ہمیشہ سے شوقین تھی اور میک اپ کرنے میں ماہر ہو چکی تھی۔

نوک پلک سے درست ہو کر جب منیرہ ڈریسنگ روم سے نکلی تو منصور اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"تم میجر کے گھر ملنے جا رہی ہو یا کسی شادی میں تقریب میں جا رہی ہو۔"

"لیکن میں شادی کے بعد پہلی بار جا رہی ہوں۔ نعیم ماموں کے گھر والے کیا کہیں گے۔

میں یونہی اٹھ کر چلی گئی۔''

''تمہاری شادی کو کافی عرصہ ہو گیا ہے۔ ویسے وہ تمہارے کس قسم کے ماموں لگتے ہیں؟''

''رشتہ تو کوئی نہیں ہے بس امی نے انہیں بھائی بنایا ہوا ہے۔''

''میرے خیال میں تو اس سج دھج کی کوئی ضرورت نہ تھی۔'' منصور نے جوتے کے تسمے باندھتے ہوئے کہا۔

''لیکن میرے خیال میں تو کوئی حرج بھی نہیں۔'' منیرہ نے بے نیازی سے کہا اور انگلیوں میں پہنی ہوئی انگوٹھیاں درست کرنے لگی۔

منصور نے پھر کچھ نہ کہا۔

ذرا سی دیر بعد منصور کی گاڑی میجر نعیم کے گیٹ کے سامنے رکی۔ اپنی آمد کی اطلاع وہ فون پر دے چکے تھے۔

ملازم نے ان دونوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ چند منٹ کے وقفہ سے میجر نعیم اندر داخل ہوئے منیرہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ منیرہ اتنی خوبصورت اور جاذب نظر لگ رہی تھی کہ میجر نعیم حیران رہ گئے۔ انہوں نے بہت عرصے بعد منیرہ کو دیکھا تھا۔

''اخاہ منیرہ آؤ بھئی آؤ!''...... یہ کہہ کر میجر نعیم نے اسے بانہوں میں سمیٹ لیا۔ پھر اسی طرح اسے ایک بازو سے لپٹائے ہوئے وہ منصور سے ملے۔ منصور ہاتھ ملا کر دور پڑے صوفے پر بیٹھ چکے تھے۔ اور میجر نعیم' منیرہ کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیے اپنے پاس صوفے پر بٹھا چکے تھے۔''

''یہ تو ہماری بیٹی ہے منصور میاں خالص ہماری۔ جب چھوٹی تھی تو ہر وقت گود میں چڑھی بیٹھی رہتی تھی۔ اب تو اتنی بڑی ہو گئی میں تو پہنچانا ہی نہیں اس کو......''

منیرہ شرمائی لجائی میجر کے داہنے بازو میں جکڑی بیٹھی تھی اور میجر نعیم مسلسل بول رہے تھے۔

''میں تو تم لوگوں کی شادی میں بھی شریک نہ ہو سکا تھا بہت کوشش کی مگر جانا نہ ہو سکا۔''

نہ جانے میجر نعیم کیا کچھ کہتے رہے منصور کا دماغ کسی اور جگہ پہنچ چکا تھا۔

انہیں میجر نعیم کی باتوں میں صداقت سے زیادہ مکاری کی بو آ رہی تھی۔ منیرہ کو اس طرح لپٹا کر بٹھانا انہیں اچھا نہ لگا اور وہ یوں بغیر رکے باتیں کر رہے تھے گویا منیرہ کو خود سے الگ کرنا بھول گئے ہوں۔

اس کے بعد مسز نعیم آ گئیں تب کہیں جا کر منیرہ کو چھوڑا مسز نعیم سے منصور کا تعارف ہوا۔ وہ ہمیشہ سے کم باتیں کرتی تھیں۔ اس ریزرو رہا کرتی تھیں۔ منصور سے رسمی سی باتیں کرتی۔ آج ان کی دونوں لڑکیاں گھر پر موجود نہ تھیں۔ اس وجہ سے ان سے منصور اور منیرہ کی ملاقات نہ ہو سکی۔

مسز نعیم نے بہت معمولی طریقے سے منیرہ اور منصور کی خاطر مدارات کی گویا وہ ان کی آمد کو کوئی اہمیت دینے کو تیار نہ تھیں۔ منصور نے یہ بات بہت واضح طور پر محسوس کی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹہ بیٹھ کر منصور اٹھ کھڑے ہوئے۔ میجر نعیم انہیں پہنچانے گیٹ تک آئے۔ منیرہ نے خدا حافظ کہا تو میجر نعیم نے منیرہ کی پیشانی کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

''میں جلد ہی تم لوگوں کے گھر آنے کی کوشش کروں گا۔''

منصور نے ایک جھٹکے سے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

گھر آئے تو منصور بہت خاموش سے تھے۔

منیرہ کپڑے بدل کر آئی تو منصور کو کسی سوچ میں گم دیکھا۔

''کیا بات ہے آپ اس قدر خاموش کیوں ہیں؟''

''تمہارے ماموں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔''

''بے چارے بہت محبت کرتے ہیں مجھ سے۔ امی کے بہت پرانے تعلقات ہیں نا۔''

منیرہ ان کی طرف داری میں آپ ہی آپ بول پڑی۔

''واقعی تم سے بہت محبت کرتے ہیں اس کا مظاہرہ تو وہ بڑی دلیری سے کر رہے تھے۔''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟''

''جو کہنا چاہتا ہوں تم خوب سمجھ رہی ہو اتنی بچی نہیں ہو جو بات کو سمجھ نہ سکو۔''

''آپ کو نعیم ماموں پسند نہیں آئے شاید۔''

''وہ شخص انتہائی چالاک اور عیار ہے۔ تعجب ہے تمہارے خاندان میں کیوں اس کی پذیرائی کی جاتی ہے۔''

''مجھے تو ان میں کوئی عیب نظر نہیں آتا۔'' منیرہ نے برا مان کر کہا۔

''تمہیں کسی بات میں کبھی عیب نظر آیا ہو تو ان میں نظر آئے۔ تم خود وہی سوچ رکھتی ہو جو نعیم کی ہے۔''

''آپ مجھ پر غلط الزام لگا رہے ہیں منصور۔ مجھے کچھ نہیں معلوم نعیم ماموں کے دل میں کیا

ہے وہ کیا سوچتے ہیں۔ اور میری کون سی سوچ ان سے مشابہ ہے۔ آپ کی تو عادت ہے ہر بات میں کوئی نہ کوئی مین میخ نکالنے کی۔''

''دراصل میری عادات تمہارے خرم سے مشابہت رکھتی ہیں اس وجہ سے تمہیں بری لگتی ہیں۔''

خرم کا نام منصور کی زبانی سن کر اور وہ بھی اتنی غیر متوقع طور پر' منیرہ حیران رہ گئی۔

''خرم کا یہاں کیا ذکر ہے۔ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ کو کیا خبر خرم کی عادات کیا تھیں وہ کیا سوچتے تھے۔''

''مجھے سب خبر ہے منیرہ بیگم۔ خرم کو تمہاری آزادی' بے باکی فیشن سے اختلاف تھا اور یہی بات تمہیں ناگوار گزرتی تھی۔ اسی وجہ سے تم نے خرم سے علیحدگی اختیار کر لی اور اب جب کبھی میری زبانی اس قسم کی بات سنتی ہو جس میں تمہاری بے حیائی کے خلاف احتجاج ہوتا ہے تو تمہیں میری باتیں بھی اسی قدر ناگوار گزرتی ہیں۔''

''منصور آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ آپ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔ مجھے خرم کی کوئی بات پسند نہ تھی۔ آپ وہ بات کیوں دہرا رہے ہیں جس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں۔'' یہ کہہ منیرہ رونے لگی۔

''رونے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا منیرہ بیگم' تمہیں اپنی عادات کو بدلنا ہوگا۔''

یہ کہہ کر منصور اپنے کمرے سے باہر نکل کر اپنی امی کے کمرے میں چلے گئے اور ان سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ منیرہ اپنے بیڈروم میں پڑی دیر تک آنسو بہاتی رہی۔

میجر نعیم اب اکثر ان لوگوں کے گھر آتے جاتے تھے۔ مسز نعیم کبھی کبھار ہی میاں کے ساتھ آتی تھیں۔ ورنہ عام طور پر وہ اکیلے ہی دفتر سے اٹھ کر منیرہ کے پاس آ جاتے تھے۔ کبھی منصور گھر پر ہوتے اور کبھی نہ بھی ہوتے۔ میجر نعیم گھنٹوں منیرہ سے باتیں کرتے۔ وہ حتی الامکان ان کی خاطر و مدارات کرتی اکثر اوقات پریشان بھی ہو جاتی مگر میجر نعیم اٹھنے کا نام ہی نہ لیتے۔ کبھی کبھی وہ سوچتی کہ منصور' نعیم ماموں کے بارے میں شاید سچ ہی کہتے ہوں۔ مگر دوسرے لمحے وہ اپنے اس خیال کو جھٹک دیتی۔ نعیم اتنی معصومیت سے باتیں کرتے تھے کہ وہ ان کی ہر بے باکی کو ان کی عادت اور محبت سمجھ کر برداشت کر جاتی تھی۔ اب منصور نے ان کے خلاف کچھ کہنا چھوڑ دیا تھا۔ مگر

ان کی نگاہوں کا خاموش احتجاج جاری تھا...... منیرہ کی سمجھ میں نہیں آتا تھا وہ اس معاملے میں کیا کرے کون سی روش اختیار کرے۔ نعیم ماموں سے کس طرح قطع تعلق کرے۔ اور سچ بات تو یہ ہے کہ وہ نعیم کو بہت معصوم اور فرشتہ صفت انسان سمجھتی تھی۔ جبکہ منصور کی نگاہوں میں ان کے لیے اس نے ہمیشہ ناپسندیدگی دیکھی تھی۔ ادھر منی بیگم کے خطوط تھے جن میں میجر کی خیریت ضرور دریافت کی جاتی تھی چنانچہ وہ حالات کے دھارے میں خود بخود ہی چلی جا رہی تھی۔ جب کبھی میجر نعیم آتے اسے ان کی خاطر ان کے پاس بیٹھنا بھی پڑتا ان سے باتیں بھی کرنیں پڑتیں۔ نعیم بہت پر لطف باتیں کرتے تھے۔ دنیا زمانے کے لطیفے انہیں یاد تھے۔ اور وہ لطیفے سنا سنا کر منیرہ کو ہنسایا کرتے تھے۔ اور جب کبھی نعیم کی بات سن کر منیرہ ایک بے باک قہقہہ لگاتی تو نہ جانے کہاں سے منصور کی نگاہوں میں ایک پاکیزہ سی صورت سما جاتی۔ وہ صورت جس پر جگنو سی آنکھیں چمکتی تھیں اور جس پر نور ہی نور برستا تھا۔ بالکل عام سے خدوخال کا وہ پاکیزہ چہرہ فخری کا تھا جو کبھی کبھی منصور کے ذہن میں آپ ہی آپ جگمگا جاتا تھا۔

فخری کے لیے ان کے دل میں کوئی جذبہ نہ تھا۔ ہو بھی نہ سکتا تھا مگر وہ اس لڑکی کو بھول نہ سکتے تھے۔ اس کے چہرے میں جو پاکیزگی کا عنصر تھا وہ اپنا آئیڈیل اس میں تلاش کیا کرتے تھے۔

فخری جھکی جھکی نگاہیں' شائستہ لہجہ دھیمی سی مسکراہٹ اور ٹھہرا ٹھہرا انداز۔

کاش منیرہ فخری جیسی ہوتی۔

نہ جانے کیوں اب خیال اکثر و بیشتر منصور کے ذہن میں آنے لگا تھا۔

بعض لوگ اپنے وجود سے اتنے پاکیزہ اور متبرک ہوتے ہیں کہ ہر دیکھنے والی آنکھ انہیں ہمیشہ یاد رکھتی ہے فخری کو منصور نے اسی ناتے سے یاد رکھا تھا۔

وہ یقیناً ایک قابل قدر لڑکی تھی۔ فرح کی عزیز دوست کاش فرح نے انہیں نہ ٹھکرایا ہوتا۔ فرح بھی تو خوبصورت تھی۔ امیر ماں باپ کی بیٹی تھی مگر اس میں نہ بے حیائی تھی نہ بے باکی۔ کافی عرصہ کے باوجود کبھی فرح نے منصور سے غلط انداز میں باتیں کی تھیں۔ منصور فرح کو سچ مچ چاہتے تھے مگر جب فرح نے انہیں چھوڑ دیا تو انہوں نے فخری کے ذریعے اپنی جیسی کوشش کرنے کے بعد اُس کا خیال دل سے نکال دیا۔ منیرہ سے مل کر انہوں نے سمجھا تھا کہ منیرہ اُن کے لیے ایک اچھی شریک سفر ثابت ہوگی اور پھر منیرہ سے اُن کی شادی ہوگئی تھی۔

شاید ان دونوں کے یکساں حالات نے ایک دوسرے سے قریب کر دیا تھا مگر شادی کے بعد

منصور کو احساس ہوا۔ منیرہ اُن کے مزاج سے بہت مختلف تھی۔ اور خرم کی بہن کی زبانی سنی ہوئی باتوں نے انہیں منیرہ کی طرف سے بدگمان کر دیا تھا انہیں اس بات کا رنج تھا کہ منیرہ نے اُن سے جھوٹ کیوں بولا تھا اور اب بھی جب کبھی بھولے سے منصور، خرم کا ذکر کر بیٹھتے، منیرہ ہمیشہ یہی تاثر دیتی کہ بچپن کی باتیں اُس کے ذہن سے نکل چکی ہیں اور اُسے خرم کے بارے میں کچھ بھی یاد نہیں۔

اور منیرہ کا یہ جواب سن کر منصور کے ہونٹوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ دوڑ جاتی اور منیرہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے یہ سوچتی کہ اُس نے منصور کو مطمئن کر دیا ہے۔

منصور کچھ دنوں کے لیے لندن جانے والے تھے۔ منیرہ کو ہمیشہ سے باہر جانے کا شوق تھا مگر منصور اُسے اس بار ساتھ لے جانے کو رضا مند نہ ہوئے۔ اُن کو کچھ کاروباری مصروفیات تھیں انہوں نے آئندہ منیرہ کو ساتھ لے جانے کا وعدہ کیا اور اتنے دنوں میکے چلے جانے کا مشورہ دیا۔

منیرہ اس صورت حال سے بہت بددل تھی وہ تو ایسے موقع کی منتظر تھی کہ کبھی منصور باہر جائیں تو وہ بھی اُن کے ساتھ سیر کو جائے مگر اُس کی یہ آرزو فی الحال پوری ہونے میں نہ آتی تھی۔ منصور نے اُسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا تھا۔

انہیں دنوں منیر بھیا پشاور سے اچانک آن پہنچے۔ انہوں نے پشاور سے ایم بی بی ایس کیا تھا اور اب ہاؤس جاب ختم کر کے آئے تھے۔ اُن کا خیال تھا بہن سے مل کر حیدر آباد چلے جائیں گے۔ منصور نے ان سے منیرہ کو بھی ساتھ لے جانے کو کہا۔ منیر بھیا یہ سن کر بہت خوش ہوئے کہ منیرہ بھی ایک ماہ کے لے اُن کے ساتھ گھر چلے گی۔

منیرہ کے پاس اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ وہ منیر بھیا کے ساتھ حیدر آباد روانہ ہو گئی اور منصور ایک ماہ کے واسطے لندن پرواز کر گئے۔

لندن ائیر پورٹ پر جیکولین انہیں رسیو کرنے آئی ہوئی تھی۔ جیکی، منصور کی پرانی دوست تھی جیکی کے والد پانی کے ایک جہاز کے کپتان تھے جیکی کے سوا اُن کی کوئی اور اولاد نہ تھی۔ جیکی، منصور کو بہت پسند کرتی تھی۔ اور اس کے والد مسٹر جانسن بھی منصور سے بہت متاثر تھے۔ جب کبھی منصور انگلینڈ جاتے جیکی اور مسٹر جانسن کی یہی خواہش ہوتی کہ وہ اُن ہی کے بنگلے میں قیام کریں۔ منصور اپنے ایک پاکستانی دوست کے ساتھ فلیٹ میں ٹھہرا کرتے تھے مگر جیکی کے اصرار پر اکثر شامیں اُن لوگوں کے ساتھ گزارا کرتے تھے۔ جیکی کئی بار منصور سے اپنی محبت کا اظہار کر چکی تھی

اور ہمیشہ شادی کے لیے اصرار کیا کرتی تھی مگر منصور کبھی رضا مند نہ ہوئے تھے انہوں نے صاف کہہ دیا تھا۔ ''جیکولین تم میری ایک اچھی دوست ہو مگر میں اپنی شادی اپنی کسی ہم وطن ہی سے کروں گا۔''

اور جیکولین اس بات پر بھی خوش تھی کہ منصور نے اُسے اپنی دوست بنالیا تھا۔ منصور کے انکار کے باوجود اُس نے کبھی کسی قسم کی خفگی کا اظہار نہ کیا تھا۔ وہ جب کبھی ملتی اُسی خلوص ومحبت سے منصور کا استقبال کرتی۔ اس بار بھی منصور کو ریسیو کرنے وہ ائیر پورٹ پر موجود تھی۔

منصور کو وہ اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئی۔

مسٹر جانسن شپ پر گئے ہوئے تھے۔ جیکولین نے منصور کے لیے بہت عمدہ پاکستانی کھانا تیار کر رکھا تھا۔ وہ دونوں ایک عرصے کے بعد ایک دوسرے سے ملے تھے۔ ابھی تک جیکولین کو منصور کی شادی کی خبر نہ تھی۔ منصور نے اسے اطلاع ہی نہ دی تھی۔ جیکولین بہت نفیس کھانے تیار کرتی تھی اور ایک گھریلو لڑکی تھی۔ منصور نے اُس کے بنائے کباب اور بریانی بہت شوق سے کھائے اتنی دیر میں وہ کافی تیار کر چکی تھی۔

کافی کے کپ ہاتھوں میں تھام کر جیکولین نے کہا۔ ''منصور تم اس بار بہت عرصے بعد آئے شاید پاکستان میں بہت مصروف ہو گئے تھے۔''

''ہاں جیکی میں بہت مصروف تھا۔ پتہ ہے اس بار کیا ہوا تھا؟''

''کیا ہوا تھا؟''

''میں نے وہاں شادی کر لی ہے جیکی۔''

''اچھا مبارک ہو۔'' جیکی نے کہا۔ ''کیسی ہے تمہاری بیوی؟''

''بس ٹھیک ٹھاک ہے تمہیں یہ بات سن کر کوئی دکھ نہیں ہوا؟''

''میرا دل بہت بڑا ہے منصور ڈیئر اور پھر جس بات کا پہلے سے علم ہو اس بات کا دکھ نہیں کرنا چاہیے۔''

''تمہیں میری شادی کا علم تھا؟''

''نہیں۔ مگر اس بات کا علم تو تھا کہ تم ایک نہ ایک دن اپنی ہم وطن سے شادی کر لو گے۔ تم نے مجھے کبھی دھوکے میں نہیں رکھا۔ منصور اسی لیے میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ تم عام پاکستانیوں سے مختلف ہو...... یہاں بہت سے لوگ آتے ہیں جو ہم جیسی لڑکیوں کو بے وقوف بنا کر شادی کا

وعدہ کر کے کچھ وقت گزارتے ہیں اور پھر کبھی پلٹ کر پوچھتے بھی نہیں۔ مگر تم نے کبھی کوئی وعدہ نہیں کیا۔ پھر میں کس بات کا دکھ کروں۔''

'میں چاہتا تھا جیکی کہ کسی ایسی ہم وطن سے شادی کروں جو میرے اندر کے منصور کو سمجھ سکے، مجھے روحانی خوشی دے سکے۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ منیرہ بہت مختلف ہے جیکی بے حد مختلف۔''

''کیا تم اُسے پہلے سے جانتے نہ تھے؟'' جیکولین سچ مچ پریشان ہو رہی تھی۔

''جانتا تھا۔ اس کے ساتھ گھومتا بھی تھا مگر میں اُسے پہچان نہ سکا جیکی۔ وہ لڑکی کبھی بھی مجھے مطمئن نہ کر سکے گی۔''

جیکی کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔ ''منصور جب کبھی تم اپنے آپ کو غیر مطمئن محسوس کرو میرے دروازے پر دستک دے لینا۔ میں ہمیشہ تمہاری منتظر رہوں گی۔''

منصور نے حیرت سے جیکولین کی طرف دیکھا۔ یہ کیسی لڑکی تھی جو منصور کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتی تھی۔ اُن کے ہر دکھ سکھ میں شریک تھی۔ وہ ہر حال میں انہیں قبول کرنے کو تیار تھی۔

''جیکولین میں نے تم جیسی کوئی لڑکی نہیں دیکھی۔'' منصور نے کافی کی پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''مجھ میں کیا خاص بات ہے۔'' جیکی مسکرائی۔

''تم بہت اچھی ہو بہت ہی سویٹ۔ کاش منیرہ تم جیسی ہوتی۔''

''تم اپنی وائف کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لائے؟''

''میں کچھ دن ریلیکس کرنا چاہتا تھا۔''

''اچھا تو پھر چند روز ہمارے ساتھ رہ جاؤ اور مکمل آرام کرو۔''

''نہیں جیکی میں ادھر نہیں رکوں گا۔ مجھے بہت سے کام نمٹانے ہیں۔ تمہارے ڈیڈی کب آئیں گے؟''

''اُن کے آنے میں کافی دیر ہے۔ آتے آتے رات ہو جائے گی۔''

''ٹھیک ہے میں اُس وقت تک رکوں گا۔ تمہارے ڈیڈی سے مل کر اپنے دوست کے فلیٹ چلا جاؤں گا۔ پتہ ہے میں نے اپنے آنے کی اطلاع صرف تمہیں دی تھی۔''

''شکریہ منصور، تم نے مجھے یاد رکھا۔''

''تم ایسی لڑکی نہیں ہو جسے آسانی سے بھلایا جا سکے۔''

''اچھا اب تم کچھ دیر آرام کرلو میں بیڈروم کے پردے برابر کیئے دے رہی ہوں۔'' جیکی نے کہا۔

منصور اُٹھ کر جیکی کے بیڈروم میں چلے گئے۔ جیکی نے پردے برابر کیئے اور پھر آہستہ سے دروازہ بھیڑ کر باہر نکل گئی۔

منصور آرام دہ بستر پر لیٹے جیکولین کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

یہ لڑکی کتنی اچھی ہے۔ ذرا بھی بناوٹ نہیں ہے۔ اس کی طبیعت میں خلوص ہے اپنائیت ہے اور وہ اس طرح ایک ایک بات کا خیال رکھتی ہے جیسے وہ اس کی گھر والی ہو۔

''اور تب ہی منصور کا دھیان منیرہ کی طرف چلا گیا۔

منیرہ کو اپنے بناؤ سنگھار ہی سے فرصت نہ تھی۔ جو کبھی منصور کی چھوٹی چھوٹی ضروریات کا خیال کرتی۔ وہ جان بوجھ کر منیرہ کو اپنے ساتھ نہ لائے تھے۔ کافی دنوں سے وہ عجیب سی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھے۔ لندن آکر وہ کچھ ریلیکس ہونا چاہتے تھے۔

شام کو جیکولین، منصور کو آؤٹنگ کے لئے لے گئی۔ ایک عرصے کے بعد منصور خود کو بہت مطمئن اور خوش وخرم محسوس کر رہے تھے۔ شام ڈھلے وہ دونوں گھر واپس آ گئے۔ مسٹر جانسن اُمید کے خلاف جلد ہی گھر آ گئے تھے۔ منصور کو دیکھ کر انہوں نے بہت زیادہ خوشی کا اظہار کیا۔ جیکولین نے منصور کی شادی کی خوش خبری اپنے ڈیڈی کو سنائی۔ اگرچہ ڈیڈی کو اپنی بیٹی کے دل کا حال معلوم تھا مگر منصور کی شادی کی پرزور مبارکباد دیتے ہوئے انہوں نے اطلاع نہ دینے کا شکوہ کیا۔ منصور بہت شرمندہ ہوئے۔

''ڈیڈی میں اب کے آؤں گا تو منیرہ کو اپنے ساتھ لاؤں گا اور چند روز آپ کے گھر قیام کروں گا۔ پھر آپ کی سب شکایت دور ہو جائے گی۔''

جیکولین اور ڈیڈی دونوں ہی منصور کی اس تجویز پر خوش ہو گئے۔

کچھ دیر بعد منصور اپنے دوست کے فلیٹ کے لیے روانہ ہو گئے۔ جیکی نے منصور سے وعدہ لیا کہ وہ جب تک لندن میں ہیں اُس کے گھر آتے رہیں گے۔

لندن سے واپسی پر منصور کراچی اپنی بہن سارہ کے گھر پہنچے۔ سارہ، بھائی کو دیکھ کر خوش ہو گئی۔ دونوں بھائی بہن میں بہت زیادہ محبت اور ساتھ ہی دوستی بھی تھی۔ منصور اپنی ہر بات سارہ کو بتایا کرتے تھے۔ انہوں نے جیکولین کے بارے میں بھی سارہ کو بتا رکھا تھا۔ سارہ جانتی تھی کہ بھائی

جان کبھی بھی کسی عیسائی لڑکی سے شادی نہ کریں گے۔ منصور کو اپنے ماں باپ کی خواہشات کا احترام تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اُن کے اس فعل سے ماں کو بہت دکھ ہوگا اس وجہ سے انہوں نے یہ طے کرلیا تھا کہ وہ شادی پاکستانی لڑکی ہی سے کریں گے۔ مگر شادی کر کے وہ کوئی خوشی حاصل نہ کر سکے۔ اور آج اتنے دنوں بعد سارہ سے وہ اپنے دل کا دکھ بیان کررہے تھے۔ سارہ کو تو پہلے ہی منیرہ ناپسند تھی اُس نے جی بھر کر دل کی بھڑاس نکالی۔

''بھائی جان آپ نے ایک بات پر غور کیا شاہدہ کہہ رہی تھیں کہ منیرہ نے اُن کے بھائی کو اس لیے بھی ناپسند کیا کہ وہ صرف بی ایس سی تھے جبکہ منیرہ نے ایم ایس سی کرلیا تھا مگر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ خرم بی ایس سی تھے مگر آپ بھی تو صرف بی اے پاس ہیں۔''

''مگر منیرہ کو علم نہیں۔ وہ مجھے انگریزی میں ایم اے سمجھتی ہے۔''

''ارے کیوں بھائی جان؟'' سارہ نے حیرت سے پوچھا۔

''بس سارہ اتفاق سمجھ لو۔ منیرہ سے جب پہلی ملاقات ہوئی تھی تو میں نے مذاقاً اُن سے یہ بات کہہ دی تھی اس وقت تو یہ خیال بھی نہ تھا کہ منیرہ کی اور میری شادی ہوگی۔ پھر شادی وغیرہ کا چکر چلا مگر اس قسم کا کوئی ذکر ہی نہ نکلا نہ منیرہ کے گھر والوں نے میری تعلیم پوچھی نہ میں نے کچھ کہا۔ غالباً امی ابو نے خود ہی بتایا ہوگا کہ میں گریجویٹ ہوں۔ اور یہ کوئی ایسی اہم بات بھی نہیں۔ مگر اب میں سوچتا ہوں منیرہ کو اصل بات معلوم ہوگی تو شاید انہیں بہت رنج ہو۔''

''بھائی جان یہ تو آپ نے بہت برا کیا۔ منیرہ بھابی کا تو یہ سن کر دل ہی ٹوٹ جائے گا۔''

''پیاری بہن میرا اس میں کیا قصور۔ بس ایک بار بات ہوئی تھی پھر کبھی ذکر ہی نہ آیا۔ پھر میں تو تجارت پیشہ آدمی ہوں ایم اے/ بی اے سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''مگر اُن کے لیے بہت فرق پڑتا ہے۔''

''اگر یہ بات ہے تو میں اسی ملاقات میں بتا دوں گا۔ سچ پوچھو تو میں یہ بات بھول بھی چکا تھا۔''

''ٹھیک ہے بتا ہی دینا چاہیے آخر اس میں عیب ہی کیا ہے۔ کیا آپ خدانخواستہ جاہل ہیں۔''

''سارہ مجھے بہت فکر ہے منیرہ میرے ساتھ یا یوں کہہ لو میں منیرہ کے ساتھ ایڈجسٹ نہ کر سکوں گا۔''

''آپ انہیں ٹھیک کر سکتے ہیں۔''

''وہ اپنی مرضی کی مالک ہیں انہیں میری خواہشات کی ذرا پرواہ نہیں۔ اُن کے ایک نعیم ماموں ہیں جو اکثر و بیشتر آتے رہتے ہیں۔ منیرہ ان صاحب سے قابل اعتراض حد تک بے تکلف ہیں۔ میں نے کئی بار اس بارے میں ذکر بھی کیا مگر وہ اپنی اس روش سے ہٹنے کو تیار نہیں۔''

''یہ تو بہت غلط بات ہے بھائی جان آپ انہیں صاف صاف منع کیوں نہیں کر دیتے۔''

''یہ معاملات بہت نازک ہوتے ہیں سارہ تم کیا سمجھو گی۔''

''میں بھی شادی شدہ ہوں بھائی جان۔ ہر معاملے کی نزاکت کو سمجھتی ہوں۔ مجھے تو خرم کی بہن کی باتیں سو فیصد درست معلوم ہو رہی تھیں۔ خرم شریف آدمی تھے وہ یہ سب بے ہودگیاں شاید ہی برداشت کرتے۔''

''ہاں وہ بے چاری جو کچھ کہہ رہی تھیں ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں میں خود اس بات کو مانتا ہوں مگر اب کیا ہو سکتا ہے، اب تو قسمت کا لکھا سمیٹنا ہی پڑے گا۔''

''کوشش کیجیے گا بھائی جان کہ منیرہ بھابی آپ کی بات مان کر آپ کی خواہش کے مطابق زندگی بسر کریں۔''

''پتہ نہیں کیوں میرا دل مطمئن نہیں، ایسا لگتا ہے کسی کی بد دعائیں لگ گئی ہیں مجھے۔''

اتنے میں سارہ کے میاں مبارک علی آ گئے۔ منصور نے باتوں کا موضوع تبدیل کر دیا۔

.......✿.......

کراچی ایک دن رُک کر دوسرے دن منصور حیدر آباد چلے گئے۔ منیرہ انہیں دیکھ کر خوش ہو گئی مگر اُسے اس بات کا شکوہ تھا کہ منصور نے ایک ماہ کی مدت میں اُسے ایک خط بھی نہ بھیجا تھا اور نہ ہی اپنی آمد کی اطلاع دی تھی مگر سب کے سامنے اپنی خفگی کا اظہار نہ کر پا رہی تھی۔ منی بیگم داماد کی خاطر میں بچھی جا رہی تھیں۔

رات ہوئی سب لوگ سونے کے لیے اپنے اپنے کمرہ میں چلے گئے۔ منیرہ، منصور سے خفا تھی اس لئے کروٹ دوسری طرف کر کے لیٹ گئی لیکن منصور نے اُسے خفا نہ رہنے دیا۔ وہ ایک ماہ سے بیوی سے الگ تھے۔ بہت جلد انہوں نے بیوی کو منا لیا۔

''سچ منیرہ مجھے کام سے بالکل فرصت نہ ملی ورنہ میں تمہیں ضرور خط لکھتا۔''

''پھر آنے کی اطلاع کیوں نہ دی؟''

''بس اچانک آ کر تمہیں سرپرائز دینا چاہتا تھا۔''

اور شوہر کی ذراسی توجہ پا کر منیرہ کھل اٹھی۔

وہ تو دل ہی دل میں خوف زدہ تھی کہیں منصور اُسے بھول نہ گئے ہوں۔ مگر منصور نے اس انداز میں معذرت کی کہ اس کے تمام اندیشے صابن کے جھاگ کی مانند بیٹھ گئے۔

منصور دو دن سسرال میں رُکے۔ دونوں دن منی بیگم نے اُن کی خاطر مدارات میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔

منیرہ شوہر کے ساتھ خوشی خوشی لاہور کے لیے روانہ ہوگئی۔

اب پھر وہی شب و روز تھے۔

منصور اور منیرہ کے تعلقات ٹھیک ٹھاک تھے مگر ایک روز اچانک منصور کی پرسکون زندگی میں بھونچال آ گیا...... بات بہت معمولی تھی۔

منیرہ اپنے گھر سے اس بار اپنی پرانی تصویریں لے کر آئی تھی۔ یہ سب تصویریں اسکول اور کالج کے زمانے کی تھیں جو کہ ایک لفافے میں بھری ہوئی تھیں اور اب منیرہ ان تصویروں کو البم میں لگانا چاہ رہی تھی۔ منیرہ کے اس کام میں منصور بھی شریک ہو گئے۔ مختلف تصویریں اُٹھاتے جاتے تھے اور منیرہ البم میں لگاتی جاتی تھی۔

اور تب ہی اُن کے ہاتھ میں فخری کی ایک بڑی سی تصویر تھی جس میں وہ ایک بڑا سا کپ اُٹھائے کھڑی تھی یہ کپ اُسے کالج کی ''بہترین لڑکی'' ہونے کے اعزاز میں ملا تھا۔ فخری نے یہ تصویر منیرہ کو پریزنٹ کی تھا بلکہ خود منیرہ نے مانگ کر لی تھی۔ منیرہ نے کہا تھا فخری تم اس تصویر میں بہت پیاری لگ رہی ہو۔ یہ تصویر مجھے ضرور دینا۔ تب فخری نے اُس تصویر کی کاپی کروا کر منیرہ کو دی تھی۔ تصویر کے پیچھے لکھا تھا: بچپن کی دوست منیرہ کے لیے فاخرہ خاتون فخری

منیرہ تصویریں لگانے میں منہمک تھی اُسے پتہ بھی نہ چلا منصور نے فخری کی تصویر کو غور سے دیکھ کر پیچھے لکھی ہوئی تحریر بھی پڑھ لی تھی...... فاخرہ خاتون فخری

یہ دونوں نام اُن کے ذہن میں گونجنے لگے۔ بجلی کی سی سرعت سے ایک خیال اُن کے ذہن میں آیا...... فاخرہ خاتون اور فخری ایک ہی شخصیت کے نام ہیں اور پھر اُنہیں یوں لگا جیسے پورے بدن کا لہو منجمد ہونے لگا ہو۔ مگر پھر بھی اس امر کی تصدیق ضروری تھی۔

وہ اپنے دلی جذبات پر قابو پا کر بولے۔

”یہ کون ہے منیرہ۔؟“

”یہ!“منیرہ ایک لمحہ کو گھبرائی۔”یہ میری ایک دوست ہے۔“

”کیا نام ہے اس کا؟“

”فاخرہ!“

”وہی فاخرہ خاتون جو میری منکوحہ ہوا کرتی تھی۔“منصور نے بظاہر مسکراتے ہوئے منیرہ سے پوچھا۔

منیرہ کے لیے فوری طور پر کوئی فیصلہ کرنا دشوار ہو گیا۔ وہ منصور کے چہرے کے تاثرات سے کوئی اندازہ نہ لگا سکی۔ مگر حقیقت چھپانا بے کار تھی۔ آخر اس بات میں حرج بھی کیا تھا کہ منصور کو اصل بات بتادی جائے وہ کب اُسے جانتے ہیں۔

تب اُس نے بے پروائی سے کہا۔”ہاں وہی فاخرہ خاتون۔ میں نے بتایا تو تھا آپ کو، آپ کی وائف میری دوست تھی۔“

منصور کے دل و دماغ میں بگولے سے اُڑنے لگے۔

فخری کی تصویر ہاتھوں میں پکڑے وہ ابھی تک گم صم بیٹھے تھے۔

منیرہ نے اُن کی جانب دیکھا پھر بولی۔”کیا ہوا آپ کو۔ بہت پسند آ گئی تصویر۔ ایسی کوئی خاص بات تو نہیں ہے اس میں۔“

”کاش مجھے حقیقت کا پہلے علم ہوتا!“منصور سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔”منیرہ تم نے غلط بیانی سے کام لیا۔ تم نے ہمیشہ فخری کی برائی کی حالانکہ وہ اتنی بلند ہے اتنی اونچی ہے کہ تم کبھی اُس کی گرد کو نہ پہنچ سکیں۔“

”اتنی ہی وہ اعلیٰ تھی تو آپ نے کیوں اُسے طلاق دی کر لی ہوتی اُسی سے شادی۔“منیرہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”میں اتنا خوش نصیب کہاں تھا جو فخری جیسی لڑکی میری شریک سفر بنتی!“......منصور کے لہجے میں حسرت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

”آپ کی باتیں میری سمجھ سے بالاتر ہیں۔“

”منیرہ میں فخری کو جانتا تھا۔ اس سے کئی بار ملا بھی تھا۔ مگر مجھے اس کا اصلی نام معلوم نہ تھا۔ اُف وہ لڑکی مجھے جانتی تھی اپنے اور میرے رشتہ سے واقف تھی مجھ سے بے تحاشہ محبت کرتی تھی مگر

اُس نے خود کو ظاہر نہ کیا..... مگر اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا..... میں بھی کتنا بد نصیب ہوں۔ ہیرے کو چھوڑ کر پتھر سے ناطہ جوڑ بیٹھا۔''

منصور کے الفاظ اب منیرہ کے لیے نا قابل برداشت ہو چکے تھے۔

''خاموش ہو جایئے منصور! مجھے نہیں سننی فاخرہ کی تعریفیں۔ اگر وہ ہیرا تھی تو آپ نے اُسے کیوں چھوڑا۔ اس میں کس نے غلطی کی تھی اور جہاں تک میرا تعلق ہے میں اپنے آپ کو فخری سے ہر لحاظ سے بہتر سمجھتی ہوں اور مجھ سے شادی آپ نے اور آپ کے گھر والوں نے اپنی پسند سے کی..... اب ان باتوں کا مطلب کیا ہے۔ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں.....؟'' منیرہ کے لہجے میں غصہ بھی تھا اور سختی بھی۔

''میں کچھ کہنا نہیں چاہتا میں تمہاری فطرت پر غور کر رہا ہوں۔ ایک ایسی لڑکی جو ہر لحاظ سے قابل قدر تھی اور تمہاری دوست بھی تھی تم نے اُسی کی برائی کر کے اپنا اُلو سیدھا کر لیا۔''

''میں نے اس کی کیا برائی کی۔ آپ ہی کے گھر والے اُس کو برا کہتے تھے۔ میرے اوپر خواہ مخواہ الزام مت لگایئے۔''

''اگر تم اس کی دوستی میں مخلص ہوتیں تو کبھی وہ کچھ نہ کہتیں جو تم نے مجھ سے کہا تھا بلکہ تم فخری کی تعریف کر کے مجھے اُس کے لیے مجبور بھی کر سکتی تھیں۔''

''نہیں۔ نہیں۔ میں کچھ نہیں کر سکتی تھی مجھے کیا مطلب تھا فخری اور اُس کی بہبود سے، آئندہ میں آپ کی زبان سے اُس کا نام نہیں سنوں گی۔''

''منیرہ نے چیخ کر کہا۔ اور تمام تصویریں، البم اُٹھا کر ایک طرف پٹخ دیا اور پھر زور زور سے رونے لگی۔

''مت چیخو منیرہ۔ تمہاری یہ چیخیں میرے دل میں کوئی لچک نہیں پیدا کر سکتیں۔ اس لیے کہ میرے تن بدن سے اُٹھنے والی چیخیں بہت زبردست ہیں جن کی آواز تم تک نہیں پہنچ سکتی۔ منیرہ تم کیا چیز ہو۔ اور اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہو۔ تم نے ہمیشہ ہر معاملے میں مجھ سے جھوٹ بولا۔ تم کس کس بات کی تردید کرو گی۔ تم نے اور تمہارے گھر والوں نے یہ بھی کہا تھا کہ تمہارا نکاح بہت بچپن میں خرم سے ہو گیا تھا اور تم ہمیشہ خرم کے معاملے میں لاعلمی کا اظہار کرتی رہیں۔ مگر سنو منیرہ مجھے ہر بات کی خبر ہے۔

جب تمہارا نکاح ہوا تھا تم جوان ہو چکی تھیں۔ مجھے ان لمحات کی تمام رنگینیوں کا علم ہے جب

خرم تمہارے گھر چھٹیاں گزارنے گئے تھے۔اس وقت تم ایف ایس سی کا امتحان دے چکی تھیں۔ اس زمانے میں تم خرم سے محبت کرتی تھیں مگر پھر لاہور آ کر تمہارے دماغ خراب ہو گئے۔تم نے اپنے اطوار خراب کر لئے آزادی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا ڈالا۔خرم تمہیں بیک ورڈ نظر آنے لگے اور پھر تمہیں میں نظر آ گیا۔تم نے خرم کو چھوڑ کر میرا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔خرم تمہاری نظر میں کم سے کم تعلیم یافتہ تھے اس لئے نا؟ سن لو منیرہ کان کھول کر سن لو...... میں صرف بی اے پاس ہوں اور مجھ میں وہ تمام کمزوریاں موجود ہیں جو تمہیں خرم میں نظر آتی تھیں۔خرم تو تمہارے ماموں زاد بھائی تھے وہ شاید تمہاری بے غیرتیوں کو برداشت کر جاتے۔مگر میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کروں گا۔"

منصور کے منہ سے اتنی بڑی بڑی باتیں سن کر منیرہ اچنبھے میں رہ گئی۔

اُف خدا منصور کو ان باتوں کا علم کیوں کر ہوا؟

منیرہ کے حواس شل ہونے لگے۔

منصور نے پھر کہا "بولو جواب دو میری بات کا۔میں نے اُس میں سے کونسی بات جھوٹ کہی ہے۔"

"نہیں نہیں۔منصور۔ایسا نہیں تھا۔آپ سے یہ سب کچھ کس نے کہا۔"

"مجھے سب معلوم ہے تم خرم کے ساتھ ایک بیوی کی حیثیت سے رہی تھیں۔اگر تم بانجھ نہ ہوتیں تو خرم کے بچے کی ماں بن چکی ہوتیں۔"

"منصور!" منیرہ کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی۔"میں بانجھ نہیں ہوں آپ نے یہ کیسے کہہ دیا۔آپ میرے اوپر اتنے بڑے الزامات نہیں لگا سکتے......نہیں لگا سکتے۔"

اُس کی آواز بھی ٹھیک سے نہیں نکل رہی تھی۔

"اگر تم بانجھ نہ ہوتیں تو اب تک بچہ سے محرم کیوں رہتیں۔ایک سال ہونے والا ہے ہماری شادی کو......"

"ایک سال بہت زیادہ تو نہیں ہوتا۔"

"بکواس مت کرو منیرہ۔میری نگاہوں میں تم اپنا مقام کبھی بھی بحال نہیں کر سکتیں۔تم ایک شادی شدہ طلاق یافتہ عورت ہو جس نے اپنی بچپن کی دوست کے ساتھ بے وفائی کی،اُس کی برائیاں کیں اور اپنی جوانی اور بے باکی سے مجھے اپنی طرف مائل کیا۔میرے دل میں تمہاری ذرا سی بھی عزت نہیں۔"

یہ کہہ کر منصور پاؤں پٹختے غصے کے عالم میں کمرے سے نکل گئے۔ پھر وہ گھر میں رُکے نہیں۔گاڑی نکال کر سیدھے اپنے دوست وقار کے گھر جا پہنچے۔

شکیلہ بیگم، بہو کے کمرے سے کچھ کچھ آوازیں سن رہی تھیں۔ وہ سمجھ گئیں کہ منصور اور منیرہ میں جھگڑا ہو گیا ہے۔وہ منصور کو آوازیں دیتی رہ گئیں مگر منصور کچھ سنے بغیر گھر سے نکل گئے۔شکیلہ بیگم منصور کو پکارتی اندر داخل ہوئیں۔منیرہ اوندھی پڑی رو رہی تھی۔

"کیا ہوا منیرہ!......" انہوں نے ہمدردی سے پوچھا۔

منیرہ کو ساس کے ہمدردی کے بول اس وقت زہر لگے۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا ہے جا کر اپنے بیٹے سے پوچھیے۔جس نے میری زندگی کو عذاب بنا دیا ہے۔"

"اے ہے خدا نہ کرے میرا بیٹا ایسا کیوں ہونے لگا۔ وہ تو تمہاری ہر بات چپ چاپ برداشت کر لیتا ہے مگر کبھی منہ سے کچھ نہ کہا۔"

"آپ یہاں سے چلی جائیے۔میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔میں بری ہوں تو آپ لوگ کیوں لائے تھے مجھے اس گھر میں۔"

شکیلہ بیگم کے لیے منیرہ کی بدتمیزی نا قابل برداشت ہوگئی وہ غصہ کے عالم میں پلٹ آئیں۔

"مجھ سے بدتمیزی مت کرنا مجھے کسی کی بات سننے کی عادت نہیں ہے۔"

"اُن کی آواز منیرہ کے کانوں سے ٹکرائی اُس نے کس کر کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔

........❀........

رات کو جب منصور اپنے دوست کے گھر سے واپس آئے تو منیرہ گھر میں موجود نہ تھی۔ شکیلہ بیگم نے بتایا کہ منیرہ کی پھول خالہ آئی تھیں وہ زبردستی اُسے اپنے ساتھ لے گئیں۔ اور یہ سچ بھی تھا پھول خالہ کو منیرہ کے حالات کا کچھ علم نہ تھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ وہ آج کے دن آئی تھیں، منیرہ کو لینے ہی کی غرض سے دراصل اُن کی دونوں بیٹیاں ناہید اور نوشین کچھ دنوں کے لیے میکے آئی ہوئی تھیں۔ اُنہوں نے منیرہ کو بھی کچھ دنوں کے لیے بلا بھیجا تھا۔ اگرچہ منیرہ کا دل نہ چاہتا تھا مگر وہ خالہ کے سامنے اپنی کسی کمزوری کا اظہار نہ کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ پھول خالہ کے گھر چلی گئی۔ پھول خالہ نے کہہ دیا تھا کہ وہ خود منصور سے ٹیلی فون پر اُس کے لیے اجازت لے لیں گی۔ منیرہ چپ چاپ چلی گئی تھیں۔

رات کو جب منصور واپس آئے تو اُن کی ماں نے بتایا۔

''منیرہ کی خالہ کچھ دن کے لیے منیرہ کو بلانے آئی تھیں تم اُن سے فون پر بات کر لینا۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے امی۔ منیرہ جب تک چاہے وہاں رہ سکتی ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

''بیٹا منصور کیا منیرہ سے تمہارا جھگڑا ہو گیا ہے؟''

''امی آپ لوگوں کا انتخاب بہت غلط تھا۔ منیرہ اور میرے مزاج میں بہت فرق ہے۔ جھگڑا تو ایک دن ہونا ہی تھا۔ مگر امی ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ پریشان نہ ہوں منیرہ کے ساتھ میری شادی ہو چکی ہے تو اب یہ شادی قائم رہے گی۔ آپ لوگوں نے ایک بار بچپن کا نکاح ختم کروا دیا۔ اب دوبارہ وہی تاریخ کیسے دہرائی جا سکتی ہے۔''

یہ کہتے ہوئے منصور اپنے بیڈ روم میں چلے گئے

منیرہ کے بیڈ پر اب بھی تمام تصویریں اور البم بکھرے پڑے تھے۔

پورے کمرے پر خاموشی کا تسلط تھا۔

انہوں نے اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے لاک کر لیا پھر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے منیرہ کے بیڈ پر پہنچ گئے بکھری تصویروں میں فخری کی وہ تصویر انہوں نے ایک لمحہ میں تلاش کر لی جس میں وہ بڑا سا کپ لئے مسکرا رہی تھی۔

وہ غور سے اس تصویر کو دیکھتے رہے۔ گھورتے رہے اور آنسو اُن کی پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے رہے۔ انہیں وہ دن یاد آ رہا تھا جب وہ فخری سے آخری بار ملے تھے۔ ایک کیفے میں.. اور وہ کس قدر گھبرا رہی تھی۔ کاش وہ اس کی گھبراہٹ کی وجہ سمجھ سکتے۔ فخری کے وہ الفاظ تیر بن کر اُن کے کلیجے کو چھلنی کر رہے تھے۔ اُس نے کہا تھا۔

''منصور صاحب ہو سکتا ہے آپ کی بیوی آپ سے بہت زیادہ محبت کرتی ہو''

''کاش فخری میری جان تم نے بتا دیا ہوتا کہ تم ہی فاخرہ خاتون ہو''

وہ اُس کی تصویر سے کہہ رہے تھے۔

''تم مجھ سے بہت زیادہ محبت کرتی تھیں اور میں تمہاری عزت کرتا تھا اس لئے کہ تم مقدس تھیں۔ تمہارے چہرے پر مریم کی پاکیزگی تھی فخری تمہاری نگاہوں میں حیا تھی۔ تم مجسم خلوص تھیں۔ اگر مجھے حقیقت بتا دیتیں تو خدا کی قسم فخری میں تمہیں اپنے سینے میں چھپا لیتا۔ فرح تو کیا میں پوری دنیا کو بھول کر تمہارے وجود میں سما جاتا۔ مگر تم نے اپنے ہونٹوں پر چپ کے قفل ڈال لئے تھے۔ اس لئے کہ تم سمجھتی تھیں کہ میں فاخرہ خاتون سے نفرت کرتا ہوں۔ میں نے تمہارے بھائی بہنوں کی برائیاں بیان کی تھیں تب تم نے کہا تھا کہ بھائی بہن کے افعال کی سزا اُس لڑکی کو کیوں ملے۔

ہاں میری جان تم بے قصور تھیں مگر میری مجبوری تو دیکھو امی ابا نے ہمیشہ مجھے یہی تاثر دیا کہ تم سب لوگ بہت خراب ہو گئے ہو۔ دردانہ آپا اور اکبر بھائی کے قصوں نے مجھے بددل کر دیا تھا۔ میں نے کبھی تمہارے متعلق اچھے خیالات کے ساتھ سوچا ہی نہیں۔ میں تو تمہارے وجود کو تسلیم ہی نہ کرتا تھا۔ کبھی یہ خیال بھی نہ آیا کہ تم سے ایک بار ملوں تمہیں دیکھوں۔ اگر تمہیں دیکھ لیتا، تم سے مل لیتا، تو آج یوں برباد نہ ہوتا۔ میری جان تم میری بن کر بھی میری نہ بن سکیں۔ میرا قصور کیا تھا؟ میں نے کبھی کوئی غلط کام نہ کیا۔ کسی برائی کی طرف قدم نہ بڑھایا۔ صرف فرح کو پسند کیا تھا۔ اور پھر چاہا بھی تھا وہ بھی گھر والوں کی مرضی سے میں نے فرح کو چاہا تھا اس لیے کہ وہ ایک اچھی لڑکی تھی مگر جب اُس سے انکار ہو گیا۔ تو میں نے رفتہ رفتہ سب کچھ ذہن سے نکال دیا۔ پھر تقدیر نے مجھے منیرہ

سے بھڑ وادیا۔ منیرہ ایک سراب تھی فخری، میں سراب کے پیچھے بھاگتا رہا اور اپنی راہ سے بھٹک گیا۔ میں نے تمہیں چھوڑ دیا، ہمیشہ کے لیے۔ تم جو اصلی سچائی تھیں، ایک حقیقت تھیں مجھ سے جدا ہو گئیں اور میں نے سراب کو گلے لگا لیا۔ مگر آج میں تمہاری اس تصویر کو کلیجے سے لگائے آنسو بہا رہا ہوں۔ ہاں فخری ایک مرد ہو کر آنسو بہانے پر مجبور ہو گیا ہوں۔

تم بے قصور تھیں مگر میرا کیا قصور تھا؟

تقدیر نے مجھ سے یہ کیسا مذاق کیا؟

منصور، فخری کی تصویر کو سینے سے لگائے تکیے پر اوندھے پڑے تھے۔ پورا تکیہ آنسوؤں سے تر تھا۔ دل بھر کر آنسو بہا لینے سے دل کی بے قراری کو کچھ قرار آیا۔ اُنہوں نے فخری کی تصویر کو ایک بار پھر غور سے دیکھا۔ وہ اسی طرح باوقار انداز میں مسکرا رہی تھی۔

''خدا کرے تم ہمیشہ خوش رہو فخری تمہیں کوئی دکھ کوئی غم نہ ملے۔ تم زندگی کی ہر مراد پاؤ میری جان میں...... کبھی یہ بتانے تمہارے پاس نہ آؤں گا کہ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے اور تمہارا نورانی پیکر میری نس نس میں سما چکا ہے۔''

منصور نے آنسو بہاتے ہوئے یہ الفاظ ادا کیے اور اپنے کانپتے لب اُس کی تصویر پر رکھ دیئے۔

....

پھول بیگم منیرہ کو گھر لے کر پہنچیں تو ناہید اور نوشین نے اُس کا پرزور استقبال کیا۔ وہ اپنے چہرے کے غمگین تاثرات چھپائے سب سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی رہی پھر بھی اُس کا اترا ہوا چہرہ ناہید سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

''کیا بات ہے منیرہ آج تم کچھ بجھی بجھی سی لگ رہی ہو۔''

''کچھ نہیں آج...... ذرا طبیعت بھاری تھی۔ سر میں درد بھی تھا اس لیے آپ کو ایسا لگ رہا ہے۔''

نوشین نے اُس کی طبیعت کی خرابی کو بہت ہی خوبصورت رنگ دے ڈالا۔

''بھئی مبارک ہو منیرہ۔ کوئی چکر لگ رہا ہے۔ شکر خدا کا تمہاری طرف سے بھی طبیعت کی خرابی کی خبر نہ ملی۔ ورنہ تم لوگوں نے فیملی پلاننگ والوں سے غالباً کوئی معاہدہ کر رکھا ہے۔''

نوشین کی خوبصورت بات منیرہ کے دل پر تیر بن کر لگی مگر وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں محترمہ کو غلط فہمی ہوئی ہے میرے تو واقعی سر میں درد ہے۔''

''تو پھر کھالو کوئی ٹیبلٹ۔'' ناہید نے کہا۔''میں ابھی ممی سے لاکر دیتی ہوں ویسے نوشین کی بات درست ہے تم فوراً فیملی پلاننگ والوں سے رابطہ ختم کرو۔''

یہ کہتی ہوئی ناہید وہاں سے اُٹھ گئی۔ ذرا سی دیر میں سر درد کی گولی لے آئی۔ منیرہ نے چپ چاپ گولی کھالی، اُس کے سر میں واقعی درد تھا۔ ناہید اور نوشین کی باتیں اس کو کچو کے لگا رہی تھیں۔ ناہید کے تلے اوپر دو بیٹے تھے اور نوشین بھی ایک بچی کی ماں بن چکی تھی۔ کسی کو منیرہ کے دل کا حال معلوم نہ ہوسکا۔ منصور کے بارے میں تو کسی کو شبہ تک نہ تھا کہ اُن کے تعلقات منیرہ سے کشیدہ ہوسکتے ہیں۔ آج منصور نے اُسے بانجھ ہونے کا طعنہ دیا تھا اور نہ جانے کیا کچھ کہا تھا۔ حالانکہ ابھی اُس کی شادی کو صرف ایک سال ہی ہوا تھا یہ محض اتفاق تھا کہ اس کی گود خالی تھی۔ مگر منصور نے کتنا غلط رنگ دے ڈالا تھا۔ ناہید اور نوشین کی باتیں سن کر اُسے منصور کے الفاظ یاد آئے اور ایک بار پھر ملول ہوگئی۔

نوشین ہنس ہنس کر اپنے میاں اور سسرال والوں کی باتیں کرتی رہی۔ اُس کے سسرال سرگودھا میں تھی۔ سب ہی لوگ باغ و بہار قسم کی طبیعت کے تھے۔ نوشین اپنے گھر میں بہت خوش تھی۔ ناہید بھی بہت مطمئن زندگی گزار رہی تھی۔ منیرہ کی زندگی کے متعلق وہ لوگ کچھ نہ جان سکیں۔ البتہ منصور کے نہ آنے کی انہوں نے منیرہ سے بہت شکایت کی مگر منیرہ ہنس ہنس کر اُن کی طرف سے بہانے گھڑ گھڑ کر معذرت کرتی رہی۔ دوسرے دن منصور کا ٹیلی فون آیا۔ ناہید اور نوشین سے بات ہوئی۔ دونوں نے شکوہ کیا وہ اپنی مصروفیات کا رونا روتے رہے۔

''اگر آپ نہیں آئیں گے ادھر تو ہم لوگ آپ کے پاس آجائیں گے۔'' نوشین نے بآواز بلند ٹیلی فون پر کہا۔

''بھئی میں آج کل بہت مصروف ہوتا ہوں گھر میں ملوں گا ہی نہیں تم لوگوں کا آنا بے کار ہے۔'' منصور نے کہا۔

''آپ بہانے بنائیے ہماری خاطر نہ سہی منیرہ ہی کی خاطر آجایئے۔ نوشین نے ایک تیر اور پھینکا۔

''پہلے اپنے صاحب بہادر کو بلایئے اپنی خاطر پھر میں اپنا کام چھوڑ کر آجاؤں گا۔'' منصور نے مذاق کیا تو نوشین کو کوئی جواب نہ بن پڑا۔

منصور روزانہ ٹیلیفون کرتے رہے اور ہنس ہنس کر باتیں بناتے رہے۔ منیرہ دل پر زخم کھاتی رہی مگر اپنے دل کی بات کسی پر ظاہر نہ ہونے دی۔

پورا ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا۔

ناہید اور نوشین دوبارہ منیر کی سسرال جا چکی تھیں مگر منصور واقعی نہ مل سکے تھے۔

اس کے بعد منیرہ گھر واپس آ گئی۔

اس کا خیال تھا ممکن ہے اتنے دنوں میں منصور نے تمام باتوں کو بھلا دیا ہوگا۔

مگر اس کا خیال غلط نکلا۔

منصور کا رویہ بدستور تھا۔ دونوں میاں بیوی میں بہت کم بات چیت ہوتی البتہ جب کوئی مہمان آ جاتا تو منصور بالکل بدل جاتے اور منیرہ سے بہت خوشگوار انداز میں گفتگو کرتے۔

ناہید اور نوشین بھی منصور سے مل کر جا چکی تھیں۔ ان لوگوں کو منصور کے رویے سے کوئی شبہ نہ ہوا بلکہ وہ نوشین کے مذاق کا برابر جواب دیتے رہے۔ منیرہ زخمی دل لئے مسکراتی رہی۔

ناہید اور نوشین بھی اپنے گھروں کو واپس جا چکی تھیں۔ اتنے دنوں میں وہ خود کو کسی حد تک بہلائے ہوئے تھی مگر اب تنہائی نے اُسے ڈسنا شروع کر دیا تھا۔ منصور صبح جاتے تو رات گئے واپس آتے پھر تھک کر سو جاتے۔ منیرہ کا اکیلے کہیں جانے کو جی نہ چاہتا تھا۔ منصور کے سرد رویے نے اسے بہت زیادہ دکھی کر دیا تھا۔ شکیلہ بیگم بھی بہو سے کچھ کھچی کھچی سی رہتی تھیں۔ وہ گھنٹوں اپنے معاملے پر غور کرتی ہر لحاظ سے سوچتی کہ کس طرح حالات ٹھیک کئے جا سکتے ہیں مگر اُس کا ذہن کام نہ کرتا۔ آخر منصور کیا چاہتے ہیں؟"

اگر میں خرم کے نکاح میں تھی تو یہ بات تو انہیں پہلے بھی معلوم تھی۔ اور اگر میں نے خرم کے ساتھ وقت بھی گزارا تو بھی کون سا گناہ کیا۔ وہ میرے شوہر تھے۔ میں نے منصور کو پسند کیا اور منصور نے مجھے پسند کیا اور ہم دونوں کی شادی ہوگئی مگر اب منصور کس بات پر ناراض ہیں؟ مجھے خرم کے طعنے کیوں دیتے ہیں؟ انہیں فخری کیوں اچھی لگنے لگی ہے؟

اور اگر اب اچھی بھی لگے تو کیا ہو سکتا ہے انہوں نے اپنی خوشی سے اُسے طلاق دی تھی۔

کوئی بات منیرہ کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔

منیرہ نے اپنا غم ہر کسی سے چھپانے کا تہیہ کر لیا تھا مگر غم اندر ہی اندر پلتا رہا۔ اگر کوئی ہمراز دم ساز نہ ہو دل کی بات کسی سے کہی نہ جائے تو دل کا بوجھ اور بڑھ جاتا ہے۔ یہی حال منیرہ کا تھا۔

اُس کے تمام دیرینہ خواب بکھر چکے تھے اُس نے سمجھا تھا کہ منصور کے ساتھ وہ بہت مطمئن زندگی گزار سکے گی۔ یہاں ہر قسم کی آزادی ہوگی تفریح ہوگی منصور اُسے لے کر ملکوں ملکوں گھومیں گے اور اُس کی دیرینہ آرزو پوری ہو سکے گی مگر یہ سب کچھ اس کے لیے ایک خواب ثابت ہوا تھا۔

خرم کو چھوڑ کر اُسے خوشی نہ ملی تھی۔

بہت عرصے بعد اچانک اُسے خرم کا خیال آیا تھا۔ خرم اُسے بہت زیادہ چاہتے تھے اور پھر ماموں ممانی کی محبت اپنی جگہ ایک حقیقت اور یہاں پر شکیلہ بیگم کا اکھڑا اکھڑا رویہ اور منصور کے طعنے تھے۔ امجد صاحب اپنے کاروبار میں مصروف رہتے تھے انہیں گھر میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ مگر بہت جلد اُس نے خرم کا خیال ذہن سے جھٹک دیا۔

"نہیں میں منصور سے محبت کرتی ہوں۔ منصور کو اپنا رویہ ٹھیک کرنا ہوگا۔" اُس نے اپنے دل میں عزم کر لیا تھا وہ اپنے طور پر منصور کا بہت زیادہ خیال رکھنے لگی تھی۔ منصور بھی خاموش سے تھے۔

انھی دنوں ایک روز اخبار میں فخری کی تصویر دیکھی۔

اُس نے ڈاکٹری کے امتحان میں اول پوزیشن لی تھی۔

دل کے تار ایک بار پھر جھنجھنا اُٹھے۔

اخبار ہاتھوں میں پکڑا تو ہٹانا ہی بھول گئے۔ منیرہ نے تصویر دیکھ لی تھی۔ خبر بھی پڑھ لی تھی۔ لیکن اس خبر کا منیرہ کی زندگی سے کیا تعلق تھا وہ یہ بات کسی طور پر نہ سمجھ پائی۔

منصور کا ذہن بے قابو رہنے لگا۔ پچھتاوے دل و دماغ کو ڈسنے لگے۔ اور اُن کی زندگی میں ایک جمود سا طاری ہو گیا۔ ان دنوں پھر منصور اچانک بہت مصروف ہو گئے تھے۔ تمام دن منیرہ اُن کے انتظار میں بیٹھی رہتی نعیم بھی ان دنوں دوسرے شہر گئے ہوئے تھے ورنہ اُن کی آمد و رفت جاری رہتی تھی۔

منیرہ انہیں اپنا سچا ہمدرد سمجھتی تھی۔

تنہائی کے لمحات میں اُس نے اکثر نعیم کے بارے میں سوچا تھا، اگر نعیم ماموں یہاں موجو ہوتے تو میں اتنی اکیلی نہ ہوتی۔

اور پھر ایک روز نعیم آن پہنچے۔

اُس روز گھر میں کوئی بھی نہ تھا۔

ویسے بھی کوئی نہ ہوتا تھا صرف شکیلہ بیگم ہوتی تھیں یا پھر گھر کی ملازمہ۔ مگر آج شکیلہ بیگم اپنی

ایک ملنے والی کے گھر گئی ہوئی تھیں۔ شام پانچ بجے تھے۔

گاڑی کے ہارن پر اُس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔

وہ ایک دم سے خوش ہوگئی۔

کوئی شخص بہت اکیلا ہو اور بہت زیادہ دکھی ہو تو کسی شناسا کو دیکھ کر آپ ہی آپ دل بھر آتا ہے یہی منیرہ کا ہوا۔

نعیم نے ''ہلو منیرہ'' کہہ کر ہاتھ پھیلائے تو وہ خود ہی بھاگ کر اُن کے بازوؤں میں سما گئی۔

وہ اُس کی پیٹھ تھپتھپاتے ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

منیرہ اس وقت بہت پریشان تھی۔ وہ کوشش کے باوجود اپنا دکھ چھپا نہ سکی۔ نعیم اُس کے چہرے کے تاثرات پڑھتے رہے اور پھر پوچھ ہی بیٹھے۔

''کیا بات ہے منیرہ، تم پریشان نظر آ رہی ہو۔''

'جی نہیں نعیم ماموں ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' اُس نے آہستہ سے کہا مگر اُس کا لہجہ نارمل نہ تھا۔

''سچ سچ بتاؤ منیرہ بات کیا ہے۔ کیا تم مجھ سے بھی چھپاؤ گی۔ پاگل لڑکی کیا میں کوئی غیر ہوں۔''

اور اُن کی بات سن کر منیرہ کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

اور جب بند ایک بار ٹوٹ جائے تو اُسے باندھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ منیرہ دوپٹے سے منہ چھپا کر رونے لگی۔

نعیم پریشان ہوئے اور اپنے صوفے سے اُٹھ کر منیرہ کے صوفے پر آ بیٹھے۔

''بات کیا ہے منیرہ تم کیوں رو رہی ہو؟''

''وہ اُس کے ہاتھ چہرے سے ہٹاتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''کوئی بات نہیں۔'' منیرہ مسلسل رو رہی تھی مگر کچھ بتانے سے قاصر تھی۔

منیرہ نے کچھ نہ بتانے کا عہد کر رکھا تھا اور بتاتی بھی کیا اُس کے پاس کوئی ایسی بات نہ تھی جسے بیان کیا جاتا۔ منصور کے خلاف کہنے کے لیے اُس کے پاس تھا ہی کیا اور اگر ہوتا بھی تو اُس میں اس کی اپنی سبکی تھی۔

روتے روتے اس کی آنکھیں لال ہوگئی تھیں۔

نعیم نے اس کے سر کو اپنے سینے سے لگا رکھا تھا وہ اُسے بہلانے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔

لمحے سرکتے رہے۔

وہ نعیم ماموں کے سینے سے لگی آنسو بہاتی رہی محض ایک ہمدرد سمجھ کر۔

پھر منیرہ نے آنکھیں بند کر لیں۔

تب ہی منصور نے ڈرائنگ روم میں جھانکا۔

اُن کی آنکھوں کے سامنے جو منظر تھا وہ قطعی نا قابل یقین تھا۔

منیرہ اس حد تک گر سکتی ہے اس بات کی انہیں توقع نہ تھی۔

آج وہ خلاف معمول جلد واپس آ گئے تھے۔ منیرہ کی خاموشیوں نے اُن کا غصہ کم کر دیا تھا اور آج انہوں نے سوچا تھا کہ وہ منیرہ کو لے کر پکچر جائیں گے۔ وہ دل ہی دل میں پروگرام بنا کر آئے تھے۔

مگر یہاں آ کر انہیں سخت مایوسی ہوئی۔

نعیم کے سینے سے سر لگائے آنسو بہاتی ہوئی اور اُس کے گالوں کو مس کرتے ہوئے نعیم کے ناپاک ہونٹ۔ غصے سے اُن کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

وہ چپ چاپ دبے پاؤں واپس لوٹ گئے۔

کسی کو اُن کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی۔

منیرہ کو کچھ خبر نہ تھی وہ کیا کر رہی ہے۔

اُسے اُس وقت ایک ہمدرد کی ضرورت تھی ایک ایسے شخص کی جو اُسے تسلی دے سکے۔ جو اُس کے بکھرے ہوئے ذہن کو سکون بخش دے اور نعیم کے سینے پر سر رکھ کر وہ تھوڑی دیر کے لیے اپنے غم بھول گئی تھی۔ پھر جب اُس کے دل کا بوجھ ہلکا ہوا تو وہ اُٹھ کر الگ بیٹھ گئی۔

نعیم نے بہت پوچھا مگر اُس نے صرف اتنا کہا۔

”کوئی خاص بات نہیں آج کل تنہائی سے بہت بور ہوتی ہوں۔ امی ابو بہت یاد آتے ہیں۔ یوں ہی دل بھرا ہوا تھا آپ کو دیکھ کر رونا آ گیا۔“

پھر وہ اچانک اُٹھ کھڑی ہوئی۔

”میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں......“

''نعیم منع کرتے رہ گئے مگر وہ ذرا سی دیر میں چائے دم کر کے لے آئی۔

دونوں نے خوشگوار ماحول میں چائے پی......اُس نے بڑی جلدی خود پر قابو پالیا تھا۔ بلکہ اپنے رونے پر پچھتا رہی تھی۔ پھر ہنس ہنس کر اُن کو مطمئن کرتی رہی۔

''سچ نعیم ماموں میں بہت خراب ہوں آپ کو پریشان کر دیا؟ حالانکہ بات کچھ بھی نہ تھی۔''

''تم اتنی کیوٹ لڑکی ہو، تمہارے ساتھ کوئی بات ہو بھی نہیں سکتی۔ مجھے یقین ہے کسی بہت ہی معمول بات پر تم آنسو بہانے بیٹھ گئی ہوگی۔ منصور نے کوئی چھوٹی سی بات کہہ دی ہو گی اور تم رونے بیٹھ گئیں۔ پاگل لڑکی منصور کو تم سے بہتر لڑکی نہیں ملے گی۔ انہیں تم پر فخر کرنا چاہیے۔''

''وہ بڑی دیر تک منیرہ کی تعریفیں کرتے رہے اور اپنی خوبیاں سن سن کر خوش ہوتی رہی۔

اور جب نعیم اُس کے پاس سے رخصت ہوئے تو وہ اپنے آپ کو بہتر اور فریش محسوس کر رہی تھی۔ اُس نے دل میں سوچا تھا کچھ بھی ہو وہ منصور کو ناراض نہیں رہنے دے گی۔ اپنی تمام خودداری اور اَنا کو ایک طرف رکھ کر ان سے معافی مانگ لے گی مگر وہ اُن کی بے التفاتی برداشت نہ کرے گی۔

نعیم کو گیٹ تک پہنچا کر وہ واپس پلٹی تو اُس نے بیڈروم کو نئے سرے سے سیٹ کیا۔ بیڈ کور تکیہ غلاف اور میز پوش تبدیل کئے۔ گل دان میں تازہ پھول سجائے آج وہ منصور کو خوش کرنا چاہتی تھی۔

شکیلہ بیگم ابھی تک واپس نہ آئی تھیں۔ امجد صاحب بھی دیر سے آئے اور منصور بھی۔

آج وہ منصور کی پسند کا کوئی اچھا سا لباس پہننا چاہتی تھی۔

منصور کو فیروزی رنگ پسند تھا۔

اُس نے فیروزی کرتا شلوار نکالا۔ اسے میچ کرتا ہوا ہلکا سا زیور پہنا، پوری طرح تیار ہو کر اُس نے آئینے میں خود کو دیکھا۔

وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔

منصور اُسے پسندیدہ لباس میں دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔

پھر انتظار کی گھڑیاں طویل ہوگئیں۔

وقت گزارے نہ گزرتا تھا۔ شام سے رات ہوگئی۔ اُس نے ابھی تک کھانا بھی نہ کھایا تھا حالانکہ ساڑھے نو بج رہے تھے۔

نہ منصور واپس آئے اور نہ شکیلہ بیگم۔

رات کے دس بجے دونوں ماں بیٹے ایک ساتھ گھر میں داخل ہوئے۔ شکیلہ بیگم اپنے کمرے میں چلی گئیں وہ دل کی دھڑکنیں قابو کیے منصور کی چاپ کی منتظر کھڑی تھی۔

منصور بیڈروم میں آئے۔

منیرہ سولہ سنگھار کیے اُن کے سامنے کھڑی تھی۔

شام کا ناقابل یقین منظر اُن کی نگاہوں میں گھوم گیا۔ نفرت اور حقارت کے جذبات اُن کے چہرے پر پھیل گئے۔

''کہاں گئے تھے منصور؟'' منیرہ نے مسکرا کر اُن کا ہاتھ پکڑ لینا چاہا۔

منصور نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

''دور رہو مجھ سے، اپنے ناپاک وجود کو میرے قریب مت لانا۔''

''منصور''...... منیرہ نے احتجاج کیا۔ ''کیا کیا ہے میں نے؟ تم مجھ سے کس بات پر خفا ہو؟...... اگر فخری نے ایم، بی بی ایس میں اول پوزیشن لی تو تمہیں کس بات کا دکھ ہو رہا ہے۔ تم نے اپنی مرضی سے اُسے طلاق دی اور اپنی پسند سے مجھ سے شادی کی۔ اب چاہتے کیا ہو آخر؟''

''خاموش رہو خبردار تم کبھی اپنے ناپاک منہ سے فخری کا نام مت لینا۔ اور تم نے جو کچھ کیا ہے، وہ اپنے دل سے پوچھو اپنے ضمیر سے پوچھو تمہیں خود بخود جواب مل جائے گا۔''

منیرہ کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی، اُس نے منصور کا کالر پکڑ کر دانت بھینچتے ہوئے پوچھا۔

''جو کچھ کہنا ہے صاف صاف کہو منصور۔ تم جانتے ہو۔ میں بے قصور ہوں تمہیں اپنا رویہ بدلنا ہوگا۔''

منصور کے لبوں پر ایک طنزاً مسکراہٹ بکھر گئی۔ انہوں نے کہا۔

''کیا پوچھنا چاہتی ہو تم۔ منیرہ آج شام میں نے اپنی آنکھوں سے تمہیں نعیم کے سینے سے لگ کر آنسو بہاتے دیکھا ہے۔ اُس بدمعاش کے ناپاک ہونٹ تمہارے چہرے کو داغدار کر رہے تھے۔ تمہیں اپنی عزت سے کھیلنے کا حق کس نے دیا ہے منیرہ۔ بتاؤ جواب دو تمہیں یہ کھیل کھیلنے کی اجازت کس نے دی......؟''

منصور اُسے شانوں سے پکڑے جھنجھوڑ رہے تھے ''تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے گھر میں

بیٹھ کر رنگ رلیاں منانے کی تم نے مجھے بہت بے وقوف بنالیا مگر اب میں مزید بے وقوف بننے کے لیے تیار نہیں......دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔''

منصور نے نفرت سے اُسے دھکیل دیا۔

منیرہ آنکھیں پھاڑے منصور کی بات سن رہی تھی۔ ''نہیں، نہیں منصور تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے'' منیرہ بے بسی سے رودی۔'' خدا کی قسم میرا دل صاف تھا میں نے کچھ نہیں کیا۔ مجھے کچھ نہیں معلوم۔''

''یہ مکاری کے آنسو کسی اور کے سامنے بہانا جا کر۔''منصور نے حقارت سے کہا۔''میں نے تمہیں اپنی آنکھوں سے غیر مرد کی باہوں میں دیکھا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اب مجھے تمہاری پارسائی کا یقین نہیں دلا سکتی منیرہ، مجھ سے کچھ کہنا قطعی بے کار ہوگا۔ خرم خوش نصیب تھے جو تم سے بچ گئے۔ میں کم نصیب تھا تمہارے فریب میں آ گیا۔ آج تقدیر نے مجھے یہ دن بھی دکھا دیا۔ ٹھیک ہے میری یہی سزا تھی۔ میں نے ایک فرشتہ صفت لڑکی کو بنا دیکھے چھوڑا تھا اس کی کچھ تو سزا مجھے ملنا ہی چاہیے تھی مگر اب مزید سزا بھگتنے کے لیے میں تیار نہیں ہوں۔''

''منصور یقین کرو میرا دل بالکل صاف ہے۔''منیرہ نے خوشامدی انداز میں کہا''میں تم سے محبت کرتی ہوں خدا کے لیے منصور مجھ سے ناراض مت رہنا ورنہ میں بے موت مر جاؤں گی۔''

''محبت کے مقدس لفظ کو بدنام کرو منیرہ۔ تمہارے منہ سے یہ لفظ اچھا نہیں لگتا۔ تم جیسی لڑکیوں کے اوپر کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کسی زمانے میں تم خرم سے بھی محبت کرتی تھیں جب خرم سے دل بھر گیا تو مجھے نشانہ بنایا اب مجھ سے دل بھر گیا ہے۔ یقین کرو مجھ سے الگ رہ کر تم پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ تم کوئی اور منصور ڈھونڈ لو گی۔''

منیرہ نے منصور کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''میں تم سے الگ نہیں رہوں گی۔''

وہ بری طرح رو رہی تھی۔

''مجھے معاف کر دو منصور۔''

''کس بات کی معافی مانگ رہی ہو، تم تو بے قصور ہو،'' منصور نے منیرہ کا ہاتھ جھٹک کر کہا۔

''خدا کی قسم میں بے قصور ہوں۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا پھر بھی میں اپنے تمام ناکردہ گناہوں کی معافی مانگنے کو تیار ہوں۔ ایک بار تم مجھے معاف کر دو۔''

''اس کے بعد کیا ہو گا؟''

''میں وہی کروں گی جو تم کہو گے۔تمہاری اجازت کے بغیر کچھ نہیں کروں گی۔''

''اور میں اپنے دل کا وہ سکون کہاں سے ڈھونڈوں گا جو تم نے لوٹ لیا میں اپنے ضمیر کو کیسے مطمئن کروں گا۔وہ اپنے اندر کے شریف مرد کو کیسے تسلی دوں گا۔نہیں منیرہ میں منافق نہیں ہوں۔ میرے دل سے تمہاری قدر نکل چکی ہے۔تم خود بھی مجھ سے اکتا کر ادھر ادھر سکون ڈھونڈتی پھرتی ہو تو سن لو میں پرسوں کی فلائٹ سے لندن جا رہا ہوں۔''

''نہیں......آپ نہیں جائیں گے۔''

''میری سیٹ بک ہو چکی ہے۔''

''میں بھی چلوں گی آپ کے ساتھ۔''

منصور نے منیرہ کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور اپنے کپڑے نکال کر بیڈ روم سے نکل گئے۔ منیرہ انتظار ہی کرتی رہ گئی کہ کپڑے تبدیل کر کے منصور واپس آئیں گے۔مگر وہ نہ آئے۔وہ دوسرے کمرے میں سونے چلے گئے تھے اور منیرہ نے تمام رات روتے ہوئے گزار دی تھی۔

دوسرے دن منیرہ اٹھی تو اُس کی طبیعت بہت خراب تھی۔اُسے تیز بخار تھا۔منصور نے کوئی پروا نہ کی۔وہ اپنی تیاریوں میں لگے ہوئے تھے۔گھر کی ملازمہ اُسے دوا اور چائے دے کر گئی تھی۔ شکیلہ بیگم اور امجد حسین صاحب کو پتہ چل گیا کہ منیرہ اور منصور میں کچھ جھگڑا ہو گیا ہے انہوں نے منصور سے پوچھا مگر منصور نے اس ذکر کو سننا بھی گوارا نہ کیا۔

منیرہ تیز بخار میں جلتی رہی۔منصور اُسے خدا حافظ کہے بغیر لندن کے لیے پرواز کر گئے۔

........✿........

فخری اور فرح کی ہاؤس جاب مکمل ہوتے ہی انہوں نے پریکٹس شروع کر دی تھی۔فرح کے پاس روپیہ پیسہ کی کمی نہ تھی۔اُس نے فوری طور پر ایک کلینک کھولا اور فخری اُس کے ساتھ ہی پریکٹس کر رہی تھی۔کلینک کے اوپر لیڈی ڈاکٹر فرح سبحانی اور لیڈی ڈاکٹر ایس کے فخری کا بورڈ آویزاں تھا۔

بہت جلدی ہی دونوں لڑکیوں کی پریکٹس چل نکلی وہ بڑی کامیابی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہی تھیں۔اب فخری کے پاس اپنی ذاتی گاڑی تھی اور وہ اُسی میں کلینک آیا کرتی تھی۔

آج صبح جوں ہی فخری کلینک آئی، ایک گاڑی گیٹ پر آ کر رُکی، ایک صاحب گھبرائے

ہوئے کلینک میں داخل ہوئے۔

ڈاکٹر صاحبہ میری بیوی کی طبیعت سخت خراب ہے۔آپ جلدی تشریف لے چلئے۔"

"کیا ہوا ہے انہیں؟" فخری نے اطمینان سے پوچھا۔

"ایک ہفتہ پیشتر بچی کی پیدائش ہوئی تھی اب وہ گھر پر ہیں لیکن اس وقت ان کی طبیعت سخت خراب ہے۔"

فخری نے ضروری سامان ساتھ لیا اور کمپاؤنڈر کو اپنی گاڑی میں بٹھا کر اُن صاحب کی گاڑی کے پیچھے ہولی مریضہ کا گھر بالکل قریب تھا۔

فخری باوقار انداز میں چلتی ہوئی اپنے کمپاؤنڈر کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

مریضہ آنکھیں موندے بے حس وحرکت پڑی تھی۔فخری نے پوری طرح مریضہ کا معائنہ کیا۔دل کی دھڑکن بالکل ٹھیک تھیں۔صرف کمزوری بہت زیادہ تھی۔اُس نے فوری طور پر ایک انجکشن دیا مکمل حال سن کر دوائیں لکھیں اور ڈرپ بھی لکھے۔

"ان کے دو تین ڈرپ لگنے ضروری ہیں۔" فخری نے اُن صاحب سے کہا جو مریضہ کے شوہر تھے۔

"آپ انتظار کر لیجئے۔" اُن صاحب نے کہا۔

"آپ انہیں کلینک لا سکتے ہیں تو وہاں انجکشن لگ جائے گا ورنہ میرا کمپونڈر یہاں آ کر بھی لگا سکتا ہے۔"

"اگر گھر پر ہی انتظام ہو جائے تو مناسب رہے گا۔"

"بہتر ہے میں اس وقت چلتی ہوں۔دو گھنٹے بعد کمپاؤنڈر کو بھیج دوں گی۔"

کیپٹن نے فخری کا شکریہ ادا کیا اور کمپاؤنڈر سے پوچھ کر فیس پیش کی۔

فخری اس طرح وزٹ کی فیس لینے میں ہمیشہ گھبرا جاتی تھی۔

"ابھی اسے اپنے پاس رکھئے مسٹر۔میں دوبارہ مریضہ کو دیکھنے آؤں گی۔"

"مجھے کیپٹن عابد علی کہتے ہیں۔" کیپٹن نے کہا "اور یہ میری وائف ہیں ان کا نام شاہدہ ہے۔آپ کو بہت تکلیف ہوئی ڈاکٹر صاحبہ۔اس وقت میں بہت پریشان تھا لیکن فیس تو آپ لے ہی لیں۔"

"کوئی بات نہیں کیپٹن۔میں نے کہا نا کہ میں پھر آؤں گی۔یہ حساب کتاب آپ بعد میں

کر لیجئے گا۔ فخری مسکرائی۔ ''ڈاکٹر کا کام لوگوں کی خدمت کرنا ہی ہوتا ہے۔''

یہ کہہ کر فخری کمپاؤنڈر کے ساتھ واپس چلی گئی۔ کیپٹن عابد علی اس نیک دل لیڈی ڈاکٹر کو دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

تھوڑی دیر بعد کمپاؤنڈر آ کر ڈرپ لگا گیا۔

آج کیپٹن ڈیوٹی پر نہیں گئے تھے۔ انہوں نے شاہدہ کی خاطر چھٹی کر لی تھی۔

دو گھنٹے بعد ڈرپ ختم ہوئی۔ اس وقت تک شاہدہ کی طبیعت کافی سنبھل چکی تھی۔

کیپٹن بہت مطمئن تھے اور برابر شاہدہ سے اس لیڈی ڈاکٹر کی تعریفیں کئے جا رہے تھے۔

''اتنی نیک دل لیڈی ڈاکٹر تو میں نے کبھی دیکھی ہی نہیں۔ بالکل کم عمر ہے ابھی، میں نے فیس دی تو کہنے لگی بعد میں حساب کتاب کرتے رہئے گا عجیب لڑکی تھی۔''

''ابھی نئی ہے نا اسی لیے فیس لینے میں ہچکچا رہی ہوگی۔'' شاہدہ نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں شاہدہ یہ بات نہیں۔ ہر ایک کی فطرت الگ ہوتی ہے۔ وہ صورت ہی سے بہت فرشتہ صفت معلوم دیتی تھی اب آئے گی تو تم مل کر خود ہی دیکھ لینا۔''

''اچھا بھئی مگر وہ آئے گی کب؟''

''شاید شام کو دیکھنے آئے۔''

''مگر اب تو میری طبیعت ٹھیک ہے۔''

''نہیں شاہدہ تم جم کر علاج کرو۔ ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ پھر ڈاکٹر نے کہا ہے کہ تمہیں کئی ایک ڈرپ لگنے کی ضرورت ہے۔''

دوسرے روز جب ڈرپ لگ رہی تھی، فخری مسکراتی ہوئی آن پہنچی کیپٹن آج بھی گھر پر موجود تھے۔

شاہدہ اس وقت ٹھیک تھی۔

''کیا حال ہے آپ کی مریضہ کا؟'' فخری نے مسکرا کر کیپٹن سے پوچھا۔

''مریضہ آپ کی ہیں یہ۔ آپ خود ہی دیکھ لیجئے بالکل ٹھیک ٹھاک لیٹی ہیں۔''

''اللہ کا شکر ہے۔ واقعی یہ ٹھیک ہیں کیوں شاہدہ بہن آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

''فخری کے لہجے میں اتنی مٹھاس تھی کہ شاہدہ مسحور سی ہوگئی۔

''آپ بہت اچھی ہیں ڈاکٹر۔ کل تو میں نے آپ کو دیکھا نہ تھا۔ کل سے آج تک آپ کی

تعریفیں سن رہی ہوں۔ کیپٹن صاحب اور بوا بھی مستقل آپ کی تعریفیں کر رہے ہیں۔"

فخری اپنی تعریف سن کر شرمندہ ہو جاتی تھی۔

اُس نے کہا" آپ لوگ کیوں شرمندہ کرتے ہیں مجھے۔ جو خود اچھا ہوتا ہے وہی دوسرے کو اچھی نظر سے دیکھتا ہے۔"

"نہیں ڈاکٹر یہ بات نہیں۔ آج کل مخلص ڈاکٹر کہاں ملتے ہیں۔" شاہدہ نے کہا۔

بہت جلد دونوں میں بے تکلفی ہوگئی۔

بوا چائے بنا کر لے آئی تھیں۔

"ارے یہ تکلف کیوں کیا آپ نے۔ میں جا رہی ہوں اب۔"

"اتنی جلدی کیا ہے۔" کیپٹن نے کہا۔" مجھے معلوم ہے آپ کی کلینک میں دوسری لیڈی ڈاکٹر موجود ہیں۔"

فخری مسکرانے لگی۔" دراصل یہ کلینک اُسی کا ہے وہ میری دوست ہے اور میں اُس کے ساتھ مل کر کام کرتی ہوں وہ موجود ضرور ہے مگر مجھے جلدی جانا چاہیے۔"

"مگر ایک کپ چائے کے بعد۔"

فخری نے چائے کی پیالی تھام لی۔

کھانے پینے کا کچھ سامان موجود تھا مگر فخری نے کچھ لیا نہیں نہ ہی کسی نے اصرار کرنا ضروری سمجھا۔

چائے کے دوران آپس میں ہلکی پھلکی بات چیت ہوتی رہی۔

اچانک فخری کی نظر سامنے رکھی تصویر پر پڑی۔ وہ غور سے اُس تصویر کو دیکھنے لگی۔ پھر فوراً ہی پہچان گئی۔

یہ خرم کی تصویر تھی۔

منیرہ کا شوہر خرم۔

اُسے ایک دم منیرہ یاد آگئی۔ خدا معلوم اب وہ کہاں تھی۔ اتنے برسوں سے اُس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا۔

مگر خرم کی تصویر سامنے دیکھ کر اُس سے ضبط نہ ہو سکا۔

"معاف کیجیے گا شاہدہ بہن یہ سامنے جو تصویر ہے وہ کس کی ہے؟"

''کون سی؟.......وہ.......وہ تو میرے بھائی جان کی تصویر ہے۔''

''خرم نام ہے اُن کا؟''

''جی ہاں ڈاکٹر۔لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا؟''

''فخری مسکرانے لگی۔اُس کی آنکھوں میں خوشی چمکنے لگی۔''یہ میری عزیز ترین دوست کے شوہر ہیں لیکن میں اپنی دوست سے بہت عرصہ سے بچھڑی ہوئی ہوں مجھے اس کا پتہ بھی نہیں معلوم۔''

''اچھا یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے آپ بھابی کی دوست نکل آئیں۔'شاہدہ سچ مچ خوش ہوگئی تھی۔

''کیا حال ہے منیرہ کا۔اب کیسی ہوگئی ہے؟''فخری نے اشتیاق سے پوچھا۔

''منیرہ.......؟''اچانک شاہدہ خاموش ہوگئی۔

''کیوں آپ خاموش کیوں ہوگئیں؟''

''شاہدہ نے کیپٹن کی طرف دیکھا۔وہ یہ بھی سن کر خاموش سے رہ گئے تھے۔منیرہ تو اُن کے خاندان کے لیے ایک زہریلی ناگن ثابت ہوئی تھی۔اُس کی وجہ سے خرم کافی عرصہ بیمار بھی رہے تھے۔خواہ مخواہ کی ذہنی کوفت اُٹھانی پڑی تھی اُنہیں۔اور وہی منیرہ، ڈاکٹر فخری کی دوست تھی۔

''دراصل آپ کی دوست منیرہ، خرم کی بیوی نہیں ہیں۔'' کیپٹن نے جلدی سے بات کی وضاحت کی۔

''جی میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔''فخری کو شاک سا لگا۔

''دراصل منیرہ نے خرم سے طلاق لے لی تھی۔اس کے بعد خرم کی شادی میرے خاندان کی ایک لڑکی نویدہ سے ہوگئی ہے۔وہ لوگ ماشاء اللہ بہت ہی خوش و خرم زندگی گزار رہے ہیں۔'' کیپٹن نے وضاحت سے بتایا۔

''لیکن منیرہ نے تو اپنی پسند سے شادی کی تھی اُس نے مجھے اپنی شادی کی تمام فوٹو بھی دکھائی تھیں.......''فخری کو اب بھی یقین نہیں آرہا تھا۔

''جی ہاں ڈاکٹر انہوں نے اپنی پسند سے شادی کی تھی، مگر پسند کا کیا ہے وہ تو بدل بھی جاتی ہے۔''شاہدہ نے کہا۔

''آپ کی پھوپھی زاد بہن بھی تو ہیں منیرہ۔''

''جی ہاں لیکن ہمارے تعلقات اُن لوگوں سے ختم ہو گئے ہیں۔'' شاہدہ نے کہا۔'' مجھے افسوس ہے کہ آپ کی دوست کا پتہ آپ کو نہ مل سکا۔''

''کوئی بات نہیں مجھے تو یہ بات سن کر واقعی دکھ ہو رہا ہے منیرہ کس طرح بدل گئی۔ پتہ نہیں منیرہ کی شادی ہوئی کہ نہیں۔''

''جی ہاں منیرہ کی بھی شادی ہو گئی ہے۔ اُن کے خالو لاہور میں مجسٹریٹ ہیں اُن ہی کے ایک دوست امجد حسین کے بیٹے منصور سے شادی ہو گئی ہے۔'' شاہدہ نے بتایا۔

''منصور کا نام سن کر فخری کے حلق میں چائے کا گھونٹ پھنسنے لگا۔

یہ انکشاف اسے پریشان کر دینے کے لیے کافی تھا۔

''کیا بات ہے ڈاکٹر صاحبہ آپ کچھ پریشان ہو گئیں ہیں؟'' شاہدہ نے پوچھا۔

''کچھ نہیں مجھے یہ سن کر افسوس ہو رہا ہے کہ میری بچپن کی دوست اتنی نادان نکلی۔ آپ کے بھائی بہت اچھے ہیں۔ اُس نے بہت بڑی غلطی کی ہے انہیں چھوڑ کر۔''

''کوئی بات نہیں خدا نے ہمارے بھائی جان کو بہت اچھی بیوی دے دی ہے میں آپ کی تصویر دکھاؤں گی بھابی کی صورت سیرت ہر چیز میں یکتا ہیں۔''

اس کے بعد فخری اٹھ گئی۔

اُس کا دماغ پریشان ہو گیا تھا۔

منیرہ اور منصور کی شادی کی خبر نے اُس کے خیال کو منتشر کر دیا۔

اگر چہ منصور سے اِس کا تعلق ختم ہو چکا تھا مگر یہ بات اُسے کیسے گوارا ہو سکتی تھی کہ اُس کی دوست منصور کی بیوی بن جائے اُسے رہ رہ کر منیرہ پر غصہ آنے لگا منیرہ کو یقیناً سب کچھ معلوم ہو گا اور اس نے جانتے بوجھتے میرا گھر اجاڑ کر منصور سے شادی کر لی۔ اُسے آپ ہی آپ منیرہ سے شدید نفرت کا احساس ہوا۔

ایک فرح تھی جس نے محض فخری کی دوستی کی خاطر منصور کو ٹھکرا دیا تھا اور ایک منیرہ تھی جو اُس کی بہت بچپن کی دوست تھی اُس نے اُسے طلاق دلوا کر منصور سے شادی رچا لی۔ نفرت اور حقارت سے اُس کا دل لبریز ہو گیا۔

''ہوں۔ تو یہ تم ہو منیرہ بیگم جو کبھی مجھے اپنی دوست اور بہن کہا کرتی تھیں تم نے میری مانگ اجاڑ کر اپنے ماتھے پر افشاں سجائی ہے کبھی تم نگہت کو برا بھلا کہا کرتی تھیں کہ کیسی لڑکی ہے اپنی بہن کا

گھر برباد کر رہی ہے تم بھی تو مجھے بہن کہا کرتی تھیں پھر تم نے کیسے مجھے برباد کر کے منصور سے ناطہ جوڑ لیا۔ لعنت ہے ایسی دوستی پر اور تم جیسی لڑکی پر۔ تم دوستی کے نام پر ایک بدنما داغ ہو منیرہ، میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

''کیا سوچ رہی ہو فخری؟'' فرح نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ ''آج گھر نہیں چلنا ہے اس وقت کوئی مریض بھی نہیں ہے اور لنچ ٹائم بھی ہو رہا ہے۔''

''اٹھتی ہوں ابھی، بس یونہی کچھ دماغ پریشان سا تھا۔''

''کیا بات ہوئی مجھے نہیں بتاؤ گی۔''

''تم سے کون سی بات پوشیدہ ہے فرح۔ میں صبح کیپٹن کی بیوی شاہدہ کو دیکھنے گئی تھی نا۔''

''ہاں ہاں۔''

''وہاں پتہ چلا کہ شاہدہ خرم کی بہن ہے۔''

''کون خرم۔''

''منیرہ کا شوہر خرم۔''

''ارے۔ تو پھر تم رنجیدہ کیوں ہو، کیا ہوا منیرہ کو؟''

''منیرہ نے خرم سے طلاق لے لی تھی۔ خرم صاحب کی کہیں اور شادی ہو گئی ہے۔''

''اچھا تعجب ہے وہ تو ہر وقت خرم کی باتیں کیا کرتی تھیں مگر تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟''

''منیرہ نے خرم سے طلاق لے کر منصور سے شادی کر لی ہے۔''

''منصور سے۔''

''ہاں۔''

''شاہدہ نے بتایا؟''

''ہاں وہی سب کچھ بتا رہی تھیں انہیں تو میرے متعلق کچھ علم نہیں نا......''

''تو تم اب بھی منصور کی یاد دل سے لگائے بیٹھی ہو۔'' فرح نے ذرا خفگی سے کہا۔

''یہ بات نہیں فرح۔ مجھے منیرہ کی حرکت پر غصہ آ رہا ہے آخر کو وہ میری بچپن کی دوست تھی مجھے ہمیشہ سگی بہن کہا کرتی تھی پھر جب اُسے معلوم تھا کہ منصور کی بیوی میں ہوں تب بھی وہ مجھے طلاق دلوا کر منصور سے شادی رچا بیٹھی۔ مجھے اس کی بے وفائی کا صدمہ ہے۔ منیرہ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔''

''فخری، منیرہ تمہاری دوست ضرور تھی مگر اتنی مخلص نہیں تھی کہ وہ اتنی دور تک کی باتیں سوچ جاتی۔ اب چھوڑو اس خیال کو، جو ہوا سو ہو گیا۔ منصور سے تمہارا راشتہ ٹوٹ ہی چکا آخر کہیں نہ کہیں تو اُن کی شادی ہونی ہی تھی، چلو منیرہ سے ہوگئی۔ پھر کیا ہوا۔''

''نہیں فرح یہ اتنی چھوٹی سی بات نہیں ہے۔ میں بہت حساس ہوں۔ مجھے منیرہ کے رویے نے بہت دکھ پہنچایا ہے میں اُسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

''اچھا مت کرنا معاف۔ وہ کب تمہارے پاس آرہی ہے معافی مانگنے۔ وہ تمہیں بھول بھی چکی ہوگی۔ فخری بیگم اٹھئے چلئے آپ بھول گئیں آج مجھے اپنے گھر لے جارہی تھیں شاید......''

''ہاں چلو چلتے ہیں چھوٹے بھیا انتظار کر رہے ہوں گے۔''

''وہ کس وقت گھر آتے ہیں؟''

دوپہر تک آجاتے ہیں۔''

دونوں لڑکیاں اُٹھ گئیں۔

''آج فرح فخری کے ساتھ اُس کے گھر جارہی تھی۔ چونکہ دونوں کا ہر وقت کا ساتھ تھا اس لئے ایک دوسرے کے گھروں میں جانا کم ہوتا تھا مگر آج کافی دنوں کے بعد فخری نے فرح کا پروگرام اپنے ساتھ بنالیا تھا۔

سارا راستہ دونوں خاموش رہیں۔ یونیورسٹی روڈ پر گاڑی فراٹے بھرتی چلی جارہی تھی۔ تھوڑی دیر میں فخری کا گھر آ گیا۔

فرح اور فخری گھر کے اندر داخل ہوئیں۔

اصغر علی کُرتا پاجامہ پہنے کرسی پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ فخری کا انتظار تھا کہ وہ آئے تو کھانا کھائیں۔ انہیں فرح کی آمد کی اطلاع نہ تھی۔ اچانک فخری کے ساتھ فرح کو آتا دیکھ کہ اصغر علی کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوگئیں۔

انجانی مسرت سے چہرہ روشن سا ہوگیا۔ وہ اخبار رکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''آداب۔'' فرح نے بہت تمیز سے مسکرا کر کہا۔

''آداب۔ آیئے آیئے تشریف لایئے آج آپ راستہ کیسے بھول گئیں؟''

''بس اتفاق ہوگیا آج۔'' فرح نے ہنس کر کہا۔'' ویسے یہ اتفاق آپ کے ساتھ کبھی نہیں ہوتا۔''

اصغر علی لاجواب ہو گئے۔ یہ درست بھی تھا وہ بہت عرصے سے فرح کے گھر نہیں گئے تھے حالانکہ دونوں گھرانوں کے تعلقات بہت پرانے ہو چکے تھے۔ اور فرح کے گھر میں اصغر علی کی بہت زیادہ قدر و منزلت تھی۔ فرح کی امی...... اصغر علی کی لیاقت اور شرافت کی قائل تھیں پھر بھی اصغر علی کو وہاں جاتے ہوئے ایک قسم کی جھجک سی محسوس ہوتی تھی دراصل اُن کے اپنے دل میں چور تھا وہ فرح کو بہت زیادہ پسند کرنے لگے تھے اس وجہ سے وہاں جاتے گھبراتے تھے اب اچانک اتنے دنوں بعد فرح کو اپنے گھر میں دیکھا تو کھل اُٹھے۔

فرح قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

فخری کھانا لگوانے اندر چلی گئی۔

''سنا ہے آپ لوگوں کی ڈاکٹری کی بڑی دھوم مچی ہوئی ہے۔'' اصغر علی نے کہا۔

''سنی سنائی بات پر یقین نہیں کرنا چاہیے کبھی آیئے دواخانے تو پتہ چلے اصل بات کیا ہے۔''

''دواخانے کیا کروں گا آ کر، آپ نے مجھے مریض سمجھا ہے اپنا۔'' اصغر علی نے کچھ اس انداز سے یہ جملہ ادا کیا کہ فرح کا چہرہ شرم سے سرخ پڑ گیا۔ اُس نے مسکرا کر نظریں نیچی کر لیں۔

اصغر علی سے اس کی اضطرابی کیفیت پوشیدہ نہ رہ سکی اور وہ فرح کی حالت سے محفوظ ہوتے رہے۔

بجلی کی سرعت سے ایک خیال ذہن میں آیا اور گزر گیا۔ ممکن ہے فرح بھی مجھ میں دلچسپی لیتی ہو۔

مگر نہیں...... فرح ایسا کیسے سوچ سکتی ہے اُس کے لیے ایک سے ایک دولت مند لوگ موجود ہیں......' انہوں نے خود ہی اپنے خوبصورت خیال کی تردید کر دی۔

فخری نے جلدی جلدی کھانا گرم کر کے میز پر لگایا اور اندر ہی سے آوازیں دینے لگی۔

اصغر علی اور فرح اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''تو پھر آؤں آپ کے دواخانے میں آپ کا مریض بن کر مسیحائی کریں گی میری؟'' اصغر علی نے آہستہ سے قریب ہو کر کہا۔

''ضرور آیئے آپ کو روکا کس نے ہے۔'' فرح نے بے جھجک ہو کر کہا۔

دونوں مسکراتے ہوئے کھانے کی میز پر بیٹھ گئے۔

وہ دونوں ایک دوسرے کے قریب بیٹھے بہت جچ رہے تھے۔فخری نے انہیں محبت پاش نگاہوں سے دیکھا اور پھر نظریں جھکالیں۔اے کاش فرح میری بھابی بن سکتی، اُس نے دل ہی دل میں آرزو کی پھر فرح کے سامنے کبابوں کی ڈش کرتے ہوئے بولی۔''چھوٹے بھیا کو کباب بہت پسند ہیں اور تمہیں بھی۔چلو شروع ہو جاؤ جلدی سے بہت بھوک لگ رہی ہے۔''

''واقعی بھوک تو بہت سخت لگی ہے۔'' فرح نے کہا۔''مجھے کیا خبر تھی تم لوگ روزانہ کباب کھاتے ہو، ورنہ میں لنچ لینے یہیں آجایا کرتی۔''

''ضرور۔ضرور۔مگر صرف لنچ ہی کیوں؟'' فخری نے کہا''لنچ ڈنر ناشتہ سب ہی کچھ کیوں نہیں۔'' یہ کہہ کر فخری ہنس پڑی۔

فرح اور اصغر علی اپنی اپنی جگہ شرمندہ ہو گئے۔

خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا۔

ابھی دن کے دو بج رہے تھے۔اور شام پانچ بجے ان دونوں کو پھر دواخانے پہنچنا تھا۔

ابھی کافی وقت ہے۔

اصغر علی دل ہی دل میں حساب لگا رہے تھے۔

ابھی فرح تین گھنٹے اور یہاں رکے گی۔

پورے تین گھنٹے ان لوگوں نے مختلف قسم کی باتوں میں صرف کر دیئے۔ دُرّی اب خاصی سمجھ دار ہو چکی تھی اور پانچویں کلاس میں پڑھ رہی تھی۔فرح اُٹھنے لگی تو دُرّی چائے بنا چکی تھی۔

''اُف اب چائے بھی پینی پڑے گی۔'' فرح نے کہا۔''اس قدر تو پہلے ہی کھا چکی ہوں۔''

''چائے تو اس وقت پی ہی جاتی ہے۔'' اصغر علی نے کہا۔''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''مگر میں چائے کی شوقین نہیں ہوں فخری کو پتہ ہے۔''

''خیر پرہیز تو نہیں ہے۔پی لیجئے ایک پیالی۔'' اصغر علی نے کہا۔

''لیجئے آپ کی خوشی کی خاطر پیئے لیتی ہوں۔'' یہ کہہ کر فرح نے پیالی تھام لی۔

چائے پی کر دونوں لڑکیاں اپنی ڈیوٹی پر روانہ ہو گئیں۔اصغر علی دور تک ان دونوں کی موٹر کو جاتا ہوا دیکھتے رہے۔

رات کو کھانا کھاتے ہوئے فخری نے اصغر علی سے کہا۔'' چھوٹے بھیا آپ شادی کر لیجئے۔''

''میں اور شادی، کیوں؟''

''وہ اس لیے کہ اب آپ کے ساتھ کوئی مسئلہ نہیں ہے اور میں بھی اکیلے گھر میں بور ہو جاتی ہوں۔'' مجھے ایک عدد بھابی کی سخت ضرورت ہے۔''

''مگر میں نے ابھی اس بارے میں سوچا نہیں ہے۔''

''غلط..... خوب سوچا ہے اور اچھی طرح سوچا ہے۔''

''فخری مذاق مت کرو۔ میں تم سے سیریسلی کہہ رہا ہوں میں ابھی اپنی شادی نہیں کروں گا؟''

''مگر کیوں؟''

''جب تک تمہاری شادی نہیں ہو جاتی میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''میں تو اپنی زندگی میں سیٹ ہو چکی ہوں بھیا، مجھے اسی دن کا انتظار تھا کہ میں ڈاکٹر بن کر ملک وقوم کی خدمت کروں۔ خدا کا شکر ہے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی اور آج بہت سے دُکھی انسانوں کے کام آ رہی ہوں۔''

''نہیں فخری یہ سب غیر فطری باتیں ہیں، میں تمہارے بارے میں آج کل بہت زیادہ سوچنے لگا ہوں۔''

''اور میں مسلسل آپ کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں۔''

''میرے بارے میں کیا؟''

''آپ کی شادی کے بارے میں۔''

''پھر وہی بے وقوفی کی بات کی۔''

''بھیا میں آپ سے ایک بات پوچھوں آپ برا تو نہیں مانیں گے؟''

اصغر علی ایک لمحہ کو چونک سے گئے۔'' پوچھ کیا بات ہے۔''

''فرح کیسی لڑکی ہے؟''

اصغر علی کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔'' یہ بات تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''بھیا فرح مجھے بہت پسند ہے آپ کو کیسی لگتی ہے؟''

”جو چیز اچھی ہوتی ہے فخری وہ سب کو اچھی لگتی ہے۔مگر تم جس وجہ سے یہ بات پوچھ رہی ہو وہ بات ناممکن ہے۔“

فخری کا چہرہ بجھ گیا۔

”کیوں بھیا ناممکن کیوں ہے۔آپ کی شادی فرح سے ہو جائے تو کتنا اچھا ہو۔“

”فخری تمہیں ایسی بات نہیں سوچنی چاہیے۔تمہارا بھیا اتنی اونچی پرواز کے قابل نہیں ہے۔“

یہ کہہ کر اصغر علی کھانے کی میز سے اُٹھ گئے۔فخری اُن کے جملے کا مطلب نکالتی رہ گئی۔

اس کا مطلب ہے بھیا فرح کو پسند کرتے ہیں مگر اُس کی امارت کی وجہ سے یہ بات سوچ نہیں پاتے مگر فرح اس نیچر کی نہیں ہے نہ ہی اُس کے گھر والے ایسے معلوم ہوتے ہیں جو دولت کو انسانیت پر ترجیح دیں۔ میں خود کسی نہ کسی طرح فرح کے خیالات معلوم کرنے کی کوشش کروں گی۔فخری نے دل ہی دل میں سوچا۔ پھر دُرّی اور وہ دونوں کھانے کے برتن سمیٹنے لگیں۔

فخری نے دل میں سوچا تھا وہ فرح سے بھیا کے متعلق اُس کے خیالات معلوم کرے گی مگر تقدیر نے اُسے ایک نئی آزمائش میں آن گھیرا۔اب وہ رات دن اپنے متعلق سوچ رہی تھی۔ پورا ایک ہفتہ ہو گیا تھا اُسے سوچتے ہوئے اور وہ کچھ بھی نہ سوچ پائی تھی۔

فلاسفی ڈپارٹمنٹ کے ڈاکٹر ارشاد علی کا رشتہ اُس کے لیے آیا تھا۔ارشاد علی بہت اچھے انسان تھے۔اصغر علی سے اُن کی بہت اچھی واقفیت تھی۔فخری بھی اُن سے مل چکی تھی۔اصغر علی کے گزشتہ حالات بھی کم وبیش اُنہیں معلوم تھے اور اب اُن کا پیغام فخری کے لیے آیا تھا۔

یہ خبر اصغر علی کے لیے خوشیوں کا پیغام لے کر آئی تھی۔اُن کی زندگی کی سب سے بڑی تمنا یہی تھی کہ فخری کی کسی مناسب جگہ شادی ہو جائے اور اُسے خوشیوں سے بھرپور ایک ایسی زندگی میسر آ جائے کہ اُس کے ماضی کے المیے کی تلافی ہو جائے۔

اور اب قسمت سے ایک ایسا ہی رشتہ خدا نے فخری کے لیے بھیج دیا تھا۔

مگر فخری کے لیے یہ خبر کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔

اصغر علی نے اپنی خوشیوں کا اظہار کرتے ہوئے اُسے سوچنے کا وقت دیا تھا۔

اور وہ مسلسل سوچے جا رہی تھی۔

مگراس سوچ کا کوئی نتیجہ نہ تھا۔

اُسے اس بات کا دکھ تھا کہ وہ چھوٹے بھیا کو کوئی خوشی نہ دے سکے گی۔

ڈاکٹر ارشاد علی کا رشتہ ٹھکرا دے گی۔

اُس نے ہر زاویے سے سوچا تھا۔

ہر انداز سے پرکھا مگر نتیجہ وہی تھا۔

جب کبھی وہ اپنے مستقبل کے متعلق کوئی خواب دیکھتی نہ جانے کہاں ایک بھاری اور مضبوط ہاتھ نمودار ہوتا اور اُس کے نرم و نازک ہاتھ پر اُس کی گرفت مضبوط ہو جاتی۔

اُس کے تن بدن میں برقی رو دوڑنے لگتی۔

پھر کہیں دور سے ایک مانوس سی آواز اُس کانوں میں گونجتی۔

''دراصل اپنے آپ کو اذیت دینا بہت مشکل کام ہے اسی لیے میں یہاں سے جارہا ہوں۔''

فخری نے کبھی ڈاکٹر صفدر کی خاموش محبت کو اپنے دل کے اندر جذب ہوتے نہیں دیکھا تھا مگر اب حالات اُسے اس موڑ پر لے آئے تھے کہ اُس کے دل کی ہر دھڑکن صفدر کو پکار رہی تھی۔

اُس کی ہر سانس میں صفدر کا نام بسا تھا۔

اللہ محبت کتنے چپکے چپکے اپنا مقام بنا لیتی ہے تو کیا سچ مچ میں ڈاکٹر صفدر سے محبت کرتی ہوں؟

اُس نے بہت حیرت سے خود سے سوال کیا۔

اور جب ارشاد علی کے پیغام کے سامنے رکھ کر اُس نے اپنے مستقبل کے بارے میں بہت سنجیدگی سے سوچا تو اُس کے خیالوں میں کسی اور کا گزر نہ تھا۔ مگر ڈاکٹر صفدر سے اُس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ کوئی رابطہ نہ تھا۔ کئی سال ہو گئے تھے وہ ملک چھوڑ چکے تھے۔ اس کے بعد سے پلٹ کر نہ آئے تھے۔

تو پھر وہ کس اُمید پر آس کے دیپ جلائے بیٹھی تھی اور اُس نے کب ڈاکٹر کو کوئی اُمید دلائی تھی۔

کیا پوری عمر ڈاکٹر صفدر کے انتظار میں بیت جائے گی؟

ممکن ہے ڈاکٹر نے کہیں شادی کر لی ہو؟

کبھی کبھی یہ خیال اُس کے ذہن میں آتا اور نکل جاتا۔ وہ اپنے خیالات کی خود نفی کر دیتی۔

''نہیں ایسا ممکن نہیں۔ ڈاکٹر ایک دن ضرور لوٹ کر آئے گا۔''

یہ اُس کے دل کی آواز تھی۔

''میں ڈاکٹر صفدر کا انتظار کروں گی کہیں ایسا نہ ہو جب وہ واپس پلٹ کر آئیں اور دستک کے لیے ہاتھ اُٹھائیں تو انہیں میرا در نہ ملے۔''

پھر اُس نے شادی سے انکار کر دیا۔

اصغر علی کی خوشیاں خاک ہو گئیں۔

کوئی وجہ نہ تھی۔

کوئی اعتراض نہ تھا۔

پھر بھی فخری شادی پر رضامند نہ تھی۔

اصغر علی نے تمام تکلفات بالائے طاق رکھ کر فخری سے صاف صاف پوچھا۔

''ارشاد علی میں کوئی خرابی ہے؟''

''جی نہیں وہ بہت اچھے انسان ہیں۔''

''تم ذاتی طور پر انہیں ناپسند کرتی ہو؟''

''یہ بات بھی نہیں۔''

''پھر کیوں انکار کر رہی ہو؟''

''بھیا مجھے شادی پر مجبور نہ کیجیے۔''

''فخری مجھے تم سے ایسی اُمید نہ تھی۔ ڈاکٹر ارشاد علی کا رشتہ ایک نعمت خداوندی تھا مگر تم اسے ٹھکرا رہی ہو زندگی میں یہ مواقع بار بار نہیں آتے کہیں ایسا نہ ہو بعد میں تمہیں اپنے فعل پر پچھتانا پڑے۔ تمہیں نہیں معلوم تمہاری فکر نے مجھے کتنا پریشان کر رکھا ہے ریحانہ مدت ہوئی اپنے گھر بار کی ہو چکی۔ ابھی تک تو تمہاری پڑھائی کا بہانہ تھا۔ مگر اب تو کوئی عذر درمیان میں حائل نہیں ہے لوگ کیا کہیں گے؟ بھائی کو بہن کے مستقبل کی پروا نہیں؟ افسوس ہے کہ تم اپنی ناسمجھی میں ایسی بات کر رہی ہو جس کی توقع مجھے نہ تھی۔ تمہاری اس حرکت سے مجھے شدید ذہنی صدمہ پہنچا ہے فخری۔''

اصغر علی کی اس بات پر فخری رونے لگی۔

اصغر علی اُسے روتا دیکھ کر پریشان ہو گئے۔

''میں نے تمہیں زندگی کی اونچ نیچ سمجھائی ہے۔تم ابھی کم عمر اور نا تجربہ کار ہو،شاید منصور کے غم کو ابھی بھول نہیں پائی ہو مگر تمہیں ان باتوں کو ذہن سے نکال دینا چاہیے ماضی کو بھول کر مستقبل کی فکر کرو اسی میں تمہاری فلاح ہے۔''

''نہیں۔چھوٹے بھیا نہیں،آپ مجھے مجبور نہ کیجیے میں کسی نئی آزمائش کے لیے تیار نہیں۔''

''تو پھر یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے میں ارشاد علی کو جواب دے دوں؟''

''ایسا تو کرنا ہی ہوگا۔مجبوری ہے میں آپ کو اپنی منشاء بتا چکی ہوں۔''

''اور اگر آئندہ کسی اور نے پیش قدمی کی تو......؟'' اصغر علی نے اُس کی جانب دیکھے بغیر سوال کیا۔

''تو بھی میرا جواب نفی میں ہوگا۔''

''یہ کہہ کر فخری وہاں سے اُٹھ گئی اور اصغر علی اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

فخری کوئی بچی تو نہ تھی جو اپنا برا بھلا سمجھ نہ پاتی اتنا اچھا رشتہ ٹھکرانے کا اصغر علی کو بہت صدمہ تھا۔وہ یہ بھی جانتے تھے اس دور میں اچھے رشتے بار بار نہیں ملا کرتے۔مگر فخری کی ضد بدستور تھی اس وجہ سے سینے پر پتھر رکھ کر اصغر علی کو انکار کر دینا پڑا۔

مگر وہ اپنے ذہن کے بوجھ کو ہلکا نہ کر سکے۔

دن اپنی تمام تر یکسانیت کے ساتھ گزرتے رہے مگر اصغر علی ذہن کا بوجھ ہلکا نہ کر سکے۔

فخری کی فکر اپنی جگہ پر تھی۔

جب تک فخری کا کہیں ٹھکانا نہ ہو جاتا وہ اپنے متعلق سوچ بھی نہ سکتے تھے۔

لیکن فخری کو شاید اس بات کا احساس نہ تھا کبھی کبھی ریحانہ اور اختر اپنے بیٹے کے ساتھ آجاتے تو گھر میں چہل پہل ہو جاتی۔وہ لوگ واپس چلے جاتے تو پھر وہی سناٹا۔وہی خاموشی۔

مگر ایک دن اصغر علی کی زندگی کا وہ سکوت ٹوٹ گیا جس نے انہیں پریشان کر رکھا تھا۔

رات کے وقت اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی بج اُٹھی۔

وہ ٹیلی فون اپنے بیڈروم میں رکھا کرتے تھے۔

''ہلو۔'' اُنہوں نے آہستہ سے کہا۔

دوسری طرف سے فرح بول رہی تھی۔

''ارے فرح آپ اس وقت بات کر رہی ہیں خیریت تو ہے۔'' اصغر علی نے دلی جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''جی، ہاں خیریت ہی ہے۔ آپ سو تو نہیں رہے تھے نا......؟''

''بس سونے ہی والا تھا۔ فخری اور دُرّی دونوں اپنے کمروں میں سو چکی ہیں۔''

''دراصل میں بہت دیر سے شش و پنج میں مبتلا تھی کہ آپ کو اس وقت فون کروں یا نہ کروں۔ اسی سوچ میں اتنی دیر ہوگئی۔''

''کمال ہے اس میں سوچنے کی کیا بات تھی۔ بس ڈائل گھما دیا ہوتا فوراً۔''

''سوچنے ہی کی تو بات تھی اسی لیے سوچ رہی تھی۔''

''بات بھی بتا دیجئے تا کہ معمہ حل ہو جائے۔''

''بات ٹیلی فون پر نہیں کی جا سکتی۔''

''پھر کہاں کی جا سکتی ہے؟'' اصغر علی نے دلچسپی سے پوچھا۔

''آپ کل شام پانچ بجے میرے گھر آجائیے۔''

''کوئی خاص بات ہے؟''

''ہاں بہت خاص بات ہے جب ہی آپ کو زحمت دے رہی ہوں۔''

''اگر کوئی راز کی بات ہوئی تو آپ کی امی وغیرہ بھی سن لیں گی۔'' اصغر علی نے کسی خاص نیت سے پوچھا۔

''آپ بے فکر رہیے۔ کل گھر پر میرے سوا کوئی نہ ہوگا۔''

''دواخانے نہیں جائیں گی کل شام؟''

''دوخانے میں فخری ہوگی۔''

''آپ ٹھیک تو ہیں۔''

''کل بتاؤں گی۔ مگر سنیئے۔''

''ہاں ہاں سنائیے۔''

''آپ اس بات کا تذکرہ کسی سے مت کیجئے گا۔''

''جو حکم آپ کا۔'' اصغر علی نے کہا۔

"اچھا خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔"

فرح نے فون رکھ دیا۔

اصغر علی ریسیور کو غور سے دیکھتے رہ گئے۔ ابھی اسی ریسیور سے فرح کی آواز سن رہے تھے۔

خوشی سے اُن کا رواں رواں ناچ رہا تھا۔

فرح نے انہیں آج پہلی بار اس اعتماد کے ساتھ بلایا تھا۔ کسی خاص غرض سے۔

وہ بات کیا تھی؟ اس بات سے اصغر علی کو غرض نہ تھی وہ تو اس بات پر شاداں تھے کہ فرح نے انہیں اعتماد کے قابل سمجھا تھا۔ کوئی خاص مسئلہ ہوگا کوئی اہم بات ڈسکس کرنی ہوگی جس کے لئے گھر والوں کی غیر موجوگی میں اُس نے اصغر علی کو اپنے اعتاد میں لے کر بات کرنے کے لیے بلایا تھا اور یہی احساس انہیں مسرت بخش رہا تھا۔

ٹیلی فون آنے سے قبل انہیں بہت زور کی نیند آرہی تھی۔

مگر اب ساری نیند ہوا ہو گئی تھی۔

بہت دیر تک وہ فرح کے خیالوں میں گم رہے اس کے متعلق سوچتے رہے اور پھر بالآخر نیند کی وادیوں میں گم ہو گئے۔

دوسرے دن شام کو حسب وعدہ وہ فرح کے گھر جا پہنچے۔

فرح اُن کے انتظار میں بیٹھی تھی۔

اُسنے ایک نظر اصغر علی کی طرف دیکھا۔

لمبے چوڑے صحت مند مناسب خدو خال کے ہنس مکھ سے اصغر علی...... ہمیشہ سے بہت زیادہ اچھے معلوم ہو رہے تھے۔

"فرمایئے کیسے یاد کر لیا آج؟" اصغر علی نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"پتہ نہیں کیسے یاد کر لیا۔ یہی تو میری سمجھ میں بھی نہیں آرہا اور پھر یہ بھی سوچ رہی ہوں کہ میں نے غلط کیا ہے یا صحیح۔"

یہ بات فرح نے بہت سنجیدگی سے کہی تھی۔ اُس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور اس کے چہرے سے اضطراب کی جھلک نمایاں تھی۔

''فرح کیا بات ہے آپ صاف صاف بتا دیجئے یقین کیجئے آپ مجھے ہر طرح سے قابل یقین پائیں گی۔''

وہ کچھ دیر تک اضطرابی حالت میں انگلیاں مروڑتی رہی۔ اصغر علی اُسے غور سے دیکھتے رہے۔

وہ فوری طور پر کچھ نہ سمجھ سکے۔

پھر دفعتاً اُس نے نگاہیں اُٹھائیں۔ اصغر علی کی جانب دیکھا، دیکھتی رہی۔ اور پھر اچانک اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں ابھی آتی ہوں۔''

''یہ کہہ کر وہ کمرے سے چلی گئی

چند منٹ کے وقفے سے وہ واپس نکل کر آئی اُس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا لفافہ تھا۔

اصغر علی کشمکش کے عالم میں بیٹھے تھے۔

''دراصل مجھے آپ سے ایک مشورہ لینا ہے۔''

''کیسا مشورہ۔''

''وہ دراصل......'' فرح کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں پا رہی تھی۔ اصغر علی اس کی جھجک کو سمجھ گئے۔

''آپ اطمینان سے بتایئے میں سن رہا ہوں آپ یقین کیجئے آپ کی ہر بات میرے سینے میں محفوظ رہے گی۔ میں کسی سے کوئی تذکرہ نہ کروں گا۔''

''ممی اور ڈیڈی میری زندگی کا فیصلہ کر رہے ہیں۔'' اُس نے نظریں جھکا کر کہا۔'' اور ایک ہفتے کے اندر مجھ سے جواب مانگا ہے۔''

اصغر علی کے اوپر فرح کے یہ الفاظ بم بن کر گرے مگر انھوں نے کمال ضبط سے اپنے اوپر قابو پا کر کہا۔''تو آپ نے کیا سوچا ہے؟''

''یہ دیکھئے اس لفافے میں تصویر ہے لکھ پتی باپ کے اکلوتے ہیں۔ خوبصورت ہیں نوجوان ہیں۔ سب ہی خصوصیات ہیں مگر میں کوئی فیصلہ کرنے سے قبل آپ کی رائے لینا چاہتی تھی۔''

اصغر علی نے کانپتے ہاتھوں سے تصور نکالی۔

ایک خوش شکل نوجوان تصویر میں مسکرا رہا تھا۔ اصغر علی کو اپنا دل ڈوبتا محسوس ہوا۔

''کیسی ہے یہ تصویر؟''......فرح نے پوچھا۔

''بہت اچھی ہے۔ آپ کے لیے ہر طرح سے مناسب ہے۔''

''مگر میں ابھی تک کوئی فیصلہ نہ کر سکی تھی اس وجہ سے آپ کی رائے لینے کے لیے آپ کو بلایا تھا۔''

''اس میں سوچنا ہی کیا ہے۔ یہ صاحب دولت مند ہیں خوبصورت ہیں۔ آپ کو اپنانا چاہتے ہیں...... مجھے حیرت ہے کہ پھر آپ کیوں تذبذب کا شکار ہیں۔''

''تو آپ کی یہی رائے ہے کہ مجھے اقرار کر لینا چاہیے۔'' فرح کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ اُس نے بڑی مشکل سے تھوک نگلتے ہوئے اصغر علی سے پوچھا۔

''اس کے سوا میں اور کوئی رائے کیسے دے سکتا ہوں۔'' اصغر علی کے لہجے میں زمانے بھر کی محرومیاں تھیں۔

''کیوں نہیں دے سکتے رائے...... اصغر علی آپ...... آپ......'' اتنا کہہ کر فرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔''

''اصغر علی کے لیے یہ سچویشن خلافِ توقع تھی۔

''فرح مجھے نہیں معلوم آپ کے ان آنسوؤں کا کیا مطلب ہے۔ خدا کی قسم اگر میرے بس میں ہوتا تو میں آپ کے تمام آنسو اپنے دامن میں جذب کر لیتا۔''

''آپ اپنے آپ کو بے بس کیوں سمجھتے ہیں اصغر علی؟'' فرح نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔

''فرح میں بہت معمولی آدمی ہوں۔ میرے جیسے معمولی انسان جن کے پاس دولت کی جھنکار نہیں ہوتی وہ خود کو اسی طرح بے بس محسوس کرتے ہیں۔''

'' مجھے دولت سے نفرت ہے۔ زندگی میں دو بار میں نے دولت مند آدمیوں سے فریب کھائے ہیں۔ اصغر علی میں نے بہت سوچ سمجھ کر آپ کو مشورے کے لیے بلایا تھا۔''

''میں نے آپ کے شایانِ شان مشورہ دیا ہے فرح۔ بخدا میں اس قابل نہیں کہ آپ کے دلی جذبات کو سمجھ سکوں۔''

''تو کیا میں یہ سمجھ لوں کہ میں نے آپ کو بلا کر غلطی کی ہے۔'' فرح نے پہلی بار اصغر علی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔

فرح کی آنکھوں میں پہلی بار اصغر علی نے جھانک کر دیکھا۔

ان نگاہوں میں ایک جہاں آباد تھا۔

پیار و محبت کا ایک خوبصورت جہاں۔

مگر وہ اتنا بڑا اعتراف کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

اتنی بڑی بات کہتے ہوئے انہیں خوف آتا تھا۔

جو بات برسوں سے اُن کے سینے میں پل رہی تھی آج اس بات کا عکس فرح کی آنکھوں میں دیکھ کر بھی وہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کر رہے تھے وہ اتنی جلد کوئی فیصلہ نہ کر پا رہے تھے انہیں فرح سے کیا کہنا چاہیے۔ اصغر علی کو خاموش دیکھ کر فرح کی قوت برداشت جواب دے گئی۔

پاکستانی ورچوئل لائبریری ڈاٹ کام

''ٹھیک ہے اگر آپ اپنے منہ سے کچھ نہیں کہہ سکتے، آپ کی یہی مرضی ہے کہ میں تباہ برباد ہو جاؤں۔ زندگی کی کوئی خوشی نہ پاسکوں تو پھر میں آج ہی می سے اقرار کرلوں گی۔''

''یہ کہہ کر فرح نے تصور اُٹھا کر لفافہ میں رکھی اور بیڈ روم میں چلی گئی۔

اصغر علی ہکا بکا سے اُسے دیکھتے رہے۔

کچھ دیر تک ڈرائینگ روم میں سناٹا پھیلا رہا فرح لوٹ کر نہ آئی تھی۔

اصغر علی کی سمجھ میں نہ آیا، وہ فرح کو کس طرح بلائیں، وہ اتنی بے تکلفی کے عادی نہ تھے۔

اضطرابی کیفیت میں انہوں نے ڈرائنگ روم میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

ذرا سی دیر میں فرح کمرے سے نکل آئی۔

شاید اتنی دیر وہ اندر آنسو بہاتی رہی تھی مگر اب اُس نے اپنے آپ کو نارمل کرلیا تھا۔

اصغر علی کے دل کی دنیا میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔

وہ فرح کی کیفیت کو سمجھ چکے تھے۔

اور اب وہ کوئی لمحہ ضائع نہ کرنا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے بغیر تمہید کے کہا۔

''فرح میرے دل میں آپ کی بہت عزت ہے۔ بہت ہی زیادہ میں نے ہمیشہ آپ کے متعلق سوچا ہے برسیں ہوگئی ہیں سوچتے ہوئے۔ لیجئے آج آپ کے سامنے اپنی کمزوری کا اعتراف کرتا ہوں۔ میں نے ہمیشہ اپنے آپ کو بے بس پایا ہے۔ ہر معاملے میں بہت پہلے جب میں وکالت پڑھنا چاہتا تھا تب آپ نے کہا تھا کہ آپ کو پروفیسرز پسند ہیں آپ انہیں آئیڈیل سمجھتی ہیں تو میں نے آپ کی آئیڈیل زندگی حاصل کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ رات دن ایک کر دیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ میرا براہ راست آپ سے کبھی بھی کوئی تعلق نہ رہا پھر بھی جو تعلق تھا وہ ہمیشہ سے بہت گہرا اور مضبوط تھا۔ مگر میں نے چاند کی تمنا کرنے سے اپنے آپ کو باز رکھا۔ آج آپ نے اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کے لیے مجھ سے رائے لی ہے اور آج بھی میں اپنے آپ کو بے

بس پاتا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ میرے اس اقدام سے آپ کے ممی اور ڈیڈی کہیں مجھے اور فخری کو خود غرض نہ سمجھ بیٹھیں۔''

''آپ میرے ممی اور ڈیڈی کے اوپر الزام رکھ کر راہِ فرار اختیار کرنا چاہتے ہیں۔'' فرح کے لہجے میں دکھ کے ساتھ طنز تھا۔

''فرح خدا کے مجھے غلط نہ سمجھو، تمہیں نہیں معلوم تم اس وقت کیا کہہ رہی ہو۔''

''میں پورے طور پر اپنے ہوش وحواس میں ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ میں کیا کہہ رہی ہوں مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو غلط سمجھا اگر مجھے پہلے پتہ ہوتا کہ آپ اتنے بے حس ہیں تو خدا کی قسم میں کبھی آپ کو فون کر کے یہاں نہیں بلاتی۔''

''فرح کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تھی اور لہجہ رندھا رندھا سا تھا۔

اصغر علی نے اُسے محبت پاش نگاہوں سے دیکھا پھر بولے ''فرح!...... تم میری زندگی کی پہلی اور آخری خواہش ہو۔ میں تمہیں تمہارے ڈیڈی سے ضرور مانگوں گا خواہ مجھے کسی بھی امتحان سے گزرنا پڑے۔''

''فرح کے چہرے پر شرمیلی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ ''میرے ڈیڈی اور ممی کو مجھ سے بہت محبت ہے اور وہ آپ کو بہت پسند کرتے ہیں۔'' فرح نے کہا۔

''تو پھر تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' اصغر علی نے شرارت سے کہا۔

''آپ بنتے بہت ہیں، جان بوجھ کر انجان بنتے ہیں۔''

''بھئی تم نے پہلے کچھ اتہ پتہ دیا ہوتا تو کیوں اتنی عمر انجان بننے میں ضائع ہوتی۔''

''اب میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گی۔'' فرح کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

''ناراض تو تم ہی ہو تب ہی تو اتنی دیر سے بھوکا پیاسا بیٹھا ہوں، چائے تک کو نہیں پوچھا۔''

''چائے بن رہی ہے ذرا صبر کیجئے۔''

''اب صبر کہاں ہوگا۔''

''پھر وہی بات۔''

''اچھا خیر تم برا مانتی ہو تو چپ ہوا جاتا ہوں۔''

''فرح مسکراتی ہوئی وہاں سے کچن میں چلی گئی۔

''اصغر علی کا دل خوشی سے بلیوں اچھل رہا تھا۔ اُن کے تو وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ زندگی کی

سب سے بڑی خوشی یوں اتنی آسانی سے اُن کی جھولی میں بھر جائے گی۔

ذراسی دیر میں فرح ٹرالی لے کر آ گئی۔

دونوں نے خوشی خوشی چائے پی۔ چائے کے ساتھ فرح نے کافی تکلف کیا تھا۔ اصغر علی نے بصد خوشی تمام چیزوں کے ساتھ انصاف کیا۔

اب اصغر علی کو یہاں آئے خاصی دیر ہوگئی اس لئے انہوں نے اجازت چاہی۔ فرح نے انہیں خدا حافظ کہا۔ انہوں نے اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور لمحہ بھر میں نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

جیکولین کے والد مسٹر اینڈرسن کا انتقال ہو گیا تھا۔ اب جیکی بالکل تنہا تھی۔ ۔ ے اسی وجہ سے اُس نے فوری طور پر منصور کو بلا بھیجا تھا۔ منصور نے یہ خبر سنتے ہی سیٹ بک کروائی تھی اسی دوران منیرہ سے بھی جھگڑا ہو گیا۔ اور وہ منیرہ کو بیمار چھوڑ کر لندن کے لیے پرواز کر گئے۔

سوگ وار جیکولین ہمیشہ کی طرح آج بھی منصور کے لیے ائرپورٹ پر آئی ہوئی تھی۔

دونوں ایک دوسرے سے ملے۔ منصور نے جیکی کے والد کی اچانک وفات پر بہت زیادہ غم کا اظہار کیا، منصور کے آجانے سے جیکولین کو بہت زیادہ ڈھارس ہوگئی تھی۔ اُسے اس بات کی بھی خوشی تھی کہ اُس کے لکھتے ہی منصور فوراً آ گئے تھے۔ منصور کے اپنے دل میں کون سے غم چل رہے تھے۔ اس بات کی اُسے خبر نہ تھی۔ اپنے والد کی تمام جائداد اور پیسے کی اب جیکی تنہا وارث تھی اور بہت سے لوگ اُس کے مال و دولت کی وجہ سے اُس کی جانب پیش قدمی کر رہے تھے۔ مگر جیکی اُن لوگوں کے چہرے پہچانتی تھی۔ ان میں کوئی شخص بھی مخلص نہ تھا۔ اور اب اُس نے یہ تمام باتیں منصور کو بتائی تھیں مگر منصور کے پاس اس کی باتوں کا کوئی جواب نہ تھا۔

منصور کو یہاں آئے ہوئے ایک ہفتے سے اوپر ہو گیا تھا اور جیکولین کا خیال تھا کہ منصور اب جلد ہی واپسی کی بات کریں گے۔ چنانچہ اُس نے ایک روز کہا۔

''منصور تم یقیناً بہت تھوڑے دنوں کے لیے آئے ہو گے مگر میں چاہتی ہوں کہ ابھی تم واپسی کا پروگرام مت بناؤ، کچھ دن اور میرے ساتھ گزارو۔ میں بہت زیادہ اکیلی ہوں۔ اگر تم چلے گئے تو ٹھیک نہ رہ سکوں گی۔''

''میں نے واپسی کا ابھی کوئی پروگرام نہیں بنایا جیکی، فی الحال میں لندن ہی میں رہنا چاہتا

ہوں۔''

جیکی کے لیے یہ خبر بہت خوش کن تھی اُس نے بے یقینی سے پوچھا۔''تم واقعی سچ کہہ رہے ہو؟ لیکن ایسا کیونکر ممکن ہے منیرہ تمہیں بہت مس کرے گی۔''

''نہیں جیکی منیرہ اب مجھے کبھی مس نہیں کرے گی۔''

''کیا کہہ رہے ہو منصور۔ کیا تم منیرہ سے جھگڑا کر بیٹھے ہو......؟''

''ہاں یہی سمجھ لو۔ میں منیرہ سے سمجھوتہ نہیں کر سکتا جیکی۔ میں زندگی کی بازی ہار گیا ہوں۔''

''ہوا کیا آخر۔ تم نے اتنے دنوں سے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔''

''تم خود پریشان تھیں۔ میں تمہیں اپنے غموں کی داستان سنا کر مزید پریشان نہ کرنا چاہتا تھا، میں تو تمہارے غم بانٹنے آیا تھا جیکی تمہیں کیسے غمزدہ کر دیتا۔''

''ہم دونوں بہت اچھے دوست ہیں منصور، تمہیں مجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھنی چاہئے تھی۔''

''تم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھوں گا جیکی...... آج میں تمہیں اپنی ناکام زندگی کی کہانی ضرور سناؤں گا۔'' وہی کہانی جو میں تمہیں پہلے بھی سنا چکا ہوں مگر اس بار اس کا انداز مختلف ہوگا۔ تم سنو پھر مجھے بتاؤ میں کتنا بدنصیب ہوں۔ لیکن یہ سب باتیں میں تمہیں اس لیے بتاؤں گا کہ اس دنیا میں صرف تم ہی ایک مخلص دوست ہو۔ اور میں تم پر اعتماد کرتا ہوں لیکن تم یہ تاثر نہ لینا کہ یہ بات بتانے میں کوئی میری غرض پوشیدہ ہے۔''

''منصور تم نے یہ بات کہہ کر مجھے دکھ پہنچایا ہے میں تمہارے متعلق غلط بات نہیں سوچ سکتی۔''

''اچھا تو پھر سنو جیکی۔ میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ بچپن میں میرا نکاح میری خالہ زاد بہن فاخرہ سے ہو گیا تھا جسے میں نے نہ کبھی دیکھا نہ جانا نہ میرے دل میں اس کا کبھی خیال تھا میں اسے چھوڑ کر اپنی پسند کی لڑکی ڈھونڈھ کر شادی کرنا چاہتا تھا اور پھر میں نے فرح کو پسند کیا تھا۔''

''ہاں یہ تم بتا چکے ہو۔''

''پھر فرح کو میرے نکاح کی خبر ہو گئی تو وہ لوگ ناراض ہو گئے۔ فرح نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا۔ جن دنوں فرح کے گھر میرا آنا جانا تھا۔ انہی دنوں، میں فرح کی ایک دوست فخری سے ملا تھا...... وہ لڑکی بہت اچھی تھی۔ عام لڑکیوں سے بہت مختلف۔ اس کے نورانی چہرے پر دو جگنو چمکا

کرتے تھے جو مجھے آج بھی یاد ہیں جیکی بعض چہرے ایسے ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر خود بخود احترام کرنے کو جی چاہتا ہے۔ ویسا ہی ایک چہرہ فخری کا تھا۔ پھر جب فرح مجھ سے ناراض ہوگئی تو فرح کو منانے کے لیے میں نے اُس کی دوست فخری کا سہارا لیا۔ میں اُس لڑکی سے دوبار ملا۔ اُس نے اپنی جیسی کوشش بھی کی مگر فرح کو رضامند نہ کرسکی۔ جب ہم آخری بار ملے تھے تو میں نے فخری سے کہا تھا کہ میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔

پھر وقت گزرتا رہا۔ میں منیرہ سے ملا۔ وقتی طور پر متاثر ہوگیا۔ اپنی بچپن کی نکاح شدہ بیوی کو طلاق دے دی اور منیرہ سے شادی کرلی اس کے بعد ایک روز مجھے فخری کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ کون تھی۔''

''کون تھی وہ؟''

''شاید تم یقین نہ کرو جیکی وہ میرے بیوی تھی مگر میرا نصیب دیکھو میں نے ہیرے کو چھوڑ کر پتھر کا انتخاب کیا فخری مجھ سے جدا ہوگئی ہمیشہ کے لیے۔''

''لیکن اُس نے تم کو بتایا کیوں نہیں کہ وہ تمہاری وائف ہے؟''

''اس لئے کہ میں اُسے بتا چکا تھا کہ میں فاخرہ سے نفرت کرتا ہوں۔''

''اور وہ خود؟''

''وہ مجھ سے بہت زیادہ محبت کرتی تھی جیکی مگر اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ میں نے اُسے طلاق دے دی ہے۔ ہمارے مذہب میں اب دوبارہ اس سے شادی جائز نہیں مگر میں نے اُس سے جو ایک بات کہی تھی کہ میں اُسے بھولوں گا نہیں تو وہ بات بالکل درست تھی، میں اُسے کبھی نہیں بھول سکتا۔ جیکی وہ ایسی لڑکی نہیں تھی جسے آسانی سے بھلایا جاسکے۔''

''لیکن منیرہ......؟''

''میری بدنصیبی کی داستان ابھی ختم نہیں ہوگی جیکی۔ اگر منیرہ میری توقعات پر پوری اُترتی تو شاید میں فخری کو بھول جانے کی کوشش کرتا مگر منیرہ نے میری شرافت سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور وہ کچھ کیا جو ایک غیور مرد کبھی بھی برداشت نہیں کرسکتا۔''

''اور پھر منصور نے منیرہ کے بارے میں ایک ایک تفصیل بتا ڈالی اُس کے بعد کہا،

''جیکی میرے دل سے منیرہ نکل چکی ہے۔ میں اُسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔ اُس نے اپنی دوست کی برائی کر کے فخری کو مجھ سے جدا کیا اُس کے بعد میری شرافت سے ناجائز فائدہ

اُٹھاتے ہوئے بے حیائی کے کھیل کھیلے۔ اب میں اس سے بات کئے بغیر یہاں چلا آیا ہوں۔ میرا دکھ بہت گہرا ہے جیکی جسے تم ہی محسوس کرسکتی ہو۔ میں کچھ دن یہاں رہوں گا۔ اور اپنے دکھے ہوئے دل کو سکون پہنچانے کی کوشش کروں گا۔“

”کیا تم منیرہ کو چھوڑ دو گے؟“ جیکی نے تعجب سے پوچھا۔

”نہیں۔ میں یہ بھی نہیں کرسکتا۔ یہی تو مشکل ہے۔ ایک بار فخری کے ساتھ یہ قصہ ہو چکا ہے۔ اب وہی واقعہ بار بار کیسے دہرایا جاسکتا ہے۔ میرا دماغ بہت پریشان ہے۔ سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں ختم ہوگئی ہیں۔ جیکی میں کچھ دن آرام کرنا چاہتا ہوں۔“

”منصور تم جتنے دن چاہو یہاں رہو۔ یہ تمہارا ہی گھر ہے۔ کاش میں تمہارے دکھ دور کرسکتی۔“

”اگر منیرہ کا معاملہ درمیان میں نہ ہوتا تو میں یقیناً تم سے شادی کر کے یہاں کی سکونت اختیار کرلیتا لیکن میں اتنا خودغرض نہیں ہوں میں تمہیں کسی آزمائش میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا۔“

”منصور میں تم سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔ مجھے منیرہ کی موجودگی سے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔“

”نہیں جیکی یہ خودغرضی ہوگی، میں تمہیں کوئی دکھ نہ دوں گا۔ میرے غم میرے اپنے ہیں مجھے ان ہی کے ساتھ زندہ رہنا ہوگا۔“

”منصور میں نے تم سے ایک بار کہا تھا شاید تمہیں یاد نہ ہو کہ میرے دل کے دروازے تمہارے لیے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ بہرحال۔ میں آج بھی تمہاری دستک کی منتظر ہوں میرے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم منیرہ کے علاوہ اور بھی شادیاں کرلو۔ یقین کرو میرے ماتھے پر بل تک نہ آئے گا لیکن اگر تمہارے دل میں میرے لئے ذرا سی بھی گنجائش ہے تو تم میرا ہاتھ تھام لو۔“

”جیکی مجھے یوں لگتا ہے اب دنیا میں تمہارے سوا میرا کوئی ہمدرد نہیں مگر میں بہت جلدی میں کوئی فیصلہ کرنا نہیں چاہتا۔ پھر مجھے یہ بھی خیال ہے کہ اب تمہارے حالات دوسرے ہیں کہیں تمہیں یہ شک نہ گزرے کہ میں تمہاری دولت کی وجہ سے......“

”بس اس سے آگے اور کچھ نہ کہو۔“ جیکی نے تڑپ کر کہا۔ ”میں تمہاری نیچر کو اچھی طرح سمجھتی ہوں منصور تم بہت مختلف ہو۔ میرے ملنے والوں میں سب سے زیادہ مختلف۔ میں تو ایک عرصے سے تم سے محبت کرتی ہوں اس لیے کہ تم ایک شریف آدمی ہو، بھروسے کے لائق ہو، کاش تم

میرے بن سکتے۔ لیکن میں تم سے کوئی زبردستی نہیں کروں گی۔ اگر تمہارے دل میں میرے لئے اتنی جگہ نہیں ہے تو نہ سہی۔ زندگی یوں بھی گزر ہی جائے گی۔‘‘

’’جیکی مجھے سوچنے کے لیے وقت دو۔ میں بہت پریشان ہوں۔‘‘

’’تم اطمینان سے سوچ۔ میں تمہارے پاس ہوں۔‘‘

’’تم بہت اچھی لڑکی ہو، اسی لئے میں نے اپنی زندگی کی ہر بات سچ سچ تم سے بیان کردی۔‘‘

’’تمہاری اسی سچائی نے مجھے خرید لیا ہے منصور۔‘‘

یہ کہہ کر جیکی چائے بنانے کچن میں چلی گئی اور منصور اس انگریز لڑکی کے بارے میں سوچنے لگے جو ضرورت سے زیادہ مخلص تھی اور جو اُن سے بے تحاشا محبت کرتی تھی...... بے غرض اور بے لوث محبت۔

جیکولین چائے بنا کر لے آئی۔ دونوں نے چائے پی۔ اس کے بعد جیکولین منصور کو ساتھ لے کر آؤٹنگ کے لئے چلی گئی۔

منصور کو لندن گئے ایک ماہ ہو گیا تھا۔ اس عرصے میں انہوں نے منیرہ کو ایک خط بھی نہ بھیجا تھا البتہ شکیلہ بیگم کے نام ایک مختصر سا خط آیا تھا۔ مگر اُس میں بھی منیرہ کا کوئی تذکرہ نہ تھا۔

منصور کے جانے کے بعد منیرہ یکسر بدل چکی تھی۔ اسے اپنی کوتاہیوں کا احساس ہو گیا تھا...... نعیم سے وہ قطع تعلق کر بیٹھی تھی۔ پھول خالہ کا تبادلہ پشاور ہو گیا تھا اس لیے اُدھر سے بھی تعلق ختم تھا۔ اُس نے تمام لوگوں سے ملنا جلنا تقریباً بند کر دیا تھا۔ لباس میں سادگی اختیار کر لی تھی۔ میک اپ کو ہاتھ نہ لگاتی۔ کٹے ہوئے بالوں کو یکجا کر کے کس کر ربڑ بینڈ سے باندھ لیا کرتی تھی۔ گھر کے کاموں میں دلچسپی لینے لگی تھی۔ شکیلہ بیگم سے بہو کی بدلتی ہوئی کیفیت چھپی نہ رہ سکی۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ منصور کی جدائی نے اُس پر اثر ڈالا ہے مگر وہ بیٹے کی طبیعت سے واقف تھیں وہ جس وقت گیا تھا منیرہ سے ناراض تھا اسی وجہ سے اُس نے منیرہ کو خط نہیں لکھا تھا۔ منیرہ کی خاموش کیفیت نے ساس کے دل پر اثر کیا۔ تب ایک دن انہوں نے خود ہی کہا۔

’’منیرہ تم منصور کو خط لکھو وہ جواب ضرور دے گا۔ میاں بیوی میں چھوٹے موٹے جھگڑے ہو ہی جاتے ہیں۔ اگر ایک اکڑ جائے تو دوسرے کو جھک جانا چاہیے۔‘‘

منیرہ ساس کی بات سن کر رونے لگی۔

''امی خدا کی قسم میں بے قصور ہوں۔ منصور کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔ بہر حال میں نے پھر بھی معافی مانگ لی تھی۔ مگر منصور کوئی بات سننے کو تیار نہ تھے۔''

''وہ مرد ہے جو بہت برا مان جاتا ہے۔ بہر حال تم خط لکھو۔ میں بھی لکھوں گی۔''

''منیرہ کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ وہ منصور کو خط لکھے مگر ساس کے ہمت دلانے پر وہ خط لکھنے بیٹھ گئی اور پھر اُس نے منصور کو بہت اچھا سا خط لکھا جس میں اپنی کوتاہیوں کی ایک بار پھر معافی مانگی گئی تھی۔ اور منصور کے لیے اپنی بے قراریوں کا بھی تذکرہ تھا۔ اُس نے یہ بھی لکھا تھا کہ آپ کے جانے کے بعد میں نے تمام لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا ہے بس ہر دم آپ کی واپسی کا انتظار ہے۔''

یہ خط لکھ کر جب وہ پوسٹ کر چکی تو اُسے بہت دنوں بعد سکون محسوس ہوا اُسے یقین تھا کہ اس کے خط کا منصور فوراً جواب دیں گے بلکہ وہ افسوس کرنے لگی کہ ایک ماہ اس نے خواہ مخواہ ضائع کر دیا۔ ٹھیک ہے اگر منصور کو کوئی غلط فہمی تھی وہ ناراض ہو گئے تھے اس کا فرض تھا کہ انہیں منا لیتی۔

پھر دن منصور کے جواب کے انتظار میں گزرنے لگے۔

انھی دنوں حیدر آباد سے منیر بھیا کا خط آیا۔

اُنہوں نے لکھا تھا۔ ''امی آج کل میرے لیے لڑکیاں دیکھتی پھر رہی ہیں انہوں نے مجھ سے میری پسند بھی پوچھی تھی۔ اب میں امی سے کیا کہتا مگر تمہیں لکھ رہا ہوں۔ کراچی میں تمہاری ایک دوست ہوا کرتی تھی فخری جواب ڈاکٹر بن چکی ہے...... میں بھی ڈاکٹر ہوں تم معلوم کرو کہ اس کی شادی ہو چکی کہ نہیں اگر نہ ہوئی تو تم اُسے اپنی بھابی بنا سکتی ہو۔ اپنی دوست سے تم خود بہت اچھی طرح واقف ہو گی مگر میں بھی اسے برسوں سے جانتا ہوں وہ ایک قابل اور ذہین لڑکی ہے اگر وہ مجھے مل گئی تو میں تمام عمر اپنے اوپر رشک کروں گا اُمید ہے تم اس خط کا جواب فوری طور پر دو گی۔''

منیر بھیا کا خط پڑھ کر منیرہ کا دماغ گھوم گیا۔

''فخری...... فخری۔'' ہر جگہ فخری کا تذکرہ تھا۔ فخری نے اس کی زندگی کو جہنم بنا دیا تھا۔ منصور ہیں تو فخری کا راگ الاپ رہے ہیں منیر بھیا نے فخری کے لیے کچھ بھی نہ کہا تھا مگر اب جب زندگی بھر کا ساتھی ڈھونڈنے کا وقت آیا تو وہ بھی فخری کی تعریفوں کے پل باندھنے لگے۔ اس نے غصے میں بھائی کا خط پرزے پرزے کر کے پھینک دیا...... وہ تو آج کل خود اپنی آگ میں جل رہی تھی۔ اُسے بھائی کی شادی کے تذکرے سے کوئی دلچسپی محسوس نہ ہوئی...... اس کی اندرونی کیفیت کا حال اس کے میکے میں سے کسی کو معلوم نہ تھا کیونکہ شادی کو کافی عرصہ ہو گیا تھا اس وجہ سے منی بیگم بھی کبھی

کبھار خط لکھتی تھیں۔ اس بار تو جان بوجھ کر منیرہ نے ایسا خط لکھ دیا تھا کہ وہ بیٹی کی طرف سے بہت مطمئن ہوگئی تھیں۔ اُن کے تو وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ منیرہ اپنے گھر میں ناخوش ہوگی۔

بہت انتظار کے بعد منصور کا خط آیا...... مگر منیرہ کے نام نہیں۔ یہ خط بھی حسب سابق ماں کے نام تھا جس میں منیرہ کے متعلق اتنا لکھا تھا۔

''منیرہ سے کہیئے وہ مجھے خط لکھنے کی تکلیف نہ کرے۔ میں اُسے کبھی جواب نہ دوں گا۔ میں نے منیرہ کے سلسلے میں بہت زبردست دھوکا کھایا ہے امی اس سلسلے میں میں خود اپنے آپ کو کبھی معاف نہ کروں گا۔''

منصور کا یہ خط منیرہ نے پڑھا تو روتے روتے اس کی حالت غیر ہوگئی نگاہوں کے سامنے دنیا اندھیر ہوگئی۔ منصور اس سے اس حد تک ناراض ہوں گے۔ اس کا اسے یقین نہ تھا۔ وہ تو سمجھتی تھی وہ اپنی محبت بھری باتوں سے منصور کو منالے گی اور جب وہ واپس آئیں گے تو اُن کے سینے سے لگ کر دل بھر کر آنسو بہائے گی اور پھر ہمیشہ وہی کرے گی جو منصور کہیں گے مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ نہ تو منصور نے اُسے معاف کیا تھا اور نہ ہی اپنی واپسی کے متعلق کچھ لکھا تھا۔ اس کے باوجود منیرہ نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا زندگی کی ہر آسائش اس کے لیے بے معنی ہوگئی تھی۔ کہاں تو وہ ہر وقت بہترین لباس پہننے کی عادی تھی اور کہاں یہ ہوتا کہ تین تین دن گزر جاتے۔ وہ ایک ہی جوڑا پہنے گھر میں گھوما کرتی۔ گھنٹوں کمرے میں بیٹھی ماضی، حال اور مستقبل کے متعلق سوچا کرتی۔

جب کبھی وہ اپنی موجودہ زندگی پر نظر کرتی تو اُسے رہ رہ کر خیال ستاتا تھا کہ اُس نے خرم کو چھوڑ کر بہت بڑی غلطی کی تھی۔ اُسے خرم کی محبت یاد آتی۔ ماموں جان اور ممانی جان کی محبتیں یاد آتیں تو وہ دل مسوس کر رہ جاتی۔ اُس نے خرم کو اس لئے چھوڑا تھا کہ وہ دقیانوسی خیالات کے تھے اور اُس کی تعلیم اس سے کم تھی۔

اور یہاں کیا تھا؟

''منصور بھی تو اتنا ہی پڑھے ہوئے تھے جتنا خرم۔ اور رہے دقیانوسی خیالات تو منصور نے اُسے کون سی آزادی دے رکھی تھی۔ اور اب تو وہ اتنی سمجھ دار ہوگئی تھی کہ اس نام نہاد آزادی کی خرابیوں سے آشنا ہوگئی تھی۔ اُسے اب احساس ہو رہا تھا کہ اُس نے ابو کی دی ہوئی تعلیم کو بھول کر غلط راہ اختیار کر لی تھی اسے یہ بھی احساس تھا کہ اسے یہ غلط راستہ دکھانے والی پھول خالہ تھیں۔ اور وہ اتنی نادان تھی کہ اُن کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گئی تھی اس نے پاکیزہ کا لبادہ اتار پھینکا اور بے

حیائی بے غیرتی فیشن کو اپنا شعار بنایا کاش اُسے پہلے اتنی سجھ ہوتی تو وہ کیوں خالہ کی بات مانتی۔
اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ آخر فخری اور اُس میں کیا فرق تھا؟
فخری شکل کے لحاظ سے معمولی کہی جاسکتی تھی پھر منصور اُسے کیوں یاد کرتے ہیں؟
منیر بھیا جو پورے خاندان میں سب سے زیادہ سمجھدار اور ذہین مانے جاتے ہیں انہوں نے کیوں فخری کو اپنے لئے پسند کیا؟
اس لیے کہ فخری با حیا اور با کردار لڑکی تھی۔ اب وہ خود کیوں منصور کی نگاہوں سے گر گئی تھی اس لیے کہ اس نے غلط روش اختیار کر لی تھی۔ دنیا کا کوئی مرد اتنا وسیع القلب نہیں ہوتا جو اپنی بیوی کو غیر مردوں سے اس حد تک بے تکلف ہوتا دیکھ سکے جتنا منیرہ نے خود کو کر لیا تھا۔
یہ وہ حقائق تھے جن پر منیرہ ٹھنڈے دل سے غور کیا کرتی تھی۔
لیکن ان سب باتوں میں قصور کس کا تھا؟
''کیا خود اُس کا؟
نہیں یہ سب اُن لوگوں کا قصور تھا جنہوں نے اسے غلط راہ پر ڈالا جس میں کچھ تو قصور اُس کی ماں کا تھا مگر زیادہ تر ذمہ داری خالہ پر عائد ہوتی تھی نہ وہ خالہ کے گھر آ کر رہتی نہ اس کا یہ حشر ہوتا۔ اُس نے اپنے ابو کی زبانی سن رکھا تھا کہ خالہ اور خالو کی آپس میں بہت کم بنتی تھی۔ جوانی کے زمانے میں دونوں میں شدید اختلافات رہتے تھے اور اُس کی وجہ خالہ کی بے جا آزادی تھی۔ حالانکہ خالو جان خود آزاد خیال تھے مگر پھول خالہ کی حرکتوں سے نالاں رہتے تھے پھر لڑکیاں جوان ہو گئیں تو اختلافات دب گئے مگر پھول خالہ کی زندگی اندر سے بہت کھوکھلی اور نمائشی تھی اس بات کا احساس اسے اب ہو رہا تھا۔
اُسے ناہید باجی بہت عقلمند نظر آنے لگی تھیں اُنہوں نے ایک شریف آدمی کا انتخاب کر کے اُس کی مرضی و منشا پر چل کر اپنی زندگی کو کامیاب بنایا تھا حالانکہ پہلے وہ بات سوچتی تھی کہ ناہید باجی کا دماغ خراب تھا جو انہوں نے اتنے معمولی آدمی سے شادی کر لی۔ کاش اس نے بھی خرم سے ناطہ توڑا ہوتا تو آج وہ بھی اپنے گھر میں پرسکون زندگی گزار رہی ہوتی۔
مگر اب تو وقت گزر چکا تھا۔
جب اُسے عقل آئی تو بہت سے لمحات آگے سرک چکے تھے۔
منصور اس سے ناراض ہو کر لندن جا چکے تھے۔ اور جن کے واپس آنے کی کوئی اطلاع نہ

تھی۔

مگر وہ اتنی آسانی سے ہار ماننے والوں میں سے نہ تھی وہ ہر حال میں منصور کو حاصل کر کے رہے گی اور اپنی زندگی کو کامیاب بنائے گی خواہ اس کے لیے اُسے کتنی ہی بڑی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔ وہ منصور کے لیے دنیا تج دے گی۔ اپنے آپ کو یکسر بدل ڈالے گی۔

اور واقعی وہ بدل گئی تھی۔

اگر کوئی منیرہ کو اب دیکھتا تو پہچان نہ پاتا کہ یہ وہی والی منیرہ ہے۔ مگر اس کی تبدیلیوں کی خبر منصور کو نہ تھی پہلے خط کے بعد بھی اُس نے دو بار منصور کو خط لکھا تھا مگر جواب سے محروم رہی تھی۔

اور اب منصور کو گئے ہوئے چھ ماہ ہو گئے تھے۔

منصور کا کبھی کبھی ماں کے نام خط آتا تھا۔

اور اب اُس نے خود لندن جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

آخر اُس کا جرم کیا تھا؟

اُس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ اگر کوئی بات منصور کو ناپسند تھی تو وہ اُس کی تلافی کرنے کو تیار تھی۔ اور پھر اُس نے چپکے چپکے اپنا پاسپورٹ بنوایا۔ وہ یہ بات اپنے ساس، سسر کے علم میں لانا نہ چاہتی تھی اور نہ ہی میکے میں کسی کو بتانا چاہتی تھی۔ اپنی ایک دیرینہ دوست ماریہ کے ذریعے اُس نے یہ کام کروایا اور اب لندن کے لیے اس کی سیٹ ریزرو ہو چکی تھی۔

مگر روانگی سے ایک روز قبل اُس نے ساس کو بتایا کہ میں کل لندن جا رہی ہوں منصور کے پاس۔

شکیلہ بیگم یہ سن کر ہکا بکا رہ گئیں۔

''لیکن تم نے تو کوئی تذکرہ نہ کیا تھا۔''

''پہلے سے تذکرہ کر کے کیا کرتی۔ اب ٹکٹ آ گیا ہے تو آپ کو بتا کر جاؤں گی۔ دراصل میں نہیں چاہتی تھی کہ منصور کو میری آمد کی پہلے اطلاع ہو۔ اب تو میں کل چلی ہی جاؤں گی۔''

''آٹھ نو ماہ ہو گئے ہیں منصور کو گئے ہوئے۔ تم کوشش کرنا بیٹی کہ جلد از جلد منصور کو لے کر لوٹ سکو۔''

''شکیلہ بیگم کو اب منیرہ سے ہمدردی ہو گئی تھی۔ کیونکہ وہ اب اتنے دنوں میں ایک گھریلو اور خدمت گزار لڑکی بن چکی تھی۔

''میں اسی لئے جا رہی ہوں کہ انہیں واپس لاؤں امی آپ فکر نہ کریں۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''اپنی امی کو تم نے لکھا ہے؟''

''جی نہیں میں نے کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی...... پھر امی کو تو میرے حالات کی خبر نہیں ہے۔''

یہ سن کر شکیلہ بیگم خاموش ہو گئیں۔

امجد صاحب نے بہو کے جانے کا سنا تو ان کو اس بات پر کوئی اعتراض نہ ہوا وہ خود یہی چاہتے تھے کہ دونوں میاں بیوی کے اختلافات دور ہوں اور ہنسی خوشی زندگی گزاریں۔

منیرہ نے کبھی تنہا سفر نہ کیا تھا مگر اب مجبوری آن پڑی تھی۔ ویسے وہ خالہ کے گھر رہ کر اور یونیورسٹی میں پڑھ کر خاصی دلیر ہو چکی تھی اس وجہ سے اُس کے اندر بہت زیادہ خود اعتمادی پیدا ہو گئی تھی اس کے پاس منصور کے اس گھر کا پتہ موجود تھا جہاں وہ ٹھہرے ہوئے تھے۔

لندن ائیر پورٹ پر اُتر کر اُس نے ٹیکسی پکڑی اور سیدھی منصور کے گھر پہنچ گئی۔

ٹیکسی ایک خوبصورت سے گھر کے سامنے رک گئی۔ اُسے حیرت ہوئی کہ منصور اتنے اچھے گھر میں رہتے ہیں۔ ٹیکسی سے اُتر کر اُس نے نیم پلیٹ پڑھی اُس پر مسٹر اینڈرسن کا نام پڑا ہوا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ منصور اس گھر میں پے اینگ گیسٹ (Paying guest) ہوں گے۔

ٹیکسی والا واپس جا چکا تھا اور وہ اپنا سوٹ کیس پکڑے کھڑی تھی۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ ابھی وہ گھنٹی بجائے گی اور کچھ دیر بعد منصور اُس کے سامنے ہوں گے۔ پتہ نہیں منصور کا رویہ اس کے ساتھ کیا ہو۔

پھر دھڑکتے دل کے ساتھ اُس نے گھنٹی پر انگلی رکھ دی۔ دوسرے ہی لمحے منصور اُس کے سامنے کھڑے تھے۔ منیرہ کو اس طرح اس وقت اپنے دروازے پر دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

اُس نے زرد پھولوں والا معمولی سا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ بال اب کچھ بڑے ہو گئے تھے جنہیں کس کر پیچھے باندھا ہوا تھا۔ چہرہ میک اپ سے خالی تھا۔ وہ ایک خزاں رسیدہ پھول کی مانند لگ رہی تھی۔

''اس طرح کیا دیکھ رہے ہو منصور، کیا تم نے مجھے پہچانا نہیں؟'' منیرہ نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنائیت بھری آواز میں کہا۔

''تو تم یہاں بھی آ گئی ہو۔'' منصور نے دانت بھینچ کر کہا۔ ''کیا دنیا کے کسی خطے میں مجھے سکون نہیں ملے گا صرف تمہاری وجہ سے میں نے اس گوشے میں پناہ ڈھونڈھی تھی لیکن تمہاری بد روح کا سایہ یہاں بھی میرا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔''

منصور کے یہ الفاظ منیرہ کے دل میں تیر بن کر لگے۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر پائی۔

''منصور میں تمہیں منانے آئی ہوں۔ تمہیں لینے آئی ہوں۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی اس لئے آ گئی۔'' وہ منصور کے ساتھ چلتی ہوئی اندر آ گئی تھی۔

اب وہ دونوں کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

منصور نے اُس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

''منصور میں نے تمہیں خطوط بھیجے تم نے کوئی جواب نہ دیا اس لیے میں آ گئی ہوں مگر اب میں تمہیں ناراض نہیں رہنے دوں گی۔ میں تمہیں منا لوں گی۔ منصور کیا تم اب بھی مجھ سے ناراض ہو۔'' منیرہ کی آنکھوں میں آنسو ٹپک پڑے۔''

''منیرہ بیگم اب ان باتوں کا وقت گزر چکا۔ میں نے کوشش کی کہ تمہارے دل میں کوئی گنجائش نکال سکوں مگر جب مجھے قطعی ناممکن لگا تو میں نے یہیں قیام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔''

''منصور انسان خطاؤں کا پتلا ہوتا ہے اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوئی تھی تو اُس کی اتنی بڑی سزا تو نہیں دینی تھی کہ تم نے پلٹ کر خبر ہی نہ لی اور پھر اب مجھے دیکھو میں کیسی ہو گئی ہوں۔ میں نے تمہیں لکھا تھا نا کہ میں نے سب سے ملنا جلنا ترک کر دیا ہے۔ تمہارے جانے کے بعد میں نے نعیم ماموں کے گھر سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ پھول خالہ کا تبادلہ پشاور ہو گیا۔ مجھے گمراہی پر چلانے والی وہ ہی تھیں اب وہاں وہ بھی نہیں ہیں۔ منصور، میں بالکل بدل چکی ہوں۔ کیا تم مجھے دیکھ کر اندازہ نہیں لگا سکتے۔ دیکھو تمہارے بغیر میرا کیا حال ہوا ہے۔ میں نے تمام عمر تمہاری خدمت کرنے اور تمہاری مرضی پر چلنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ بولو منصور کچھ تو بولو۔ میں تو بڑی آس لگا کر اتنی دور سے تمہارے پاس آئی ہوں۔''

''میں نے کہا نا منیرہ کہ اب ان باتوں کا وقت گزر چکا۔''

''لیکن آخر کیوں؟''

''اس لئے کہ میں نے تمہاری روش سے بددل ہو کر جیکولین سے شادی کر لی ہے۔''

''نہیں منصور ایسا نہیں ہوسکتا۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔ تم کسی اور کے نہیں ہو سکتے۔ منصور نہیں ہوسکتے۔''

''میں جیکولین سے شادی کر چکا ہوں منیرہ بیگم، وہ میری وفادار بیوی ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے بے تحاشا محبت کرتے ہیں۔ یہ گھر اُسی کا ہے اور اب میں ہمیشہ یہیں رہوں گا۔ اب یہاں سے پاکستان واپس جانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ابھی وہ کچھ ضروری خریداری کرنے بازار گئی ہے آتی ہی ہوں گی۔ تم اُس سے ملوگی تو خود ہی دیکھ لوگی کہ وہ کس مزاج کی لڑکی ہے۔''

منصور کا یہ انکشاف منیرہ کے لیے ناقابل برداشت تھا۔

''لیکن تم نے ایسا کیوں کیا منصور۔ تمہیں میری زندگی برباد کرنے کا حق کس نے دیا۔ نہیں منصور کہہ دو کہ تم نے جو کچھ کہا ہے جھوٹ کہا ہے۔ تم میرے ہو۔ میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتی۔ تم کسی اور کے نہیں ہوسکتے۔ منیرہ، منصور کا شانہ پکڑے جھنجھوڑ کر کہہ رہی تھی۔

''تم نے اپنی زندگی خود برباد کی ہے منیرہ جاؤ۔ نعیم کے ساتھ گزارے ہوئے ان لمحات سے پوچھو جا کر مجھے دوسری شادی کرنے کا حق کس نے دیا؟ نرم کے ساتھ گزاری ہوئی ان یادگار گھڑیوں سے پوچھو جنہیں بھول کر ٹھکرا کر تم نے میرا انتخاب کیا تھا۔ اپنے عریاں لباس اور بے باک قہقہوں سے سوال کرو جا کر فخری اُن کی خاموش آہوں سے پوچھو کہ میں نے تمہیں بھلا کر نئی دنیا کیوں آباد کر لی؟ منیرہ تم لوٹ جاؤ تمہیں کچھ بھی نہ ملے گی۔ میں منافقت کی زندگی گزارنے والا انسان نہیں ہوں۔ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تم جس وقت اور جب چاہو میں تمہیں علیٰحدہ کر سکتا ہوں مگر میں اب تمہیں برداشت نہیں کروں گا۔ جیکولین سے شادی کر کے میں اپنے تمام غم بھول چکا ہوں۔ وہ ایک مثالی لڑکی ہے محبت کرنے والی مخلص اور وفادار بیوی۔ منیرہ مجھے افسوس ہے کہ تمہاری یہ وزٹ ناکام ہوگئی ہے۔''

''منیرہ کے پاس اب کہنے کے لیے کچھ بھی نہ رہا تھا۔ وہ ہاتھوں سے منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''چاہے تم یقین کرو یا نہ کرو منصور میں بے قصور تھی اور میں نے کوئی گناہ نہیں کیا منصور خدا کی قسم میں بے گناہ ہوں۔''

''اب ایک نیا روپ دھار کر تم نے مجھے نئے سرے سے بے وقوف بنانے کا منصوبہ بنایا ہے مگر ان باتوں سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔'' یہ کہہ کر منصور اُس کے پاس سے اُٹھ گئے۔

منیرہ اُسی جگہ بیٹھی ہوئی سسکتی رہی۔

ذرا دیر میں جیکولین کی کار آکر رُکی۔

گاڑی رکنے کی آواز سن کر منیرہ نے اپنے آنسو خشک کر لئے اور خاموشی سے آنے والی لڑکی کی طرف دیکھنے لگی۔

یہ جیکولین تھی۔ نیوی بلو شلوار سوٹ میں لمبے لمبے سنہرے بالوں والی انتہائی خوبصورت لڑکی۔

منیرہ ایک لمحے میں سمجھ گئی کہ یہی جیکولین ہے اُسے دیکھ کر منیرہ کے دل میں سخت حسد اور جلن کا جذبہ پیدا ہوا، بلاشبہ وہ حسن وخوبصورتی اور ملاحت کا جیتا جاگتا شاہکار تھی۔

جیکولین نے ایک اجنبی لڑکی کو اس طرح اپنے گھر میں بیٹھے دیکھا تو سخت حیران ہوئی۔

''آپ کون ہیں اور کہاں سے آئی ہیں؟'' جیکولین نے حیران ہو کر منیرہ سے سوال کیا۔

''میرا نام منیرہ ہے۔ مسز منیرہ منصور۔ میں پاکستان سے آئی ہوں!'' منیرہ نے متانت سے جواب دیا۔

منیرہ کا نام سن کر ایک لمحہ کو جیکولین خاموش ہوگئی پھر کچھ سوچ کر بولی۔ ''منصور کہاں ہیں؟''

''اندر ہیں۔''

''میں ابھی آتی ہوں آپ بیٹھئے۔'' یہ کہتی ہوئی جیکولین اندر کی طرف چلی گئی۔

منیرہ کو نہیں معلوم تھا جیکولین کا ردعمل کیا ہوگا۔ بہر حال وہ چند منٹ کے وقفہ سے آئی اور بولی۔

''آپ اندر آجایئے میں آپ کو آپ کا بیڈروم دکھاتی ہوں۔ میرے خیال میں آپ کو غسل کر لینا چاہئے۔ آپ کے کپڑے میلے ہوگئے ہیں۔''

''جیکولین کی بات سن کر حیرت سے اس نے اُسے دیکھا اور خاموشی سے اپنا سوٹ کیس اُٹھا کر اُس کے پیچھے چل دی۔

''یہ ہے آپ کا کمرہ۔ آپ ہاتھ لے کر تیار ہو جایئے پھر بات کریں گے۔''

یہ کہہ کر جیکولین کمرے سے نکل گئی۔ منیرہ اس کی خوبصورت آواز میں کھو کر رہ گئی۔

منیرہ کی غیر متوقع آمد منصور اور جیکو لین دونوں کے لیے کسی امتحان سے کم نہ تھی۔ منصور نے اپنے طور پر منیرہ سے بے رخی سے بات کی تھی مگر یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ تھی کہ منیرہ ان کی بیوی تھی اور اُسے اُن کے پاس آنے کا پورا حق حاصل تھا۔ ادھر جیکو لین تھی جس کا قلب بہت وسیع تھا۔ وہ کسی انسان سے خراب سلوک کر ہی نہ سکتی تھی مگر محبت میں شیئر کرنا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ جیکو لین دیوانگی کی حد تک منصور سے محبت کرتی تھی۔ اُس نے اپنے آپ کو منصور کی پسند کے مطابق ڈھال لیا تھا کھانا، پینا، لباس، رہائش، خیالات ہر چیز میں اُس نے منصور کی خواہش کو اپنایا تھا۔ اُس کی زندگی میں منصور کے سوا کسی کا گزر نہ تھا۔ اگر چہ اُسے معلوم تھا کہ منصور کی بیوی منیرہ پاکستان میں موجود ہے مگر اُسے اس بات کا گمان بھی نہ تھا کہ منیرہ کبھی یہاں بھی آجائے گی۔ اگر منصور کے تعلقات منیرہ سے بہتر ہوتے تو جیکو لین ایسی لڑکی نہ تھی کہ وہ منصور کو منیرہ سے چھین کر اپنا بنالیتی۔ مگر منصور نے حالات سے مجبور ہو کر جیکو لین کے پاس پناہ لی تھی۔ وہ کسی حال میں منیرہ کو دل میں جگہ دینے کو تیار نہ تھے تب جیکی نے اپنے پیار کا دامن وسیع کرتے ہوئے منصور کو اپنا بنالیا تھا۔ بغیر کسی شرط کے ساتھ۔ حالانکہ اگر وہ چاہتی تو منیرہ کو چھوڑ دینے کی شرط عائد کرسکتی تھی مگر اُس نے ایسا نہیں کیا تھا۔

اور اب جبکہ ان دونوں کو ایک ساتھ رہتے ہوئے سات ماہ گزر چکے تھے اور جیکو لین ایک بچے کی ماں بننے والی تھی، منیرہ آگئی تھی۔ یہ وقت ان تینوں کے لیے بہت کٹھن تھا۔

چائے کے دوران منصور نے منیرہ سے کہا۔

''تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ بہر حال تمہارے واپس جانے کا بندوبست ہم لوگ جلد ہی کر دیں گے۔''

''لیکن میں واپس جانے کے لیے یہاں نہیں آئی ہوں۔ تم میرے شوہر ہو، میں تمہارے پاس رہنے کا حق رکھتی ہوں۔''

''لیکن یہ گھر جیکو لین کا ہے تم یہاں کس طرح رہ سکتی ہو۔''

تم کسی علیحدہ گھر کا انتظام کر دو، میں بخوشی الگ رہنے کو تیار ہوں۔ میں خود بھی اس گھر میں رہنا پسند کروں گی۔''

''لیکن میں کسی اور گھر میں نہیں جاؤں گا اب یہ گھر میرا اور جیکی دونوں کا مشترکہ گھر ہے۔''

''تو پھر میں بھی یہیں رہوں گی مجبوری ہے۔''

"لیکن میں تمہیں وہ مقام نہیں دے سکوں گا منیرہ، جو کبھی تمہارے لئے تھا۔ تم میرے لئے ختم ہو چکی ہو، اس لئے تمہارا یہاں رہنا بے کار ہی ہوگا ویسے اگر تم بضد ہو تو رہ کر دیکھ لو تمہیں ایک نہ ایک دن یہاں سے آجانا ہی ہوگا۔"

منیرہ کی سمجھ میں نہ آیا وہ منصور کی بات کا کیا جواب دے۔ حالات تو واقعی اتنے خراب تھے کہ اس کا ٹھہرنا مشکل ہی تھا۔ اتنا تو وہ بھی سمجھتی تھی مگر اس طرح شکست مان کر فوری طور پر واپس چلا جانا بھی نادانی تھی اس لیے فی الحال اس نے منصور کے ساتھ قیام کرنا ہی مناسب سمجھا۔

جیکولین کا رویہ بہت درمیانہ تھا۔ اُس نے منیرہ سے اپنی ہمدردیوں کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ ہاں اُس نے یہ ضرور کہا "منصور نے تم سے دل برداشتہ ہو کر مجھ سے شادی کی ہے اگر تم نے انہیں خوشیاں دی ہوتیں تو وہ ایسے آدمی نہیں ہیں کہ تمہیں چھوڑ کر میرے پاس پناہ لیتے۔ بہر حال اب تو جو ہونا تھا ہو چکا ہے میں اور منصور ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور اب عنقریب ہماری محبت ایک بچے کی آمد سے مستحکم ہونے والی ہے۔ رہا تمہارا معاملہ تو میں تم سے کچھ نہیں کہوں گی۔ جب تک منصور تمہارے شوہر ہیں تم اُن کے پاس رہ سکتی ہو۔"

منیرہ کو آئے ہو دو روز گزر گئے۔ وہ اس گھر میں رہتے ہوئے خود کو کسی بے وقوف سے کم نہیں سمجھتی تھی۔ اس کا بیڈ روم آرام دہ تھا۔ کھانا پینا سب بہتر تھا مگر منصور سے تنہائی میں بات کرنے کے لیے اس کے پاس چند لمحے بھی نہ تھے۔ منصور اور جیکولین صبح ہی گھر سے نکل جاتے اور پھر شام کو واپس آتے۔ پھر وہ ہوتے اور اُن کا بیڈ روم......

دو دن منیرہ کے لیے دو سال کے برابر ہو گئے تھے۔ اُسے رہ رہ کر پچھتاوا ہو رہا تھا کہ وہ یہاں کیوں آ گئی اگر اُسے پہلے علم ہوتا کہ منصور یہاں شادی کر چکے ہیں تو وہ کبھی اتنا بڑا قدم نہ اُٹھاتی۔ اُسے اپنی صلاحیتوں پر پورا پورا بھروسہ تھا کہ وہ منصور کے پاس پہنچ کر کسی نہ کسی طرح انہیں منا لے گی مگر یہاں حالات دوسرے تھے۔ منصور اور جیکولین اس سے عمل طور پر بالکل لاتعلق تھے۔ اس صورت حال نے منیرہ کو حد سے زیادہ پریشان کر دیا۔ یہاں کوئی اپنا نہ تھا۔ نہ دوست نہ ہمدرد۔ وہ کس سے اپنے دل کا دکھ بیان کرتی۔ بہر حال اُس نے اپنی امی کو ایک مختصر سا خط روانہ کر دیا جس میں اُس نے صرف منصور کے پاس اپنی آمد کے متعلق لکھا اور کوئی خاص بات نہ لکھی تھی۔

منصور اور جیکی لنچ باہر ہی لیا کرتے تھے۔ منیرہ کے لیے کھانے پینے کا سب سامان گھر میں موجود ہوتا تھا۔ مگر منیرہ کی اس طرح تنہا بیٹھ کر کھانا کھانا اور وہ بھی جیکولین کے گھر میں اچھا نہ لگتا

تھا۔ مگر جب بھوک سے مجبور ہوتی تو چند سلائس اور بٹر یا ایسی ہی کوئی چیز کھا کر پانی پی لیتی ۔ اُس کا دماغ مسلسل سوچتا رہتا کہ اُسے کیا کرنا چاہیے ۔ آج بھی یہی ہوا۔ دن کا ایک بج رہا تھا۔ اُسے بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ گھر میں کوئی نہ تھا۔ اُس نے فریج کھول کر دیکھا۔ جیکی کے ہاتھ کی پکی ہوئی بہت سی چیزیں رکھی ہوئی تھیں ۔ مگر اُس نے غصے میں فریج بند کر دیا۔ اسے آپ ہی آپ جیکولین سے نفرت محسوس ہوئی۔

''خوبصورت ناہریلی ناگن ۔'' اُس نے اپنے آپ سے کہا۔ ''تم نے منصور کو مجھ سے چھین کر اچھا نہیں کیا۔'' اُس کے تصور'' میں جیکولین آئی ۔ ''تو اب جیکولین ،منصور کے بچے کی ماں بنے گی اور......میں اتنی بدنصیب ہوں کہ یہ نعمت بھی میرے نصیب میں نہ تھی۔''

آپ ہی آپ اُس کی آنکھوں میں آنسو تیر گئے......

''کاش خدا نے مجھے ایک ہی بیٹا یا بیٹی دے دی ہوتی تو شاید آج حالات اتنے خراب نہ ہوتے۔

منیرہ کو دل غم سے پھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ نڈھال ہو کر ایزی چیئر پر ڈھیر ہو گئی۔ اچانک کال بیل بج اٹھی۔

اُس نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔

ایک خوش شکل نوجوان کھڑا تھا۔

وہ باہر آ گئی۔

آنے والے نوجوان نے جیکولین کو پوچھا۔

''جیکولین اور منصور باہر گئے ہوئے ہیں۔ آپ کون ہیں؟'' منیرہ نے پوچھا۔

''میں ڈیوڈ ہوں۔ جیکی میری کزن ہوتی ہے۔''

''آپ اندر آ جائیے۔''

ڈیوڈ ،منیرہ کے ساتھ اندر آ گیا۔

''آپ نے اپنا تعارف نہیں کروایا۔''

''ایک لمحہ کو منیرہ نے سوچا۔ اُسے اصلی بات بتائی جائے یا نہیں۔ مگر دوسرے ہی لمحے وہ بتا رہی تھی۔

''میں منیرہ ہوں ۔ مسز منصور۔ پاکستان سے دو روز قبل آئی ہوں۔''

''ڈیوڈ کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔
''کیا آپ منصور کی وائف ہیں؟''
''جی ہاں کیا آپ کو اس بات کا علم نہ تھا؟''
''جی نہیں۔ قطعی نہیں۔ منصور تو بہت نوبل آدمی ہے اُس نے ایسا کوئی تذکرہ کیوں نہ کیا۔''
''اور مجھے بھی یہ خبر نہ تھی کہ منصور نے یہاں دوسری شادی کر لی ہے۔''
''منیرہ نے ڈیوڈ کو ہمدرد جان کر اپنا غم اس پر انڈیلنا چاہا۔
''ویری سیڈ۔ تو اب حالات کیا ہیں۔ آپ اسی گھر میں رہیں گی؟''
''مجھے نہیں معلوم مسٹر ڈیوڈ۔ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ منصور تو یہاں شادی کر چکے ہیں۔ اور عنقریب جیکولین کے بچے کے باپ بھی بننے والے ہیں لیکن مجھے ان حالات کی خبر نہ تھی۔''

ڈیوڈ جیکی کا دور پرے کا رشتہ دار تھا۔ وہ خوبصورت خدوخال کا ایک قلاش نوجوان تھا......
جیکولین اُسے اچھا نہیں سمجھتی تھی۔ عام طور پر لوگ ڈیوڈ کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے کہ وہ غریب تھا اور سستی شراب پر گزارہ کرتا تھا۔ اُس کی چند گرل فرینڈ بھی تھیں۔ مگر حقیقت میں وہ برا نہ تھا۔ وہ زمانے کا ستایا ہوا محبت کا مارا ایک ذہین جوان تھا اسے زمانے نے کوئی سکھ نہ دیا۔ ماں باپ بچپن میں ختم ہو گئے تھے۔ چچا کے گھر زندگی گزاری۔ چچی کا سلوک ہمیشہ بہت خراب رہا۔ نامناسب حالات کے باعث وہ اپنی ذہانت کے باوجود اچھی تعلیم حاصل نہ کر سکا۔ چچی نے اس کے خلاف چچا کے کان بھرے۔ ناراض ہو کر چچا نے اُسے گھر سے نکال دیا۔ ڈیوڈ دنیا میں اکیلا رہ گیا۔ اُس نے در در کی ٹھوکریں کھائیں۔ کسی نہ کسی صورت سے ایک معمولی سی سروس حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب وہ ایک کمرے کے فلیٹ میں رہتا تھا۔ معمولی لباس پہنتا تھا اور سستی چیزیں کھاتا پیتا تھا۔ کئی غریب لڑکیاں اس کی گرل فرینڈز تھیں مگر کوئی بھی اس سے شادی کرنے کے لیے تیار نہ تھی۔ اُس جیسے قلاش آدمی کے ساتھ کون شادی کرتی۔

یہ تھے وہ حالات جنھوں نے ڈیوڈ کو ابنارمل بنا دیا تھا۔ ڈیوڈ کا عام تاثر لوگوں پر اچھا نہ تھا لیکن ڈیوڈ کے اندر کا انسان بہت اچھا اور نیک تھا لیکن اُس کی اچھائی جھانکنے والا کوئی نہ تھا۔
منیرہ کی باتوں سے ڈیوڈ نے اندازہ لگا لیا کہ منیرہ زمانے کی ستائی ہوئی ہے۔ چنانچہ ڈیوڈ بھی اپنے دل کی بات کہہ کر اپنا غم ہلکا کر سکتا تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنی رام کہانی مختصر طور پر کہہ سنائی۔

بہت جلد دونوں ایک دوسرے کے ہمدرد بن گئے۔

ڈیوی نے محسوس کیا کہ منیرہ بہت کمزور لگ رہی ہے۔

''آپ نے کھانا کھایا؟'' ڈیوڈ نے پوچھا۔

''نہیں۔ میرا جی نہیں چاہا۔''

''لیکن اس طرح تو آپ خود کو بیمار ڈال لیں گی۔ آپ کو اپنی پریشانیوں کا حل سوچنا ہے اس طرح بھوکے رہ کر آپ کچھ بھی نہ کر سکیں گی۔''

''مجھے جیکولین کے گھر کا کھانا کھاتے ہوئے اچھا محسوس نہیں ہوتا۔'' منیرہ نے اپنے دل کی بات بتائی۔

''تو آیئے میں آپ کو ہوٹل لے چلتا ہوں۔ میں نے بھی ابھی لنچ نہیں کیا ہے۔''

''نہیں ڈیوڈ بھائی شکریہ۔ میں اس وقت کہیں نہیں جاؤں گی۔'' منیرہ نے اس وقت انکار ہی مناسب سمجھا۔

''تو پھر گھر میں جو کچھ موجود ہے اپنا حق سمجھ کر کھایئے۔ آخر یہ منصور کا بھی تو گھر ہے اور آپ منصور کی بیوی ہیں۔''

ڈیوڈ کے مجبور کرنے پر منیرہ نے کچھ کھانا نکال کر گرم کیا۔ منیرہ اور ڈیوڈ دونوں ایک دوسرے کا ساتھ دینے لگے۔ پھر یہ روز کا معمول بن گیا۔

ڈیوڈ اکثر وقت منیرہ کے ساتھ گزارنے لگا۔

منیرہ ایک ایسی لڑکی تھی جو بے غرض بن کر اس کی گفتگو دلچسپی سے سنتی تھی اور اُسے قابل احترام سمجھتی تھی۔ منیرہ نے اُسے اپنا بھائی بنالیا اور ڈیوڈ اُس کے خلوص پر آبدیدہ ہو گیا تھا۔ وہ بہن کی محبت سے نا آشنا تھا۔ کسی لڑکی نے کبھی اُسے یہ مقام نہ دیا تھا اور نہ ہی وہ کسی سے یہ توقع کر سکتا تھا۔ اور اب منیرہ اسے بہن کی محبت دے رہی تھی۔

ڈیوڈ نے صدق دل سے اُسے بہن کی حیثیت سے قبول کر لیا تھا۔ اور اُس کی ہر طرح سے مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اُس نے منیرہ سے کہہ دیا تھا کہ تم لندن میں اپنے آپ کو تنہا مت سمجھنا۔ تمہارا بھائی یہاں موجود ہے۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ منصور تمہیں بیوی کے حقوق دینے پر تیار ہو جائیں۔

منصور اور جیکولین کو ڈیوڈ اور منیرہ کی ملاقاتوں کا علم تھا۔ ڈیوڈ نے منیرہ کے لیے منصور سے

بات بھی کی تھی مگر ڈیوڈ کو منصور کا دوٹوک جواب برداشت کرنا پڑا۔ انہوں نے صاف کہہ دیا تھا۔ ''میں منیرہ کو بھول چکا ہوں بہتر یہی ہے کہ وہ جلد از جلد یہاں سے چلی جائے۔''

اور منصور کی بات کے جواب میں ڈیوڈ کچھ بھی نہ کہہ سکا تھا کہ اُس کی دنیاوی حیثیت بہت کمزور تھی۔ دولت کے بل بوتے پر لوگ ہر جگہ اپنی عزت منوالیا کرتے تھے۔ جتنی اونچی حیثیت ہوتی ہے اتنی ہی وزن دار اس انسان کی بات ہوتی ہے۔ مگر ڈیوڈ کے پاس نہ دولت تھی اور نہ ہی اس کی بات میں وزن۔

منیرہ کو ڈیوڈ سے دوستی منصور کے ذہن پر ایک نیا تازیانہ ثابت ہو رہی تھی۔ اُن کی نفرت دو چند ہو گئی تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ منیرہ نے ڈیوڈ کے ساتھ ایک نیا کھیل کھیلنا شروع کیا ہے لیکن یہ سب کچھ اب منصور کے لیے برداشت کرنا ممکن نہ تھا۔

تب ہی ایک روز منصور اور جیکولین کی گفتگو منیرہ نے اتفاقاً سن لی۔ گھر سے روانہ ہوتے ہوئے منصور، جیکی سے کہہ رہے تھے۔

''منیرہ کی وجہ سے تمہیں یقیناً بہت کوفت ہو گی جیکی ڈارلنگ مگر اب ہم لوگوں کو اس سے صاف صاف کہہ دینا چاہیے کہ وہ فوری طور پر یہاں سے واپس چلی جائے۔''

''نہیں منصور اس سے تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ وہ تو فالتو شے کی طرح ہمارے گھر کے ایک کونے میں پڑی ہے۔ ہم دونوں صبح کے گئے شام کو آتے ہیں وہ ہمارے گھر کی رکھوالی بھی کرتی ہے پور گرل۔''

یہ کہہ کر جیکولین نے ایک قہقہہ لگایا اور منصور بھی اس کی ہنسی میں شامل ہو گئے۔ پھر دونوں گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

منیرہ نے یہ سب کچھ سنا تو غم اور غصے سے اُس کا کلیجہ پھٹنے لگا تو اب وہ اتنی گئی گزری ہو گئی تھی کہ منصور اور جیکولین اُسے نوکرانی کا درجہ دیئے ہوئے تھے۔ شاید اُس نے اتنے دن رہ کر بہت بڑی غلطی کی تھی مگر وہ تو اس اُمید پر ٹکی ہوئی تھی کہ شاید منصور کے رویے میں لچک پیدا کر سکے۔ ممکن ہے وہ جیکی کے ساتھ اُسے بھی برابر کے حقوق دینے پر آمادہ ہو جائیں مگر وہ تو اُن سے بات تک نہ کر سکتی تھی۔ منصور نے کبھی موقع ہی نہ دیا تھا۔ اور اب آج اُس نے اپنے متعلق جیکی کے اتنے ہتک آمیز الفاظ سنے تھے۔ اُسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

''تو کیا واقعی وہ اس حد تک گر گئی ہے؟''

کیا وہ ایک انگریز عورت کی غلامی کررہی ہے؟

ایسا کیوں ہے۔ وہ تو بالکل ویسی ہی ہے جیسے پہلے تھی کیا کمی آ گئی تھی اس میں؟ کون سی برائی پیدا ہوگئی تھی اس کی ذات میں؟

وہ ایک اعلیٰ گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔

پڑھی لکھی تھی۔ اچھی صورت رکھتی تھی۔

پھر اُس کے ساتھ ایسے حالات کیوں پیش آئے تھے۔

شاید تقدیر اسی کو کہتے ہیں۔

یا پھر یہ سب کچھ اُس کی ناسمجھی کی سزا تھی۔ جو وہ اس قدر اذیت ناک طریقے پر بھگت رہی تھی۔

''نہیں میں اتنی ذلت برداشت نہیں کرسکتی۔ میں اس گھر کو چھوڑ دوں گی۔ منصور اور جیکولین کی کبھی صورت بھی نہ دیکھوں گی۔

آخر یہ ہی کیا؟

''مجھ میں کیا کمی ہے۔ کیا خرابی ہے۔؟

میں فوری طور پر پاکستان چلی جاؤں گی۔ مجھے منصور کی ضرورت نہیں۔

کیا میں اس شخص کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی؟

اس وقت وہ خود کو اکیلا محسوس کررہی تھی اور شدید طور پر ذہنی اذیت کا شکار تھی۔ اُسے کسی دوست کی ضرورت نہیں۔ کسی ہمدم کی راز دار اور غمگسار کی۔ اور تب ہی ڈیوڈ کی اسکوٹر گیٹ پر آن رُکی۔

منیرہ کے لیے اس وقت ڈیوڈ کی آمد کسی نعمت سے کم نہ تھی۔

ڈیوڈ نے آتے ہی منیرہ کا احوال پوچھا تو وہ پھٹ پڑی۔ ''ڈیوڈ بھائی میں بہت ڈسٹرب ہوں۔ مجھے کہیں لے چلو۔ میں تھوڑی سی آؤٹنگ چاہتی ہوں۔''

''آؤ چلیں کسی پارک میں چلتے ہیں وہیں بیٹھ کر باتیں ہوں گی۔ تم یقیناً بہت پریشان ہو۔ مگر یہ سب باتیں بعد میں ہوں گی۔ چلو میرے ساتھ۔''

''اور منیرہ، ڈیوڈ کی موٹر سائیکل پر اُس کے پیچھے بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک خوبصورت پارک میں بیٹھے باتیں کررہے تھے۔

منیرہ نے آج کی تمام بات ڈیوڈ کے سامنے دہرادی اور پھر کہا۔

''بھائی میں اب یہاں رک کر مزید ذلیل ہونا نہیں چاہتی۔ میرے نصیب میں یہ سب دیکھنا لکھا تھا، سو دیکھ لیا اب تم فوری طور پر میری واپسی کا انتظام کردو۔''

ڈیوڈ منیرہ کی داستان سن کر پریشان ہوگیا۔ وہ غریب انسان سوائے ہمدردی کے اور کیا کرسکتا تھا۔ اُسے منیرہ کی واپسی کا بہت رنج تھا۔ اس لیے کہ دنیا میں صرف وہی واحد لڑکی تھی جس نے ڈیوڈ پر اعتماد کیا تھا اور وہ اس کی عزت کرتی تھی۔

''ٹھیک ہے میں تمہارے جانے کا انتظام کروں گا منیرہ بہن مگر تم مجھے ساری زندگی یاد آؤ گی۔''

''مجھے تمہاری محبت کا احساس ہے ڈیوڈ مگر تم ہی بتاؤ اب میرے پاس اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے۔''

ابھی یہ لوگ باتیں کررہے تھے کہ اچانک بوندا بوندی شروع ہوگئی۔

بادل تو صبح سے گھرے ہوئے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے چاروں اور اندھیرا پھیل گیا پھر بارش شروع ہوگئی۔ ڈیوڈ اور منیرہ شیڈ میں چلے گئے مگر بارش بہت تیز ہوگئی اب دوپہر ہوگئی تھی۔ اور بارش رُکنے کا نام نہ لیتی تھی۔ ڈیوڈ اور منیرہ قریب کے ہوٹل میں لنچ لینے چلے گئے مگر بارش رکنے کے کوئی آثار نہ تھے۔

''اب کیا ہوگا۔'' ڈیوڈ بھائی، بارش تو رُکنے کا نام ہی نہیں لیتی گھر کس طرح واپس جائیں گے۔''

''فی الحال اتنی دور جانے کا سوال ہی نہیں ہے، ہمارے پاس اسکوٹر ہے اس طرح بھیگتے ہوئے جانا ٹھیک نہیں۔''

''مگر منصور اور جیکی اس بات کو شاید نہ مناسب سمجھیں کہ میں تمہارے ساتھ گھومنے آئی تھی۔''

''تمہیں اب بھی ان لوگوں کی پرواہ ہے جب کہ اپنے متعلق ان کے خیالات سن چکی ہو۔''

''مگر میں چاہتی ہوں کہ یہاں واپس جاؤں تو میرے اوپر کوئی الزام نہ ہو۔ ٹھیک ہے منصور نے جو کچھ کیا وہ سب میری تقدیر کی خرابی تھی مگر چلتے چلتے میں اپنی ذات پر کوئی الزام نہیں لینا چاہتی ساری دنیا جان لے گی کہ منصور نے لندن میں شادی کرلی تھی اس وجہ سے میں واپس چلی گئی۔''

''مگر بارش بہت تیز ہے منیرہ تم اس وقت گھر نہیں جا سکتیں۔''

وقت گزرتا رہا۔ بارش تیز سے تیز تر ہوتی رہی۔

''میرا فلیٹ یہاں سے بالکل نزدیک ہے اگر تم پسند کرو تو ہم وہاں تک چل سکتے ہیں۔ بارش رُکے تو میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں گا۔''

''چلو چلتے ہیں۔''

ڈیوڈ، منیرہ کو لے کر کسی نہ کسی طرح بارش میں اپنے فلیٹ تک پہنچ گیا۔

وہ دونوں بری طرح بھیگ چکے تھے۔ ڈیوڈ کا کمرہ ویران پڑا تھا۔ ہر چیز بے ترتیب تھی۔ آج منیرہ کو اپنے گھر لا کر ڈیوڈ بہت زیادہ خوش ہو رہا تھا۔ اُس نے جلدی جلدی منیرہ کی خاطر داری شروع کر دی۔

سب سے بڑا مسئلہ تو منیرہ کے بھیگے ہوئے کپڑوں کا تھا۔ ڈیوڈ نے اپنے کپڑے منیرہ کو نکال کر دیئے تو اُسے ہنسی آ گئی۔

''منیرہ دیر نہ کرو۔ جاؤ جلدی سے باتھ روم جاؤ۔ اور کپڑے پہن کر آ جاؤ کہیں ایسا نہ ہو تم بیمار پڑ جاؤ۔''

''اور منیرہ نے ڈیوڈ کے کپڑے تھام لئے۔

''ذرا سی دیر میں وہ لباس تبدیل کر کے آ گئی۔

اُس نے پتلون کے پائنچے نیچے سے موڑ لئے تھے۔ پتلون اور شرٹ میں چھوٹے چھوٹے بالوں کے ساتھ وہ کوئی اسکول بوائے لگ رہی تھی۔

ڈیوڈ نے منیرہ کو بہت خوش ہو کر دیکھا۔

''گڈ گرل۔ اب تم جلدی سے چھائے دم کرو، اتنے میں میں اپنے کپڑے تبدیل کر لوں۔''

منیرہ کچن میں چلی گئی۔

تھوڑی دیر میں چائے تیار کر کے منیرہ کمرے میں لے آئی۔ ڈیوڈ لباس تبدیل کر چکا تھا۔

تھوڑے سے نمکین بسکٹ اور چپس گھر میں موجود تھے۔ ڈیوڈ نے نکال کر منیرہ کے سامنے رکھ دیئے۔

اس وقت منیرہ کو سکون سا لگ رہا تھا۔ اور ڈیوڈ کو یوں لگتا تھا جیسے کوئی بہت بڑی خوشی، کوئی دفینہ اُس کے ہاتھ آ گیا تھا۔ خلوص سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں ہوتی۔

منیرہ نے اُسے بھائی کا درجہ دیا تھا۔ اُس کی محبت پر ڈیوڈ کی آنکھیں نمناک ہوگئیں۔

''کیا سوچنے لگے آپ۔؟'' منیرہ نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے پوچھا۔

''تمہارے آنے کی مجھے زیادہ خوشی ہے منیرہ تو میں اسے برداشت نہیں کر پارہا ہوں، اس لیے اپنے اوپر قابو کئے چپ چاپ بیٹھا ہوں۔''

''اگر مجھے پتہ ہوتا کہ میری آمد سے خوش ہوسکتے ہیں تو میں پہلے بھی یہاں کئی بار آچکی ہوتی۔''

''منیرہ تم بہت اچھی ہو، کاش منصور نے تمہاری قدر کی ہوتی۔''

''کوئی انسان اچھا یا برا نہیں ہوتا، ڈیوڈ بھائی۔ اُس کی تقدیر اچھی یا بری ہوتی ہے۔ اگر میرے نصیب میں کوئی خرابی نہ ہوتی تو میں آج یہاں دربدر کی ٹھوکریں نہ کھا رہی ہوتی۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو منیرہ۔ تقدیر ہی انسان کو اچھا یا برا بنا دیتی ہے کبھی کبھی میں اپنے بارے میں سوچتا ہوں اگر میرے ماں باپ زندہ ہوتے تو میں بھی سوسائٹی میں اعلیٰ مقام رکھتا۔ لوگ میری عزت کرتے۔ تمہیں شاید معلوم نہ ہو منیرہ، میرے فادر بہت اچھے انجینئر تھے۔ اور اُن کی اپنے زمانے میں بہت عزت اور قدر تھی اور میری ماں بہت عبادت گزار اور پارسا عورت تھی۔ بہت پابندی سے چرچ جاتی تھی اور روزانہ بائبل پڑھا کرتی تھی۔ مگر یہ سب سنی ہوئی باتیں ہیں منیرہ کاش میرے ماں باپ زندہ ہوتے تو میں ایسا نہ ہوتا۔''

''آپ تو بہت اچھے ہیں ڈیوڈ بھائی۔ آپ کیوں خود کو دوسروں سے کمتر سمجھتے ہیں۔ کیا پیسہ ہی انسان کو پرکھنے کی کسوٹی ہے؟ یقین کیجئے آپ بے شمار لوگوں سے برتر ہیں۔''

''وہ دونوں بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔

مگر بارش طوفانی صورت اختیار کرگئی۔

گھر سے نکلنا ناممکن تھا۔ اور منیرہ کا اپنا لباس ابھی تک خشک نہ ہوا تھا۔ وہ ڈیوڈ کے پرانے کپڑوں میں مضحکہ خیز مگر بڑی چارمنگ لگ رہی تھی۔ وہ اس حال میں منصور کے در پر دستک نہیں دے سکتی تھی۔ اس لئے مجبوراً ڈیوڈ کے گھر رُکی ہوئی تھی۔

مگر جوں جوں وقت گزر رہا تھا، اُس کی پریشان بڑھ رہی تھی۔

بہرحال اب رات یہیں گزارنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ڈیوڈ نہیں چاہتا تھا کہ منیرہ رات اس کے گھر رہے مگر مجبوری آن پڑی تھی۔

اُس نے اپنا بیڈ منیرہ کو دے دیا تھا اور خود کشن رکھ کر نیچے بچھے ہوئے فرش پر دراز ہو گیا تھا۔ منیرہ نے بہت انکار یا مگر اُس نے یہی کیا۔

کمرہ گرم تھا۔ آدھی رات گذر جانے کے بعد دونوں گہری نیند سو گئے۔

صبح اُٹھے تو بارش رک چکی تھی۔

منیرہ کے گزشتہ روز کے کپڑے بھی خشک ہو چکے تھے اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

اب منیرہ جلد از جلد گھر جانا چاہتی تھی۔

ان دونوں نے جلدی سے ناشتہ کیا اور پھر منیرہ لباس تبدیل کر کے تیار ہو گئی۔

''میرے خیال میں ابھی وہ لوگ گھر سے نکلے نہیں ہوں گے ہمیں جلدی کرنا چاہیے۔'' منیرہ نے کہا۔

''نہیں ایسے موسم میں جلدی کون گھر سے نکلتا ہے۔ آؤ چلیں۔''

کچھ دیر کے بعد ڈیوڈ اور منیرہ، منصور کے گھر تھے مگر منصور نے منیرہ کو ڈیوڈ کے ساتھ دیکھتے ہی منہ پھیر لیا۔

''میں کل ڈیوڈ کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے نکلی تھی کہ بارش آ گئی۔ مجھے افسوس ہے مجھے ڈیوڈ کے گھر رکنا پڑ گیا۔''

منصور نے منیرہ کو اوپر سے نیچے تک تنقیدی نگاہوں سے گھورا اور پھر بولے۔

''ڈیوڈ کے ساتھ رات گزار کر اس گھر میں دوبارہ قدم رکھنے کی جراُت کیسے ہوئی تمہیں۔''

''زبان سنبھال کر بات کرو منصور۔ ڈیوڈ میرا بھائی ہے۔ میں نے مجبوراً رات کو اس کے گھر میں قیام کیا تھا۔''

''اگر بے وقوف بنانا ہے تو کسی اور کو بے وقوف بناؤ جا کر منیرہ۔ میں تمہاری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔ بے حیا عورت۔ ڈیوڈ کے سوا تمہیں کوئی اور نہ ملا تھا۔ وہ بدنام زمانہ انسان تم نے اس کے ساتھ رات گزار کر میری غیرت کو للکارا ہے مجھ میں ابھی اتنی غیرت باقی ہے کہ اس عورت کو کھڑے کھڑے طلاق دے کر گھر سے نکال دوں۔''

''نہیں۔ نہیں۔ منصور......'' وہ چیخ کر کچھ کہنا چاہتی تھی۔ مگر منصور کی آواز بہت تیز تھی۔

''میں نے تمہیں طلاق دی۔ طلاق دی۔ طلاق دی۔ دفعان ہو جاؤ اسی وقت اس مردود آدمی کے ساتھ۔''

''منصور تم مجھے چھوڑنا چاہتے تھے یہ دوسری بات ہے لیکن تم میرے اوپر کوئی الزام نہیں رکھ سکتے۔ میں ایسا نہیں کرنے دوں گی۔ ڈیوڈ نے مجھے اپنی بہن بنایا ہے اور وہ بہن کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔''

ڈیوڈ اور جیکی کچھ نہیں سمجھ پا رہے تھے کیونکہ یہ سب گفتگو اردو میں ہو رہی تھی۔

اپنا نام منصور کی زبانی سن کر ڈیوڈ نے منیرہ سے پوچھا۔ ''بات کیا ہے مجھے بھی تو بتاؤ۔''

''منصور نے مجھے طلاق دے دی ہے۔'' منیرہ نے ڈیوڈ کو بتایا تو منیرہ کے الفاظ جیکو لین نے سن لئے۔

منصور اس جگہ سے دوسرے کمرے میں چلے گئے تھے جیکو لین کچھ خوف زدہ سی ہو گئی تھی اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کرے وہ بھی منصور کے پیچھے اُن کے کمرے میں چلی گئی۔

اب ڈیوڈ اور منیرہ تنہا بیٹھے تھے۔

منیرہ نے آنسوؤں کی یلغار میں چند جملوں میں پوری بات بتائی تو ڈیوڈ کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔

''افسوس میری وجہ سے تمہیں اتنا بڑا صدمہ سہنا پڑا منیرہ۔ میں بھی کتنا بدنصیب ہوں مجھے مر جانا چاہیے۔''

''نہیں ڈیوڈ بھائی کسی کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ منصور تو بہانہ ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ جیکو لین کے سحر میں جکڑے ہوئے ہیں۔ آیئے ہم یہاں سے چلتے ہیں۔ اب آپ کے سوا یہاں میرا کون ہے میں اپنا سوٹ کیس لے لوں تو چلتی ہوں۔''

یہ کہہ کر منیرہ آہستہ سے اپنے کمرے میں گئی اور اپنا سامان سمیٹ کر سوٹ کیس بند کیا اور ڈیوڈ کے ساتھ منصور اور جیکی کا گیٹ پار کر گئی۔

......✿......

منیرہ کا خط ہاتھ میں پکڑے منی بیگم خوشی میاں کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

''بھئی مبارک ہو آپ کی بیٹی لندن پہنچ گئی۔''

خوشی سے اُن کی باچھیں کھلی پڑ رہی تھیں۔

واسطی صاحب اُٹھ کر بیٹھ گئے۔

''کیسے معلوم ہوا؟ کیا کوئی خط آیا ہے؟''

''جی ہاں۔ منیرہ کا خط لندن سے آیا ہے، وہ منصور کے پاس پہنچی ہوئی ہے آجکل۔''

منی بیگم نے خط میاں کو تھما دیا۔

واسطی صاحب نے منیرہ کا مختصر کا خط پڑھا جس میں اپنے لندن پہنچ جانے کی اطلاع تھی اور کوئی خاص بات تحریر نہ تھی۔

''کمال ہے۔'' واسطی صاحب نے کہا۔ ''منیرہ نے ہم لوگوں کو بتایا تک نہیں۔ کم از کم لندن جانے سے قبل مل کر جاتی۔''

''ارے بھئی اچانک جانا پڑ گیا ہوگا۔'' منی بیگم نے کہا۔ ''اب یہاں حیدر آباد آنے میں دقت ہوتی۔ مگر ہوا خوب۔ اُسے بڑی تمنا تھی ملک سے باہر جانے کی۔ اللہ نے اُس کی خواہش پوری کی۔''

''منیرہ نے بہت مختصر سا خط لکھا ہے اُسے کچھ تفصیل لکھنا چاہئے تھی۔'' واسطی صاحب نے بیوی کی بات اَن سنی کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کو یہی فکر پڑی ہے منیرہ مل کے نہیں گئی۔ خط مختصر لکھا۔'' منی بیگم نے کہا ''میں تو کہتی ہوں شکرانے کی نماز پڑھنی چاہئے۔ ہماری بیٹی کو اللہ اتنی خوشیاں دیں کہ وہ منصور کے پاس لندن میں بیٹھی عیش کر رہی ہے۔''

''چلو اسی بہانے تم نماز تو پڑھوگی۔'' واسطی صاحب نے بیوی پر چوٹ کی۔

''جی ہاں جیسے میں کبھی نماز پڑھتی ہی نہیں۔'' منی بیگم نے برا مان کر کہا۔'' ایک آپ ہی ہیں دنیا میں اللہ والے۔''

''میں نے تو ایک بات کہی تھی تم برا مان گئیں۔''

''بات بھی سوچ سمجھ کر کیا کیجئے۔''

''اچھا بھئی تم بہت نماز ن ہو غلطی ہوگئی۔ بات ہو رہی تھی منیرہ کی تم اپنی باتیں لے کر بیٹھ گئیں۔''

''ہاں میں تو ضرور شکرانے کی نماز پڑھوں گی چاہے آپ کچھ بھی کہیں۔ میری بیٹی کو باہر کے ممالک دیکھنے کی تمنا تھی اگر خرم سے رخصتی ہوگئی ہوتی تو ڈیرہ غازی خاں کی گرمی میں پگھل رہی ہوتی اس وقت۔'' منی بیگم نے جوڑے کی پنیں برابر کرتے ہوئے کہا۔

''خیر یہ تو سب تقدیر کے کھیل ہیں خدا کو یہی منظور تھا کہ منیرہ خرم کی بجائے منصور سے بیاہی جائے ورنہ خرم بہت اچھا لڑکا ہے۔ منیرہ وہاں بھی خوش رہتی۔''

واسطی صاحب نے اپنی نیک فطرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''خاک خوش رہتی۔ اچھا ہی ہوا جو خرم سے علیحدگی ہوگئی۔ واقعی اللہ جو کرتا ہے بہتر ہی کرتا ہے۔''

''تم ہی نے اپنی پسند سے خرم سے منیرہ کا نکاح کیا تھا اور اب تم ہی اپنے منہ سے اس قسم کی باتیں کر رہی ہو۔''

''اس وقت تو میری آنکھوں پر پردے پڑ گئے تھے۔ منیرہ ناسمجھ تھی۔ خرم کو پسند کر بیٹھی۔ مگر مجھے کیا پتہ تھا بعد میں اتنی آفتیں برپا ہوں گی۔''

''خیر اب چھوڑو ان باتوں کو جو ہوا سو ہوگیا۔ منیرہ اتنی ناسمجھ بھی نہ تھی اور نہ تم بچہ تھیں سچ پوچھو تو مجھے آج تک خرم کے والد سے شرمندگی ہے حالانکہ بھائی وہ تمہارے ہیں مگر تمہیں کبھی اپنی زیادتی کا احساس نہیں ہوتا۔''

''آپ کیا جانیں دنیا اور دنیا والوں کو۔ آپ ٹھہرے سیدھے سادھے آدمی۔ مسجد گئے نماز پڑھ آئے، لیجئے قصہ ختم۔ اگر خرم سے منیرہ کی رخصتی ہوگئی ہوتی تو تمام عمر کے لیے روگ لگ جاتا منیرہ کو۔'' منی بیگم نے آواز میں تیزی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا اب ختم کرو یہ بات۔ جب خرم سے تعلق ختم ہی ہوگیا تو پھر اُس کا تذکرہ فضول

ہے۔"

"ہاں اور کیا ہمیں کیا غرض۔ وہ اپنے گھر خوش رہیں، ہماری لڑکی اپنے گھر میں عیش کر رہی ہے۔"

کافی دیر تک دونوں میاں بیوی، منیرہ اور منصور کی باتیں کرتے رہے۔ ذرا سی دیر میں منیر بھی آگئے۔ انہیں بھی منیرہ کے متعلق پتہ چلا۔ منیرہ کے اس طرح اچانک لندن پہنچ جانے پر اُنہیں بھی حیرت ہوئی۔ منیرہ کا خط پڑھ کر منیر نے اپنی امی سے کہا۔

"کافی دن ہو گئے میں نے منیرہ کو ایک خط لکھا تھا مگر اُس نے جواب نہیں دیا۔"

"فرصت نہ ملی ہوگی۔ ورنہ وہ جواب ضرور دیتی۔ منی بیگم نے کہا" کیا کوئی خاص بات تھی خط میں؟"

"جی ہاں خاص ہی سمجھئے امی۔" منیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا میں سمجھ گئی کوئی لڑکی پسند آگئی ہوگی، اُسی کے متعلق بہن کو لکھا ہوگا۔ کیوں مجھ سے کہہ دینے میں تم کو کیا عذر تھا۔" منی بیگم نے ہنستے ہوئے بیٹے سے کہا۔

منیر کو اپنی امی کی دور اندیشی پر حیرت ہوئی کہ کس طرح وہ ایک لمحہ میں اصل بات سمجھ گئی تھیں۔ منی بیگم شروع ہی سے اپنی اولاد سے بہت فری تھیں۔ اور ہر قسم کی بات کر لیا کرتی تھیں لیکن منیر خود اپنی فطرت سے ذرا محتاط تھے اور طبیعت اپنے باپ پر گئی تھی۔ وہی رکھ رکھاؤ اور بات چیت میں سلیقہ جو واسطی صاحب میں تھا منیر نے ورثہ میں پایا تھا۔ وہ خود نماز روزے کے پابند تھے اور ماں کی اکثر باتوں کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتے تھے مگر منہ سے کچھ کہنے کے عادی نہ تھے۔ اس وقت منی بیگم نے اُن کے دل کا چور اتنا اچانک پکڑا کہ وہ بوکھلا کر رہ گئے۔

"کیوں تھی نا یہی بات، بتاؤ کون ہے وہ لڑکی، اچھا ہی ہے تم خود کسی کو پسند کر لو، میں تو بہت ڈھونڈ چکی ہوں، مجھے تو کوئی پسند نہیں آئی۔"

منیر اب بھی خاموش رہے۔

"بولو۔ لڑکیوں کی طرح شرما کیوں رہے ہو۔ بے وقوف کہیں کے۔ کیا وہ لڑکی ڈاکٹر ہے؟"

"جی ہاں ڈاکٹر ہی ہے اتفاق سے۔" منیر نے آخر کہہ ہی دیا۔

منی بیگم کی آنکھیں چمک اٹھیں۔" کون ہے کہاں رہتی ہے۔ بتاؤ سب تفصیل۔ اتنے دن سے گونگے بنے بیٹھے تھے۔"

''یہ سب تفصیل تو مجھے بھی نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہتی ہے۔ اُس کی شادی ہوگئی کہ نہیں، اسی لیے منیرہ کو خط لکھا تھا مگر اُس نے جواب ہی نہ دیا۔''

''آخر قصہ کیا ہے صاف صاف بتاؤ؟'' منی بیگم نے اُلجھ کر کہا۔

''آپ کو منیرہ کی پرانی دوست فخری یاد ہے؟'' منیر نے نظریں جھکا کر کہا۔

''ہاں ہاں خوب یاد ہے۔''

''وہ اب ڈاکٹر بن چکی ہے بلکہ اُس نے ڈاکٹری میں ٹاپ کیا تھا میں نے اخبار میں اُس کی تصویر اور نتیجہ دیکھا تھا۔ میرے خیال میں وہ ایک اچھی اور قابل قدر لڑکی تھی۔''

''ہاں تھی تو اچھی۔ اور تم کہتے ہو وہ ڈاکٹر بن گئی ہے۔ مگر اس کا اتہ پتہ بھی تو معلوم ہو۔''

''اسی غرض سے منیرہ کو خط لکھا مگر منیرہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔''

''ممکن ہے اُس کی کہیں شادی ہوگئی ہو۔''

''منیرہ کو ضرور معلوم ہوگا کم از کم یہی لکھ دیتی اُس کی شادی ہو چکی ہے۔ جواب تو دیتی خط کا۔''

''وہ لندن جانے کی تیاریوں میں مصروف ہوگی فرصت نہ ملی ہوگی خط لکھنے کی۔''

''یہ میں نہیں مان سکتا کہ انسان کو چند لائنیں لکھنے کی فرصت نہ ملے۔''

''تو پھر اب کیا کیا جا سکتا ہے تم دوبارہ منیرہ کو لکھو کہو تو میں لکھ کر پوچھ لوں۔''

''نہیں۔ اب منیرہ کو لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود پتہ چلا لوں گا یہ ایسا مشکل کام نہیں ہے کراچی میں میرے کئی دوست اور کلاس فیلوز ڈاکٹر ہیں۔ ایک لڑکی جس نے ڈاکٹری میں ٹاپ کیا ہو اُس کا پتہ چلانا کچھ مشکل نہیں ہے۔''

''تو پھر تم کیا کرو گے؟''

''صرف پتہ معلوم کروں گا۔ فخری کے بڑے بھائی اصغر علی سے میری اچھی خاصی واقفیت تھی۔ اگر پتہ چل گیا تو میں اصغر علی سے ملنے ضرور جاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے تو پھر اس کام میں دیر نہ کرو بیٹا جس قدر جلد ممکن ہو تم فخری کا پتہ لے کر آؤ۔ واقعی تمہارا خیال بہت اچھا ہے وہ لڑکی بہت اچھی تھی۔ میں تمہارے ابو سے بھی تذکرہ کروں گی وہ تو اس لڑکی کے پہلے ہی مداح تھے۔''

منی بیگم وہاں سے اُٹھ گئیں۔

منیر، فخری کے تصور میں گم ہو گئے۔

اُس کا چہرہ بہت پاکیزہ تھا اور اس پاکیزہ چہرے پر ذہانت سے بھرپور آنکھیں جگنو کی مانند چمکا کرتی تھیں، منیر سوچ رہے تھے۔ ''میں نے ہمیشہ اس لڑکی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ وہ عام لڑکیوں سے مختلف تھی نہ جانے کیا بات تھی اُس کے اندر۔ ایک خاص قسم کی جاذبیت اور کشش کہ انسان آپ ہی آپ اسیر ہو جائے۔ حالانکہ وہ خوبصورت نہیں تھی مگر حسین دکھائی دیتی تھی۔

اُس کی شخصیت میں حسن تھا۔

کاش میں اُس لڑکی کو پاسکتا۔

منیزہ کو یقیناً اُس کے حالات کا علم ہوگا۔ مگر اُس نے میرے اتنے ضروری خط کو قابل توجہ نہ سمجھا۔ تعجب ہے اور پھر فخری تو اُس کی بہت ہی قریبی دوست تھی۔

خیر میں تمہارا پتہ لگالوں گا ڈاکٹر فخری۔ یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں۔ اے کاش ابھی تمہاری شادی نہ ہوئی ہو۔

منیر نے دل ہی دل میں فخری سے بے شمار باتیں کرڈالیں۔

وہ بہت جلد کراچی جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اور اس سلسلے میں انہوں نے اپنے ایک دوست ڈاکٹر زبیر سے بات بھی کرلی تھی۔ اور اب ڈاکٹر زبیر اُن کے منتظر تھے۔ مگر منیر کو ہسپتال سے چھٹی نہیں مل رہی تھی۔ اگرچہ کراچی دور نہ تھا وہ کسی وقت بھی جاسکتے تھے مگر وہ چاہتے تھے کہ کراچی جائیں تو اطمینان سے جائیں اور فخری کا پتہ چلا کر اصغر علی سے ملاقات ضرور کر آئیں۔ اس کام کے لیے چند روز کی چھٹی درکار تھی۔

خدا خدا کر کے منیر کو ہسپتال سے چھٹی ملی تو وہ اپنی پہلی فرصت میں کراچی پہنچ گئے۔ ڈاکٹر زبیر نے اُن کا پرجوش استقبال کیا۔

منیر اپنے اس دوست سے کئی ماہ بعد مل رہے تھے۔ زبیر کی شادی حال ہی میں ہوئی تھی اور اُن کی بیوی بھی ڈاکٹر تھیں۔

ڈاکٹر منیر کے پہنچتے ہی زبیر نے انہیں آڑے ہاتھوں لیا۔ ''ہاں تو بھئی میرے شرمیلے یار نے بھی گھر بسانے کے متعلق سوچ ہی لیا۔''

''کیوں گھر بسانے کے حق دار صرف تم ہی ہو۔ اور میں نے کب انکار کیا تھا شادی سے۔ اب وقت آیا ہے شادی بھی ہو جائے گی۔''

''بھئی تم ٹھہرے مولانا آدمی۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند۔ مجھے کیا خبر تھی کہ تمہارے پیٹ میں گز بھر لمبی داڑھی ہے۔''

''مطلب کیا ہے تمہارا......؟''

''یہی کہ حضرت ایک لیڈی ڈاکٹر کے عشق میں گرفتار ہیں۔ خدا کی قسم تم بڑے تیز نکلے۔ میں اب تک تمہیں بہت شریف آدمی سمجھتا تھا۔''

زبیر نے یہ جملے کہے تو منیر سنجیدہ ہو گئے۔

''تم غلط سمجھ رہے ہو زبیر۔ میں کسی کے عشق میں گرفتار ہونے والا انسان نہیں ہوں اور نہ ہی ڈاکٹر فخری ایسی لڑکی ہے جس کے متعلق کوئی انسان کسی غلط انداز میں سوچے۔ اگر تم اُسے جانتے ہوتے تو کبھی یہ بات نہ کہتے۔ میں نے تو اُسے کئی برسوں سے دیکھا تک نہیں نہ مجھے اُس کے متعلق کچھ خبر ہے مگر جب اُسے دیکھا تھا تب ہی وہ مجھے عام لڑکیوں سے مختلف اور اپنے انداز میں بہت منفرد نظر آئی تھی۔''

''میں نے کسی بری نیت سے یہ بات نہیں کہی تھی دوست، تم بے کار سنجیدہ ہو گئے۔ مجھے یقین ہے تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ درست ہے۔ مجھے تم پر فخر ہے منیر۔ تم اعلیٰ انسان ہو اور تم جس لڑکی کی قدر کرتے ہو وہ بھی یقیناً بہت اچھی ہوگی۔''

''تم نے کچھ پتہ چلایا فخری کا؟'' منیر نے پوچھا۔

''پہلے کچھ کھا پی لو پھر تفصیل سے باتیں ہوں گی۔''

''کھانا پینا تو ہوتا ہی رہے گا۔'' منیر نے کہا۔ ''تم بات تو بتاؤ۔''

''ہاں پتہ چل گیا ہے مس فخری کا......'' زبیر نے اطمینان سے کہا۔

''اچھا؟ کیا اُس کی شادی نہیں ہوئی ابھی۔''

''میں نے مس فخری کہا ہے تم مس کا مطلب تم ضرور جانتے ہو گے۔''

''زبیر میرے صبر کو مت آزماؤ۔ خدا کے لیے تمہیں جو کچھ معلوم ہے جلدی بتا دو۔''

''ابھی بتاتا ہوں ذرا صبر کرو۔''

''اتنے میں مسز زبیر ٹرالی لے آئیں۔

چائے کے دوران زبیر نے بتایا۔

''میں نے ڈاکٹر فخری کے کلینک، کا پتہ چلا لیا ہے۔ وہ اپنی ایک دوست فرح کے ساتھ مل کر

پریکٹس کررہی ہیں۔ اُن کے کلینک کا بورڈ میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں اور کلینک کے اوقات بھی پڑھ آیا ہوں۔''

منیر کے چہرے پر مسرت اور اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ ''تمہیں یہ کیسے پتہ چلا کہ اُن کی شادی نہیں ہوئی۔''

''یہ تو بالکل واضح سی بات ہے یار اگر شادی ہو چکی ہوتی تو نام کے ساتھ شوہر کا نام لگا ہوتا مگر بورڈ پر ڈاکٹر ایف کے فخری لکھا ہوا تھا۔''

''کہتے تو کچھ ٹھیک ہی ہو مگر......''

''اب اگر مگر کچھ نہیں۔ چلے جاؤ آج ہی شام کو سیدھے اس کے کلینک اور مل آؤ جا کر۔''

''پتہ نہیں وہ میرے اس طرح ملنے جانے کو کیا سمجھے۔ میں کیا کہوں گا جا کر۔''

''انہیں اپنی بہن کے حوالے سے مل لینا۔ کہہ دینا منیرہ نے خیریت بھجوائی ہے۔''

''اور اگر ان دونوں میں خط و کتابت جاری ہے تو پھر وہ میرے جھوٹ کو کیا سمجھے گی۔''

''ہاں یہ غور طلب بات ہے۔'' زبیر نے کہا۔ ''اچھا ذرا ٹھہرو سوچنے دو کوئی ترکیب بتاتے ہیں۔''

مسز زبیر بھی اُن کی باتیں سن رہی تھیں۔

''اس میں سوچنے کی بات ہی نہیں ہے۔'' مسز زبیر نے کہا ''بغیر کسی بہانے کے جا کر مل لیں۔ کوئی وہ نوعمر لڑکی تو نہیں ہے، ایک ذمہ دار لیڈی ڈاکٹر ہے۔ ان کی بہن کی دوست اور ہم پیشہ ہے۔ اس سے مل کر اس کے گھر کا پتہ لے لیں۔ زیادہ سے زیادہ یہی تو ہوگا وہ اُن کا منشا سمجھ جائے گی...... یہ بھی ایک طرح سے ٹھیک ہی ہوگا۔'' منیر صاحب کو اس کے رویہ کا اندازہ ہو جائے گا۔''

''میری بیوی ٹھیک کہہ رہی ہیں منیر۔ وہ لوگ تمہارے پرانے واقف کار ہیں بغیر کسی عذر کے ملنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

منیر کچھ دیر تک سوچتے رہے پھر بولے ''ظاہر ہے بغیر ملے تو کام بنے گا بھی نہیں۔ آج شام پانچ بجے جاؤں گا تم لوگ دعا کرو میرے لئے۔''

اب دوپہر ہو چکی تھی۔ میز پر زبیر نے کھانا لگوا دیا۔ اگرچہ منیر کو بالکل بھوک نہ تھی۔ کیونکہ چائے کے ساتھ کافی کچھ کھا لیا تھا۔ مگر رسم پوری کرنے کو میز پر بیٹھ گئے۔ کھانا کھا کر سب آرام کی غرض سے لیٹ گئے۔

منیر کا دماغ مستقل فخری میں اٹکا ہوا تھا۔

''میں اُس سے کیسے ملوں گا۔ کیا کہوں گا؟

وہ نہ جانے میرے متعلق کیا سوچے وغیرہ وغیرہ

خدا خدا کر کے شام ہوئی۔ منیر تیار ہو کر فخری کے کلینک روانہ ہو گئے۔

فخری کے کلینک پر پہنچ کر انہوں نے اپنی آمد کی اطلاع آیا کے ذریعے اندر بھجوائی۔

اس وقت تک فرح نہیں آئی تھی۔ اتفاق سے کوئی مریضہ بھی نہ تھی۔

''ایک صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں۔'' آیا نے کہا۔

''کون صاحب ہیں؟'' فخری کا دل دھڑک اُٹھا۔

''پتہ نہیں جی اپنے آپ کو ڈاکٹر بولتے ہیں۔''

''ڈاکٹر۔'' فخری کے ہاتھ پاؤں میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ ڈاکٹر صفدر کا باوقار چہرے جو اُس کے خیالوں میں جگمگایا کرتا تھا۔ اچانک بہت واضح ہو کر نگاہوں میں سما گیا، وہ ڈاکٹر صفدر کے تصور میں کھو گئی۔ اس کا چہرہ گلابی پڑ گیا۔ یقیناً وہ ڈاکٹر صفدر ہی ہوں گے۔ نہ جانے کیوں اُسے یہ یقین ہو گیا تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ اُس کے در پر دستک دینے ضرور آئیں گے اور اسی غرض سے ہر رشتہ کو مسترد کرتی آئی تھیں۔ کہیں ایسا نہ ہو صفدر آئیں اور اس کے گھر کے دروازے بند ہوں۔

''انہیں لے آؤ یہیں۔'' اس نے مزید کوئی سوال کئے بغیر آیا سے کہا۔

دھڑکتے دل اور بے قرار نگاہوں سے وہ دروازے کی جانب تکنے لگی۔

دروازہ کھلا اور ڈاکٹر منیر اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ آیا کے ہمراہ اندر داخل ہوئے۔

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ تمام کیفیات اور وہ تمام احساسات جو ابھی کچھ دیر قبل اس پر طاری ہو گئے تھے۔ اچانک ختم ہو گئے۔ وہ آنے والے نوجوان کو خاموشی سے دیکھتی رہی گویا پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔

''میں منیر ہوں۔ ڈاکٹر منیر۔ آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں آپ کی دوست منیرہ کا بھائی۔'' منیر نے مسکراتے ہوئے کہا تو فخری ہوش میں آ گئی۔

واقعی یہ تو منیرہ کے بڑے بھائی تھے۔ تعجب ہے وہ انہیں کیوں نہ پہچان سکی تھی۔

''اچھا آپ ہیں بیٹھئے۔ دراصل میں بہت عرصے بعد آپ کو دیکھ رہی ہوں اس لئے فوری طور پر نہ پہچان سکی۔''

ڈاکٹر منیر کو دیکھ کر اس کا چہرہ بجھ سا گیا تھا۔ اُسے منیرہ، منصور اور نہ جانے کیا کچھ یاد آ گیا تھا۔ وہ تمام یادیں جو وہ اپنے ذہن سے مدت ہوئی نکال چکی تھی، آج اچانک ڈاکٹر منیر کے آ جانے سے تازہ ہو گئی تھیں۔

یادیں جو بڑی تلخ تھیں۔

اور جو اُس کا ماضی بن چکی تھیں۔

اور جنہیں اب وہ بھول جانا چاہتی تھی......

نہ جانے ڈاکٹر منیر کے آنے کا مقصد کیا ہو...... وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔

چند لمحے تو خاموشی میں سرک گئے۔

ڈاکٹر منیر کے پاس شاید الفاظ نہیں تھے جو فخری سے بات کر سکتے اور فخری کی کیفیت نا قابل بیان تھی۔ وہ منیر کی طرف سے بات کی منتظر تھی۔

اور پھر منیر نے بات کرنے کی غرض سے کہا۔

''میں کراچی آیا ہوا تھا۔ باتوں باتوں میں آپ کا تذکرہ نکلا۔ پتہ چلا کہ آپ کا اس جگہ کلینک ہے۔ میں نے سوچا ملتا چلوں۔''

''آپ لوگ کہاں ہیں آج کل؟''

''ہم سب حیدر آباد میں ہیں، میں وہیں کے ہسپتال میں پریکٹس کرتا ہوں۔''

فخری پھر خاموش ہو گئی۔

''آپ کے بھائی اصغر علی کیا کر رہے ہیں؟''

''وہ یونیورسٹی میں پڑھا رہے ہیں۔''

''اچھا؟'' منیر نے خوش ہو کر کہا ''کس مضمون میں ہیں؟''

''میتھس پڑھاتے ہیں۔''

''آپ کی رہائش بھی پھر کیمپس میں ہو گی۔''

''جی ہاں وہیں گھر ہے ہمارا۔''

''مس فخری آپ لوگوں کے متعلق میں اکثر سوچتا رہتا تھا، مدت ہو گئی تھی آپ سے ملے ہوئے مگر بھولا نہیں تھا۔ میں نے سوچا آپ سے مل کر آپ کا پتہ لے لوں گا پھر اصغر علی سے ملنے آؤں گا۔''

فخری نے منیر کی طرف دیکھا۔ بلاشبہ وہ ایک پر کشش نوجان تھا۔ اور اُن کی نگاہوں میں اُسے اپنے لئے پسندیدگی اور احترام کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ اُسے حیرت تھی کہ منیر اُس کے گھر والوں سے کیوں ملنا چاہتے ہیں کیا انہیں میری گزشتہ زندگی کے بارے میں علم نہیں یا ممکن ہے کوئی اور ہی بات ہو۔ وہ فوری طور پر کوئی فیصلہ نہ کر سکی۔

کافی دیر تک منیر ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے پھر اچانک مسکرا کر بولے۔

''تعجب ہے آپ نے اپنی دوست کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا؟''

''کون سی دوست؟''

''منیرہ اور کون؟''

''ہاں کسی زمانے میں وہ میری دوست ہوا کرتی تھی بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ مجھے اپنی دوست اور بہن کہا کرتی تھی۔ مگر اب تو مدت ہوئی ناتا ٹوٹ چکا۔''

ڈاکٹر منیر، فخری کی بات کا مطلب نہ سمجھ سکے یا شاید وہ اُس کی خوبصورت آواز میں اتنا کھو گئے تھے کہ انہوں نے ٹھیک سے کچھ سنا ہی نہیں۔

منیرہ بہت بے پرواہ ہے آپ کو بھی خط نہیں لکھتی ہوگی۔ آج کل تو وہ لندن گئی ہوئی ہے۔'' منیر نے کہا۔

فخری پھر خاموش ہوگئی۔

منیر کو اُس کی بہت زیادہ خاموشی عجیب سی لگ رہی تھی۔ پتہ نہیں اُس نے میرے آنے کو برا جانا۔ وہ کچھ سمجھ نہ سکے۔ اسی لیے انہوں نے کہا۔

''شاید آپ نے میرے اس طرح آنے کا برا منایا ہے مس فخری یقین کیجئے میرے دل میں بہت زیادہ احترام ہے، عزت ہے اتنی کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔ اور شاید یہی احترام، یہی احساس عزت مجھے آپ کے دروازے تک کھینچ لایا۔ برس گزر گئے آپ سے ملے ہوئے مگر آپ کا میج (Image) آج بھی اپنی جگہ پر ہے۔ مس فخری میں نے آپ کو ہمیشہ بہت اعلیٰ بہت بلند دیکھا۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ آج میں آپ سے ہمکلام ہوں۔ کیا آپ اپنے گھر کا پتہ دیں گی۔ میں اصغر علی سے ملنا چاہتا ہوں۔

ڈاکٹر منیر نے بہت خوبصورت اور سادہ الفاظ میں اپنے دلی جذبات کی عکاسی کی تھی۔ فخری ایک لمحہ میں سمجھ گئی اُن کی منشاء کیا ہے وہ کیا چاہتے ہیں مگر وہ خاموش رہی۔

''کیا آپ نہیں چاہتیں کہ میں آپ کے گھر آؤں؟'' منیر کے لہجے میں ہلکی سی شکایت تھی۔

''ڈاکٹر منیر آپ بہت گریٹ انسان ہیں۔ پہلے بھی بہت اچھے تھے اور شاید آج بھی ہیں۔ سچ میں آپ کی عزت کرتی ہوں آپ کی قدر کرتی ہوں۔آپ جیسے شریف نوجوان ہماری قوم اور ملک کے باعث فخر ہیں، آپ میرے گھر آنا چاہتے ہیں مجھے بڑا تعجب ہے شاید آپ میرے ماضی کے واقعات سے ناواقف ہیں۔''

''کون سے واقعات؟'' منیر نے سوچتے ہوئے کہا۔'' شاید آپ اپنے بڑے بھائی کا حوالے دے رہی ہیں لیکن یقین کیجیے مس فخری، میرے دل میں کبھی اُس واقعہ کا خیال نہیں۔آپ کے بڑے بھیا نے جو کچھ کیا وہ اُن کا فعل تھا۔آپ کا اپنا ایک مقام ہے اپنی انفرادی حیثیت ہے۔آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میری سوچ اتنی کم تر ہوگئی۔''

''فخری نے حیرت سے منیر کی طرف دیکھا پھر بولی۔'' یا تو آپ واقعی لاعلم ہیں یا پھر جان بوجھ کر اتنے بڑے واقعہ سے اجتناب کررہے ہیں۔''

''آپ کس واقعہ کے بارے میں تذکرہ کر رہی ہیں، میں کچھ نہ سمجھ سکا۔'' منیر نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیا آپ کو واقعی اس بات کی خبر نہیں کہ میرا نکاح بچپن میں میرے خالہ زاد بھائی سے ہوگیا تھا؟''

''جی نہیں مجھے تو کچھ علم نہیں۔'' منیر نے پریشان ہوکر کہا۔''منیرہ نے تو کبھی اس قسم کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔''

''اُس وقت اُسے علم نہیں تھا۔''

''تو پھر آپ......''

''صرف نکاح ہوا تھا۔رخصتی پھر نہ ہوسکی۔اور بعد میں مجھے طلاق مل گئی۔''

''ارے! لیکن طلاق کی وجہ؟''

''میرے گھریلو اور ابنارمل حالات اور غربت میرے شوہر کے مالی حالات اچھے تھے میں ان کے شایانِ شان نہ تھی۔''

''کیا وہ آپ سے ملے تھے؟''

''نہیں۔

''اگر وہ آپ سے مل گئے ہوتے تو کبھی ایسا نہ سوچتے۔''

''فخری کے ذہن میں اپنی اور منصور کی ملاقات کا منظر گھوم گیا اور رنجیدہ ہوگئی۔

''بہر حال یہ واقعہ میرے ساتھ ہو چکا ہے۔''

''ذرا سی دیر کو منیر خاموش ہوئے پھر بولے۔''

''لیکن یہ واقعہ بھی آپ کی شخصیت کو متاثر نہیں کرے گا۔اس سے آپ کی ذات میں کیا کمی واقع ہوگئی؟''

''آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ میرے شوہر کا کیا نام تھا، وہ کون تھے؟''

''وہ کوئی بھی ہوں میرے لئے اس بات سے کیا فرق پڑ سکتا ہے''

''مگر میرے لئے تو فرق پڑتا ہے نا!'' فخری کا لہجہ بہت مضبوط تھا۔

''آپ بتا دیجئے۔شاید میں آپ کا مطلب سمجھ سکوں۔''

''میرے شوہر منصور تھے جن سے طلاق دلوا کر آپ کی بہن نے شادی کر لی۔''

''آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''

''شاید آپ کو سچ کڑا محسوس ہو ڈاکٹر منیر۔مگر یہ حقیقت ہے کہ منیرہ کو سب کچھ معلوم تھا کہ وہ کبھی مجھے اپنی دوست اور بہن کہا کرتی تھی پھر اُس نے مجھے منصور سے جدا کروا دیا اور خود شادی کر لی۔''

ڈاکٹر منیر کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

''خدا کی قسم مجھے ان واقعات کا علم نہ تھا۔''

''ورنہ؟''۔

''ورنہ میں کبھی آپ کے دروازے پر آنے کی جرأت نہ کرتا۔منیرہ نے جو کچھ کیا میں اُس کے لیے اُسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔''

''کیا آپ کو خبر نہیں کہ منصور نے اپنی بیوی کو طلاق دے کر آپ کی بہن سے شادی کی تھی؟''

''اس معاملے میں میں شاید آپ کو مطمئن نہ کر سکوں۔منیرہ کی شادی کے متعلق مجھے بطور خاص کچھ زیادہ علم نہیں۔سب کچھ میری خالہ اور خالو نے کیا۔منصور بھائی کے متعلق یہ تو معلوم تھا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو چھوڑا مگر واقعات ہمیشہ دوسرے انداز میں کئے جاتے ہیں۔بہر حال اب اس معاملے میں کچھ کہنا قطعی فضول ہوگا۔منیرہ نے آپ کی خوشی آپ سے چھین لی مجھے بہت

افسوس ہے اور آج مجھ سے میری خوشی بھی چھن گئی۔ ڈاکٹر فخری مجھے بہت افسوس ہے کاش میں آپ کے دکھوں کا مداوا کر سکتا۔ اب مجھے اجازت دیجئے......''

یہ کہہ کر ڈاکٹر منیر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

فخری بھی کھڑی ہوگئی۔

''میں آپ کے بارے میں پھر سے معافی چاہوں گا۔ مگر ایک بار کہتا چلوں میرے دل میں آپ کا جو مقام ہے وہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ میں آپ کو کبھی بھی بھول نہ سکوں گا۔ خدا حافظ!''

اور ڈاکٹر منیر کلینک سے نکل گئے۔

فخری پردے کو ہلتا ہوا دیکھتی رہ گئی۔

پاکستانی وقار عظیم ڈاٹ کام پیراڈائز

ڈاکٹر منیر کراچی سے بہت جلد حیدرآباد اپنے گھر واپس آ گئے۔ جب گئے تھے بہت شگفتہ اور صحت مند دکھائی دیتے تھے اور اب آئے تھے تو اتنے مضمحل اور کمزور نظر آ رہے تھے جیسے طویل بیماری سے اُٹھے ہوں مگر ہر وقت خاموش رہتے اور کچھ نہ کچھ سوچتے رہتے۔ منی بیگم کو منیر کی طرف سے بہت فکر تھی۔ کل سے کئی بار وہ منیر سے وجہ دریافت کر چکی تھیں مگر انہوں نے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا تھا پھر آج دوپہر کے کھانے پر منیر نے کہا ''امی مجھے بھوک بالکل نہیں ہے۔'' تو منی بیگم نے اپنا نوالہ پلیٹ میں رکھ دیا اور بولیں۔''

''منیر میں کل سے تمہیں پریشان دیکھ رہی ہوں کئی بار پوچھ چکی ہوں مگر تم کوئی بات بتاتے ہی نہیں کراچی گئے تھے فخری کا پتہ چلانے اور اتنی جلدی واپس آ گئے ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتے رہتے ہو۔''

''آپ کا وہم ہے امی، میں بھلا کیا سوچوں گا۔''

''منیر میں تمہاری ماں ہوں، مجھے سچ سچ بتا دوں بات کیا ہے۔''

''کچھ نہیں صرف میری طبیعت خراب ہے تھوڑی سی۔ دوا ایک روز میں ٹھیک ہو جائے گی۔''

''اگر طبیعت خراب ہے تو دوا کیوں نہیں کھاتے تم خود ڈاکٹر ہو۔'' منی بیگم کی بات سن کر منیر کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''دوا...... امی بہت سے امراض ایسے ہیں جن میں ڈاکٹری فیل ہو جاتی ہے۔ ہمارے پاس کوئی دوا نہیں ہوتی امی.....''

''منیر تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ مجھے تو ہول آنے لگا ہے۔ کیسا مرض اور کیسی دوائیں آخر تمہیں ہوا کیا ہے، اس سے قبل تو تم نے کبھی ایسی عجیب باتیں نہیں کی تھیں۔''

''اس سے قبل میں نے کبھی چوٹ بھی نہیں کھائی تھی امی۔ دکھوں اور غموں کا علاج اگر ڈاکٹری میں ہوتا تو میں ضرور دوا کھا کر اس غم کو دور کر لیتا۔''

''منیر تمہیں میری قسم ٹھیک سے بتاؤ کیا ہوا ہے، ورنہ مجھے کچھ ہو جائے گا۔ تم پر کیا غم پڑا ہے تمہیں کیا پریشانی ہوگئی دوروز کے اندر...... کچھ تو بتاؤ۔''

''کیا کریں گی پوچھ کر، نہ ہی پوچھیں تو بہتر ہے۔''

''تم فخری سے ملے تھے؟'' منی بیگم نے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے ذرا سختی سے پوچھا۔

''جی ہاں ملا تھا۔''

''مگر کل تو تم نے کہا تھا کہ فخری کا پتہ نہیں مل سکا۔''

''کل میں نے جھوٹ بولا تھا۔''

''آج سب کچھ سچ سچ بتادو اگر فخری کی شادی ہو چکی ہے یا وہ تم سے شادی پر رضامند نہیں ہے تو اس میں دکھ کی کوئی بات نہیں۔ دنیا لڑکیوں سے بھری پڑی ہے اچھی سے اچھی لڑکی تمہارے لئے ڈھونڈی جا سکتی ہے۔''

''منی بیگم کی بات سن کر منیر کے لیے خاموش رہنا دشوار ہو گیا، ویسے بھی وہ منیرہ سے بہت زیادہ ناراض تھے اس لئے دل کی بھڑاس نکالنے کا یہ بہترین موقع تھا انہوں نے آہستہ آہستہ سب کچھ ماں کو بتادیا۔ پھر کہا۔

''اگر مجھے ان حالات کا علم ہوتا تو میں کبھی فخری سے ملنے نہ جاتا۔ مجھے بے حد شرمندگی اور افسوس ہے منیرہ نے جو کچھ بھی کیا بہت ہی برا کیا۔

منی بیگم بہت غور سے بیٹے کی باتیں سنتی رہیں پھر سوچ سمجھ کر ہوشیاری سے بولیں۔

''یہ محض اتفاق ہے منصور کے نکاح میں فخری رہ چکی ہے، یہ منیرہ کی قسمت کہ اُس کی شادی منصور سے ہوگئی۔ اس بات میں منیرہ کو الزام دینا درست نہیں۔ منیر تم اس لڑکی کی حمایت میں اپنی بہن کو برا بھلا کہہ رہے ہو، یہ انتہائی غلط بات ہے۔''

''امی آپ حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتیں۔ منیرہ پہلے بہت اچھی تھی مگر آپ لوگوں نے لاہور بھیج کر تباہ کر دیا پھول خالہ کی تربیت میں رہ کر وہ اپنے آپ کو بھول گئی۔ اُس نے اسلامی اقدار کو بھلا دیا۔ ابو کی تربیت خاک میں مل گئی۔ میں نے جب منیرہ کو دیکھا تو بہت حیران ہوا۔ مگر میری عادت خاموش رہنے کی ہے۔ آپ لوگوں نے خرم سے رشتہ تڑوایا مجھے یہ بات بھی ناگوار تھی مگر خاموش اس لئے رہا کہ بات بہت بڑھ چکی تھی اور منیرہ، پھول خالہ کے کہنے میں بہت آگے نکل چکی تھی۔ میں نہیں سمجھتا کہ منیرہ، منصور کے ساتھ مطمئن زندگی گزار رہی ہے۔ اُس نے اپنی دوست کے حق پر

ڈاکہ ڈالا امی یہ بات ایسی نہیں کہ اُسے آسانی سے معاف کر دیا جائے۔''

''تمہارے ذہن پر فخری کا بھوت سوار ہے منیر، ورنہ تم کبھی اپنی بہن کے لیے یہ سب کچھ نہ کہتے اگر منصور کو فخری سے رخصتی منظور ہوتی تو وہ کب کی کر چکے ہوتے انہیں شادی بہر حال کرنی ہی تھی مگر منیرہ سے ہوگئی تو کون سا غضب ہو گیا۔'' منی بیگم نے تیز آواز میں کہا۔

''لیکن منیرہ کا یہ فرض ضرور تھا کہ وہ اپنی دوست کے راستے سے ہٹ جاتی۔ منصور کے علاوہ وہ بہت سے افراد ہیں دنیا میں کسی سے بھی اُس کی شادی ہو سکتی تھی۔''

''تو تمہیں کیا فائدہ پہنچ جاتا۔ منصور منیرہ کو نہ ملے اُس کی کہیں اور شادی ہو جاتی اور فخری، منصور سے بیاہی جاتی تم تو پھر بھی اسی پوزیشن میں ہوتے جیسے آج ہو۔'' منی بیگم کی آواز میں تیزی کے ساتھ تلخی بھی شامل ہو گئی تھی۔

''اگر ان باتوں کو سمجھتی ہوتیں تو حالات یوں ہرگز نہ ہوتے۔''

''یہ کہہ کر منیر، ماں کے پاس سے اُٹھ گئے۔

اپنے بستر میں لیٹے وہ فخری کے تصور سے باتیں کر رہے تھے۔

''میں تمہیں کبھی یاد نہیں کرونگا فخری۔ بلکہ کوشش کروں گا کہ میں تمہیں بھول جاؤں۔ میرے دوست زبیر نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا۔'' بھول جاؤ اس لڑکی کو۔

تمہیں بھول تو جاؤں گا ڈاکٹر فاخرہ خاتون مگر وہ دو جگنو جو تمہارے چہرے پر چمکا کرتے ہیں انہیں کیسے بھول جاؤں۔ یہی جگنو تو میری منزل کا نشان تھے۔ مجھے راستہ بتاتے تھے۔ مگر اب وہ ستارے کہیں گم ہو گئے ہر سو اندھیرا ہے۔ منزل کا کوئی نشان نہیں۔ امی کیا جانیں اور شاید تم بھی کچھ نہ سمجھو۔ ایک کمسن لڑکے نے تمہیں اس وقت سے چاہا جب تم چھوٹی سی کم سن بچی تھیں۔ اور منیرہ کے پاس آیا کرتی تھیں۔ تم منیرہ اور اُس کے بھائی سے نفرت کرتی ہو فخری تمہیں اس کا حق ہے مگر میں تمہارے لئے آج بھی وہی جذبات رکھتا ہوں ہوں جو روز اول سے تھے۔ انسان کی زندگی میں بھی کیسے کیسے موڑ آتے ہیں خیر بھئی ڈاکٹر فخری! تم خوش رہو کم از کم تم سے ایک بار ملنے کی خواہش تو پوری ہو گئی۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہیں بھول سکوں مگر میری زندگی کا خلاء شاید کبھی پر نہ ہو سکے۔''

……✿……

ایک روز واسطی صاحب خوش خوش باہر سے آئے اور بیوی سے بولے۔

''مبارک ہو بیگم۔تم نانی بن گئیں۔''

''ارے کب۔یااللہ تیرا شکر ہے آپ کو کس نے بتایا کیسے پتہ چلا آپ کو۔بیٹا ہے یا بیٹی؟''
منی بیگم خوشی خوشی سوال پر سوال کر رہی تھیں......

''ذرا دم تو لو۔تم نے ڈھیروں سوال ایک ساتھ کر ڈالے۔کہ اتفاق سے منصور کے ایک عزیز رشتہ دار سے ملاقات ہوئی آج انہوں نے بتایا۔''

''وہی انور جو پی آئی اے میں ملازم ہیں ڈ''

''ہاں ہاں وہی۔''

''کیا بتایا اُنہوں نے؟''

''کچھ نہیں، وہ مجھے دیکھ کر فوراً اسے مبارکباد دینے لگے۔میں بہت حیران ہوا، یہاں تو کسی کو کچھ خبر ہی نہیں۔میں نے تفصیل پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ اُن کی ملاقات اتفاق سے منصور سے ہائڈ پارک میں چند منٹ کے لیے ہوئی تھیں۔منصور بہت خوش نظر آرہے تھے۔پوچھا تو پتہ چلا کہ گھر میں بیٹا ہوا ہے۔بس زیادہ تفصیل سے کوئی بات نہیں ہوئی انور نے منصور کو بیٹے کی مبارکباد دی۔دوسرے روز وہ کراچی آئے۔اب تو لڑکا دس بارہ دن کا ہو چکا ہوگا۔''

''یا الٰہی تیرا شکر ہے؟'' منی بیگم کی آنکھوں میں آنسو نکل پڑے۔''پتہ نہیں منیرہ کیسی ہے پردیس میں بیٹا ہوا کوئی پاس نہیں اسی لئے بچی نے کوئی خط نہیں بھیجا پہلے خط کے بعد سے۔''

''منیرہ ٹھیک ہی ہوگی تب ہی تو منصور خوش خوش ملے تھے۔'' واسطی صاحب نے کہا۔

''مگر منصور نے کمال ہی کر دیا۔یہاں کوئی اطلاع بھی نہ دی۔''

''اکیلا انسان کیا کیا کرے۔'' واسطی صاحب نے کہا۔'' ویسے ڈاک اکثر دیر میں بھی آتی ہے۔بس آج کل میں منصور کا خط آتا ہوگا اطمینان رکھو۔''

'' بیٹے کی پیدائش کی خبر سے پورے گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔منی بیگم نے فوراً مٹھائی منگوائی۔شام کو منیر ہسپتال سے آئے تو انہیں منی بیگم نے بہت ہی فخریہ انداز میں بتایا۔

''لو مٹھائی کھاؤ منیر، تم ماموں بن گئے۔''

''منیر نے خاموشی سے لڈو اُٹھایا۔اُن کا دماغ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا منصور کو لندن گئے تقریباً ایک سال ہو گیا تھا اور منیرہ کو گئے دو ماہ ہوئے تھے منیرہ کے بیٹا کیسے پیدا ہو گیا۔مگر یہ وہ بات اور وہ سوچ تھی جس کا تذکرہ وہ اپنی زبان سے کرنا نہ چاہتے تھے۔انہوں نے اس خبر پر کوئی

کمنٹ کرنا مناسب نہ سمجھا منی بیگم یا واسطی صاحب کے خیال میں بھی نہ آیا کہ منصور کو باہر گئے اتنا عرصہ گزر گیا وہ تو یہی سمجھ رہے تھے کہ بچے کی پیدائش نزدیک آئی تو منیرہ شوہر کے پاس چلی گئی۔ وہ اپنی خوشی میں کوئی بات نہ سوچ سکے اور منیر خاموشی کے ساتھ اپنے ماں باپ کی خوشیاں مناتے دیکھتے رہے۔

منیر کے خاموش رویے نے منی بیگم کو بہت دکھ پہنچایا......

''تو فخری کا جادو اتنا سر چڑھ چکا ہے کہ منیر اپنی بہن کی خوشی میں شریک نہیں ہیں۔ انہوں نے غصہ سے سوچا مگر اس سلسلے میں منیر سے کوئی بات نہ کی۔

اس نئی خبر نے منیر کو زیادہ پریشان کر دیا تھا انوار سے مل کر منیر نے پوچھا مگر انوار کو کوئی تفصیل معلوم نہ تھی۔ نہ ہی وہ منصور کے گھر گئے تھے اور نہ ہی زیادہ دیر کی ملاقات ہوئی بس ایک خبر تھی جو مل گئی۔ انہوں نے پہنچا دی۔

منیرہ کا خط نہ بھیجنا اُس کے سسرال والوں کا خاموش رویہ اور یہ تازہ خبر۔ یہ وہ باتیں تھیں جو منیر جیسے باشعور انسان کو چونکا دینے کے لیے کافی تھیں۔ مگر ایک خاموشی منیر نے اپنے اوپر مسلط کر لی تھی۔ اُن کا دل کہہ رہا تھا کہ بہت جلدی وہ کوئی اہم خبر سننے والے ہیں اور لاشعوری طور پر اس خبر کا انتظار کرنے لگے۔

منی بیگم اور واسطی صاحب کو شدت سے منصور کے خط کا انتظار تھا۔

اور پھر اُنہیں زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔

ایک روز منصور کا خط آن پہنچا۔

یہ خط منیر کے نام انہوں نے لکھا تھا۔

''میں نے منیرہ کو آزاد کر دیا ہے۔ اب تک وہ آپ کے گھر پہنچ چکی ہوگی اور آپ کو تمام حالات کا علم ہو چکا ہوگا۔ مجھے افسوس ہے منیرہ میرے ساتھ نباہ نہ کر سکی۔ وہ آزاد ماحول کی پروردہ ایک خود سر لڑکی ہے میں نے بہت کوشش کی کہ اُسے صحیح راہ پر ڈال سکوں مگر وہ میری بات ماننے کو تیار نہ تھی۔ مجھے اس بات کا افسوس بھی تاحیات رہے گا کہ میری بیوی فاخرہ خاتون فخری، منیرہ کی گہری دوست تھی اور وہ یہ بات شادی سے قبل جانتی تھی مگر اُس نے کوئی تذکرہ نہ کیا۔ اُس نے ہمیشہ فخری کی برائیاں میرے سامنے بیان کیں۔ حالانکہ میں اور فخری اجنبی حیثیت سے ایک دوسرے سے ملے تھے اور میں اُسے پسند کرتا تھا۔ منیر بھیا آپ کو نہیں معلوم جب مجھ پر یہ انکشاف

ہوا کہ میں نے جس لڑکی کو بنا دیکھے طلاق دی ہے وہ فخری ہے تو پھر کیا بیت گئی۔فخری ایسی لڑکی ہے جس پر نسلیں کی نسلیں فخر کرسکتی ہیں۔ پھر فخری کو کھو کر میں نے منیرہ کی محبت میں پناہ تلاش کرنی چاہی مگر منیرہ کا دامن بہت وسیع تھا۔میں تو صرف اپنی ذات کے لیے اُسے وقف دیکھنا چاہتا تھا مگر وہ پابندیاں برداشت کرنے کی عادی نہ تھی۔فخری کے تذکرہ سے اُسے نفرت تھی۔وہ مجھے کوئی اولاد بھی نہ دے سکی......اس کے علاوہ نعیم کے ساتھ راہ ورسم نے مجھے اور پریشان کردیا......مجبوراً میں لندن چلا آیا۔جہاں مجھے جیکولین نے سہارا دیا میں نے اُسے پوری کہانی سنادی۔فخری سے لے کر منیرہ تک کی پوری کہانی۔اور جیکی نے میرے تمام دکھ سمیٹ لئے۔میں نے جیکی سے شادی کرلی۔وہ صرف مجھ سے محبت کرتی ہے۔میرے لئے ہنستی ہے میرے لئے پہنتی ہے اور میرے لئے اپنے آپ کو سنوارتی ہے وہ میرے ساتھ بیٹھ کر فخری کی باتیں کرتی ہے۔اُسے اس بات پر بھی اعتراض نہیں کہ منیرہ ہمارے ساتھ رہے۔مگر منیرہ یہاں آئیں تو انہوں نے جیلی کے ایک رشتہ دار ڈیوڈ سے راہ رسم بڑھالی ے۔مجھے یہ برا لگتا تھا منیرہ کو یہ بات معلوم تھی مگر انہیں میرے جذبات کی پروا نہ تھی۔وہ پورا پورا دن ڈیوڈ کے ساتھ گھومتی پھرتی رہتیں آخر بہت برداشت کے بعد میں نے منیرہ کو طلاق دے دی۔منیر بھیا میں نے آپ کو سچ سچ لکھ دیا ہے میں جانتا ہوں منیرہ نے آپ کو اصل بات ہرگز نہ بتائی ہوگی۔اپنی صفائی پیش کرنا میں ضروری سمجھتا تھا اس وجہ سے یہ سب کچھ لکھ رہا ہوں۔اب ہمارے یہاں بیٹا پیدا ہوا ہے اور جیکی بھی مسلمان ہو چکی ہے ہم لوگ بہت مطمئن زندگی گزار رہے ہیں میری کوتاہیوں کو معاف کردیجئے گا میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اب میں کبھی پاکستان لوٹ کر نہیں آؤں گا۔"

منصور

منصور کا خط منیر نے پڑھا تو یوں لگا کوئی آہستہ آہستہ بدن سے جان نکال رہا ہے۔دماغ شل ہو گیا۔حواس معطل ہو گئے۔انہوں نے چپ چاپ منصور کا خط ماں کے قدموں میں ڈال دیا اور باہر نکل گئے۔

منی بیگم نے خط پڑھا تو چکر کر گر پڑیں۔واسطی صاحب نے بڑی مشکل سے بے ہوش ہوتی بیگم کو سنبھالا۔

یہ صدمہ اتنا اچانک، اتنا زبردست تھا کہ اُن کے لیے ناقابل برداشت تھا۔

"پتہ نہیں منیرہ کہاں ہے۔" وہ پریشان ہو ہو کر چیخ رہی تھیں۔"میری بچی تو لوٹ کر آئی ہی

نہیں۔ منصور نے جو کچھ لکھا سب غلط ہے میری بیٹی ہرگز ایسی نہیں۔ خود فرنگن سے شادی کر بیٹھے تو الزام منیرہ پر رکھ کر خود الگ ہو جانا چاہتے ہیں۔'' منی بیگم غصے میں چیخ رہی تھیں۔

''صبر و کرو بیگم۔ حالات کو سمجھو جو کچھ ہوا ہے اُسے حوصلے سے برداشت کرو۔''

''ارے میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے۔ میری بیٹی خدا معلوم کہاں ہو گی۔''

''یہ سب کیا دھرا پھول خالہ کا ہے۔ اور بھیجئے اُسے ان کے گھر۔ میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ منیرہ کے تعلقات منصور سے خوشگوار نہیں ہیں۔ افسوس اس لڑکی نے منہ دکھانے کے قابل نہ چھوڑا۔''

منیر نے اندر آ کر کہا منی بیگم پھٹ پڑیں۔

''تم بہن ہی کو برا کہتے رہنا تمہیں اس بات کی فکر نہیں کہ بہن زندہ ہے کہ ختم ہو گئی۔''

''منیر اس وقت خاموش رہو۔'' واسطی صاحب نے بیٹے سے کہا۔

''نہیں کہہ لو جو کچھ کہنا ہے۔'' منی بیگم چیخیں۔ ''میری بیٹی کا گھر اُجڑ گیا اُسے طلاق مل گئی۔ اور تم لوگ اُس کی برائیاں کر رہے ہو۔ ہائے میری بچی پردیس میں کیسی دربدر ہوئی۔ مجھے کیا خبر تھی ایسے منحوس لوگ ہیں، ورنہ میں کیوں اپنی بیٹی کا نکاح اُن کے گھر کرتی۔''

''پھول خالہ کو دعائیں دیجئے۔ اُنہوں نے بر تلاش کیا تھا۔'' منیر کہنے سے باز نہ آئے۔

''جلا لو میرا کلیجہ جتنا جلا سکتے ہو۔ منیر تمہیں بھی میری جان کی قسم ہے سب کچھ کہہ ڈالو اپنے دل کا غبار دھو ڈالو میں سب کچھ جانتی ہوں تم یہ باتیں کیوں کر رہے ہو۔''

''آپ کچھ نہیں جانتیں امی آپ جو کچھ سمجھ رہی ہیں وہ قطعی غلط ہے میں تو حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ نہ منیرہ لاہور جاتی نہ خرم بھائی سے علیحدگی ہوتی اور نہ یہ دن دیکھنا نصیب ہوتا۔''

''چھوڑو منیر اس قصے کو۔ تمہاری امی اس وقت پریشان ہیں۔'' واسطی صاحب نے کہا'' انہیں اس وقت تسلی دلاسے کی ضرورت ہے یہ باتیں تو تمام عمر دہرائی جاتی رہیں گی۔''

''آپ کسی سے معلوم کیجئے شاید منیرہ کا کچھ حال معلوم ہو جائے وہ کہاں ہے، اب تک کیوں نہیں آئی۔'' منی بیگم نے میاں سے کہا۔

''میں کس سے پوچھوں گا اور کیا پوچھوں گا۔ اتنی بڑی دنیا میں منیرہ کو کہاں تلاش کروں گا۔ تم اطمینان رکھو وہ آئے گی ضرور۔ ممکن ہے اُس کی طبیعت خراب ہو گئی اور وہ فوری طور پر سفر کرنے کے قابل نہ رہی ہو۔''

منی بیگم نے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

واسطی صاحب وحید اور نجمہ سب اُن کے پاس موجود تھے مگر منیر کو اس قدر صدمہ تھا کہ وہ ماں کے پاس سے اُٹھ کر بیڈروم میں چلے گئے۔

ذلت اور رسوائی کا شدید احساس انہیں بے موت مار رہا تھا۔ اب منیرہ کی طلاق کی بات پورے...... میں پھیلے گی۔ لوگ باتیں بنائیں گے۔ ایک بار پہلے خرم سے خلع لی گئی اور دوسری بار منصور نے خود چھوڑ دیا۔ باتیں کہاں چھپتی ہیں، یہ باتیں بھی پھیلیں گی اور وہ ملنے والوں کے سامنے آنکھ نہ اُٹھا سکیں گے۔"

واسطی صاحب کے دل پر کچھ کم صدمہ نہ تھا۔ وہ بردبار انسان تھے۔ اپنے جذبات کا اظہار الفاظ میں کرنے کے عادی تھے۔ منی بیگم تو رو دھو کر، منصور کے گھر والوں کو کوس پیٹ کر شام تک خاموش ہو چکی تھیں مگر واسطی صاحب اندر ہی اندر مر رہے تھے۔ اُن کے دل پر شدید دباؤ تھا انہوں نے غم کے اظہار کے لیے ایک حرف بھی منہ سے نہ کہا۔

پورے دو دن خاموشی سے گزر گئے، وہ اسکول بھی نہ جا سکے۔ کسی کو خبر بھی نہ تھی اُمی کے دل پر کیا بیت رہی ہے۔ تیسرے روز اچانک انہیں دل کا دورہ پڑ گیا۔

منیر نے فوری طور باپ کو ہسپتال میں شفٹ کیا۔ چند روز رہ کر وہ ہسپتال سے گھر واپس آ گئے مگر ڈاکٹر نے مکمل آرام بتایا تھا۔

گھر کی فضا بہت مکدر اور سوگوار ہو گئی تھی۔ واسطی صاحب کی وجہ سے گھر میں کوئی بھی منیرہ کے واقعہ کا تذکرہ نہ کرتا تھا۔ مبادا اُن کے دل پر اثر نہ ہو۔

گھر کا ہر فرد منیرہ یا اُس کے کسی خط کا منتظر تھا مگر ایک ہفتہ گزر جانے کے باوجود ابھی تک کسی قسم کی کوئی اطلاع موصول نہ ہوئی تھی۔

منصور کے گھر سے نکل کر منیرہ، ڈیوڈ کے ساتھ اُس کے فلیٹ میں آ گئی۔ ڈیوڈ اپنی جگہ بہت شرمندہ تھا۔ اُس کی وجہ سے منیرہ کا گھر اُجڑ گیا تھا مگر منیرہ ایسا نہیں سمجھتی تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ منصور نے بہانہ تلاش کیا ہے۔ وہ اپنی دنیا بسا چکے ہیں انہیں منیرہ کو چھوڑنے کے لیے کسی نہ کسی بہانے کی تلاش تھی جو بہت آسانی سے ہاتھ آ گیا تھا۔

ڈیوڈ کے فلیٹ میں بیٹھی ہوئی وہ اپنی اُجڑی ہوئی برباد زندگی کا ماتم کر رہی تھی۔ اُسے وہ دن یاد آیا جب اُس نے خرم سے خلع لی تھی تب وہ دن اُس کے لیے خوشیوں کا پیغام لے کر آیا تھا وہ

منصور کو حاصل کرنا چاہتی تھی اس لئے...... جونہی خلع ہوئی وہ سرخ جوڑا پہن کر اپنی سہیلیوں میں گھومنے چلی گئی تھی اُس کے سر سے ایک بڑا بوجھ سرک گیا تھا مگر آج...... اُسی منصور نے اُسے طلاق دے دی تھی۔

تب میں اور اب میں کتنا فرق تھا۔

خرم کو چھوڑ کر اُس نے خوشیاں منائی تھیں اور آج جب منصور نے اُسے چھوڑ دیا تو وہ اپنی بدنصیبی کا ماتم کر رہی تھی۔ اُس روز اُس نے سرخ جوڑا پہنا تھا مگر آج اُس کے بدن پر پیلا ملگجا سا لباس تھا۔ چہرے پر محرومیوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

وہ جب سے ڈیوڈ کے فلیٹ میں آئی تھی، ایک کرسی پر بیٹھی مسلسل سوچ رہی تھی۔ ڈیوڈ مجرم بنا گھر کے کاموں میں مشغول تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا، وہ منیرہ کو کن الفاظ سے تسلی دے۔ ذرا سی دیر بعد وہ چائے بنا کر منیرہ کے پاس لے آیا۔

منیرہ نے بنا کچھ کہے چائے کی پیالی تھام لی۔

''منیرہ جب سے تم آئی ہو، بالکل خاموش بیٹھی ہو، خدا کے لیے کچھ بولو ورنہ اس طرح تم پاگل ہو جاؤ گی۔'' ڈیوڈ نے کہا۔

''خاموش نہیں ہوں ڈیوڈ، اپنے آپ سے باتیں کر رہی ہوں۔'' منیرہ نے سوگوار آواز میں کہا۔

''مجھ سے باتیں کرو منیرہ، تمہارے دل کا بوجھ ہلکا ہوگا۔ منصور نے تمہارے ساتھ بہت زیادہ ناانصافی کی ہے، اُنہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔''

''نہیں، منصور نے جو کچھ کیا وہ ٹھیک ہی کیا ڈیوڈ میں ہی بری ہوں۔ میں اُن کے قابل نہیں تھی۔ اسی لیے انہوں نے جیکی کو ہمسفر چن لیا۔''

''تم ایسا کیوں سوچتی ہو منیرہ، تم تو بہت اچھی ہو۔ سویٹ گرل۔ تمہیں منصور سے اچھا انسان مل جائے گا اگر تم اس واقعہ کو دل سے بھلا سکو۔''

''ڈیوڈ تمہیں میری کہانی معلوم نہیں ہے۔ میں نے تمہیں شروع سے کچھ نہیں بتایا مگر آج میں تمہیں اپنی کہانی سناؤں گی۔ بچپن سے لے کر آج تک کی کہانی جو بہت عجیب سی ہے۔ تم سنو اور پھر فیصلہ کرو بری میں ہوں یا منصور۔''

''ڈیوڈ نے حیرت سے منیرہ کی بات سنی اور پھر کہا'' بتاؤ تم جو کچھ کہو گی میں بہت غور سے

سنوں گا۔''

تب منیرہ نے اپنی کہانی سنا ڈالی۔ بہت تفصیل کے ساتھ اس وقت سے جب وہ اور فخری دوست تھیں اور منیرہ، خرم کے خواب دیکھا کرتی تھی۔ اُس کے بدلتے ہوئے خیالات۔ خرم سے لاتعلقی لاہور کی رہائش، پھول خالہ کی ہدایات، منصور سے ملاقات اور آخر میں خرم سے خلع اور منصور سے شادی...... اُس نے ہر ہر بات بہت تفصیل سے بتا ڈالی آخر میں اُس نے کہا......

''ڈیوڈ، فخری میری دوست تھی، بہت ہی اچھی، بہت ہی عظیم۔ مجھے شادی سے قبل ہی بات پتہ چل گئی تھی کہ فخری، منصور کی بیوی ہے اور میں یہ بھی جانتی تھی اگر منصور کو فخری کے اوصاف پتہ چل جائیں تو وہ ضرور اُسے اپنا لیں گے۔ تب میرے اندر کے برے عنصر نے مجھے بہکایا اور میں نے فخری کی بہت سی برائیاں کر ڈالیں۔ میں نے اپنی دوست کا گھر اُجاڑ دیا ڈیوڈ مجھے اُس کی سزا تو ملنی ہی تھی اور پھر خرم کا بھی دل توڑا تھا۔ ڈیوڈ تم سوچو ان باتوں میں قصور کس کا تھا۔ پھول خالہ نے مجھے صحیح راہ سے بھٹکا کر غلط راہ پر لگایا۔ میں نے زندگی کو غلط انداز میں دیکھنا شروع کر دیا ڈیوڈ چمکتی دمکتی زندگی کو میں نے خوبصورت جان کر اُس کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا مگر جب اپنا آپ بھول کر میں نے اس زندگی کو اپنایا تو پتہ چلا وہ سب کچھ سراب تھا اور اسی سراب کے پیچھے بھاگتے بھاگتے میں نے زندگی کی سب سے بڑی ٹھوکر کھائی۔ منصور مجھ سے بدگمان ہو گئے...... وہ لندن چلے آئے اور تب مجھے ہوش آیا۔ میں نے اپنے آپ کو بدل ڈالا مگر کب؟ جب وقت گزر چکا تھا، میں منصور کی نگاہوں میں اپنا اعتماد کھو چکی تھی فخری کے سلسلے میں میں نے جو کچھ کیا منصور اُسے کبھی معاف نہ کریں گے اور پھر میری کوتاہیاں اتنی بڑھیں کہ منصور میرے متعلق جو کچھ بھی سوچیں کم ہے لیکن ڈیوڈ خدا کی قسم، میں نے کوئی گناہ نہیں کیا، میں بہت ناسمجھ تھی، نادان تھی۔ خالہ کے بتائے ہوئے راستے پر آنکھیں موند کر چل رہی تھی۔ جب اپنے آپ کو پہچانا تو وقت نکل چکا تھا۔ آج میں تہی دامن ہوں۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ میں جانتی ہوں میری طلاق کی خبر ہر جگہ پھیل جائے گی۔ میری ذات سے طرح طرح کے افسانے منسوب کئے جائیں گے۔ میرے اوپر سو سو طرح کے الزامات رکھے جائیں گے مگر میں اپنے دفاع میں کچھ بھی نہ کہہ پاؤں گی۔ ٹھیک ہے میں سب کچھ سننے کے لیے تیار ہوں۔ میں اسی قابل ہوں کہ لوگ مجھے لعن طعن کریں برا بھلا کہیں۔ میری جیسی ناعاقبت لڑکی کی یہی سزا ہونی چاہیے۔''

اتنا کہہ کر منیرہ خاموش ہو گئی۔

''تمہاری کہانی بہت افسوسناک ہے منیرہ مگر اس پوری کہانی میں تمہارا قصور صرف اتنا ہے کہ تم نے خالہ کی باتوں پر عمل کیا۔ تم ناسمجھ تھیں۔ منیرہ لیکن ان باتوں کو سوچ سوچ کر اپنے آپ کو ہلاک کرنے سے کوئی فائدہ نہیں...... منیرہ کیا ایسا ممکن نہیں کہ تم خرم سے دوبارہ شادی کر لو۔ تمہارے مذہب میں کیا ہو سکتا ہے۔''

''ہاں ہمارے مذہب میں دوبارہ خرم سے شادی جائز ہو گی ایسی صورت میں کہ منصور سے طلاق لے چکی ہوں۔ مگر ڈیوڈ یہ تو قطعی ناممکن ہے۔ نہ ہی میں خرم کا سامنا کر سکتی ہوں اور نہ خرم جیسا غیرت مند آدمی اب مجھے قبول کرے گا۔ اس کے علاوہ بھی اب یہ تماشا زندگی میں بار بار نہیں دہرایا جائے گا ڈیوڈ'' میں نے بہت دکھ اُٹھائے ہیں، اب میں کسی آزمائش میں نہیں پڑوں گی۔ نہ تو میرا معاشرہ مجھے قبول کرے گا اور نہ میں خود اپنے آپ کو کسی کے رحم و کرم پر ڈالوں گی۔''

''تو پھر پوری زندگی تم اکیلے کیسے گزارو گی منیرہ۔؟''

''ڈیوڈ تمہیں ہمارے ملک کے رسم و رواج کا اندازہ نہیں ہے وہاں ان میرڈ لڑکیوں کی شادی بھی ایک مسئلہ ہے میری جیسی طلاق یافتہ لڑکی کو کوئی سہارا نہیں دے گا۔ اور اگر بالفرض ہو بھی جائے تو تمام زندگی مجھے شوہر کے طعنے سہنے پڑیں گے اور شکی نگاہوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مجھ جیسی لڑکی کو اس دنیا میں زندہ رہنے کا حق نہیں ہے مجھے مر جانا چاہیے ڈیوڈ۔''

''پلیز منیرہ۔ ایسی حماقت کی باتیں مت کرو۔ تمہاری امی اور سب گھر والے تمہارے منتظر ہوں گے تمہیں یہاں سے جلد از جلد روانہ ہو جانا چاہیے۔''

''لیکن میں اپنے گھر کیا منہ لے کر جاؤں گی۔ اپنے ابو اور بھیا کا سامنا کرنے کی میرے اندر ہمت نہیں ہے۔''

''لیکن وہ سب تمہاری طرف سے فکر مند ہو جائیں گے کیونکہ طلاق کی اطلاع جلد ہی مل جائے گی۔ منصور ضرور لکھیں گے۔''

''ظاہر ہے جانا تو ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اپنے گھر والوں کے لیے رسوائی کا سامان بن کر جاؤں گی۔''

اتنی بہت سی باتیں کر لینے سے منیرہ کے دل کو ذرا ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ ڈیوڈ کے علاوہ اُس کا یہاں کوئی واقف کار نہ تھا، اب مجبوری تھی، وہ جب تک لندن میں تھی، اُسے ڈیوڈ ہی کے ساتھ رہنا تھا۔

دوسرے دن صبح اٹھی تو منیرہ کو سخت بخار تھا۔ تمام رات سوچ سوچ کر وہ ہلکان ہوگئی تھی اور صدمہ نے اُسے بیمار ڈال دیا تھا۔ پورے دو ہفتے اُس کی بیماری میں نکل گئے۔ اور جب بخار نے اُسے چھوڑا تو وہ بہت کمزور اور لاغر ہوگئی تھی۔

اُن ہی دنوں اُسے منصور کے بیٹے کی پیدائش کی اطلاع ملی مگر اب اُس کے اوپر کسی خبر کا اثر نہ ہوتا تھا۔ وہ زندہ درگور ہو چکی تھی۔

نہ چاہتے ہوئے بھی پورے دو ماہ ڈیوڈ کے ساتھ گزارے۔ اس پورے عرصے کے دوران ڈیوڈ نے اُس کا ہر طرح سے خیال رکھا۔ اُس کی بیماری میں اس طرح دیکھ بھال کی جس طرح کوئی سگا بھائی کرتا ہے اور پھر ایک دن اُسے ڈیوڈ سے جدا ہونا ہی پڑا۔

کراچی کے لیے اُس کی پرواز صبح تھی اور آج وہ آخری دن ڈیوڈ کے ساتھ گزار رہی تھی۔ ڈیوڈ جس کو دنیا برا سمجھتی تھی مگر جس نے بھائی کا پیار دیا تھا اور آڑے وقت میں اُس کا ساتھ دیا تھا۔ وہ دکھی اور اکیلا انسان منیرہ سے بہت مانوس ہو چکا تھا اور اب اُس کی جدائی سے پریشان تھا۔

آخری دن اُس نے اپنے مقدور بھر منیرہ کی بہت خاطر مدارات کی اور ڈیوڈ کے اس خلوص پر منیرہ کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔

دوسری صبح منیرہ ڈیوڈ کو خدا حافظ کہہ رہی تھی۔

ڈیوڈ نے چھلکتی آنکھوں اور لرزتی آواز میں کہا۔

''منیرہ میں تمام عمر تمہاری چاہت کو یاد کروں گا جو ایک بہن بن کر تم نے مجھے دی۔ اور میرے اوپر اعتماد کر کے اتنا عرصہ میرے ساتھ گزارا۔''

''میں بھی تا زندگی یاد رکھوں گی ڈیوڈ۔'' منیرہ نے کہا پھر وہ ایک دوسرے سے جدا ہوگئے۔

ذرا دیر میں ڈیوڈ ائیرپورٹ پر کھڑا منیرہ کے جہاز کو فضا میں پرواز کرتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

کراچی ائیر پورٹ پر پہنچ کر منیرہ نے بے بسی سے ادھر ادھر دیکھا ظاہر ہے اُسے لینے یہاں کون آتا جب کہ کسی کو اطلاع بھی نہ تھی...... وہ اپنا سوٹ کیس اُٹھائے آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی ائیر پورٹ سے باہر آگئی۔ اُس کے جسم پر سادہ سا سوتی لباس تھا جس کا رنگ بادامی تھا اور اُس کے کٹے ہوئے بال اب اتنے بڑے ہو گئے تھے کہ وہ آسانی سے پونی ٹیل بنا سکتی تھی۔ چنانچہ ربڑ بینڈ سے کس کر اُس نے بالوں کو پیچھے کیا ہوا تھا۔

وہ بہت دبلی اور کمزور ہو گئی تھی۔

ہاتھ میں سوٹ کیس اُٹھائے نظریں نیچی کئے وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی۔ اُسے معلوم نہیں تھا وہ کہاں جائے گی۔ یا اُسے کہاں جانا چاہیے۔ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے اُس نے باہر نکل کر اپنا سوٹ کیس زمین پر رکھ دیا اور خود چپ چاپ کھڑی ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ اُس کی چند سہیلیاں کراچی میں تھیں جن سے اچھے مراسم تھے اور وہ اُن میں سے کسی کے گھر بھی جا سکتی تھی۔

''مجھے کس کے گھر جانا چاہیے۔ ابھی وہ یہ فیصلہ نہ کر پائی تھی کہ پیچھے سے آ کر کسی نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔

''ثریا جبیں خوبصورت ساری پہنے اُس کے نزدیک کھڑی مسکرا رہی تھی۔

''ارے آپ ثریا باجی۔'' اطمینان سے خوشی کی ایک لہر منیرہ کے تن بدن میں دوڑ گئی۔

''ہاں میں...... میں تمہیں کافی دیر سے...... دیکھ رہی تھی تم نے میری طرف دیکھا ہی نہیں بہت کمزور ہو رہی ہو۔'' کس کے پاس سے آ رہی ہوں اور جانا کہاں ہیں۔

''یہ تو مجھے خود بھی نہیں معلوم مجھے جانا کہاں ہے ثریا باجی۔'' اچانک اِس کے دلی جذبات ہونٹوں سے عیاں ہونے لگے۔ ''آپ یہاں کہاں؟''

''میرے میاں آئے ہیں اسی جہاز سے جس سے تم آئی ہو انہیں لینے آئی تھی۔ ابھی آ رہے ہے

ہیں تمہیں ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر میں ادھر آ گئی بھاگ کر۔''

''اچھا آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ثریا باجی۔ اتنے عرصے بعد ملنا ہوا۔ آپ تو بہت بدل گئی ہیں۔ بالکل پہچانی نہیں جاتیں۔''

''ہاں وقت کے ساتھ انسان بدل جاتا ہے مگر تم اپنے متعلق بتاؤ ابھی تم کیا کہہ رہی تھیں؟''

''میں آپ سے ٹھیک کہہ رہی تھی۔ کافی دیر سے یہی سوچ رہی تھی کہ کہاں جاؤں کہ آپ نے مجھے پکار لیا۔''

''تو آؤ میرے ساتھ میرے گھر چلو۔ میرے خیال میں تم کافی پریشان ہو گھر چل کر تفصیلی بات ہوگی۔''

''منیرہ کے لیے ثریا جبیں کی یہ پیشکش غیبی امداد سے کم نہ تھی، چنانچہ وہ رضامند ہوگئی۔ ویسے بھی زیادہ سے زیادہ اُسے ایک دن رکنا تھا پھر تو اس کی منزل حیدرآباد ہی تھی۔ جہاں اس کا گھر تھا۔ ماں باپ کا گھر جس گھر سے وہ وداع کردی گئی تھی ہمیشہ کے لیے پھر وہیں لوٹ کر جارہی تھی۔ مگر اُس کی طبیعت ٹھیک نہ تھی اور وہ مسلسل سفر کرنے کے قابل نہ تھی اس وجہ سے ایک روز کراچی میں رکنا چاہتی تھی۔

ثریا جبیں کے شوہر نزدیک آئے تو ثریا جبیں نے منیرہ کا تعارف کروایا اور بتایا کہ یہ ہمارے ساتھ ہی چلیں گی۔ منیرہ کو یہ بھی پتہ نہ تھا کہ ثریا جبیں کے یہ دوسرے شوہر ہیں بہرحال اُس نے کوئی سوال کرنا مناسب نہ سمجھا اور چپ چاپ ثریا جبیں کی گاڑی میں بیٹھ کر اُن کے گھر آ گئی۔

ثریا جبیں نے اب گھر تبدیل کرلیا تھا اور اُن کا سکول اب بہت ترقی کر گیا تھا۔ نیچے کے حصے میں سکول تھا اور اوپر کی منزل میں وہ لوگ خود رہتے تھے۔

ثریا جبیں کو اُس کے حالات سن کر افسوس ہوا۔ انہوں نے کہا۔

''تم چند روز ہمارے ساتھ رہو، ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ڈاکٹر کو دکھا کر دوا لے لو، اس کے بعد ٹھیک ہو جاؤ تب حیدرآباد جانا ویسے بھی تمہاری آمد کی اطلاع تو وہاں ہے نہیں۔''

''میں بہت تھک گئی ہوں ثریا باجی۔ ذہنی اور جسمانی طور پر اور میرے اندر ماں باپ کا سامنا کرنے کی ہمت بھی نہیں ہے۔ میں دو تین روز آپ کے ساتھ ضرور رہوں گی۔''

''ماں باپ تو اپنی اولاد کو بہت چاہتے ہیں منیرہ!...... تمہاری طلاق ہوگئی اس میں تمہارا کیا قصور اگر ہوتا بھی، تو بھی تمہارے گھر والے تمہیں تھام لیتے۔ تم اپنے گھر والوں کی طرف سے بے

فکر رہو۔بس کچھ دن آرام کرلو۔اور ہاں دوا ضرور لے لینا۔''

''قریب میں کوئی ڈاکٹر ہو تو حال کہہ کر دوا لے لوں گی۔''منیرہ نے کہا۔

''اے لو۔ مجھے یاد ہی نہیں رہا۔تمہاری دوست فخری تھی نا۔وہ لیڈی ڈاکٹر بن چکی ہے۔اس کا مطب قریب ہی ہے ہم سب وہیں سے دوا لاتے ہیں تم بھی وہیں چلنا۔دوست سے ملاقات بھی ہو جائے گی اور تمہیں مناسب ٹانک وغیرہ بھی بتا دے گی۔''

فخری کا نام سن کر منیرہ کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

وہ جس قدر اپنے واقعات سے بھاگنا چاہتی تھی،واقعات بڑھ بڑھ کر اُس کا دامن تھام لیتے تھے۔

فخری اُس کی زندگی کا ایک لازمی جز بن گئی تھی۔

فخری سے فرار شاید ممکن نہ تھا یہی وجہ تھی کہ ثریا جبیں نے فخری کا تذکرہ کر دیا تھا۔

''فخری کے نام پر تم چپ کیوں ہو گئیں خیریت تو ہے۔''ثریا جبیں نے اُس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

منیرہ نہیں چاہتی تھی ہر بات ہر کسی کو بتا کر عام کی جائے۔اُس لیے اُس نے کہا۔

''فخری میری بہت اچھی دوست تھی۔میں نہیں چاہتی کہ میں اتنے ابتر حالات میں اُس سے ملوں۔وہ مجھے دیکھ کر بھلا کیا سوچے گی۔''

''دوست ایک دوسرے کے متعلق کچھ نہیں سوچتے منیرہ۔یہ تو عزیز اور رشتے دار ہوتے ہیں جو اس قسم کی باتیں سوچا کرتے ہیں۔تم فخری سے ضرور ملنا بلکہ میں خود شام کو اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔''

''منیرہ خاموش ہو گئی وہ فوری طور پر فخری سے نہ ملنے اور کوئی جواز تلاش نہ کر سکی۔

دوپہر کا کھانا کھا کر جب وہ آرام کرنے کے لیے آنکھیں موند کر بستر پر لیٹی تو اُس نے پھر اُسی مسئلے پر سوچنا شروع کر دیا۔

مجھے فخری سے ملنا چاہیے یا نہیں؟

وہ بہت دیر تک سوچتی رہی اور تب اُس نے اپنے آپ سے کہا......

'فخری سے مل لینے میں کوئی حرج بھی نہیں۔میں اور وہ اب ایک ہی ناؤ کے سوار ہیں۔اگر میں منصور کے نکاح میں ہوتی تو شاید اُس سے ملنے کی کبھی بھی جرأت نہ کرتی۔مگر اب حالات

دوسرے ہیں۔ منصور نے مجھے طلاق دے دی ہے اور فخری بھی منصور کی طلاق یافتہ ہے۔ میں فخری سے ملوں گی۔ وہ میری دوست ہے اور فراخ دل بھی۔ میری گزشتہ کوتاہی کو معاف کر کے مجھے مورل سپورٹ ضرور دے گی۔"

منیرہ نے یہ بات سوچ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لیا تھا۔ اور اب وہ آرام سے سو رہی تھی۔

شام کو چھ بجے ثریا جبیں اُسے جگانے آ گئیں۔

منیرہ اُٹھو چائے تیار ہے۔"

"منیرہ اُٹھ گئی۔ وہ کئی گھنٹے سوئی تھی۔ ہاتھ منہ دھو کر جب وہ چائے پینے میز پر آئی تو خود کو کافی فریش محسوس کر رہی تھی۔

ثریا جبیں کے شوہر بھی چائے پر موجود تھے۔ کچھ دیر کی بات چیت کے بعد ثریا جبیں نے منیرہ سے کہا۔

"تم کپڑے بدل کر تیار ہو جاؤ۔ اب فخری کا کلینک کھل گیا ہوگا میں تمہیں لے چلوں گی۔"

"آپ پتہ بتا دیجئے میں خود چلی جاؤں گی، آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"کلینک قریب ہی ہے...... اچھا یوں کرو اپنے بہنوئی کے ساتھ چلی جاؤ، یہ تمہیں کلینک پہنچاتے چلے جائیں گے...... انہیں کسی کام سے ایک جگہ جانا ہے۔"

"ٹھیک ہے بھائی صاحب کے ساتھ چلی جاؤں گی۔"

دراصل منیرہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ ثریا جبیں کی موجودگی میں فخری سے ملے۔

تھوڑی دیر میں منیرہ تیار ہو گئی۔ ثریا جبیں کے شوہر نے اُسے فخری کے کلینک پر ڈراپ کیا اور خود چلے گئے۔

منیرہ نے فخری کے کلینک کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو وہ ایک مریضہ کا حال سن رہی تھی۔

فخری نے...... دروازے کی جانب دیکھا۔ اتنے برسوں بعد اچانک منیرہ کو دیکھ کر وہ بہت حیران ہوئی۔ مگر وہ اپنے اندر کسی خوشگوار جذبے کو جنم نہ دے سکی۔

"اگر اجازت ہو تو آ جاؤں۔" منیرہ نے پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر بکھیرتے ہوئے کہا۔

"آ جاؤ منیرہ ادھر بیٹھو!"...... فخری نے اُٹھ کر ہاتھ ملایا اور رسمی انداز میں کرسی پر بٹھا دیا۔

اس کے بعد پھر وہ اپنی مریضہ سے مخاطب ہوئی۔

منیرہ نے دیکھا مریضہ بہت چارمنگ تھی اُس کے چہرے پر غیر معمولی کشش تھی اور اُس کی

لمبی سی چوٹی زمین تک جھول رہی تھی اُس کی گود میں ایک سال کا گول مٹول بچہ تھا جو اتنا خوبصورت تھا کہ منیرہ اُس کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ جب تک فخری، مریضہ سے مخاطب رہی، منیرہ اس کے بچے سے آہستہ آہستہ چھیڑ چھاڑ کرتی رہی۔ بچہ کھلکھلا کر ہنستا رہا۔

اور جب وہ صاحبہ اپنا بچہ اُٹھا کر جانے لگیں تو منیرہ نے بے اختیار بڑھ کر اُس بچے کے گالوں کو چوم لیا۔ فخری سب کچھ دیکھتی رہی، اُس کی پیشانی پر سوچ کی گہری چھائیاں تھیں۔

مریضہ بچے کو لے کر چلی گئی۔

منیرہ نے کہا۔ ”کتنا پیارا بچہ تھا۔ خواہ مخواہ دیکھ کر پیار آ رہا تھا۔“

”خون کی کشش تھی اسی لیے تمہیں اچھا لگا۔“ فخری نے کہا۔

”کیا مطلب؟ یہ صاحبہ کون تھیں اور یہ کس کا بچہ تھا؟“

”یہ نویدہ تھی تمہارے ماموں زاد بھائی خرم کی دلہن۔ اور یہ خرم کا بیٹا گڈو تمہارا بھتیجا تھا نویدہ آج کل اپنی نند شاہدہ کے یہاں آئی ہوئی ہیں۔ قریب ہی گھر ہے۔“

خرم کی دلہن اور بچے کے متلق سن کر منیرہ خاموش ہو گئی۔ وہ کیا کہہ سکتی تھی مگر دل میں رشک ضرور آیا کہ خرم کی بیوی بہت اچھی تھی اور بچہ تو تھا ہی خوبصورت۔

منیرہ کو خاموش دیکھ کر فخری نے کہا۔

”آج اچانک یہاں کیسے آ گئیں۔ میرا خیال کیسے آ گیا تمہیں؟“

”فخری میں تم سے معافی مانگنے آئی ہوں۔ تم میری دوست ہو، میری کہانی سن کر مجھے ضرور معاف کر دو گی۔“

”دوست“ کا لفظ سن کر فخری کو غصہ آ گیا۔ ”منیرہ میں تمہاری دوست نہیں ہوں۔ تم دوستی کے جذبے کو بدنام مت کرو۔ ہاں اگر اس دوستی وغیرہ سے ہٹ کر کوئی بات ہے تو میں سننے کو تیار ہوں۔ جو پرانی باتیں تھیں وہ گزر چکیں۔ ان کو میں دہرانا پسند نہیں کروں گی۔ میں صرف ایک ڈاکٹر ہوں اور اپنی کلینک میں بیٹھی ہوں اگر تمہیں کوئی مرض ہے تو میں اپنی پوری کوشش سے تمہارا علاج کر کے تمہیں تندرست کرنے کی کوشش کروں گی۔“

”فخری میں تو منصور کے متعلق تم سے کچھ کہنے آئی تھی۔ منصور نے......“

”منیرہ پلیز! میں کسی منصور کی بات ہرگز نہیں سنوں گی۔ منصور سے نہ میرا کوئی تعلق ہے اور نہ واسطہ میں ماضی کو بالکل بھول چکی ہوں۔“

''لیکن تم میری بات تو سنو فخری، تم مجھ سے اس لئے ناراض ہو گی کہ میں نے منصور سے کیوں شادی کی لیکن مجھے یہ بات پہلے معلوم نہ تھی کہ تم منصور کے نکاح میں ہو جب مجھے پتہ چلا تو اس وقت میں منصور کی محبت میں آگے نکل چکی تھی۔''

''بس بس منیرہ فار گاڈ سیک۔ میں کوئی پرانی داستان سننا نہیں چاہتی۔ میرا وقت بہت قیمتی ہے۔ ابھی مجھے ایک کیس دیکھنے جانا ہے تمہیں تمہاری محبت مبارک ہو۔ میں اپنی جگہ بہت خوش اور مطمئن ہوں۔ ہاں ایک بات ضرور کہوں گی تم وہی ہو جو نگہت کو برا بھلا کہا کرتی تھیں کہ کیسی لڑکی ہے بہن کا گھر اُجاڑ رہی ہے۔ تم نے مجھے اپنی دوست اور بہن کہا تھا پھر تم نے بھی میری زندگی میں وہی رول کھیلا جو کبھی نگہت نے مسرت بھابی کے ساتھ کھیلا تھا۔ لیکن یقین کرو منیرہ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے میرے دل میں اب کوئی دکھ نہیں ہے وہ وقت گزر چکا۔'' اتنے میں آیا نے آ کر کہا'' ڈاکٹر صاحب چلئے گاڑی تیار کھڑی ہے آپ کو کیس دیکھنے چلنا ہے۔''

فخری اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''تم میری بات سننے کے لیے تھوڑی دیر رُک جاؤ میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

''ویری سوری منیرہ میں نہیں رک سکتی۔ تم مجھ سے جو کچھ بھی کہو گی اچھا یا برا میرے لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں نے کہا نا کہ میرے دل میں تمہاری طرف سے کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ نفرت نہ محبت میں تمہارے وجود کو بھول چکی ہوں۔ خدا حافظ۔''

فخری آیا کے ساتھ چلی گئی۔

منیرہ جو کہنا چاہتی تھی وہ کہہ بھی نہ سکی۔

فخری کے پاس وقت نہ تھا وہ منیرہ کی کوئی بات سننے کو تیار نہ تھی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اُس کے دل میں منیرہ کے لیے گنجائش نہ تھی۔

منیرہ نے سوچا بے کار ہی تھا اگر وہ بات بتا بھی دیتی کہ منصور نے اُسے چھوڑ دیا ہے تو بھی فخری کے دل میں اُس کے لیے ہمدردی کیسے ہو سکتی تھی؟''

پھر اُسے شدید پچھتاوا ہوا کہ وہ کیوں فخری سے ملنے چلی آئی۔

اُس کی طبیعت مکدر ہو گئی اور وہ ثریا جبیں کے گھر کی طرف چل پڑی۔

ثریا جبیں نے پوچھا تو اُس نے بہانہ بنایا کہ فخری ایک کیس دیکھنے جا رہی تھی اس لئے منیرہ پیا حال، نہ کہہ سکی۔ فخری کی طرف سے اتنے سرد رویے نے اُسے ایک بار پھر غم اور احساس کمتری

کے سمندر میں غرق کر دیا۔

دوسری صبح وہ حیدر آباد جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ثریا جبیں نے بہت روکا مگر اُس کا دل کراچی میں نہیں لگ رہا تھا۔

''ثریا باجی میں جلد از جلد حیدر آباد جانا چاہتی ہوں۔یہاں مزید رکنا فضول ہی ہوگا''

''ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی جاؤ مگر اپنی خیریت کا خط ضروری لکھنا۔''

''جی ہاں اگر حالات ٹھیک ہوئے تو خط لکھوں گی۔''

''ثریا جبیں کے میاں اُسے حیدر آباد کی ٹرین میں سوار کرآئے۔

حیدر آباد کے اسٹیشن پر اُتر کر اُس نے ادھر اُدھر دیکھا۔بہت سے تانگے کھڑے تھے۔وہ لپک کر ایک تانگے میں سوار ہوگئی۔اور ہیرا آباد کا پتہ سمجھا دیا۔

تانگہ اُس کے جانے پہچانے راستے پر تیزی سے بھاگ رہا تھا اور اُس کے خیالات اُس سے زیادہ تیزی سے دوڑ رہے تھے۔

نہ جانے گھر میں کیا حال ہوگا۔

سب لوگ کیسے ہوں گے۔

ابو کا پتہ نہیں کیا حال ہوگا۔وہ میرے متعلق خدا معلوم کیا سوچتے ہوں گے۔منیر بھیا تو شاید بہت ہی زیادہ خفا ہوں گے۔اُسے منیر بھیا سے خوف آتا تھا۔وہ جانتی تھی کہ وہ بہت بااصول آدمی ہیں۔پتہ نہیں اس سے کس طرح ملیں۔یہی سب کچھ سوچتی ہوئی گھر پہنچی تو دوپہر کے تین بج رہے تھے۔

چاروں طرف اس قدر سناٹا تھا کہ اُس کا دل ہول کھانے لگا۔اُس نے آہستہ سے کھٹکا کیا۔

منی بیگم نے آکر دروازہ کھولا۔

دونوں ماں بیٹی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔پھر دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔

دونوں رو رہی تھیں۔

جذبات جدا جدا تھے۔

''تم کہاں تھیں بیٹی، ہم لوگ تمہارے لیے بہت پریشان تھے۔''

''میں لندن میں بیمار ہوگئی تھی اور اسی لیے فوراً نہ آسکی مگر آپ......آپ کو کیا ہوا امی؟'' آپ

اتنی کمزور کیوں ہو گئی ہیں؟"

"کچھ نہیں، تم اندر آؤ ہاتھ منہ دھولو۔"

منیرہ اندر آ گئی۔ گھر میں بہت زیادہ سناٹا تھا۔

"سب لوگ کہاں ہیں امی؟" منیرہ نے پوچھا۔

"وحیدہ اور نجمہ اپنے کمرے میں سو رہی ہیں۔"

"بھیا؟"

"کلینک گئے ہیں شام کو آ جائیں گے تم آرام کرو۔"

"ابو کہاں ہیں؟ اس وقت تک تو وہ گھر میں ہوتے تھے۔"

امی خاموش ہو گئیں۔

"بتایئے امی، آپ چپ کیوں ہو گئیں ابو کہاں ہیں میرے؟"

وہ پھر بھی خاموش رہیں۔ اچانک اُن کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔

منیرہ دوڑ کر ایک بار پھر ماں سے لپٹ گئی۔

"امی۔ امی۔ آپ کو میری جان کی قسم، بتایئے ابو کہاں ہیں؟"

"تمہارے ابو زندہ نہیں ہیں منیرہ اُن کے انتقال کو آج ایک ہفتہ ہو گیا۔"

"لیکن کیوں؟ امی کیوں۔ کیوں چلے گئے۔ کیا ہوا تھا انہیں؟" وہ رو رو کر پوچھ رہی تھی۔

"صبر کرو بیٹی۔ تمہارے باپ کے غم نے مجھے ادھ موا کر دیا ہے میں خود بھی اب مردوں سے بدتر ہوں اوپر سے تمہارا غم تھا۔ اب تم آ گئی ہو۔ شاید دل کو کچھ قرار آ جائے۔"

"لیکن ابو کو کیا ہوا تھا؟"

"منصور کا خط پڑھ کر دو دن تک خاموش رہے۔ تیسرے دن اچانک دل کا دورہ پڑا۔ منیر ہسپتال لے گئے۔ دو تین روز میں بظاہر ٹھیک ٹھاک ہو کر آ گئے مگر اندر کی کسے خبر تھی۔ دس روز پیشتر دوسرا اٹیک ہوا۔ دو دن بعد ختم ہو گئے۔" یہ کہہ کر منی بیگم رونے لگیں۔

منیرہ کے لئے یہ صدمہ نا قابل برداشت تھا۔

تو کیا سچ مچ ابو بھی ختم ہو گئے کیا اب میرا دنیا میں کوئی نہیں؟

"کہاں ہے وہ خط امی۔ مجھے دکھایئے جس نے میرے ابو کی جان لے لی۔ ضرور منصور نے کوئی غلط سلط بات لکھی ہو گی۔" منی بیگم نے منصور کا خط نکال کر منیرہ کو دے دیا۔ منیرہ نے وہ خط

پڑھا۔

اُس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

ابو غیرت مند تھے میرے متعلق اتنی بڑی بڑی باتیں پڑھ کر زندہ نہ رہ سکے۔

''نہیں امی نہیں۔ منصور نے جھوٹ لکھا ہے۔''

وہ اور کچھ نہ کہہ سکی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

شام کو منیر آئے تو منیرہ کو گھر میں دیکھ کر ٹھٹک گئے مگر انہوں نے منیرہ سے کوئی بات کرنا مناسب نہ سمجھا۔ منیرہ کی طرف سے اُن کے دل میں بہت زیادہ غبار بھرا ہوا تھا۔ بلکہ اُس کا چہرہ دیکھ کر ذلت کا احساس بہت شدید ہو گیا تھا۔ اُن کی بہن آوارہ تھی اسی لیے منصور نے اُسے چھوڑ دیا تھا۔ یہ بات منیر کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ اور وہ منیرہ سے بات کرنا اپنی توہین سمجھتے تھے۔

منیرہ نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ منیر اُس سے بات کرنا نہیں چاہتے۔ وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں پڑی آنسو بہاتی رہی۔

وہ خود ہی منیر کے سامنے جانے سے گریز کرنے لگی۔ یہاں تک اُسے واپس آئے تین دن گزر گئے۔ منیر کا رویہ ویسا ہی نفرت انگیز تھا۔ اور منیرہ کی سمجھ میں نہ آتا تھا وہ اپنی بے گناہی کا یقین کن الفاظ میں دلائے۔

اُسے اپنی زندگی بے معنی اور بے کار نظر آنے لگی۔

خرم کو اُس نے اپنی مرضی سے چھوڑا تھا۔ منصور نے اُسے غلط فہمی کی بنا پر چھوڑ دیا۔ دنیا میں جو سب سے عزیز دوست تھی فخری وہ بھی اُس کی خود غرضی کی بھینٹ چڑھ چکی تھی۔ اُس نے بھی منیرہ سے بات کرنا پسند نہ کیا۔ ایک ابو تھے جو اُسے پوری دنیا میں سب سے زیادہ پیار کرتے تھے وہ بھی اُسی کے لگائے ہوئے زخموں کی تاب نہ لا سکے اور ختم ہو گئے۔ ابو کی موت کے بعد امی خود زندہ در گور تھیں۔ ایک منیر بھیا رہ گئے تھے...... وہ بھی نفرت کرتے تھے۔

پھر اس زندگی سے کیا فائدہ؟

ذلت سہنے اور غم اٹھانے کی بھی حد ہوتی ہے۔

میں نے زندگی سے کیا پایا؟

کچھ بھی نہیں۔

زندگی ایک سیراب تھی۔

سراسر دھوکا۔
جس نے زخموں کے سوا کچھ نہ دیا۔
پھر اس زندگی سے کیا فائدہ؟
میں کیوں جی رہی ہوں۔
میرا کوئی نہیں
کسی کو میری ضرورت نہیں۔

مجھے ختم ہو جانا چاہیے۔ میری ہی وجہ سے فخری نے منیر بھیا سے شادی سے انکار کیا۔ اسی لیے شاید وہ مجھے معاف کرنے کو تیار نہیں۔ امی مجھے سب کچھ بتا چکی ہیں۔ اگر میں ختم ہو گئی تو فخری اور منیر بھیا کے درمیان کوئی اختلاف حائل نہ ہو گا۔

منیر بھیا کی دلی تمنا پوری ہو جائے گی۔
فخری اُن کی ہو جائے گی۔
اپنی زندگی میں میں نے کسی کو سکھ نہ دیا۔
موت سود مند ہو سکتی ہے
مجھے مر جانا چاہیے۔

خواب آور گولیوں کی شیشی اُسے میز کی دواؤں کی الماری سے بآسانی مل گئی۔
ہاں یہ ایک شیشی میری ہستی کو ختم کر دے گی۔
اُس نے وہ شیشی بہت احتیاط سے اپنے پرس میں رکھ لی۔
رات ہوئی تو وہ اپنا آخری خط منیر بھیا کے نام لکھنے بیٹھ گئی۔

''منیر بھیا!

منصور کے خط نے آپ سب کو میری طرف سے بدظن کر دیا ہے وہ تمام الزامات جھوٹے...... ہیں جو میرے اوپر لگائے گئے۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا لیکن میں اس قابل بھی نہیں کہ اپنی بے گناہی کا ثبوت فراہم کر سکوں۔ البتہ چند باتیں کہنا چاہتی ہوں۔ یہ میرا آخری خط ہے۔ اس لئے اسے پڑھئے گا ضرور اور ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے گا۔

آپ کی بہن منیرہ بہت اچھی، بہت شرمیلی لڑکی تھی۔ خرم کو پسند کرتی تھی لیکن پھول خالہ نے اپنی کوششوں سے اُسے بدل ڈالا۔ خرم کے خلاف بھڑکا کر اور اُن کی تذلیل کر کے میری نگاہوں

میں اُن کا مقام گرا دیا۔ پھر مجھے فیشن، چمک دمک اور بے حیائی کی دنیا سے روشناس کرایا۔ منیر بھیا، میں ناسمجھ نادان تھی ان باتوں پر آنکھ بند کر کے عمل کرنے لگی۔ خرم مجھ سے علیحدہ ہو گئے پھر منصور سے ملاقات ہوئی اور پھول خالہ کی تمام تر ہدایات پر چلتے ہوئے نہیں سمجھتی تھی اور نہ ہی دل سے برا جانتی تھی...... نعیم کے متعلق جو جو کچھ منصور نے لکھا وہ بالکل درست ہے لیکن ایک بات ہے بھیا...... نعیم ہمیشہ ہمارے گھر آتے رہے، مجھے گلے لگا کر پیار کرتے رہے اس بات پر ہمارے گھر میں کبھی کسی کو اعتراض نہ ہوا۔ امی خوب زور زور سے قہقہے لگایا کرتی تھیں۔ ابو نے بھی کبھی کچھ نہیں کہا اور آپ بھی خاموش رہتے تھے...... نعیم کا رویہ ہمیشہ ویسا ہی رہا۔

شادی کے بعد بھی وہ ہمارے گھر آتے رہے اور اپنی پرانی روش برقرار رکھی۔ منصور کو یہ باتیں پسند نہ ہوں گی۔ ایک روز میں بہت دل گرفتہ تھی کہ نعیم آ گئے اور میں سب کچھ بھول کر اُن کے سینے سے لگ گئی ہمیشہ کی طرح اس میں کوئی بات نہ تھی میرے لئے وہ پیار کرتے رہے دلاسہ دیتے رہے۔ خدا کی قسم منیر بھیا میرے دل میں کوئی میل نہ تھا...... میں نعیم کے دل کا حال نہیں جانتی۔ منصور مرد تھے وہ ایک مرد کی فطرت کو سمجھتے ہوں گے۔ آپ بھی مرد ہیں آپ کو معلوم ہو گا۔ مگر میں لاعلم تھی اور آج بھی لاعلم ہوں۔

منصور نے یہ سب کچھ دیکھا اور بددل ہو گئے۔ یہ جان کر کہ فخری اُن کی بیوی تھی وہ اُسے طلاق دے کر پچھتاتے تھے۔ نعیم کی بات دیکھ کر اور زیادہ ناراض ہو گئے آپ بھی مجھ سے شدید نفرت کرتے ہیں۔ امی نے مجھے وہ سب باتیں بتائی ہیں جو آپ کے اور فخری کے درمیان ہوئی تھیں۔

بھیا شاید آپ کو یقین نہ ہو میری بہت بچپن سے یہی آرزو تھی کہ فخری میری بھابی بنے مگر منہ سے کبھی کہا نہ تھا کیونکہ فخری کے حالات نامناسب تھے۔ پھر تقدیر نے دوسرا کھیل کھیلا۔ اور فخری مجھ سے جدا ہو گئی۔ منیر بھیا میں نے زندگی میں کوئی خوشی نہ دیکھی۔ موت کو گلے لگانا بہت مشکل کام ہے مگر دوسروں کی خوشی کی خاطر یہ زہر پینا ہی پڑے گا۔

میں اپنے آپ کو ختم کر رہی ہوں میری یہ وصیت اور خواہش ہے کہ آپ فخری سے شادی کر لیجئے گا۔ میری موت کے بعد فخری کے لیے انکار کی گنجائش نہ رہے گی۔ آخر میں بس اتنا ہی کہوں گی کہ میری باتوں کو سچ جان کر اگر ممکن ہو تو معاف کر دیجئے گا۔ فقط

آپ کی ناکردہ گناہ بہن

منیرہ

لرزتے آنسوؤں کے ساتھ منیرہ نے خط ختم کیا پھر ایک لفافہ میں بند کر کے اُس پر منیر کا نام تحریر کیا۔ خواب آور گولیوں کی پوری شیشی اُس کے پاس تھی اُس نے آہستہ آہستہ گولیاں نگلنی شروع کر دیں۔

ایک کے بعد ایک۔

اور رفتہ رفتہ پوری شیشی خالی ہو گئی۔

دوسری صبح منی بیگم منیرہ کو اُٹھانے گئیں تو منیرہ کی سانس بہت آہستہ چل رہی تھی۔ خواب آور گولیوں کی خالی شیشی اور ایک خط سرہانے پڑا تھا۔

اُنھوں نے گھبرا کر منیر کو پکارا۔

منیر آئے اور اپنے نام خط دو منٹوں میں پڑھ ڈالا۔

''منیرہ!...... منیرہ!!''

انہوں نے آوازیں دیں مگر منیرہ کی حالت خراب تھی۔

فوری طور پر منیر اُسے ہسپتال لے کر بھاگے تا کہ اُس کی جان بچائی جا سکے۔

پاکستان ویب وقار اعظم ڈاٹ کام

اصغر علی اور فرح کی شادی ہوئے دو ماہ گزر چکے تھے اُن کی زندگی میں خوشی اور مسرت کے دیپ جھلملاتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کو پا کر اپنی قسمت پر آپ ہی رشک کرتے تھے۔ مگر اصغر علی، فخری کی وجہ سے اکثر پریشان رہا کرتے تھے۔ اس کے بہتر مستقبل کی انہیں بہت فکر تھی اور اُن کی اس پریشانی میں فرح برابر کی شریک تھی۔ فرح نہ جانے کتنی بار فخری سے کہہ کہہ کر تھک گئی تھی مگر وہ کسی طور شادی پر آمادہ نہ ہوتی تھی۔ اگرچہ فخری کے پاس کوئی معقول جواز موجود نہ تھا مگر پھر بھی وہ برابر انکار کرتی رہی تھی۔

پھر ایک روز فرح نے اُسے گھیر ہی لیا۔

''فخری آج تو میں تم سے پوچھ کر ہی رہوں گی آخر تم اپنے متعلق سیریسلی کیوں نہیں سوچتی ہو؟''

''اپنے متعلق جو کچھ سوچا ہے سیریسلی ہی سوچا ہے بھابی جان!'' فخری نے مسکرا کر کہا۔

''آخر آپ لوگوں کو میرا وجود اس قدر ناگوار کیوں گزرنے لگا ہے؟''

''فخری میں تم سے دوست کی حیثیت سے بات کر رہی ہوں۔''

''میں بھی اُسی حیرت سے جواب دے رہی ہوں۔''

''نہیں جب تم تکلف برتتی ہو تو مجھے بھابی جان کہہ کر مخاطب کرتی ہو۔ اور جب دوست بن کر بات کرتی ہو تو نام لیا کرتی ہو۔''

''نہیں جب کسی بات کو بہت اہمیت دیتی ہوں تو تب بھی بھابی جان کہہ کر بات کرتی ہوں۔''

''فخری کبھی تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ تمہارے بھیا تمہارے لئے کتنے پریشان رہتے ہیں۔''

''اُن کی پریشانی خودساختہ ہے، میں کیا کر سکتی ہوں۔''

''فخری تم ایک بھائی بن کر سوچو بہن کے لیے۔ اُن کے دل پر کیا گزرتی ہو گی آخر تم شادی کیوں نہیں کرو گی۔ وجہ بھی تو معلوم ہو۔''

''وجہ کوئی نہیں فرح۔ بس میرا دل نہیں چاہتا۔''

''یہ تو بچوں جیسی بات ہوئی فخری۔ شادی کرنے کو کس کا دل چاہتا ہے۔ یہ تو ایک ضرورت ہے۔''

''تو تمہارا دل تھا بھیا سے شادی کرنے کا تم نے ضرورتاً یہ فریضہ انجام دیا ہے۔''

فخری نے ہنس کر کہا تو فرح شرمندہ ہو گئی۔

''تم بات کو مذاق میں مت ٹالو۔ شادی تو ہر ایک کی ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہئے پھر تم جیسی لڑکی جس میں دنیا بھر کی صفات جمع ہیں اگر شادی سے انکار کرے تو انتہائی باعث شرم بات ہے۔''

''فرح میں اس ٹاپک پر سوچنا نہیں چاہتی خدا کے لیے مجھ سے یہ سوال نہ کرو۔''

فرح کہہ کہہ کر، سمجھا سمجھا کر تھک گئی مگر فخری کی ''نا'' ''ہاں'' میں نہ بدل سکی۔

اور فخری نے آدمی رات کو اپنے بیڈروم میں لیٹے ہوئے انتہائی وثوق سے سوچا۔

''میرے دل کی دھڑکن تمہارے سوا کوئی نہیں سن سکتا ڈاکٹر صفدر۔ ایک دن تم ضرور آؤ گے میری تلاش میں صرف میرے لیے...... تم جو سچائی کی تلاش میں ملکوں ملکوں پھرے تھے اور تم نے ایک بار اُسی سچائی کو تھام لیا تھا وہ سچائی وہ حقیقت آج بھی تمہاری منتظر ہے۔ ہر آہٹ پر چونک چونک جاتی ہے اس یقین کے ساتھ کہ آنے والا ایک دن ضرور آئے گا۔

کبھی پلٹ کر نہ جانے کے لیے۔

میں اپنے دل کے دروازے کیسے بند کرلوں ڈاکٹر صفدر جب...... کہ مجھے یقین ہے کہ تم دستک دینے ضرور آؤ گے۔

آج نہیں تو کل۔

کل نہیں تو پرسوں۔

کبھی نہ کبھی وہ سورج ضرور طلوع ہوگا جو مجھے تم سے ملادے گا۔

کسی کو میرے دل کی خبر نہیں۔

کوئی میرے جذبوں کو نہیں سمجھتا۔

''میرے دل کا بھید کون جان سکتا ہے۔

مگر تم تو جانتے ہونا!

بس اسی اُمید پر ایک دیا جلائے بیٹھی ہوں۔

آس کا دیا۔

دنیا کی کوئی طاقت، کوئی طوفان اُس دیئے کو بجھا نہ سکے گا ڈاکٹر صفدر۔

خواہ کتنا ہی عرصہ بیت جائے۔
میں تمہارا انتظار کروں گی۔
تمہاری آنکھیں جو کہانی سنایا کرتی تھیں وہ کہانی مجھے آج بھی یاد ہے۔
تمہارے گرم گرم مضبوط ہاتھ میں میرا ہاتھ آج بھی لرز رہا ہے۔
میں پوج رہی ہوں۔
پوری نیک نیتی سے خوض سے۔
اور میں نے تمہیں کب نہیں پوجا تھا۔
تم ضرور جانتے ہوگے۔
میرے دل کا بھید اگر تم نے نہ جانا پھر بھلا کون جانے گا۔
بھلا فرح کو ان باتوں کی کیا خبر۔
بھیا میری کیفیت کو کیا جانیں۔
مگر انتظار بہت طویل ہو گیا ہے صفدر۔
میں جو اوپر سے اتنی پرسکون نظر آتی ہوں اندر سے بکھر رہی ہوں۔
مجھے آ کر تھام لو ڈاکٹر صفدر۔
فخری نے آنکھیں موند لیں۔

جس روز فرح اس سے شادی کے مسئلے پر بات کرتی تھی اُس روز ڈاکٹر صفدر کی یادوں کی یلغار بہت شدید ہو جایا کرتی تھی اور وہ ان ہی کے متعلق سوچتے سوچتے ان سے باتیں کرتے کرتے سو جایا کرتی تھی۔

پھر چند ہی روز بعد اُسے معلوم ہوا ڈاکٹرز یونین کی ایک گیدررنگ ہو رہی ہے اس کے پاس بھی......دعوت نامہ آیا۔

فرح اور اصغر علی اس روز ایک دعوت میں مدعو تھے۔ فرح نے فخری سے معذرت کر لی اور فخری کو اس گیدرنگ میں شرکت کے لیے تنہا ہی جانا پڑا۔

ہوٹل میٹروپول کے لان میں بیٹھنے کا انتظام تھا۔ ڈاکٹرز اور لیڈی ڈاکٹرز جوق در جوق چلے آرہے تھے۔ فخری نے نارنجی شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ ہاتھ میں سرمئی رنگ کا چھوٹا سا بیگ تھا، اُس کی بہت واقف کار لیڈی ڈاکٹرز موجود تھیں۔ وہ جلد ہی ان لوگوں میں شامل ہو گئیں۔

شام بہت ٹھنڈی اور معطر معطر سی تھی۔ یہاں آ کر اُسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

وہ اپنی ایک پرانی کلاس فیلو رضیہ سے باتیں کر رہی تھیں۔ طالب علمی کے دوران رضیہ بہت پرلطیف باتیں کرتی تھی۔

آج بھی اُس کا انداز وہی تھا۔

فخری اُس کی باتیں سن سن کر محفوظ ہو رہی تھی۔

تب ہی اُسے اپنے چہرے پر کسی کی تپش کا احساس ہوا۔

کوئی اسے گھور رہا تھا۔

وقفے وقفے سے!

اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔

وہ کون تھا؟

اونچے سے قدم کا۔ سیاہ سوٹ پہنے ہوئے۔

ڈاکٹر انور سے باتیں کرتا ہوا۔

ایک لمحہ کے ہزارویں حصے میں وہ پہچان چکی تھی۔

یہ ڈاکٹر صفدر تھے۔

اتنے سال گزر جانے پر بھی اُن میں ذرہ برابر فرق نہ آیا تھا۔

چہرے کی وہی شگفتگی۔

وہی دھیمی دھیمی مسکراہٹ۔

وہی وقار۔

وہی رکھ رکھاؤ۔

تو آخر کار میرے دل کی دھڑکن تم تک پہنچ ہی گئی۔

تم آ گئے ہو ڈاکٹر صفدر..... اُس نے بہت مطمئن ہو کر سوچا۔

ڈاکٹر صفدر اُسے مسلسل دیکھ رہے تھے۔

وہ بھی اپنی نگاہیں اُٹھانے پر مجبور تھی۔

پھر وہ قدم بڑھاتے اُس کے نزدیک آ گئے۔

نگاہوں سے نگاہیں ملیں۔

اب ساکت ہو گئے۔

دونوں طرف ایک ہی کیفیت تھی۔

ایک ہی سوال تھا۔

کیا خبر ڈاکٹر نے شادی کر لی ہو۔

کیا خبر فخری اپنے سسرال جا چکی ہو۔

ایک ہی خیال۔

ایک ہی سوال۔

مگر نگاہوں کی بے قراری نے ہر سوال کو پس پشت ڈال دیا۔

''فخری آپ۔'' ڈاکٹر نے بڑی مشکل سے کہا۔

''جی ہاں میں...... آپ نے مجھے پہچان لیا۔''

''پوری دنیا میں صرف آپ ہی کو پہچانتا ہوں۔ آپ جانتی ہیں پھر یہ سوال کیوں کیا آپ نے؟''

''غلطی ہو گئی۔ کب آئے آپ۔''

''اسی ہفتے واپس لوٹا ہوں۔ کیا آپ کو میرا انتظار تھا؟''

''اس سوال کا جواب آپ کو معلوم ہے پھر کیوں پوچھتے ہیں۔ فخری نے مسکرا کر کہا۔

اُس کی نظریں آپ ہی آپ جھک گئیں۔

''فخری آپ اپنا ایڈریس دے دیجئے۔ آپ سے تفصیلی ملاقات کرنے آؤں گا۔''

''فخری نے بیگ سے کلینک کا کارڈ نکال کر اُن کو دے دیا۔

''یہ میرے کلینک کا پتہ ہے۔ ویسے میں اپنے بھیا کے ساتھ یونیورسٹی کیمپس میں رہتی ہوں۔ بھیا میتھ میٹکس ڈیپارٹمنٹ میں ہیں۔''

''شکریہ فخری۔ میرا انتظار کرنا'' انہوں نے کارڈ جیب میں رکھتے ہوئے کہا اور دوسری طرف بڑھ گئے۔ اس جگہ ان سے زیادہ باتیں کرنے کا موقع نہ تھا۔

پھر وہ شام اس کی زندگی کی سب سے حسین شام بن گئی۔

اُس کا انگ انگ خوشی سے ناچ رہا تھا۔

رات کو جب گھر لوٹی تو اُس کی تمام بے قراری، سکون میں بدل چکی تھی۔

اُس کا چاہنے والا لوٹ آیا تھا۔

جس کے انتظار میں اُس نے آس کا دیپ جلایا تھا وہ پلٹ آیا تھا۔

لمحے سمٹ گئے تھے۔

ڈاکٹر صفدر سے جدا ہوئے صرف چند لمحے ہی تو ہوئے تھے اُسے یوں ہی لگتا تھا۔

شہنائیوں کی آواز تمام رات اُس کے کانوں میں گونجتی رہی۔

دوسری صبح جب وہ کلینک پہنچی تو اُس کا کسی کام میں جی نہ لگتا تھا اُسے ڈاکٹر صفدر کا بہت زیادہ انتظار تھا۔

وہ جانتی تھی آج ہی اسی وقت ڈاکٹر صفدر اُس کے پاس آئیں گے۔

اور اس کا یقین درست ثابت ہوا۔

ذرا سی دیر بعد وہ اپنی تمام تر وجاہت اور شگفتگی کے ساتھ اُس کے برابر بیٹھے تھے۔

کوئی گلہ نہ شکوہ۔

بس ایک خیال۔ایک ذکر۔

''اتنے برسوں کیوں لگا دیئے آپ نے؟''فخری نے پوچھا۔

''میں نے تم سے کہا تھا نا فخری کہ اپنے آپ کو اذیت دینا بہت مشکل کام ہے۔اس لیے میں یہاں سے جا رہا ہوں تو بھئی میں نے یہ ملک چھوڑ دیا تھا مگر تمہاری یاد ہمیشہ ساتھ ساتھ رہی۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ تم اپنے گھر جا چکی ہو گی، منصور کے پاس تم نے یہی کہا تھا کہ خالو جان کا خط آیا ہے اور میں سمجھ گیا تھا کہ تمہارے بلاوے کا خط ہوگا۔ پھر میری اُمیدیں ٹوٹ گئی تھیں اور میں نے تمہارا ملک چھوڑ دیا تھا۔اس کے بعد ایک بار آنے کا ارادہ کیا مگر میرے آنے سے قبل ہی موت کی اطلاع مل گئی۔ میں بدنصیب تھا ماں کی میت میں شریک نہ ہو سکا۔ دنیا میرے لئے تاریک ہو گئی میں نے آنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ماں کی موت کا صدمہ بہت زیادہ تھا۔

کچھ پچھتاوے بھی تھے۔

کیا کرتا۔اپنے آپ کو دلاسے دیتا رہا۔

خود کو بہلاتا رہا۔

اتنے سال بیت گئے۔

جب تنہائی کا احساس شدت اختیار کر جاتا،تمہاری صورت نگاہوں میں گھوم جاتی کچھ دنوں سے بے قراری بہت بڑھ گئی تھی دل کو یہی خیال ہوتا تھا کہ تم تنہا ہو۔

میرا انتظار کر رہی ہو۔
تمہاری زندگی میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہوگی۔
مجھے لوٹ آنا چاہیے۔
فخری شاید تم یقین نہ کرو اکثر میں نے تمہاری آواز بھی کانوں کے بہت قریب سنی ہے۔
اور پھر میں لوٹ آیا۔
آج تمہارے سامنے ہوں۔''
فخری چپ چاپ صفدر کی لمبی چوڑی باتیں سن رہی تھی۔ وہ رکے تو اُس نے کہا۔
''وہ بات تو تب ہی ختم ہوگئی تھی۔ خالو جان کا خط بلاوے کا نہیں بلکہ میری رہائی کے متعلق تھا۔''
''تم نے مجھ سے کیوں نہ کہا؟''
''آپ نے پوچھا کب تھا۔''
''خیر اب جو گزر چکا اُسے بھول جاؤ فخری۔ مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کل کی بات ہے کوئی زمانہ کوئی ساعت ہمارے درمیان حائل نہیں ہوئی۔''
فخری نے مسکرا کر ڈاکٹر صفدر کی طرف دیکھا۔
کتنی یکسانیت تھی اُس کے اور ڈاکٹر صفدر کے خیالات میں۔
دونوں کو باتیں کرتے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا۔
مریض انتظار کر رہے تھے۔
ڈاکٹر صفدر نے آج شام اُس کے گھر آنے کا وعدہ کیا۔
وہ جلد از جلد فخری کا ہاتھ تھام لینا چاہتے تھے۔
فخری نے مسکراتی نگاہوں سے خدا حافظ کہا۔
شام ڈھلے جب ڈاکٹر صفدر اچانک اصغر علی کے گھر آئے اور فرح اپنے پرانے قابل اُستاد کو دیکھ کر کھل اُٹھی۔
''آپ کو ہمارے گھر کا پتہ کیسے ملا؟'' فرح نے باتوں کے درمیان ان سے سوال کیا۔
''کل فخری سے ملاقات ہوئی تھی ان ہی سے لے لیا تھا پتہ۔''
''فخری کچن میں مصروف تھی۔
فرح بھاگ کر فخری کے پاس آ گئی۔

''ڈاکٹر صاحب تمہارے بھیا سے تمہارے لئے بات کر رہے ہیں۔''

فخری کا چہرہ گلابی ہو گیا۔

''تو یہ بات ہے۔'' فرح نے اس کے گال نوچے۔ ''اتنے عرصے سے ڈاکٹر کی پوجا ہو رہی تھی۔ میں بالکل پاگل ہوں اتنی بڑی بات، سمجھ نہ سکی۔''

''اگر آپ کی بات مان لیتی بھابی جان تو آج ڈاکٹر صفدر کو کیا جواب دیا جاتا۔''

''بڑا یقین تھا اُن پر؟''

''دیکھ لیجئے کس طرح پورا ہوا ہے میرا یقین۔''

''پہلے کیوں نہیں بتایا تھا؟''

''کیا خبر تھی وہ کب لوٹ کر آئیں گے یہ بھی ممکن تھا عمر بیت جاتی۔''

''اتنی چاہت؟''

''ہاں اتنی ہی۔''

خوشی سے فرح کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

''فخری میری بہن خدا تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔ تم زندگی کی بے شمار خوشیاں دیکھو۔''

''آمین۔''

اصغر علی نے پیچھے سے کہا......

تو

فخری نے شرم سے اپنا چہرہ گھٹنوں میں چھپا لیا۔

فرح نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

اصغر علی کے سر سے ڈھیروں بوجھ اُتر گیا۔

اُنہوں نے اپنی بیوی کے آخری جملے سن لئے تھے وہ سمجھ گئے کہ فخری کو اس رشتے پر انکار نہیں ہے۔

ڈاکٹر صفدر کی خوب خاطر مدارات کی گئی۔

فخری اس روز اُن کے سامنے نہ گئی۔

اصغر علی اور فرح نے ڈاکٹر صفدر کے گھر جلد ہی آنے کا وعدہ کیا اور وہ ہنسی خوشی رخصت ہو گئے۔

پاکستان ورچوئل لائبریری

فخری کی شادی کا اہتمام زبردست پیمانے پر کیا گیا تھا۔ اصغر علی اپنی زندگی کا ہر ارمان فخری کے بیاہ پر پورا کرنا چاہتے تھے۔ انہیں اپنے سب بھائی بہنوں میں سب سے زیادہ فخری ہی سے پیا تھا۔ فخری کی ٹریجک زندگی نے انہیں اس سے اور زیادہ قریب کر دیا تھا۔ فخری ہی کی وجہ سے اُس کی دوست فرح اُن کی زندگی میں شامل ہوگئی تھی اور اب فخری اپنے گھر کی ہونے جا رہی تھی۔

یونیورسٹی کیمپس کے بہت سے لوگ مدعو تھے۔

فخری کی تمام لیڈی ڈاکٹرز دوست شریک تھیں۔

خاندان کے دور نزدیک کے سب ہی رشتے دار بلائے گئے تھے۔

مسرت بھابی اپنے بچوں سمیت شادی میں شرکت کرنے آئی تھیں۔ مسرت بھابھی کے بچے اب بڑے ہو گئے تھے اور مختلف کلاسوں میں تعلیم پا رہے تھے۔ خود مسرت بھابی ایک اسکول میں ہیڈ ٹیچر لگی ہوئی تھیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ اُن کی مسکراہٹیں اب سنجیدگی میں بدل چکی تھیں اُن کے صبیح چہرے پر موٹے شیشوں کی عینک تھی۔

فخری کی شادی کی خبر اُن کے لیے بہت خوش کن تھی۔

بارات میں مختصر سے افراد تھے۔ ڈاکٹر صفدر کے نہ تو ماں باپ زندہ تھے نہ اُن کا کوئی بھائی یا بہن تھی۔ چند قریبی رشتے دار اور دوست آئے تھے۔

عصر اور مغرب کے درمیان ڈاکٹر صفدر اور فاخرہ ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کے ہو گئے۔

فخری کو دُلہن بنایا گیا۔

اس پر اتنا روپ اتنا نکھار تھا کہ دیکھنے والوں کی نگاہیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ ریحانہ بھی اپنے دونوں بچوں سمیت چند روز قبل ہی آ گئی تھی اپنی باجی کی شادی کی سب سے زیادہ خوشی وہی منا رہی تھیں البتہ دُرّی کو اپنی پیاری خالہ سے جدا ہونے کا رنج تھا۔

اصغر علی کے دل پر متضاد کیفیتیں عمل کر رہی تھیں۔

ایک طرف فخری کی مناسب شادی کی خوشی تھی۔

دوسری طرف اُس کی جدائی کا ملال تھا۔

رُخصتی کا وقت آن پہنچا۔

فخری بھائی کے گلے لگ کر بے اختیار ہو گئی۔

اتنا روئی اتنا روئی کہ آس پاس کھڑے سب ہی لوگ آنسو بہانے پر مجبور ہو گئے۔

اصغر علی کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

فرح کی آنکھیں رو رو کر لال ہو گئی تھیں۔

آج فخری اس گھر سے جا رہی تھی۔

فخری اس گھر کی رونق تھی۔

اصغر علی کی چہیتی بہن۔

پیاری سی دوست۔

آج ہمیشہ کے لیے نئے گھر جا رہی تھی۔

یہ خوشی کا مقام تھا مگر غم کے آنسو مچل رہے تھے۔

اصغر علی نے کانپتے ہاتھوں سے بہن کو دولھا کی گاڑی میں سوار کیا۔

ذرا سی دیر میں وہ سب کو آنسو بہاتا چھوڑ کر پیا گھر سدھار گئی۔

شادی کے تیسرے روز ڈاکٹر صفدر اور فخری ہنی مون منانے کے لیے مری روانہ ہو گئے۔

مری کی معطر ہواؤں نے انہیں خوش آمدید کہا۔

وہ ایک دوسرے سے گم ہو کر پل پل گزارنے لگے۔

ہر جانب سے مسرتوں کی بوچھار تھی۔

چاہتوں کے دیپ روشن تھے۔

زندگی کیا ہے، اصل خوشی کیا ہوتی ہے، روح کی تسکین کسے کہتے ہیں۔ یہ سب کچھ فخری کی سمجھ میں آ گیا تھا۔

وہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اونچی نیچی پگڈنڈیوں پر چلتے جا رہے تھے۔

"آؤ فخری اُس پہاڑی پر چلتے ہیں وہاں سے ہم ڈوبتے سورج کا نظارہ دیکھیں گے۔"

''آیئے۔''

وہ دونوں آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتے ہوئے پہاڑی پر پہنچ گئے۔

''کتنا پیارا نظارہ ہے۔'' فخری نے خوش ہو کر کہا۔

''دیکھو اتنا بڑا سرخ گولا زمین میں دھنس رہا ہے۔'' ڈاکٹر نے کہا ''یوں لگتا ہے کوئی دلہن عروسی جوڑا پہنے ابھی رخصت ہونے کو ہے۔''

''واہ کیا خوبصورت تشبیہہ ہے۔'' فخری نے ہنس کر کہا۔

''اگر میرے پاس کیمرہ ہوتا تو میں اس منظر کو مقید کر لیتا۔''

''یہ لیجئے سورج غروب ہونے کو ہے۔''

''اور اب خوبصورت رات پھیل جائے گی۔ ستارے جھلملانے لگیں گے چاندنی بکھر جائے گی۔''

''آپ تو باقاعدہ شاعری کرنے لگے ہیں۔''

''تمہاری قربت کا کرشمہ ہے۔''

''اچھا اب اُٹھئے یا یہیں بسیرا کرنے کا ارادہ ہے۔''

''آؤ چلیں۔''

وہ دونوں ایک دوسرے کا سہارا لئے قدم سے قدم ملائے آگے بڑھنے لگے۔

ڈاکٹر فرح کلینک میں اکیلی بیٹھی تھیں۔

''کوئی ڈاکٹر صاحب آئے ہیں......'' آیا نے آ کر اطلاع دی۔

''کمرے میں بیٹھاؤ میں آ رہی ہوں۔'' فرح نے کہا۔

ذرا سی دیر میں ڈاکٹر فرح اُٹھ کر ملحقہ کمرے میں آ گئیں۔ جہاں ڈاکٹر منیر بیٹھے ہوئے تھے۔

فرح کو دیکھ کر ڈاکٹر منیر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''مجھے ڈاکٹر منیر کہتے ہیں میں ڈاکٹر فخری سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''تشریف رکھئے آپ غالباً فخری کے دوست منیرہ کے بڑے بھائی ہیں۔''

''جی ہاں آپ نے درست پہچانا۔ آپ منیرہ کو جانتی ہیں؟''

''جی ہاں وہ کالج میں میری کلاس فیلو تھی میں اُسے اچھی طرح جانتی ہوں۔فخری نے مجھے آپ کے متعلق بتایا تھا۔آپ سے غائبانہ تعارف ہے میرا۔کچھ ماہ بیشتر آپ فخری سے ملنے آئے تھے اُس نے مجھے بتایا۔''

''آپ فخری کی دوست ہیں؟''

''میں فخری کی دوست کے علاوہ اُس کی بھاوج بھی ہوں۔''

''اچھا آپ اصغر علی کی بیوی ہیں، بہت خوشی ہوئی یہ جان کر'' ڈاکٹر منیر نے خوش دلی سے کہا۔

''آپ کو کوئی ضروری کام ہے فخری سے؟''

''جی ہاں ضروری ہی سمجھئے مگر وہ کہاں ہیں اب تک نہیں آئیں؟''

''وہ چھٹی پر ہیں آج کل۔''

''ارے کوئی خاص بات؟ طبیعت تو ٹھیک ہے اُن کی......؟''

''جی ہاں بالکل......ٹھیک میں ماشاءاللہ۔چندروز ہوئے اُن کی شادی ہوگئی ہے۔وہ اپنے دولھا ڈاکٹر صفدر کے ساتھ ہنی مون منانے مری گئی ہوئی ہیں۔میرے خیال میں پندرہ دن کے بعد لوٹ آئیں گے وہ لوگ۔''

''فخری کی شادی ہوگئی؟'' ڈاکٹر منیر کے لبوں سے اچانک نکلا۔

''جی ہاں آپ تعجب کیوں کر رہے ہیں؟''

''جی نہیں تعجب تو نہیں۔یونہی کچھ سوچ رہا تھا۔''

''فرح نے دیکھا ڈاکٹر منیر کے چہرے کی جوت بجھ گئی۔اُن کی آنکھیں جو کچھ لمحے پیشتر کسی اُمید کی باعث چمک رہی تھیں، سوگوار لگنے لگی تھیں۔

وہ مضطرب ہو گئے تھے۔

فرح اُن کی کیفیت سمجھ رہی تھی۔

کچھ لمحے خاموشی میں گزر گئے۔بالآخر فرح نے کہا۔

''آپ کو کوئی مسیج (Message) دینا ہے یا اور کوئی ضروری بات۔میں فخری سے کہہ دوں گی۔''

''جی ہاں ایک مسیج (Message) ہے فخری سے کہہ دیجئے گا اُن کی دوست جو میری بہن

تھیں وہ ختم ہو گئی۔"

"ارے کب؟" فرح کو یہ سن کر شاک سا لگا۔

"تقریباً پانچ ماہ ہوئے۔ صدمہ بہت شدید تھا۔ میں جلد ادھر نہ آ سکا۔ مجھے آنے میں دیر ہو گئی ورنہ بہت پہلے سے اطلاع پہنچا چکا ہوتا۔"

"کیا ہوا تھا منیرہ کو؟"

"وہ ایک جذباتی لڑکی تھی۔ اُسے زندگی میں کوئی خوشی نہ مل سکی۔ اس کی زندگی میں نفرت مایوسی اور ذلت کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

اُسے منصور نے چھوڑ دیا تھا۔ فخری نے بھی اُس سے بات کرنا پسند نہ کیا۔ گھر پہنچی تو ابو کا انتقال ہو چکا تھا۔ یہی سب حالات تھے اُس نے خواب آور گولیاں کھالی تھیں۔ اُسے بچانے کی فوری کوشش کی گئی۔ اس وقت تو سنبھل گئی تھی مگر ایک ماہ شدید علالت میں گزرا۔ اسی دوران پتہ چلا کہ اس کے یوٹرس (uterus) میں کینسر تھا اسی وجہ سے وہ ماں بھی نہ بن سکی...... پھر بیماری کی تاب نہ لا کر ایک روز ختم ہو گئی۔"

"انا للہ وانا الیہ راجعون۔" فرح نے کہا۔ "یقین کیجیے ڈاکٹر منیر مجھے منیرہ کی وفات کا سن کر انتہائی صدمہ ہوا ہے وہ فخری کے علاوہ میری بھی دوست تھی۔ فخری سنے گی تو وہ بھی بہت محسوس کرے گی۔ خدا اُس کی مغفرت کرے اور جنت میں جگہ دے۔"

"آمین!"......ڈاکٹر منیر نے کہا۔

منیرہ کا تذکرہ کر کے ڈاکٹر منیر آبدیدہ ہو گئے تھے۔ اُنہیں منیرہ کا آخری خط بھلائے نہ بھولتا تھا۔ اور پھر اُس کی آخری خواہش۔

اُس نے لکھا تھا۔

"آپ فخری سے شادی کر لیجیے گا۔ میری موت کے بعد فخری کے لیے انکار کی گنجائش نہ رہے گی۔"

"اُن کی امی کی طبیعت بھی ٹھیک نہ تھی۔ اور اب پانچ ماہ گزار کر جب وہ فخری سے ملنے اس کے کلینک آئے تو انہیں بہت دیر ہو چکی تھی۔

صرف چند روز پیشتر فخری کی شادی ہو چکی تھی۔

زندگی اُن کے لیے بھی ایک سراب ہی تھی۔ نہ باپ زندہ رہے تھے نہ بہن۔ ماں بھی لب دم

تھیں۔

فخری بھی کسی اور کی ہو چکی تھی۔

تھکن کا احساس بہت شدید ہو گیا تھا۔

اُن کی حالت دیکھ کر فرح کو بہت رنج ہو رہا تھا مگر مجبور تھی اُن کے لیے کچھ بھی نہ کر سکتی تھی۔

کچھ دیر بیٹھ کر ڈاکٹر منیر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

فرح بھی کھڑی ہو گئی۔

ڈاکٹر منیر نے خدا حافظ کہا۔ اور تھکے تھکے قدموں سے کلینک سے باہر آ گئے۔

شام ڈھل چکی تھی۔

Pakistanipoint

سورج اب غروب ہونے کو تھا۔

سامنے بڑا سا میدان تھا۔ سورج کا سرخ گولا آہستہ آہستہ زمین کے سینے میں اُتر رہا تھا۔

Waqar

ڈاکٹر منیر نے ڈوبتے سورج کی طرف دیکھا۔

Azeem

انہیں یوں لگا جیسے چاروں طرف سرخ سرخ خون بکھر گیا ہو۔

آج اُن کا دامن بالکل خالی تھا۔

اب کوئی خواب ہوگا نہ کوئی خیال۔

تاریک راتوں میں اب کوئی جگنو چمک کر انہیں منزل کا پتہ بتانے نہیں آئے گا۔

وہ اپنی گاڑی اسٹارٹ کر چکے تھے۔

فخری کا کلینک بہت پیچھے رہ گیا تھا......اور

سورج غروب ہو چکا تھا۔

ختم شد